اس یونٹ میں تدریس (مدرسہ، اسکول، کالج وغیرہ) سے متعلق مواد پوسٹ کیا جائے گا۔

"شاباش" ایک جادو بھرا لفظ

(مکمل تین حصے)

حوصلہ افزائی کا ایک جملہ نہ صرف طالبِ علم کی زندگی میں انقلاب برپا کر سکتا ہے بلکہ استاد کے لیے بھی صدقہ جاریہ کا باعث بن سکتا ہے۔

جی ہاں! اس بات میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں۔ آیئے چند واقعات آپ کے گوش گزار کرتا ہوں۔

1- امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دن جبکہ میں چھوٹا بچہ تھا، اپنے استاد صاحب کے ساتھ بیٹھا تھا۔ تو استاذ صاحب نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری لکھائی ایسی خوش خط ہے جیسی محدثین کی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ استاد صاحب کے اس ایک جملے سے میں بہت خوش ہوا اور اس دن میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں محدث بنوں گا۔

اور آپ جانتے ہیں کہ امام ذہبی کا حدیث، جرح وتعدیل اور تاریخ میں کیا مقام ہے۔ انہیں اس مقام تک پہنچانے والا استاد صاحب کے منہ سے نکلا ہوا ایک جملہ تھا۔

2- امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھے تھے تو انہوں نے ہماری حوصلہ افزائی کرنے کے انداز میں فرمایا: تم میں سے کون ایسا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کو

کتابی صورت میں جمع کر سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا۔ اور ان کے اس جملے کے بعد میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ میں یہ عظیم الشان کام سر انجام دوں گا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے مجھے صحیح بخاری لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

جی جناب! صحیح بخاری، اصح الکتب بعد کتاب اللہ، استاد صاحب کے صرف ایک جملے کا ثمرہ ہے جو انہوں نے حوصلہ افزائی کے لیے اپنے طلبہ سے کہا تھا۔

اگر آپ کسی کام کی معاشرے میں ضرورت محسوس کرتے ہوں تو طلبہ کو اس کام پر ابھارتے رہنا چاہیے کیا معلوم انہی میں سے کوئی اس کام کو سر انجام دے دے اور یقیناً استاد کا اجر و ثواب بھی اس نیک کام میں شامل ہو گا۔

-3 امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بچپن میں میں شعر و شاعری لکھتا تھا تو ایک مرتبہ میرے استاذ نے مجھ سے فرمایا: اگر تم فقہ کی تعلیم حاصل کرو تو یہ تمہارے لیے اشعار لکھنے سے بہتر ہو گا اور یقینا اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے سے اس دین کی تجدید فرمائے گا۔

استاد صاحب کے اس جملے کے بعد امام شافعی شاعری چھوڑ کر فقہ کی جانب متوجہ ہوئے اور دین و دنیا میں مسلمانوں کے امام قرار پائے۔

یعنی امام شافعی جیسی جلیل القدر علمی شخصیت بھی استاد صاحب کے ایک جملے کا تحفہ ہیں جو انہوں نے حوصلہ افزائی کی خاطر انہیں فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مجھے امید ہے کہ اگر میرے ایک جملے سے امتِ

مسلمہ کو کوئی امام، محدث، مدرس، مقرر یا اچھا مسلمان ہی مل جاتا ہے تو یقیناً یہی ایک جملہ میرے لیے صدقہ جاریہ ہو گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ میری نجات کا باعث بھی بنے گا۔

اور اس ذات کے قہر و غضب کا ڈر بھی ہے کہ اگر میری ڈانٹ پھٹکار یا حوصلہ شکنی کی وجہ سے کوئی طالبِ علم تعلیم سے دور ہو گیا تو کہیں بروزِ قیامت یہی جملہ میری پکڑ کا باعث نہ بن جائے۔

4-پاکستان کے ایک مشہور Motivational speaker اپنی داستان سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ آٹھویں کلاس تک میں ایک نالائق طالب علم تھا جسے دھکا دے کر اگلی کلاس کے لیے پاس کر دیا جاتا تھا۔ نویں کلاس میں مجھے ایک استاد ملے جو میری طرح ہی تھے۔ انہیں ڈھنگ سے پڑھانا بھی نہیں آتا تھا۔ لیکن ان میں شاباش دینے کا ڈھنگ تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر ایسی حوصلہ افزائی کرتے تھے کہ میرا برسوں کا ٹوٹا ہوا اعتماد بحال ہونے لگا اور مجھے محسوس ہوا کہ میں بھی کچھ کر سکتا ہوں۔ یوں میری زندگی میں انقلاب آگیا اور ایک رعایتی پاس بچے نے پوزیشن لے کر سب کو حیران کر دیا۔

آپ نے دیکھا حوصلہ افزائی طالب علم کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ وہی نالائق طالبِ علم آج پاکستان کی ایک مشہور شخصیت ہیں۔

تو جناب یہ ہے شاباش کا جادو۔ لیکن اکثر لوگ اس جادو کا "منتر" نہیں

جانتے۔

ذرا تصور کیجیے ایک شخص کو شدید غصہ آیا ہو تو اس کا انداز کیسا ہو گا؟ آواز کانپتی ہو گی، الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلیں گے، آنکھوں سے گویا مخاطب کو کچا کھانے کی کوشش ہو گی وغیرہ۔ اس کے بر عکس جس طریقے سے ہم شاباش دیتے ہیں اس پر بھی غور کر لیں۔ لہجہ ڈھیلا، منہ دوسری طرف، آنکھیں کسی اور جگہ مرکوز۔ یعنی غصہ کرنے میں ہمارا پورا جسم حصہ دار بنتا ہے جبکہ شاباش دینے میں صرف زبان، بقیہ اعضاء شاباش کا ساتھ دینے سے انکاری ہوتے ہیں۔ اگر شاباش دینے میں بھی ایسا ہی انداز اختیار کیا جائے کہ آواز، الفاظ، آنکھیں، چہرے کے تاثرات سب مل کر اس کام کو سرانجام دیں تو اس کا نتیجہ کچھ اور نکلے گا۔

راقم نے جب پہلے پہل پڑھانا شروع کیا تھا تو حسبِ رواج ڈنڈے کا سہارا لیا تھا (جس کا افسوس زندگی بھر رہے گا) لیکن کچھ عرصے بعد احساس ہوا کہ اس سے بچوں میں بغاوت پیدا ہو رہی ہے۔ اور وہ سامنے تو بظاہر ادب کرتے ہیں لیکن بعد میں اس کے بر خلاف ہوتا ہے۔ یہیں سے تبدیلی کا آغاز ہوا۔ ایک ساتھی استاد کی مشورے سے ڈنڈا ترک کر کے اچھا سبق سنانے والے بچوں کو ٹافیاں انعام میں دینا شروع کر دیں (بعد میں یہ طریقہ ترک کر دیا تھا کیونکہ یہ صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں)۔ پچاس پیسے کی ٹافی کا یہ معمولی سا انعام بچوں میں بجلی بھر دیتا تھا اور دوبارہ کبھی ڈنڈا اٹھانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔

لہٰذا میری گزارش ہے کہ آپ بھی اپنے طلبہ کی حوصلہ افزائی کریں اور ڈھیلے ڈھالے لہجے میں نہیں بلکہ بھرپور طریقے سے کریں۔ جیسا کہ اس تصویر میں استاد کا طالبِ علم کو لکھا ہوا ایک خط دکھایا گیا ہے۔ اس طرح کا کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جو عرف سے ذراہٹ کر ہو کیونکہ انسانی ذہن ایسی چیز کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

عرف سے ہٹ کر شاباش دینے اور حوصلہ افزائی کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسا منفرد طریقہ ہے تو برائے کرم کمنٹ میں بتائیں تاکہ دوسرے اساتذہ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

حوصلہ افزائی کئی طریقوں سے ہو سکتی ہے بہتر ہے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو دیر تک طالبِ علم کو یاد رہ سکے۔ انعام دینا ہو تو کوئی ایسا انعام دیا جائے جسے طالبِ علم طویل عرصے تک محفوظ کر سکے۔ مثلا

1-

کوئی کتاب دینا جس پر استاذ اپنے دستخط کے ساتھ طالب علم کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرے۔

یا

کوئی شیلڈ (ضروری نہیں کہ قیمتی ہو آج کل سو دوسو روپے میں ایک شیلڈ بن سکتی ہے) یا سرٹیفکیٹ دینا جس پر ایسا ہی کوئی دعائیہ پیغام طالبِ علم کے لیے لکھا

ہو۔

یا

ایک صاف ستھرے کاغذ پر طالبِ علم کو خط لکھنا جیسا کہ گزشتہ پوسٹ میں لگائی گئی تصویر میں ایک استاذ نے اپنے شاگرد کو لکھا تھا۔

یا

بہت چھوٹے بچوں کی کلاس میں ستاروں وغیرہ کی شکل میں بنے اسٹیکر (کسی بھی کتب خانہ سے مل جاتے ہیں) بچوں کی کاپیوں، کتابوں اور قاعدے وغیرہ پر چپکا کر شاباش دی جا سکتی ہے۔ چھوٹے بچے اس سے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ چہرے پر پین سے بنانا یا رنگ کرنا (FacePainting) بعض اوقات مثلہ کی تعریف میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں پہلے علماء سے تفصیلی فتویٰ لے لیا جائے۔

2-

ہفتہ واری / ماہانہ یا کسی بھی امتحان کے بعد درجہ بندی (Ranking) کے مطابق طلباء کی نشستیں تبدیل کرنا بھی نہایت مفید ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً آپ کی کلاس میں ۲۰ طالب علم ہیں۔ تو آپ ہر نشست کو ایک نمبر لگا دیں۔ استاد کے قریب ۱ نمبر اس کے بعد ۲-۳-۴ علی ہذا القیاس ۲۰ نمبر سب سے آخر والی سیٹ پر لگے گا۔

اس کے بعد ہفتہ واری یاماہانہ ٹیسٹ کا نتیجہ آنے پر طلباء کو ٹیسٹ میں حاصل ہونے والی پوزیشن کے مطابق نشست پر بٹھایا جائے۔ یعنی اول آنے والے کو ایک نمبر پر، دوم آنے والے کو ۲ نمبر پر اسی طرح تمام طلباء اپنی پوزیشن کے مطابق نشست پر بیٹھیں گے۔

اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہر ہفتے یا مہینے ہونے والے ٹیسٹ کے بعد طلباء کی نشستوں میں کچھ نہ کچھ ردوبدل ہو گا۔ کوئی اپنی پوزیشن بر قرار رکھے گا، تو کوئی ترقی کرے گا تو کوئی تنزلی کا شکار ہو گا۔ اب استاذ کا کام ہے کہ وہ حکمتِ عملی سے ترقی پانے والے کو شاباش دے، پوزیشن بر قرار رکھنے یا تنزلی کا شکار ہونے والے کو مزید محنت پر ابھارے۔

اس طریقے سے بغیر کسی خرچ کے طلبہ کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے اور ان کے درمیان مقابلے کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں ہر طالبِ علم زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

3-

ہفتہ واری یاماہانہ ٹیسٹ میں اول آنے والے کو اگلے ٹیسٹ تک کے لیے کلاس کا مراقب (Monitor) مقرر کرنا۔

اس طرح ایک تیر سے کوئی شکار ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ بغیر کسی فارمولے کے ایک ہی طالب علم کو مستقل مراقب (Monitor) بنائے رکھنے میں بعض

اوقات بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ مثلا ایسا طالبِ علم اپنے آپ کو کوئی اونچی شے سمجھنے لگتا ہے اور خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دوسرے طلبہ نہ صرف اس طالب علم کو برا جاننے لگتے ہیں بلکہ استاذ سے بھی دور ہونے لگتے ہیں۔ مراقب (Monitor) کے انتخاب کے اس طریقے سے کوئی ایک طالبِ علم مستقل طور پر اس "منصب" پر قابض نہیں رہ سکے گا۔ اور اگر رہے گا بھی تو طلباء کو معلوم ہوگا کہ یہ کسی استاذ کا انتخاب نہیں بلکہ امتحان میں پوزیشن لینے کی وجہ سے مراقب (Monitor) بننے کا حقدار ہے۔

یہ سب محض تجاویز ہیں عین ممکن ہے کہ ایک ہی طریقہ سب جگہ مطلوبہ نتائج نہ دے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ مدرس موقع وحالات کی مناسبت سے کوئی بھی طریقہ اس کے لیے اختیار کر سکتا ہے۔

یقیناً آپ جانتے ہوں گے کہ افراط و تفریط کسی بھی کام میں فائدہ مند نہیں بلکہ معلم کائنات ﷺ کا فرمان ہے: خیر الامور اوسطہا (ہر کام میں میانہ روی اختیار کرنا ہی بہترین راستہ ہے)۔ یونہی شاباش بالکل نہ دینا یا ایسے کام پر بھی شاباش دینا جہاں اس کا موقع نہیں دونوں افراط و تفریط ہیں اور طالبِ علم کے لیے زہرِ قاتل۔

اس کو سمجھنے کے لیے چند واقعات پیش کرتا ہوں:

1-

ایک اسکول میں ایک طالبِ علم مسلسل پوزیشنیں سمیٹ رہا تھااور ہر پوزیشن پر اساتذہ، والدین اور دیگر رشتہ داروں سے حوصلہ افزائی بھی ہوتی تھی۔ وہاں کے پرنسپل صاحب نے نوٹ کیا کہ یہ بچہ اس شاباش کا عادی ہو رہا ہے اور اس کے بغیر کوئی کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ تجربہ کرنے کے لیے انہوں نے تمام اساتذہ ووالدین سے بات کی کہ کچھ عرصہ کے لیے اسے شاباش دینا بند کردیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ وہی بچہ جو گزشتہ سات آٹھ سال سے پوزیشن لے رہا تھا چند ماہ کے اس تجربے کی وجہ سے آٹھویں جماعت کے امتحان میں فیل ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلا وجہ کے شاباش کی زیادہ خوراک (Overdose) طالبِ علم کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے اور اسی ذہنی طور پر بیمار بھی کر سکتی ہے۔ اچھا ڈاکٹر وہی ہے جو مریض کی بیماری کے مطابق دوا کی مقدار کا انتخاب کرے۔ یونہی اچھا استاذ بھی وہی ہے جسے یہ معلوم ہو کہاں شاباش دینی ہے اور کہاں نہیں دینی اور کتنی مقدار میں دینی ہے۔

2-

راقم نے اپنے گھر میں بھی اس کا مشاہدہ کیا کہ میری زوجہ دونوں بچیوں کو ہر کام پر شاباش دیتی تھی۔ خوراک کی مقدار شاید زیادہ ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں بچیاں شاباش کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی تھیں مطالبہ ہوتا تھا کہ پہلے مجھے شاباش کہیں اس کے بعد کام ہو گا۔ حتی کہ اگر ایک بچی کو دوسری سے ہلکی شاباش مل گئی تو اس پر گھر میں جنگ چھڑ جاتی تھی کہ اس کو آپ نے اتنی اچھی شاباش دی اور مجھے اس طرح ڈھیلے سے لہجے میں (غور کیجیے کہ چھوٹے بچے ہمیں اور ہمارے لہجوں کو کتنا نوٹ کرتے ہیں)۔ غرض کہ شاباش کی زیادہ مقدار ہمارے لیے سر درد بن گئی اور گھر میں ہر وقت دونوں بچیوں کی جنگ چھڑی رہتی۔ آخرِ کار اس میں کمی کے بعد ہی رفتہ رفتہ حالات معمول پر آئے۔ الحمد للہ اب ایسا نہیں ہوتا۔

3-

نیز اسی طرح کا جامعہ میں ایک ایک ایسا طالبِ علم جس نے اسکول کی صرف دو تین جماعتیں پڑھیں تھیں، کمپیوٹر کے مضمون میں بڑی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ میں نے ایک مرتبہ ہفتہ واری بزم میں اس طالبِ علم کی حوصلہ افزائی کے لیے تعریفی کلمات کہہ دیے۔ جس کا اثر اس طالبِ علم نے الٹا لے لیا اور محنت کرنا چھوڑ دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس طالبِ علم نے آئندہ امتحان میں کمپیوٹر کے پرچے میں نہایت کم نمبر لیے۔

لہٰذا شاباش اور حوصلہ افزائی ضرور کریں لیکن اس دوران طلبہ کے رویوں پر نظر رکھنے کی بھی ضرورت ہے کہ کہیں یہ عمل ان کے لیے خودپسندی کا باعث تو نہیں بن رہا۔ جہاں ایسا محسوس کریں وہاں حکمتِ عملی میں کچھ تبدیلی ضروری ہو جاتی ہے۔

اسلام علیکم! جناب حضرت علامہ مولانا قمر نورانی صاحب

آج مجھے سکول میں پتہ چلا ہے کہ آپ نتھے خالصہ میں ایک مسجد میں بیان کرنے کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ یقین جانیں یہ سُن کر بہت دِلی خوشی ہوئی کہ آپ ایک بہت بڑے عالم اور مقرّر بن گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ [illegible]

والسلام
آپ کا استاد یعقوب شاہ
(0334-4124223)

آپ میرے پاس 2002-2003 میں ینگ سکالرز ہائی سکول کھڈیاں روڈ مگر میں پڑھتے رہے ہیں۔ آپ کا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا لیکن میں اس کا نام بھول گیا ہوں شاید فخر نورانی تھا لیکن پکا یاد نہیں۔ میں اس وقت گورنمنٹ ہائی سکول نتھے خالصہ میں SST ڈپٹی ہیڈ ماسٹر ہوں۔

[اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

کاغذ کی ٹوپیاں

تحریر۔ محمد صہیب فاروق

آج جونہی کلاس روم میں داخل ہوا تو کچھ طلبا کرام نے کاغذ سے بنی ہوئی مختلف قسم کی ٹوپیاں پہنی ہوئیں تھیں خیال آیا کہ ان کو اس پر سرزنش کروں کن فضولیات میں مشغول ہیں لیکن کاغذ کی بنی سادہ ٹوپیاں پہنے طلبا کے چہروں پر عجیب سی بشاشت تھی جس کے پیچھے کار فرما تخلیقی ذہن کی طرف سوچ گئی تو میں کِھل اٹھا کہ یہ بھی تو ایک Talent اور آرٹ ہے جس کی حوصلہ شکنی کی بجائے حوصلہ افزائی کرنا چاہیے چنانچہ میں نے اعلان کیا کہ جن جن بچوں نے کاغذ کی ٹوپیاں پہنی ہیں وہ کلاس سے باہر آجائیں یہ سننا تھا کہ ان پر سکتہ طاری ہو گیا کہ نہ جانے ابھی ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے استاد جی سزا دیں گے خیر وہ سب ایک لائن میں سر جکائے کھڑے ہو گئے میں نے تھوڑے کرخت انداز میں پوچھا کس

نے بنائی ہیں یہ کاغذ کی ٹوپیاں توسب کی نگاہیں اورانگلیاں جماعت کے ایک قدرے متوسط ذہن کے طالبعلم کی طرف تھیں اس کے تو گویاپاؤں سے زمین نکل گئی۔میں نے اس طالبلم کی طرف دیکھا اسے اپنے پاس بلایا وہ بھاری پاؤں میری جانب چلنے لگا تو میں نے کرخت لہجے میں پوچھا اس کام کے لیے گھر سے آتے ہو کیا؟اور یہ کہتے ہی میں نے طلبا کو اس طلبعلم کی حوصلہ افزائی کے لیے بھرپور تالیاں بجانے کو کہا جس پر تمام طلبا نے انتہائی پرجوش انداز میں اپنے ساتھی کے لیے تالیاں بجائیں اس طالبعلم کا چہرہ کِھل اٹھا اسے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس نے بہت بڑی ایجاد کی ہو۔

اس کے بعد طلبا کو مخاطب کرتے ہوئے میں نے کہا دیکھو بیٹا آپ کو اللہ تعالی نے ایک بہت بڑی خوبی سے نوازاہے آپ مستقبل میں ایک اچھے آرٹسٹ ودستکار بن سکتے ہو جس طرح آپ نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر محنت کرکے اسے ایک خوبصورت کیپ ٹوپی کی شکل دے دی اگر آپ اپنی صلاحیتوں کو بھرپور استعمال کرو تو آپ ساری جماعت سے آگے نکل سکتے ہو وہ طالبعلم میری باتوں کو بڑی توجہ سے سن رہا تھا میں نے اپنی بات مکمل کی تو وہ کہنے لگا سر میں ان شاء اللہ آئندہ خوب محنت کروں گا اورایک اچھا طالبلم بن کر دکھاؤں گا میں نے اسے شاباش دی اورانعام سے نوازا تمام طلبا نے ایک بار پھر اس کے لیے خوب تالیاں بجائیں۔

ہمارے گردوپیش ایسے سینکڑوں تخلیق اذہان ہیں جن کی حوصلہ افزائی کے ذریعے ہم انہیں کامیاب انسان بنا سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ہمیں اپنی سوچ کو مثبت رکھنا ہوگا

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

تعلیم بذریعہ سرگرمی

یعنی کسی سرگرمی کے ذریعے تعلیم دینا۔ عربی میں اسے " التعلم من خلال النشاطات "اور انگریزی میں "Activity Based Learning" کہتے ہیں۔
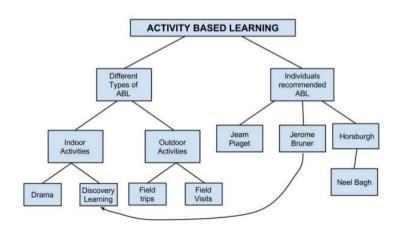
زمانہ طالبِ علمی عموماً وہ عمر ہوتی ہے جس میں انسان کی فطرت میں مہم جوئی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ ذہن میں چھپا تجسس اشیاء کو کھوجنے پر ابھارتا ہے۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنے کا من چاہتا ہے۔

یقیناً اساتذہ بھی اس دور سے گزرے ہیں۔ لٰہذا میں گزارش کروں گا کہ تحریر پڑھتے ہوئے اپنے زمانہ طالب علمی کو ذہن میں رکھیے۔

خود کو سامنے رکھ کر سوچیں، اگر اس دور میرے اوپر غیر فطری پابندیاں

عائد کر دی جاتیں، اور مجھے ربوٹ جیسی ایک شے سمجھ کر پڑھایا جاتا تو میرا کیا حال ہوتا؟

چھوٹے بچے ٹھہراؤ اور ایک جگہ ٹکے رہنے کو ناپسند کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کمرہ جماعت میں طلبہ کا دل نہیں لگتا۔ اور جیسے ہی انہیں وہاں سے نکلنے کا موقع ملتا ہے ان کی خوشی کو کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ کمرہ جماعت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ڈسپلن کے نام بے جا سختی اور ادب کے نام پر خوف کو پڑھائی کا حصہ بنادیا جائے کمرہ جماعت کا جزوِ لاینفک بنادیا جائے۔

بچوں کی اسی نفسیات کے پیشِ نظر تعلیم بذریعہ سرگرمی (Activity Based Learning) ایک نہایت مؤثر طریقہ کار ہے۔ اس کی ایک جھلک آپ نے اس موضوع پر گروپ میں کی گئی گزشتہ پوسٹ میں دیکھی تھی۔

طلبہ اپنی کم عمری اور طبیعت کی بے چینی کی وجہ سے استاد کی لمبی تقریر سے بور ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں۔ ایسے میں اگر انہیں کلاس سے باہر یا تعداد کم ہونے کی صورت میں کلاس کے اندر ہی کسی معیاری تعلیمی سرگرمی کا حصہ بنا دیا جائے تو ان کی یہ بوریت دور ہو جاتی ہے اور وہ بڑے شوق سے پڑھنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

لیکن اس عمل میں کچھ امور کا خیال رکھنا ضروری ہے، مثلاً:

۱. سب سے ضروری چیز پہلے سے منصوبہ بندی کرنا ہے۔ سرگرمی

(Activity) کے لیے استاذ پہلے سے اپنے آپ کو تیار کرے اور ایک ایک طالبِ کا کردار ذہن نشین کر لے کس کو کون سا کام سر انجام دینا ہو گا، یہ عمل کس جگہ پر سر انجام دیا جائے گا، وغیرہ۔ نوٹس کی صورت میں لکھ لینا زیادہ بہتر ہے۔

۲ . اس کے بعد طلبہ کو سر گرمی کی غرض وغایت سے آگاہ کرنے اور حصہ لینے والے طلبہ کو معلومات فراہم کرنے کی باری آتی ہے۔ سر گرمی سے پہلے ان طلبہ کو تفصیلاً ان کے کردار سے آگاہ کریں اور ضرورت ہو تو تربیت بھی۔ سر گرمی میں حصہ لینا ہر طالبِ کی خواہش ہوتی ہے لہٰذا کسی ایسی سر گرمی کا انتخاب کیا جائے جس میں تمام طلباء حصہ لے سکیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو بھی چند مخصوص طلبہ کو ہر سر گرمی کا حصہ بنانا دوسرے طلبہ کو بد ظن کرنے کا باعث ہو گا۔ لہٰذا اس موقع پر طلبہ پر گہری نظر رکھیں۔ مناسب ہو تو تمام طلبہ کو یہ ضرور کہیں کہ جو رہ گئے ہیں انہیں اگلی مرتبہ موقع دیا جائے گا۔ نیز کچھ شرمیلی طبیعت کے حامل طلبہ راہِ فرار کی کوشش کریں گے ان کا حوصلہ بڑھا کر انہیں اس عمل کا حصہ بننے پر آمادہ کرنا بھی استاذ کی ذمہ داری ہے۔

۳ . سر گرمی کے دوران اگر کوئی سازوسامان درکار ہو تو اس کی لسٹ پہلے سے بنانا اور بر وقت دستیابی کو یقینی بنانا۔

۴ . سر گرمی کے دوران طلبہ میں جوش و خروش اور خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ ایسے میں استاذ کو بھی اپنا رویہ ایسا ہی رکھنا چاہیے۔ اس دورن سختی یا مار پٹائی آپ کی

ساری محنت پر پانی پھیر سکتی ہے۔ بلکہ جتنا ممکن ہو حوصلہ افزائی، تعریف اور ستائش سے کام لیں۔

۵ . تکمیل کے بعد طلبہ سے الگ الگ رائے لیں کہ آپ کو یہ عمل کیسا لگا؟ طلبہ زیادہ ہونے کی صورت میں شاید آپ کو یہ مشکل اور وقت طلب معلوم ہو تو زبانی کے بجائے تحریری صورت میں اپنے اپنے رائے تحریر کرنے کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے۔ چھوٹے بچوں میں زبانی اور متوسط یا بڑی کلاسوں میں تحریر رائے لینا زیادہ مفید ہو گا۔ بہر حال اس کا فیصلہ استاذ حالات کے مطابق کر سکتا ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ درسِ نظامی میں ہم تعلیم بذریعہ سرگرمی (Activity Based Learning) کو کیسے استعمال میں لا سکتے ہیں؟

۱ . اہم اسباق کے رنگ برنگے چارٹ بنوا کر کلاس میں آویزاں کرنا جس پر طالبِ علم کا نام بھی نمایاں ہو۔ چارٹ کے علاوہ کارڈ بورڈ (Card Board) وغیرہ کی مدد سے مختلف ماڈل بنانا بھی اس کا حصہ ہے۔ مثلاً حج بیت اللہ پر کوئی سبق گزرا ہو تو خانہ کعبہ کا ماڈل بنوانا۔ سیرت کا کوئی سبق گزرا ہو تو روضہ رسول کی شبیہ بنوانا وغیرہ۔ چارٹ، کارڈ بورڈ اور ڈرائینگ میں استعمال ہونے والی مختلف اشیاء کے لیے کسی ڈرائینگ کے استاذ سے رہنمائی لینا نہایت مفید ثابت ہو گا۔ نیز جاندار کی تصاویر وغیرہ بنانے کے شرعی حکم سے طلبہ کو آگاہ کیا جائے۔

۲ . سبق کے کسی خاص حصے، تاریخی واقعے یا کسی کردار کی تمثیل نگاری طلبہ

سے کروانا۔ جیسا کہ بچا کے لطائف یا پند و نصائح پر مشتمل درسی کتب میں مذکور مختلف واقعات وغیرہ۔

۳ . کسی مسئلے کو سمجھانا۔ بلکہ طہارت، نماز، جماعت جیسے روزمرہ کے اہم امور کو عملی طور پر ہی سمجھانا مفید ہو گا۔ مثلاً وضو سکھانے کے لیے کلاس کو وضو خانے پر لے جائیں پہلے خود عملاً وضو کر کے دکھائیں پھر طلبہ سے باری باری کروائیں۔ اس دوران تمام طلبہ کو چوکس رکھیں کہ اگر کوئی غلطی کرے تو اس کی نشاندہی کریں۔

یونہی نماز کا طریقہ، مختلف نمازوں کی دوسری، تیسری، چوتھی رکعت میں شامل ہو کر مکمل کرنے کا طریقہ، نماز جنازہ، غسلِ میت وغیرہ غرض سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن کو ان طریقوں سے پڑھایا جاسکتا ہے۔

۴ . نور الایضاح یا اس درجے کے کوئی بھی کتاب پڑھنے کے بعد طلبہ کو ہفتے میں کم از کم ایک دن دار الافتاء میں لے جایا جائے۔ ہفتے میں کم از ایک سوال ایسا دیا جائے جسے طلبہ اپنی صلاحیت سے کتب سے تلاش کر کے لکھیں۔ ابتداء عبادات سے متعلق سوالات دینا زیادہ مفید ہو گا۔

شروع میں کچھ عرصہ اردو فتاویٰ سے مسائل نکلوائیں اس کے بعد اس پر پابندی لگا دی جائے اور صرف عربی کتب سے حوالہ جات تلاش کروائے جائیں۔

اس سے طلبہ کے اعتماد میں اضافہ ہو گا، عربی عبارت کی تفہیم بہتر ہو گی اور

فراغت تک فتویٰ نویسی کی خاصی مشق بھی ہو چکی ہو گی۔

۵ . بحث مباحثہ (Debate) ۔ جامعات میں ہفتہ واربزم میں طلبہ کو تقریر کی مشق کروائی جاتی ہے وہ بھی اسی عمل کا حصہ ہے۔ لیکن بحث مباحثہ عموماً نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ بھی ایک عالمِ دین کے لیے ضروری ہے اور اس سے اعتماد میں حد درجہ اضافہ ہوتا ہے۔

البتہ اس کے لیے اصولی مسائل کے انتخاب کی اجازت علماء کرام شاید نہ دیں (فتویٰ لے لیا جائے) لیکن فروع مسائل میں اسے اختیار کرنے میں میرے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں یہ ضرور کرنا چاہیے کہ آخر میں کوئی سینئر استاذ مفتیٰ بہٖ قول پر مختصر تقریر کردے۔

ہماری کلاس میں "قلن" کی تعلیل پر استاذ صاحب نے مباحثہ کروایا تھا۔ جو تقریباً ۲ گھنٹے تک جاری رہا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی فقہی مسئلے کے انتخاب میں نزاع کا ڈر ہو تو بھی بحث مباحثہ کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ صرف ونحو وغیرہ دیگر فنون سے بھی انتخاب کیا جاسکتا ہے۔

۶ . تلاوت، نعت خوانی، تقریر، تحریر، شاعری وغیرہ کے مقابلے منعقد کیے جائیں۔ اس میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان امور کی تیاری طلبہ پر نہ چھوڑی جائے بلکہ اساتذہ کی زیرِ نگرانی ہونی چاہیے۔ نیز اگر یہ مقابلہ ادارے کی حدود میں ہے تو مقابلے کے بعد ایک سینئر استاذ طلبہ کو ان کی اغلاط سے آگاہ کرے جو انہوں نے

تلاوت، نعت تقریر وغیرہ کی دوران کی ہوں۔

۷ . مختلف مذہبی اور قومی تہوار شریعت کے دارئرے میں رہتے ہوئے منائیں اور ان کے مطابق مختلف سرگرمیوں کا انتخاب کریں۔ مثلاً یومِ آزادی قومی پرچم کے ساتھ جامعہ آنا وغیرہ۔

۸ . مختلف ادارے اسکولوں میں بچوں کو تربیت فراہم کرتے ہیں۔ جامعات میں بھی یہ سلسلہ شروع ہونا چاہے۔ مثلا

فائر بریگیڈ کے دفتر میں کسی افسر سے رابطہ کریں اور آگ بجھانے کے طریقوں سے طلبہ کو آگاہی دلوائیں۔

کسی ڈاکٹر کو جامعہ میں دعوت دیں اورابتدائی طبی امداد (First Aid) پر لیکچر دلوایں۔ مثلا گھر میں کسی کو دل کا دورہ پڑ جائے گھر میں کوئی بڑا نہ ہو تو ایک بچہ یا درمیانی عمر کا لڑکا کیا کر سکتا ہے؟

ٹریفک پولیس سے کسی کو دعوت دی جاسکتی ہے جو طلبہ کو روڈ پار کرنے، اور ٹریفک قوانین سے آگاہی دے۔

غرضیکہ اس طرح کے بیسیوں موضوعات ہو سکتے ہیں پر باہر سے کسی کو دعوت دے کر طلبہ کی تربیت کی جاسکتی ہے۔

چونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو اب تک جامعات میں رائج نہیں تو ممکن ہے کسی کو اس پر اعتراض ہو۔ اس لیے پیش بیتی کے طور پر اس کا جواب دینا ضروری ہے۔

سوچیں اگر کسی جگہ خدانخواستہ آگ لگ جائے اور آپ کی جامعہ سے تربیت یافتہ ایک طالب اس موقع پر کوئی حکمتِ عملی اختیار کرلیتا ہے مثلا بروقت فائر بریگیڈ کو فون ہی کر دیتا ہے تو کتنے افراد کی جان ومال محفوظ ہوگی؟ نیز آپ کی جامعہ کا نام بھی روشن ہوگا۔

اور اگر آپ ایسے پروگرام کو سوشل میڈیا وغیرہ کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو مدارس واہلِ مدارس کو "نکما" سمجھنے کہنے والون کی زبانیں بھی خاموش ہوں گے۔ غرض فوائد کثیر ہیں جن کے لیے ایک الگ مضمون درکار ہوگا۔

[اس تحریر پر تبصرے یاسوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

✧✧✧✧✧

تعلیم بذریعہ سرگرمی

(Activity Based Learning)

ہمارے ہاں ایسے اسباق سیٹ پر بیٹھے بیٹھے کیوں پڑھائے جاتے ہیں؟

ایک عرب ملک میں ایک اسکول میں اُستاد بچوں کو وُضو کرنے کا طریقہ سکھا رہا ہے

مسلمان والدین اور اسکول اساتذہ کو بچوں کو غسل، وضو اور نماز کا طریقہ ضرور سکھانا چاہیے

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

اختبر نفسک

(Test Yourself)-یعنی خود آزمائی

کلاس ٹیسٹ کی اہمیت اور امتحانات کی تیاری

ہفتہ واری یا ماہانہ کلاس ٹیسٹ ہوں یا سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ امتحانات، تیاری کے لیے خود آزمائی ایک بہترین طریقہ ہے۔پہلے اس کا طریقہ کار سمجھ لیں پھر اس کے فوائد کا جائزہ لیتے ہیں۔

فقط تحریر پڑھنے سے ممکن ہے آپ کو یہ مشکل لگ رہا ہوں لیکن پریشان نہ ہوں درجہ اعدادیہ کے وہ بچے جنہیں اردو بھی درست لکھنا پڑھنا نہیں آتی، کامیابی سے اس عمل کو سرانجام دیتے ہیں۔پوسٹ کے ساتھ لگی دونوں تصاویر درجہ اعدادیہ کے ایک ایسے ہی طالب علم کے ٹیسٹ کی ہیں۔طلبہ نے خود ہی بنایا اور خود ہی چیک کیا۔لہٰذا ہمت باندھیں اور عمل شروع کریں اللہ تعالیٰ کے کرم سے آسانی ہی ہو گی۔

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

طریقہ کار

1-تعلیمی مواد کی مقدار کا جائزہ لے کر امتحانات سے مناسب وقفے دے کر درس بند کر دیں۔مثلاً ۳۵ اسباق ہیں اور طلبہ آسانی سے ۵ اسباق کی روزانہ تیاری

کر سکتے ہیں تو ۳۵ کو ۵ پر تقسیم کرنے سے ۷ جواب آیا۔ یعنی تقریباً ایک ہفتہ قبل درس بند کر کے امتحانات کا آغاز ہو گا۔

-2 طلبہ کو پرچے بنانے کا طریقہ سمجھائیں۔ مثلا پہلا سوال دس نمبر کا ہو گا جس میں دس الفاظ معانی ہوں گے۔ دوسرا پانچ نمبر کا ہو گا جس میں پانچ خالی جگہیں پر کرنی ہوں گی۔ یوں حسبِ منشا سوالات کا نمونہ بنا کر طلباء کو دے دیا جائے۔ (گھبرائیں نہیں! دو تین مرتبہ مشکل ہو گی پھر طلبہ خود سے بنا لیتے ہیں، آزمودہ نسخہ ہے)

-3 اس کے بعد دو دو کے گروپ میں طلبہ کو تقسیم کر دیا جائے۔ ہر طالب علم منتخب اسباق میں سے دیے گئے پیٹرن کے مطابق ایک سوالیہ پرچہ دوسرے طالب علم کی کاپی پر بنائے گا۔ (مثلا زید اور بکر پر مشتمل گروپ ہے زید بکر کی کاپی پر اور بکر زید کی کاپی پر سوالیہ پرچہ بنائے گا)

-4 پرچہ بنانے کے بعد ہر طالب کو اس کی کاپی واپس ملے گی اور وہ دوسرے ساتھی کا بنایا ہوا پرچہ حل کرے گا۔

-5 پرچہ حل کرنے کے بعد چیک کرنے کے لیے اسی ساتھی کو دے دی جائے گی جس نے پرچہ بنایا تھا۔ مثلا زید نے بکر کی کاپی پر سوالیہ پرچہ تیار کیا تھا تو زید ہی اسے چیک کرے گا اور نمبر بھی لگائے گا۔ یونہی بکر نے زید کی کاپی پر سوالیہ پرچہ بنایا تھا بکر ہی اسے چیک کرے گا اور نمبر بھی لگائے گا۔

6-نمبر لگانے کے بعد دونوں پرچے استاذ کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ استاذ ایک نظر دیکھ کر حوصلہ افزائی کرے گا۔ جہاں کہیں سوال بنانے، جواب دینے یا چیکنگ میں غلطی ہو گی اس کی نشاندہی کر کے درستگی کرے گا۔

7-اسی طریقہ کار کے مطابق روزانہ چند اسباق کا ٹیسٹ لیتے رہیں۔

فوائد

1-طالبِ علم رٹو طوطا بننے کے بجائے عملی طور پر امتحان دینے کا عادی ہو جاتا ہے۔

2-پرچہ کیسے لکھا جاتا ہے؟ سرخیاں کس طرح لگائی جاتی ہیں؟ کس جگہ کون سا رنگ استعمال کرنا ہوتا ہے اس کی تربیت عموما مدارس میں نہیں ہوتی، اور نہ ہی نصاب کی کثرت اس کا وقت دیتی ہے۔ کلاس میں امتحان لیتے رہنے سے طالب علم پرچے کے ڈیزائن سے اچھی طرح واقف ہو جاتا ہے۔ جیسے زیر نظر تصاویر میں پہلے ٹیسٹ میں طالب علم نے پورے پرچے میں کچی پینسل کا استعمال کیا جبکہ اس کے بعد سمجھانے پر مارکر سے سرخیاں لگائیں، سوالات کو سیاہ پین سے اور جوابات کو نیلے پین سے لکھا۔ رفتہ رفتہ اس میں مزید بہتری آتی رہے گی۔ اس طرح کا پرچہ ممتحن پر پہلی نظر میں ہی اچھا تاثر چھوڑتا ہے۔

3-کلاس ٹیسٹ کی برکت سے طالبِ علم کو تیز اور صاف ستھرا لکھنے کی مشق رہتی ہے۔

4-دیکھا گیا ہے کچھ طلبہ ابتدائی سوال پر ہی سارا وقت صرف کر دیتے ہیں اور بعد والے سوالات کے لیے وقت نہیں بچتا۔ لیکن بار بار ٹیسٹ کی بھٹی سے گزرا ہوا طالب علم اس معاملے میں کندن بن چکا ہوتا ہے اور اسے مقررہ وقت میں تمام سوالات کے جوابات لکھنے کا ڈھنگ آجاتا ہے۔

5-درسِ نظامی کے اساتذہ کے مشاہرے اتنے نہیں ہوتے کہ وہ اضافی وقت دے کر ٹیسٹ کے لیے پرچے بنائیں اور چیک کریں۔ اسی وجہ سے اکثر اساتذہ اہمیت سے واقف ہونے کے باوجود کلاس ٹیسٹ لینے سے گھبراتے ہیں۔ اس لیے یہ کام کلاس میں طلبہ سے کروائیں کیونکہ مقصد دہرائی کروانا ہے۔ اس عمل سے طلبہ کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا اور استاذ کے بغیر امتحان کی تیاری کرنے کا طریقہ بھی آجائے گا۔ ہفتہ واری اور ماہانہ ٹیسٹ کے لیے بھی میں یہی طریقہ استعمال کرتا ہوں۔

6-اکثر کسی طالب علم نے کوئی مسئلہ غلط سمجھا ہوگا، یا درست بیان کرنا نہیں آیا، یا کچھ الفاظ کو غلط لکھنے کی عادت تھی اس طرح کی بہت سی اغلاط کلاس میں ہی درست ہو جاتی ہیں۔ اکثر کلاس میں ٹیسٹ نہ لیا جائے تو یہ تمام اغلاط طالبِ علم کا پیچھا ساری زندگی نہیں چھوڑیں گے۔ جیسے کہ زیرِ نظر تصاویر میں ایک بچے نے چھت کو چت لکھا ہے۔ ایسی بہت سے اغلاط کلاس ٹیسٹ کے ذریعے کسی بڑے امتحان میں شرکت سے پہلے ہی درست ہو جاتی ہے۔

7-طالبِ علم بار بار ٹیسٹ کے عمل سے گزر کر امتحان کا عادی ہو جاتا ہے اور پرچہ دیتے وقت کسی قسم کی گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار فوائد آپ کو اس وقت نظر آئیں جب آپ عملا اس طریقہ کا تجربہ کریں گے۔

ضروری نوٹ ۱:

گروپ بنانا تجویز ہے ضروری نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طالبِ علم خود ہی کتاب کھول کر پہلے پرچہ بنائے اور بعد میں کتاب بند کر کے اسے حل کرے۔ ممکن ہے کچھ اساتذہ اس سے متفق نہ ہوں کہ خود پرچہ بنا کر خود حل کرنے کا فائدہ؟ لیکن گزارش ہے کہ اس کو دو تین مہینے آزمائیں، عام تعلیمی ایام میں ہر ہفتے، اور امتحانات سے پہلے روزانہ اس کے مطابق ٹیسٹ لیں، آپ کو اپنے سوال کا جواب اس تجربے سے مل جائے گا۔ (بلکہ اس طریقہ کار کی اصل یہی ہے کہ طالبِ علم خود پرچہ بنائے اور خود حل کرے، اپنے تجربے کی بنا پر گروپ والے طریقہ کار کو پہلے لکھا ہے)

ضروری نوٹ ۲:

اگر آپ کے طلبہ "ڈیڑھ ہوشیار" ہیں اور ہفتہ واری ٹیسٹ کو اہمیت نہیں دے رہے تو ٹیسٹ کے نمبر فیصد نکال کر سالانہ امتحانات میں شامل کر دیں۔ مثلا سوالیہ پرچہ ۷۰ نمبر کا بنائیں۔ جس میں سے ۱۵ نمبر گزشتہ دیے گئے کلاس ٹیسٹوں

کی فیصد نکال کر دیے جائیں۔ اور ۱۵ نمبر ہر مضمون کی کاپی بنانے اور بروقت مکمل کرنے کے (اس پر الگ سے ایک مضمون لکھیں گے)۔ یوں کل ۱۰۰ نمبر ہوں گے۔ اب کامیابی کے نمبر ۳۳ کے بجائے (مثلا) ۶۰ مقرر کر دیں۔ اگر ایک طالب علم تمام ٹیسٹوں میں پورے نمبر لیتا ہے اور کاپی بھی بروقت مکمل کر لیتا ہے تو اسے 15+۱۵ پورے ۳۰ نمبر ملیں گے۔ امتحانی پرچہ سے مزید ۳۵ یا ۴۰ نمبر بھی لے لیتا ہے تو کامیاب قرار پائے گا۔

یاد رکھیں! ۷۰ نمبر کے پرچے والا حربہ نفسیاتی ہے پرچے کی مقدار وہی رہتی ہے جو ۱۰۰ نمبر کے پرچے میں ہوتی ہے، صرف سوالات کے نمبر کم کر دیے جاتے ہیں، مثلا ۱۰ نمبر والے کے ۷ نمبر شمار کیے جاتے ہیں۔ مقصد طالبِ علم کو یہ باور کرایا جائے کہ کلاس ٹیسٹ کے نمبر اور کاپی کے نمبر کی مدد سے وہ مفت میں ۳۰ نمبر حاصل کر لے گا۔ جبکہ بقیہ صرف ۳۰ نمبر کے لیے محنت کر کے امتحان میں پاس ہو سکتا ہے۔

اگر آپ اس پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ پرچہ وہی ۱۰۰ نمبر کا ہے کاپی اور ٹیسٹ کی اہمیت دلانے کے لیے اسے پرچے کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ یعنی ہاتھ گھما کر کان کو دوسری جانب سے پکڑا گیا ہے۔

امتحانات قریب ہونے کی وجہ سے روزانہ کلاس ٹیسٹ کا سلسلہ مذکورہ طریقے کے مطابق جاری ہے

درجہ اعدادیہ کے ایک طالب علم کا بنایا ہوا پرچہ جسے دوسرا طالب علم حل کرے گا

۱۰ تا ۱۱
نیست طریقہ جدیدہ سبق نمبر

① الفاظ معنی الفاظ معنی

① محفظتک ⑥ عم
② تلک ⑦ خالۃ
③ وذاک ⑧ أخت
④ یدان ⑨ أخ
⑤ عینان ⑩ سادۃ

② اردو عربی:

① ید ⑥ سیدھا
② سر ⑦ میں
③ اولنا ⑧ گھر
④ کندہ ⑨ خرگوش
⑤ تیری جیب ⑩ میری آنکھیں،

سوال نمبر ③ خالی جگہ پر کریں:

② یس سیارۃ،
③ عندہ ...... کتاب،
④ قریب الشجرۃ جداً،
⑤ أضع یدي حبیبي،
⑥ ضع یدک الیمنی یدک الیسری،

④ عربی کی اردو،

① ضع یدک علی الکتاب،
② أین عینک الیسری،
③ والد رجل کریم،
④ لمن هذه المحفظة:
⑤ وهو جد عائشة،

⑤ سوالات کے جوابات،

① أین یدہ؟

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

یاد کرنے میں دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں
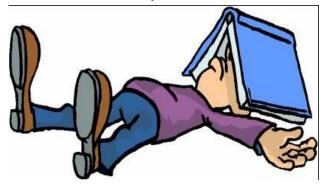
موبائل یا کمپیوٹر کی میموری کی مثال لیں جتنا زیادہ ڈیٹا میموری میں ہوتا ہے اسی قدر موبائل یا کمپیوٹر پر بوجھ بڑھ جاتا ہے۔یہی حال انسانی ذہن کا بھی ہے۔ جس قدر الفاظ زیادہ ہوں گے ذہن پر بوجھ بڑھے گالہذا یاد کرنے کے لیے ہمیشہ اسباق کا خلاصہ بنائیں اور غیر ضروری الفاظ سے اجتناب کریں۔ یہ کوئی جدید تھیوری نہیں بلکہ درسِ نظامی میں پہلے سے موجود ہے۔ متن لکھنے میں الفاظ کا انتخاب ناپ تول کر کیا جاتا ہے کیونکہ متن یاد کرنے کی غرض سے لکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس شرح میں تفصیل ہوتے ہے کیونکہ وہ یاد کرنے کے لیے نہیں بلکہ سمجھنے کے لیے لکھی جاتی ہے۔

اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھیے، اور ایک کہانی پڑھیے:

"ایک مرتبہ کا ذکر ہے ایک جنگل میں کچھوا اور خرگوش رہتے تھے۔ خرگوش ہر وقت کچھوے کو سست رفتاری کے طعنے دیتا تھا۔ ایک دن کچھوے نے اسے دوڑ

لگانے کا چیلنج کر دیا۔ ایک وقت مقرر ہوا اور دونوں دوڑ لگانے کے لیے ایک جگہ آن کھڑے ہوئے۔ دوڑ شروع ہوئی اور خرگوش دو تین چھلانگیں لگا کر یہ جا وہ جا۔ کچھوا دھیرے دھیرے چلتا رہا۔ کچھ دور جا کر خرگوش نے پیچھے دیکھا تو دور دور تک کچھوے کا نام نشان دکھائی نہ دیا۔ اس نے سوچا کچھ دیر آرام کر لوں ابھی تو کچھوا بہت پیچھے ہے۔ خرگوش سو گیا اور کچھوا دھیرے دھیرے چلتا خرگوش کو سوتا چھوڑ کر منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔ خوگوش جب جاگا تو پیچھے دیکھا، کچھوا کا ابھی تک کوئی اتا پتا نہ تھا۔ اس نے دوڑ لگائی اور مقررہ مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ کچھوا پہلے سے وہاں موجود ہے۔ خرگوش بہت شرمندہ ہوا۔"

اس کہانی میں تقریبا ۱۵۰ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مطلب اگر اسے روایتی رٹا لگا کر لفظ بہ لفظ یاد کرنے کی کوشش کی جائے تو دماغ کی میموری میں ۱۵۰ الفاظ گھسیڑنے ہوں۔ ایک کہانی کی حد تک تو یہ آسان محسوس ہو گا لیکن آپ اسے دو تین سو صفحات کی کتاب پر قیاس کریں تو مشکل کا درست اندازہ ہو سکے گا۔

اب ہم اس کہانی کو ایک دوسرے طریقے سے یاد کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اس کہانی میں ان باتوں پر نشان لگائیں جن کے بغیر کہانی مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ کچھ یوں ہوں گی:

ایک کچھوا اور خرگوش۔ دونوں میں دوڑ لگتی ہے۔ خرگوش سو جاتا ہے۔ کچھوا مستقبل چلتا رہتا ہے اور جیت جاتا ہے۔

لیجیے جناب ۱۵۰ الفاظ کی کہانی صرف ۲۰ الفاظ میں سما گئی۔ یوں ذہن پر ۱۵۰ کے بجائے صرف ۲۰ الفاظ کو بوجھ پڑے گا۔ اور چونکہ طالب علم اصل کہانی پہلے سے پڑھ چکا ہے تو ان ۲۰ الفاظ سے دوبارہ ۱۵۰ الفاظ لکھنا اس کے لیے مشکل نہ ہو گا۔ بلکہ اگر اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ہوا تو ممکن ہے زیادہ ہے لکھ ڈالے۔

اگر اساتذہ پیریڈ کے آخری پانچ منٹ سبق کا خلاصہ لکھنے کے لیے نکال لیں تو طلبہ کو ہفتہ واری ٹیسٹ یا امتحانات کی تیاری میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئے گی۔ اس عمل کو اگر روزانہ کی روٹین میں شامل کر لیا جائے تو ابتداء کچھ عرصہ استاذ کو محنت کرنا ہو گی اس کے بعد رفتہ رفتہ طلبہ خود بھی سبق کا خلاصہ نکالنے کے عمل میں طاق ہو جاتے ہیں۔

ضمنی فائدہ

مضمون نویسی یا مقالہ نویسی کے لیے بھی اس طریقے کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آپ نے کہیں سے مواد لینا ہو تو اس کا بھی اسی طریقے سے خلاصہ بنائیں پھر اپنے الفاظ میں لکھ لیں۔ گوگل یا کمپیوٹر بھی نہیں بتا سکیں گے کہ یہ مضمون آپ نے کہیں اور سے لیا ہے کیونکہ اب وہ آپ کے اپنے الفاظ میں ڈھل چکا ہے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

سن اور تاریخ یاد رکھنے کا طریقہ

مطالعہ پاکستان کا پرچہ تنظیم المدارس کے امتحانات میں بھی شامل ہے۔ تاریخ پڑھتے ہوئے سب سے زیادہ مشکل سن اور تاریخ یاد رکھنے میں پیش آتی ہے۔ خاص طور پر پرچہ دیتے وقت ذہن میں تمام تاریخیں اس طرح گڈمڈ ہو جاتی ہیں کہ دیوار میں سر مارنے کو جی چاہتا ہے (یہ بات ابھی تحقیق طلب ہے کہ اپنا یا تاریخ دانوں کا)

خیر آج ہم اس کے لیے ایک دیسی طریقہ آپ کو بتانے جا رہے ہیں۔ یقیناً آپ کو یاد ہو گا کہ پہلے کے لوگ تاریخوں پر اتنا دھیان نہیں دیتے تھے حتی کہ اپنے بچوں کی تاریخ پیدائش بھی بھول جاتے تھے۔ جب کسی سے پوچھا جاتا کہ یہ بچہ کب پیدا ہوا تھا؟ تو جواب ملتا ہے کہ فلاں کی شادی کے وقت یہ دو ماہ کا تھا،

چونکہ اس کی شادی کو سات سال ہوئے ہیں تو یہ بچہ سات سال دو ماہ کا ہے۔ لیجیے جناب بزرگوں کے اس فطری اور دیسی طریقے نے ہمارا کام آسان کر دیا۔

آپ کو جب بھی کوئی تاریخ یاد کرنی ہو تو اسے کسی مشہور تاریخ کے ساتھ جوڑ کر یاد کریں۔ مثلاً پاکستان ۱۹۴۷ کو بنا تھا یہ تو آپ کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ اب بقیہ تاریخون کو بھی اسے ساتھ جوڑ کر یاد کریں۔

جملہ ہے

1- قراردادِ مقاصد ۱۹۴۹ میں پیش ہوئی۔ اس جملے کو یوں یاد کریں کہ قراردادِ مقاصد قیام پاکستان کے ۲ سال بعد ۱۹۴۹ میں پیش ہوئی۔

2- قراردادِ پاکستان ۱۹۴۰ کو پیش ہوئی۔ اس جملے کو یوں یاد کریں کہ قراردادِ پاکستان قیام پاکستان سے ۷ سال پہلے ۱۹۴۰ میں پیش ہوئی۔

3- جنگِ آزادی ۱۸۵۷ میں ہوئی۔ اس جملے کو یوں یاد کریں کہ جنگِ آزادہ قیام پاکستان سے ۹۰ سال پہلے ۱۸۵۷ میں ہوئی۔

اس طریقے سے سن اور تاریخیں یاد رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

* *

اگر مواد بہت زیادہ ہو تو اس کو ترتیب وار ایک ٹیبل کی صورت میں لکھا کر یاد کرنا چاہیے۔ کتاب سے تمام تاریخوں کو ایک جگہ ایسے انداز میں لکھ لیں کہ جو واقعہ پہلے ہوا اسے پہلے لکھا جائے اور جو اس کے بعد ہوا اسے بعد میں علی ہذا

القیاس۔ یوں ذہن میں واقعات ایک ترتیب کے ساتھ جڑ جاتے ہیں اور آسانی سے نہیں بھولتے۔ مثلا

اوپر کے تین جملوں میں جنگِ آزادی پہلے ہوئی تو اسے ا نمبر پر لکھیں۔ اس کے بعد قراردادِ پاکستان ہے اسے دو نمبر پر لکھیں۔ اس کے بعد قیامِ پاکستان ہے اسے تیسرے نمبر پر لکھیں اور آخر میں قراردادِ مقاصد۔ یہ ٹیبل کچھ یوں بن سکتی ہے:

1857 جنگِ آزادی

53 سال بعد

1940 قراردادِ پاکستان

7 سال کے بعد

1947 قیامِ پاکستان

2 سال کے بعد

1949 قراردادِ مقاصد

یہی طریقہ اسلامی تاریخ میں سن ہجری کو یاد کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

گردان ایسے بھی یاد کرائی جاسکتی ہے

[اس عنوان کے تحت کوئی تحریر نہیں بلکہ ایک ویڈیو ہے جسے دیکھنے کے لیے یہاں کلک کیجیے۔]

تفہیم کے نئے نئے طریقے اور تعلیمی آلات کا استعمال (اول)

کسی بھی بات کو سمجھانے کے لیے کوئی خاص اہتمام کرنا اس بات کی اہمیت کو بڑھا دیتا ہے اور وہ بات طویل عرصے تک یاد رہتی ہے۔

پہلے ایک واقعہ پڑھیں:

استاذ نے طلبہ میں ۵۰-۵۰ کے نوٹ تقسیم کیے اور کہا اس نوٹ کو اچھی طرح توڑ مروڑ کر اپنی کتابوں میں دبا دیں۔ کچھ وقت کے بعد وہ نوٹ نکلوایا تو اس کی حالت بری ہو چکی تھی۔

استاذ: کیا یہ پچاس کا نوٹ ویسا ہی ہے جیسا آپ کو دیا تھا؟

طلبہ: نہیں اس کی حالت بگڑ گئی، پہلے یہ بالکل نیا اور کڑک تھا اور اب خراب اور بھدا ہو گیا؟

استاذ: اس نوٹ سے جو چیز آپ پہلے خرید سکتے تھے کیا وہی چیز اب بھی خرید

سکتے ہیں؟

طلبہ: جی بالکل، اس کی حالت خراب ضرور ہوئی ہے لیکن ویلیو میں کوئی فرق نہیں آیا؟

استاذ: اس کا مطلب، نوٹ پر کیے گئے اس " ظلم " نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا کیونکہ اس کی ایک ویلیو ہے اس لیے آپ کا اس کو رگڑنا بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

اسی طرح اگر آپ میں ویلیو یعنی صلاحیت ہے تو لوگوں کے تلخ رویے، کڑوی باتیں اور زمانے کے دھکے آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

یہ پچاس کا نوٹ سنبھال کر رکھیں اور جب کبھی آپ کو لگے کہ زمانے نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تو اس نوٹ کو نکال کر دیکھ لیں۔ یہ آپ کو یاد آج کا سبق یاد دلاتا رہے گا کہ اگر آپ میں ویلیو ہے، اگر آپ کی کوئی قیمت ہے تو کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

یہی بات عام انداز میں خطابی طریقہ پر بھی سمجھائی جا سکتی تھی لیکن اس سے ویسا اثر نہ پڑتا۔ کل جدید لذیذ کے تحت ہر مرتبہ کچھ نیا انداز سوچیں۔

اگر آپ کو دونوں طریقوں میں فرق کا جائزہ لینا ہو تو آپ اس پر تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ طلبہ کے دو گروپ بنائیں۔ ایک گروپ کو یہی بات محض خطاب کر کے سمجھائیں اور دوسرے گروپ کو مذکورہ طریقے کے مطابق نوٹ دے کر۔ پھر دو چار مہینے تک اس کا تذکرہ نہ کریں۔ کچھ عرصے کے بعد دونوں گروپ سے باری

باری اس کے بارے میں دریافت کریں آپ کو محسوس ہو گا کہ جس گروپ کو سمجھانے کے لیے نوٹ والی سرگرمی کا اہتمام کیا گیا تھا اس کو یہ بات زیادہ تفصیل کے ساتھ یاد ہے۔

جب اس طریقہ کار کی اہمیت کا احساس ہو گیا تو اسے اپنی تدریس کا حصہ ضرور بنائیں۔ اور مختلف اسباق کو سمجھانے کے لیے مختلف سرگرمیوں کا طریقہ سوچیں اور اپنے تجربات دوسروں کے ساتھ #المدرس گروپ میں بانٹیں

میرا ماننا ہے کہ تفہیم کا یہ طریقہ معلم کائنات ﷺ کی سنت سے ماخوذ ہے۔ بلکہ تختہ سیاہ / وائٹ بورڈ / پروجیکٹر / اسمارٹ بورڈ وغیرہ کا استعمال آپ ﷺ کے ایک مبارک عمل کی ہی جدید شکلیں ہے۔

کیا آپ نے وہ حدیث نہیں سنی کہ ایک بار حضور ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو آیت وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (153) میں صراط مستقیم کا مفہوم سمجھانے کے لیے زمین پر ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کے دائیں بائیں کئی ٹیڑھی میڑھی لکیریں بنائیں۔ سیدھی لائن کے بارے میں فرمایا یہ صراط مستقیم ہے۔ اور دائیں بائیں کی ٹیڑھی لائنوں کے بارے میں فرمایا یہ وہ سبل (راستے)ہیں جو تمہیں صراطِ مستقیم سے ہٹا دیتے ہیں۔ (مفہوم حدیث)

سوال یہ ہے کہ کیا یہی تفسیر منبر پر بیٹھ کر خطابی طریقہ سے نہیں سمجھائی جا

سکتی تھی؟ یقیناً بلکہ زیادہ آسان تھا، لیکن معلمِ کائنات ﷺ نے اسے سمجھانے کے لیے ایک سرگرمی کا انتخاب کرکے رہتی دنیا تک کے معلمین کو تفہیم کا ایک عمدہ اُسلوب سمجھادیا۔

لہذا اسے معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔ تعلیمی آلات کا بھرپور استعمال آپ کی تدریس کو دلچسپ اور آسان بنادیتا ہے۔ تختہ سیاہ / وائٹ بورڈ / پروجیکٹر / اسمارٹ بورڈ وغیرہ کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں، اہم اسباق پر چارٹس بنوا کر کلاس کی زینت بنائیں، اسباق کے خلاصے اپنے الفاظ میں لکھنے کو دیں، نئے نئے آئیڈیاز سوچ کر اپنی تدریس کر حتی الامکان دلچسپ بنائیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس مؤثر تدریسی طریقہ کار کو دنیاوی تعلیم کے لیے بھرپور طریقے سے استعمال کیا جارہا ہے اور نہایت معذرت کے ساتھ ہم لوگ اپنی نشست سے اٹھ کر تختہ سیاہ پر ایک لائن لکھنے میں تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اللھم انا نعوذ بک من الکسل۔ (اے اللہ ہم سستی سے تیری پناہ مانگتے ہیں)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

تفہیم کے نئے نئے طریقے اور تعلیمی آلات کا استعمال (دوم)

12 مارچ ۲۰۱۹ کو گروپ میں ایک پوسٹ شائع ہوئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ کسی اہم بات کو سمجھانے کے لیے کسی سرگرمی کا انتخاب کرنا چاہیے۔ کل جدید لذیذ کے تحت وہ بات طلبہ کے دل و دماغ میں اتر جاتی ہے۔

زیر نظر ویڈیو میں ایک استانی بچوں کو عملا دکھا رہی ہے کہ کس طرح گناہوں کی وجہ سے دل میلا ہو جاتا ہے اور پھر استغفار کرنے سے واپس صاف ہو جاتا ہے۔ ویڈیو کی آواز بھی سنیں اور بچوں کی دلچسپی پر غور کریں۔ یہی حدیث ہم نے بھی کئی بار بیان کی ہوگی لیکن خطابی انداز میں، اپنی جگہ سے اٹھے بغیر، لیکن کیا خطابی انداز میں طلبہ نے ایسی دلچسپی کا مظاہرہ کیا جیسا اس ویڈیو میں دکھائی دے رہا ہے؟ یقینا نہیں۔

استانی کو بات سمجھانے کا یہ طریقہ کس نے بتایا؟ یقیناً سوچ بچار کی عادت اور شعبہ تدریس سے لگن نے۔ اگر ہمیں بھی تدریس سے ایسی ہی لگن ہوگی تو ہم بھی نئے سے نئے طریقے سوچ سکتے ہیں۔

سو تدریس کے دونوں طریقوں میں فرق کا اندازہ آپ خود لگالیں۔

لہذا میں آپ سے ایک بار پھر گزارش کروں گا کہ ۱۲ مارچ کی وہ پوسٹ دوبارہ پڑھیں جس میں پچاس روپے کی نوٹ کی تصویر لگی ہے، اپنی سیٹ سے اٹھ کر پڑھانا سیکھیں، نئی سے نئی سرگرمی کے ذریعے اپنے بات کو سمجھائیں، تعلیمی آلات

کا استعمال کریں اور ممکن ہو تو اس طرح ویڈیو بھی بنائیں تاکہ دوسرے بھی آپ کے تجربے سے مستفید ہوں۔ یقیناً یہ عمل آپ کے لیے بھی باعث صدقہ جاریہ ہو گا۔

مذکورہ ویڈیو دیکھنے کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

علم التعلیم ایک جملے میں

اگر مجھے کہا جائے کہ مکمل علم التعلیم کو ایک جملے میں بیان کریں تو میں کہوں گا: "معلومات کی مدد سے مجہولات تک کا سفر علم التعلیم کہلاتا ہے"

غور کریں تو اسے آپ منطق میں بھی پڑھ چکے ہیں: "ترتیب امور معلومۃ لیتادی الی مجہول"۔ بس منطق کے اس ایک اصول کو پلو سے باندھ لیں آپ اپنی بات کو آسان سے آسان کر کے طلبہ کے ذہن میں اتار سکتے ہیں (محنت شرط ہے)

چلیے ایک تجربہ کرتے ہیں:

فرض کیجیے کہ آپ کو اردو بولنے / سمجھنے والے طلبہ کو سمجھانا ہے کہ فاعل پر رفع ہوتا ہے اور مفعول پر نصب۔ اب اس اصول کی روشنی میں کیسے سمجھائیں

گے؟
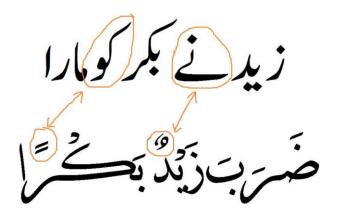
سب سے پہلے امور معلومہ (یعنی وہ باتیں جو طلبہ کو پہلے سے معلوم ہوں) کو ترتیب دیں گے، امر معلوم یہ ہے کہ اردو میں فاعل کے بعد "نے" آتا ہے اور مفعول کے بعد "کو"۔ اس اصول کی روشنی میں بورڈ پر ایک جملہ لکھیں: "زید نے بکر کو مارا" اور اس جملے میں "نے" اور "کو" پر دائرہ بنا کر طلبہ کو یہی بات دوبارہ بتائیں اور ان کی زبان سے بھی کہلوائیں۔ جب طلبہ اردو کا یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تو بورڈ پر "ضرب زید بکراً" اعراب کے ساتھ لکھیں اور زید کے رفع اور بکر کے نصب پر بھی ایک دائرہ بنائیں۔ اب "نے" والے دائرہ کو "رفع" والے دائرے سے اور "کو" والے دائرے کو "نصب" والے دائرے سے ایک لائن کھینچ کر ملا دیں۔ اور بتائیں کہ اردو میں فاعل کے بعد آنے والے "نے" کی جگہ عربی میں "رفع" لے لیتا ہے اور اردو میں مفعول کے بعد آنے والے "کو"

کی جگہ عربی میں نصب لے لیتا ہے۔(دیکھیں مضمون کے ساتھ منسلک تصویر)

لیجیے جناب طلبہ کا ذہن امر معلوم (اردو کے اصول) سے امر مجہول (عربی کے اصول) کی جانب منتقل ہو جائے گا۔ علم التعلیم کا سارا کھیل بالواسطہ یا بلاواسطہ منطق کے اسی اصول کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے۔اب یہ استاد کے ذاتی مطالعے اور صلاحیت پر ہے کہ وہ ایسی باتوں کو کس طرح سوچتا ہے جو طلبہ کو پہلے سے معلوم ہوں اور پھر ان معلوم باتوں کے ذریعے سے کس طرح طلبہ کے ذہن کو نامعلوم باتوں کی جانب منتقل کرتا ہے۔

یہ مثال میں نے اپنی زبان کے مطابق دی ہے ممکن ہے کسی دوسری زبان میں یہ کار آمد نہ ہو ایسے میں استاد کی ذہنی صلاحیت کا امتحان ہو گا کہ وہ کس طرح اس اصول کو اپنی تدریس میں استعمال کرتا ہے۔

کیا آپ سوچ کر کوئی دوسری مثال کمنٹ میں دے سکتے ہیں جس میں یہ اصول استعمال ہوا ہو؟

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

چھم چھم چھم میرا ٹوٹ گیا بٹن۔۔۔

غیر سنجیدہ آغاز کی حامل ایک سنجیدہ تحریر جو آپ کا اندازِ تدریس بدل کر رکھ دے گی

نوٹ: *تحریر کے ساتھ منسلک پانچوں ویڈیوز ضرور دیکھیں۔*

مجھے یقین ہے کہ یہ عنوان آپ کو بچپن میں لے گیا ہو گا۔ جب بچے ایک دوسرے کے ہاتھوں پر ہاتھ مارتے ہوئے چھم چھم کھیلتے تھے۔

چھم چھم چھم میرا ٹوٹ گیا بٹن

میری امی مارے گی میرا جوڑ دو بٹن **(ویڈیو دیکھیں)**

یونہی ایک نظم اور بھی ہے:

ایک دو دس اوپر سے گری بس

بس کے نیچے کیلا ماموں جی کا میلا

میلے میں جائیں گے گھوڑا سجائیں گے

گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹی مرہم لگائیں گے

مرہم پہ مکھی بیٹھی چادر بچھائیں گے

چادر کا کونا پھٹا درزی کو بلائیں گے

درزی کی سوئی ٹوٹی میڈم کو بلائیں گے

میڈم کی پینٹ پھٹی تالیاں بجائیں گے

(اس سے مجھے اتفاق نہیں لیکن یہ بچوں میں یونہی چلا آرہا ہے میں صرف ناقل ہوں)

ایک اور نظم بھی ہے:

دو چوٹیوں والی ماموں جی کی سالی

ماموں گیا دلی وہاں سے لایا بلی

بلی نے دیے بچے اللہ پاک سچے

سچے سچے کا سچائیں گے بھائی کی دلہن لائیں گے

بھائی کی دلہن کالی سو سو نخروں والی

ایک نخرہ ٹوٹ گیا بھائی کا منہ سوج گیا

(سچائیں کا لفظ شاید مہمل ہے لیکن یہ یونہی مشہور ہے)

ان کے علاوہ

#اکڑ بکڑ بمبے بو

اسی نوے پورا سو

اور

#آٹھ آنے کی چھالیہ آٹھ آنے کا پان

چل میرے گھوڑے ہندوستان

وغیرہ کثیر نظمیں ہیں لیکن میرا خیال ہے مزید کی حاجت نہیں ان دو تین

نظموں نے ہی مزید کئی نظمیں آپ کے ذہن میں تازہ کر دی ہوں گے۔ (چاہیں تو کمنٹ میں لکھ کر بچپن کی سیر کر سکتے ہیں)

بظاہر "بکواس" نظر آنے والی ان نظموں کے پیچھے کسی ماہرِ نفسیات اور ماہرِ تعلیمات کا ذہن کار فرما دکھائی دیتا ہے۔ نسل در نسل اور سینہ بہ سینہ سفر کرنے والی یہ نظمیں کس نے لکھیں کچھ معلوم نہیں۔ (کسی کو معلوم ہو تو ضرور بتائیں)

ان نظموں کے ذریعے ایسے بچوں کے ذہن کو ہدف بنایا گیا ہے جو ابھی بولنا سیکھنے کے مراحل میں ہوتے ہیں اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے چھوٹے چھوٹے جملوں کو ادا کرنے کی کوشش میں مصروف ہوتے ہیں۔

ان نظموں کا کمال یہ ہے کہ اکثر گزشتہ مصرعے میں استعمال ہونے والے کسی لفظ (یا کہیں کہیں اس کے ہم وزن لفظ) سے اگلا مصرعہ شروع کیا جاتا ہے۔

مثلاً

ایک دو دس اوپر سے گری بس

بس کے نیچے کیلا ماموں جی کا میلہ

یہاں پہلے مصرعے سے لفظ "بس" لے کر دوسرا مصرعہ بنایا گیا، اور دوسرے سے "ماموں" کا لفظ لے کر تیسرا مصرعہ (ماموں جی کا میلہ) شروع کیا گیا۔ یونہی آخر تک کڑی سے کڑی جڑتی چلی جا رہی ہے۔ اس طریقہ کار سے بڑی آسانی کے ساتھ بچے کے زبان پر نئے اور مشکل الفاظ جاری ہونے لگتے ہیں۔

دوسری چیز جو بچوں کو ان نظموں کی جانب کھینچ لے جاتی ہے وہ پل پل بدلتی صورتِ حال (Action) ہے۔ آپ نے بچپن میں ٹام اینڈ جیری (Tom & Jerry) یا ایسے کوئی کارٹون تو دیکھے ہی ہوں گے۔ ذرا وہ مناظر ذہن میں لائیں، ایک پل میں ٹام جیری کے پیچھے ہوتا ہے دوسرے میں صورت حال الٹ جاتی ہے۔ ابھی ٹام جیری کی دھلائی کر رہا ہے تو دوسرے ہی لمحے جیری ٹام کی۔ کارٹونوں میں بھی بچوں کی اسی نفسیات کو استعمال کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے بچے ان کی جان چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اور مذکورہ نظموں میں بھی یہی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ ہر مصرعے میں بچے کو نیا منظر دکھایا گیا ہے، جو (عموما) پہلے سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا خصوصیات کی بنا پر یہ نظمیں بچوں کو نہ صرف تیزی سے بولنے میں مدد دیتی ہیں بلکہ بچے کے ذہن میں مختلف تصاویر بھی بناتی ہیں۔

نیز بچے کا ذہن الفاظ کی مختلف صورتوں سے بھی آشنا ہوتا ہے۔ جیسے ایک مصرعے میں کہا گیا: ماموں جی کا میلہ، دوسرے مصرعے میں لفظ "میلہ" کے بجائے اس کی امالہ والی شکل "میلے" استعمال ہوئی ہے۔

یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ایک آدھ مرتبہ سنتے ہی بچے انہیں یاد لیتے ہیں اور پڑھتے ہوئے دنیا وما فیہا سے بے خبر بھی ہو جاتے ہیں۔ (**ویڈیو دیکھیں**)

بچے ہمارے عہد کے برباد ہو گئے

نظم (اور کہانی) کے ذریعے بچوں کی تربیت کرنا اسلاف کا طریقہ رہا ہے۔ حتی کہ درسیات کے خشک مسائل کو بھی نظم کے ذریعے دلچسپ بنا کر طلبہ کو پڑھایا جاتا تھا۔ نظم مائۃ عامل اس کی ایک بہترین مثال ہے۔

یہ ہمارا اچھا وقت تھا جب چھوٹے بچوں کی ذہنی تربیت کے لیے بھی سوچا جاتا تھا۔ صرف مائیں ہی نہیں گھر کے دوسرے بڑے بچوں کو کہانیاں سناتے تھے خود ہی ان کے لیے جیسی تیسی نظمیں بنا لیتے تھے، مدارس میں اساتذہ اور قومی ادباء وشعراء بھی بچوں کے لیے سوچتے اور لکھتے تھے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ

۱-ایسی کئی نظموں میں آپ کو ماموں کا رشتہ ملے گا مثلا

ع۔چندا ماموں دور کے پوڑے پکائے بور کے

ع۔ماموں گیا دلی وہاں سے لایا بلی

ع۔بس کے نیچے کیلا ماموں جی کا میلہ

وغیرہ

سوال یہ ہے کہ چندا کو صرف ماموں ہی کیوں کہا گیا؟ چچا تایا یا کسی اور رشتے کا نام کیوں نہ دیا گیا؟

چندا کو ماموں کہنا، اور بہانے بہانے سے کئی نظموں میں ماموں کا لفظ دیکھ کر

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ نظمیں کسی خاتون نے بنائی ہے۔ جو بچے کو بہلانے کے ساتھ ساتھ سسرال میں اپنوں کو یاد کر رہی ہے۔ نیز تمام رشتوں کو چھوڑ کر ماموں کا انتخاب بھائی بہن کی بے پناہ محبت پر دلیل بھی ہے۔

۲- نیز ایسی نظموں میں جگہ جگہ اللہ تبارک وتعالی کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے لکھنے والے مسلمان تھے۔ جیسے اوپر مذکور ایک نظم میں ہے: اللہ پاک سچے۔

۳- **یونہی** آپ کسی بھی بڑے شاعر یا ادیب کو پڑھ لیں انہوں نے اپنی آنے والی نسلوں کے لیے کچھ کچھ سرمایہ چھوڑا ہے۔ حتی کہ اقبال جیسے فلسفی شاعر نے بھی پہاڑ اور گلہری، مکڑا اور مکھی جیسے کئی شاہکار صرف بچوں کے لیے لکھے۔

لیکن افسوس

کہ آج کی ماں ٹی وی ڈراموں میں گم ہو چکی اسے بچوں کو کہانیاں یا نظمیں سنانے کی فرصت ہی نہیں، آج کے بڑے محض نام کے بڑے رہ گئے اور صرف اچھا کھلانے، پہنانے اور ضد پوری کرنے کو ہی بچوں کا پیار سمجھ بیٹھے، تربیت سے خالی آج کا استاذ کتاب پوری کرنے کو ہی تدریس کا نام دیتا ہے اور رہے قومی ادباء وشعراء تو ان کا فکری اغواء ہو چکا ہے۔

جب معاشرے کا کوئی فرد بچوں کی ذہنی نشوونما کے لیے سوچنے پر تیار ہی نہیں ہو گا تو ایسے میں بچوں کی تربیت ٹی وی یا موبائل جیسے آلات ہی کریں گے۔

پھر ہم شکوہ کیوں کرتے ہیں؟ بچوں کو ٹی وی اور موبائل کے حوالے کرنے میں والدین، گھر کے بڑے، اسکول و مدرسے کے اساتذہ، شعراء وادباء، ملکی حکمران غرض معاشرے کا ہر ہر فرد پورا پورا ذمہ دار ہے۔ ڈرنا چاہیے اس وقت سے جب نسل نو کی تربیت سے غفلت کا جواب بارگاہِ الٰہی دینا ہوگا۔ اللہ تعالی ہمیں معاف فرمائے اور عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام مسائل کیوں پیدا ہوئے اور ان کا حل کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ ان تمام مسائل کی جڑ (علم) ادب کا قتل ہے۔ بے مہابا ٹیکنالوجی آئیڈیالوجی کو نگل چکی ہے۔ بچے کھچے ادباء نے بے سروپا عشقیہ شاعری کو ہی کل ادب سمجھ لیا ہے، دیوان کے دیوان ہوائی محبوب کی تعریفوں سے بھرے پڑے ہیں، ایسے میں بچوں کا ادب کون لکھے گا؟ ڈھونڈے سے بھی کوئی معیاری کتاب نہیں ملتی جو جدید دور کے بچوں کا متاثر کرسکے۔

مسئلہ بہت سنجیدہ و پیچیدہ اور فوری حل طلب ہے جس کے لیے ہر ہر فرد کو اپنی اپنی جگہ کوشش کرنا ہوگی۔

خصوصا **علماء واساتذہ سے گزارش ہے** کہ (علم) ادب ہمارا اثاثہ ہے۔ بالخصوص اردو ادب کی تاریخ کھنگال لیں تو ایک بڑی تعداد کے سابقے لاحقے اور حلیے ان کے مولوی ہونے کا پتا دیتے ہیں۔ ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج یہ مؤثر فن مدارس سے کہاں غائب ہوگیا؟ اس سوال کا جواب بہت تلخ ہے۔

پوری تاریخِ اسلام میں کوئی ایسی شخصیت دکھادیں جس نے اسلامی معاشرے پر دیرپا اثرات چھوڑے ہوں، بطورِ عالم، مفتی، مجتہد، محدث تدریس یا تصنیف و تالیف بھی کی ہو لیکن وہ (علم) ادب سے ناآشنا ہو۔

اگر نہیں دکھاسکتے تو مان لیں کہ

ہر اچھا عالم اچھا ادیب بھی ہوتا ہے

جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کر چکا ہوں کہ نظموں کے ذریعے تعلیم و تدریس ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نیا ادب تخلیق کرتے، نئ نظمیں لکھی جاتیں لیکن اس کے برعکس مدارس میں پہلے سے لکھی گئی نظموں کو بھی غیر فطری طریقے سے پڑھایا جاتا ہے، جیسا کہ نظم مائۃ عامل۔ ان نظموں کو ترنم کے بغیر پڑھانا ایسا ہی ہے جیسے نمک کے بغیر پھیکا کھانا کھانا۔ ایسی نظموں کے ذائقے سے لطف اندوز ہونے کے لیے انہیں ترنم میں پڑھانا ضروری ہے۔**(ویڈیو دیکھیں)**

بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے بعض نثری عبارات کو بھی ترنم میں پڑھا جاسکتا ہے اس کے لیے کسی ماہر نعت خواں سے مدد لی جاسکتی ہے۔

بطورِ نمونہ کچھ ویڈیوز ساتھ منسلک کر رہا ہوں انہیں ضرور دیکھیں کہ کس طرح الف ب، ابتدائی انگریزی، گنتی، صرف، نحو اور منطق وغیرہ کو ترنم کے ساتھ پڑھایا جارہا ہے اس سے بچوں کی دلچسپی تعلیم میں بڑھ جاتی ہے اور وہ تعلیم کو

بوجھ سمجھنے کے بجائے خوشی خوشی پڑھنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں نیز فوقانی درجات میں بھی یہ طریقہ اتنا ہی کار آمد ہے جتنا کہ بچوں کے لیے۔(**ویڈیوز دیکھیں**)

اگر آپ انگلش تعلیم کا جائزہ لیں تو آپ کو بے شمار چیزیں نظموں کی صورت میں مل جائیں گی، اردو میں اگرچہ قلیل ہیں لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ موجود ہیں اس کے برعکس مدارس میں اس طریقے سے فائدہ اٹھانے کا تصور تک نہیں ہے۔

نوٹ: اس تحریر کا مقصد میوزک وغیرہ کے ساتھ غیر شرعی طریقوں سے تعلیم دینا ہرگز نہیں۔ خذ ما صفا ودع ما کدر (شریعت کے مطابق) اچھی چیز جہاں سے ملے لے لیں اور بری چیز کو چھوڑ دیں۔

ادب اور شاعری سے شغف رکھنے والے کچھ حضرات انفرادی طور پر یا ممکن ہو تو کوئی گروپ بنا کر بچوں کا ادب لکھ سکتے ہیں، کوئی رسالہ جاری کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ درسیات کے کم از کم اہم مقامات کو نظموں کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں تو یہ آپ کا طلبہ پر احسان عظیم ہو گا۔

[اس تحریر کے ساتھ پانچ ویڈیو منسلک ہیں۔ دیکھنے کے لیے یہاں کلک کیجیے]

تدریسی منصوبہ بندی
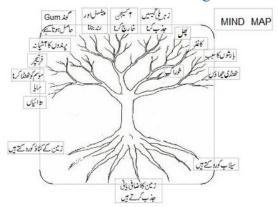
(Lesson Planning)

اسباق کی منصوبہ بندی (Lesson Planning) تدریسی عمل کو مؤثر بناتی ہے اور اس کے ذریعے اساتذہ کرام اپنے وقت کو بہترین انداز میں استعمال کر سکتے ہیں اور کم سے کم وقت میں کمرۂ جماعت میں زیادہ سے زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ تدریسی عمل کو طلبہ و طالبات کے لیے زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور خوشگوار بنایا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے اُن کی آموزش Learning کا عمل تیز ہو جاتا ہے اور طلبہ و طالبات سبق کو مؤثر انداز میں ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم مؤثر منصوبہ بندی کے ساتھ تدریسی عمل کو شروع کریں اور اسی حکمتِ عملی کے ساتھ اس کو انجام دیں گے تو ہمارے طلبہ و طالبات سبق کو رٹنے کے بجائے اس کو سمجھ کر پڑھیں گے اور ”رٹو طوطے“ بننے کے بجائے سوچ

سمجھ کر اپنا کام مکمل کریں گے اور یہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تا عمر اُن کے کام آئے گی۔

اسباق کی منصوبہ بندی محض اپنے ذہن میں کرلینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو تحریری طور پر موجود ہونا چاہئے، تحریری منصوبہ بندی کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہو گا کہ معلم (Teacher) اپنے ہدف کے مطابق اپنے سبق کو ختم کرے گا اور اس سے مطلوبہ نتائج حاصل کرے گا، جب کہ دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر کسی وجہ سے معلم اسکول حاضر نہیں ہو سکا تو صدرِ مدرسہ (Principal) جب متبادل استاد کو بھیجیں گے تو وہ استاد منصوبہ بندی کے مطابق طلباء کو وہ کام کرادیں گے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ دوسرا استاد شائد سبق کو اس طرح نہ پڑھا سکے جیسا کہ آپ نے سوچا تھا لیکن کم از کم یہ ضرور ہو گا کہ طلباء کا اس دن کا وقت ضائع نہ ہو گا۔

سبق کی منصوبہ بندی کے لیے درجِ ذیل نکات ضروری ہیں جن کی وضاحت ذیل میں دی گئی ہے۔

خاکہ: سب سے پہلے منصوبہ بندی کا خاکہ بنائیے کہ آپ کی جماعت کون سی ہے؟ کتنے طلبہ ہیں؟ کون سا مضمون ہے؟ عنوان؟ دورانیہ؟ مثلاً

جماعت: پنجم مضمون: اردو (نثر) تعداد طلبہ:

عنوان: درختوں نے کہا دورانیہ (وقت): ۵ دروس (۵ پیریڈ) معلم اپنی سہولت کے مطابق دورانیہ کم یا زیادہ کم کرسکتے ہیں۔

مقاصدِ تدریس: مقاصد وہ ہوتے ہیں کہ آپ اس سبق کے ذریعے طلبہ کو کیا سکھانا چاہتے ہیں؟ یا آپ کے خیال میں اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ میں کس قسم کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتے ہیں؟۔ مقاصد تدریس دو قسم کے ہوتے ہیں

(۱) عمومی

(۲) خصوصی

عمومی مقاصد: طلبہ کی پڑھائی کی استعداد کار کو بہتر بنایا۔

(۲) طلباء کے تلفظ (Pronunciation) کو درست کرنا

(۳) طلبہ کو نئے الفاظ سے روشناس کرانا

خصوصی مقاصد: اس سبق کی تدریس کے بعد انشاء اللہ طلباء اس قابل ہو سکیں گے کہ وہ

(۱) سبق کا خلاصہ تحریر کر سکیں گے۔

(۲) کسی بھی موضوع پر کم از کم پندرہ جملوں پر مشتمل آپ بیتی لکھ سکیں۔

(۳) سبق کے نئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کر سکیں گے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مقاصد تدریس قابل جانچ Measurable اور واضح ہونے چاہییں۔ مبہم اور غیر واضح مقاصد کی صورت میں سبق کی منصوبہ بندی بھی متاثر ہو گی اور مطلوبہ نتائج بھی حاصل نہ ہو سکیں گے۔

طریقہ تدریس:

(۱)ذہنی آمادگی (۲)بلند خوانی (۳) تفہیمی سوالات (۴)نئے الفاظ کے معنی (۵)سرگرمیاں (۶) سبق کا خلاصہ (۷) تفویضِ کار(HOME WORK)

جب آپ منصوبہ بندی کا خاکہ بنالیتے ہیں تو اس کے بعد آپ کو ایک ایک حصے کی منصوبہ بندی کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ اب آپ ہر حصے کی منصوبہ بندی کرسکتے ہیں کہ یہ کام کیسے کیا جائے گا۔

مؤثر ذہنی آمادگی:(Effective Motivation)

سبق کی تدریس کے لیے مؤثر ذہنی آمادگی ازحد ضروری ہے۔ سبق شروع کرنے سے پہلے طلبہ و طالبات میں اس کے لیے تجسس پیدا کرنا تاکہ وہ سبق میں بھرپور دلچسپی لیں اور سبق کو بوجھ سمجھ کر نہیں بلکہ اس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پڑھیں گے۔ جب طلبہ سبق میں بھرپور دلچسپی لیں گے تو استاد کا باقی کام آسان ہوجاتا ہے۔ یاد رکھیئے جب طلبہ و طالبات سبق میں بھرپور دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پڑھیں گے تو وہ مشکل سے مشکل سرگرمی بھی بہ آسانی کرسکیں گے ، اس کے برعکس جب ان کی سبق میں دلچسپی نہیں ہوگی تو وہ آسان مشق کو بھی درست طریقے سے نہیں کرسکیں گے۔ جب کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تربیت بھی یہی تھا کہ آپؐ کوئی بھی بات کہنے سے پہلے لوگوں مں اس کے متعلق تجسس پیدا کرتے تھے تاکہ لوگ پوری طرح متوجہ ہوجائیں اور آپؐ کی

بات توجہ اور دلچسپی سے سنیں۔

یہاں ہم آمادگی کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔(اساتذہ کرام اس کے علاوہ بھی کوئی سرگرمی جس کو وہ مناسب سمجھیں کر سکتے ہیں)

مثال:

استاد کمرۂ جماعت میں داخل ہو کر طلبہ / طالبات کو مخاطب کر کے یہ دریافت کریں گے کہ دنیا میں کون کون سی گیسیں پائی جاتی ہیں؟ طلبہ اس کا جواب دیں گے ۔ پھر استاد دوسرا سوال پوچھیں گے کہ ہم سانس لینے میں کون سی گیس استعمال کرتے ہیں اور کون سی گیس خارج کرتے ہیں؟ طلبہ ان سوالوں کا جواب دیں گے کہ ہم آکسیجن گیس کی مدد سے سانس لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ پھر استاد طلبہ و طالبات کو بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے درخت بنائے ہیں جو کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کر کے آکسیجن خارج کرتے ہیں اور ہماری خدمت کرتے ہیں، اس کے علاوہ یہ ہمارے ماحول کو بھی بہتر بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے درختوں میں ہمارے لیے بے شمار فائدے رکھے ہیں اور اسی بارے میں آج ہم سبق ”درختوں نے کہا“ پڑھیں گے۔اس کے علاوہ معاون امدادی اشیاء کے ذریعے بھی ذہنی آمادی کی جاسکتی ہے۔

بلند خوانی(Loud reading)

طلبہ سے بلند خوانی کرائی جائے گی۔ اس دوران معلم طلباء کی کمزوریوں کو

نوٹ کریں گے اور ساتھ ساتھ ان کو الفاظ کا درست تلفظ اور ادائیگی کا طریقہ بھی سمجھاتے رہیں گے۔ بلند خوانی میں کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ بچوں کو موقع دیا جائے اس لیے چند جملوں سے زیادہ کسی کو پڑھنے نہ دیا جائے۔ اس کے علاوہ جو بچے پڑھنے سے کترا رہے ہوں ان کو سامنے لایا جائے تاکہ ان کی جھجک دور ہو اور ان کے اعتماد میں اضافہ ہو۔ ایسے بچے ابتداء میں تو شرمائیں گے، گھبرائیں گے اور اٹک اٹک کر پڑھیں گے لیکن معلم کی ذرا سی توجہ سے ان بچوں کی یہ خامیاں دور ہو جائیں گی اور ان کے اعتماد میں بھی اضافہ ہو گا۔ بلند خوانی کے دوران معلم ہر پیراگراف کے بعد طلباء کو اہم نکات سمجھاتے بھی رہیں گے اور ضرورت کے مطابق ان سے سوالات بھی پوچھتے رہیں گے تاکہ طلبہ یکسانیت کا شکار (Bore) نہ ہو جائیں اور وہ سبق پر بھرپور توجہ رکھیں۔

تفہیمی سوالات: (Relevant Questions)

سبق کی تدریس کے بعد تفہیمی سوالات کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ جب طلبہ و طالبات سبق پڑھ لیتے ہیں تو اس کے فوراً بعد مؤثر سوالات کے ذریعے سبق کا اعادہ کیا جاتا ہے اور سبق کے اہم نکات کو ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ ویسے تو تدریسی عمل کے دوران سوالات کی تیکنک ایک الگ اور مکمل موضوع ہے لیکن فی الوقت ہم اپنی توجہ صرف منصوبہ بندی پر مبذول رکھتے ہیں۔ سوالات اسی وقت اچھے اور مؤثر ہو سکتے ہیں جب معلم پہلے خود سبق کا اچھی طرح مطالعہ کر کے

سبق سے متعلق سوالات تیار کریں گے۔یہاں ہم مثال کے طور پر چند سوالات پیش کررہے ہیں۔

(۱)بچے نے خواب میں کیا دیکھا؟

(۲) کیا درخت بالکل نکمے اور بیکار کھڑے ہوتے ہیں؟

(۳)ہمیں صاف ہوا اور آکسیجن کون فراہم کرتا ہے؟

(۴)درختوں سے ہمیں کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

(۵)اگر اللہ ہمیں درختوں جیسی نعمت عطا نہ کرتے تو دنیا کا ماحول کیسا ہوتا؟

(٦) اگر آپ درخت ہوتے تو انسانوں سے کس قسم کے سلوک کی امید رکھتے؟(۷)ہم درختوں کا خیال کس کس طریقے سے رکھ سکتے ہیں؟

ایسے چند سوالات کے ذریعے سبق کا اعادہ (Revision)ہوجائے گا اور معلم کو یہ اندازہ بھی ہوجائے گا کہ بچوں نے ان کے درس کو کس قدر سمجھا ہے اور معلم طلباء تک اپنی بات پہنچانے میں کس حد تک کامیاب رہا ہے۔اگر تدریس میں کوئی کمی رہ گئی ہے یا کوئی نکتہ وضاحت طلب ہے تو وہ تفہیمی سوالات کے ذریعے سامنے آجائے گا اور معلم فوری طور پر اس کمی یا کمزوری کو پورا کرلیں گے۔ضرورت کے مطابق ایک یا دو تفہیمی سوالات کاپی میں تحریر بھی کرائے جاسکتے ہیں اور ان کو ٹیسٹ یا امتحان میں بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

نئے الفاظ کے معنی:

تفہیمی سوالات کے بعد سبق میں آنے والے ایسے الفاظ جو کہ طلباء کے لیے نئے ہوں ان کے معنی تختہ سیاہ/سفید (Black/white Board) پر تحریر کرائے جائیں گے۔ اس کے ذریعے طلباء کے ذخیرۂ الفاظ (Voccabulary) میں اضافہ ہو گا۔ الفاظ معنی لکھوانے کے ساتھ ساتھ طلباء کو لغات (Dictionary) کے استعمال کی ترغیب بھی دی جائے گی اور اس کے لئے طلباء کو یہ ہدف (Task) دیا جاسکتا ہے کہ وہ اس کے علاوہ سبق کے سات یا آٹھ نئے الفاظ کے معنی لکھ کر لائیں۔

سرگرمیاں:(Activities)

سبق کی تدریس کے بعد مختلف سرگرمیوں کے ذریعے طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو ابھارا جاتا ہے اور طلبہ کھیل کھیل میں سبق کے اہم نکات کو ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ یہ بھی سبق کے اعادے کا ایک طریقہ ہے۔ سرگرمیاں مختلف قسم کی ہو سکتی ہیں مثلاً طلباء سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ درختوں کے فوائد کا ایک چارٹ Mind map بنائیں۔ درختوں کے فوائد کارڈ شیٹ پر لکھ کر لائیں اور معلم طلبہ و طالبات کی ان کاوشوں کو کمرۂ جماعت میں نوٹس بورڈ یا کسی نمایاں جگہ پر آویزاں کریں تاکہ طلباء کو یہ محسوس نہ ہو کہ ان کی محنت بیکار جا رہی ہے اور اس عمل سے طلبہ کے اندر مثبت مسابقت کا ایک جذبہ بھی بیدار ہو گا۔ درختوں کے

فوائد کا سورج بنوایا جا سکتا ہے۔ اللہ کی ایسی دیگر نعمتوں کا چارٹ mind map بھی بنوایا جا سکتا ہے۔ (پوسٹ کے ساتھ منسلک تصویر دیکھیں)

سبق کا خلاصہ:

طلباء سے کہا جائے گا کہ وہ اس سبق کا خلاصہ تحریر کریں لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کلاس چہارم تا ششم تک کے طلباء از خود خلاصہ نہیں لکھ سکیں گے تاوقتیکہ کہ معلم ان کو بھرپور رہنمائی فراہم کرے اور ان کو پہلے یہ بات سمجھائیں کہ خلاصہ کیا ہوتا ہے اور اُس میں سبق یا کہانی کے کون کون سے نکات سامنے لانے چاہییں، اس کے ساتھ ساتھ طلبہ کو یہ بھی بتایا جائے گا کہ خلاصہ لکھتے وقت کہانی کو تبدیل نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف مختصر کیا جائے گا اور اس کے آخر میں اس کا نتیجہ یا Moral ضرور تحریر کیا جائے گا۔

تفویضِ کار: (HOME WORK)

سبق کے آخر میں دیئے گئے سوالات تفویضِ کار (HOME WORK) کے طور پر دیئے جائیں گے۔

حرفِ دعا:

مکمل منصوبہ بندی کے بعد بھی مطمئن نہیں ہو جا بلکہ اب اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہو جائیں تا کہ وہ ہماری اس کوشش کو کامیاب کرے۔ یہ بھی نبی اکرم ﷺ کا طریقہ کار اور آپ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے کہ آپؐ ہر معاملے میں اللہ

تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ دعا صرف اس وقت نہ مانگی جائے جب ہم کچھ کر نہ سکیں بلکہ تمام تر وسائل دستیاب ہونے اور بظاہر آسان ترین کام کی تکمیل بھی دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لیے آخر میں دعا ضرور مانگیں کہ "یا اللہ میں نے اپنے محدود علم کے مطابق یہ منصوبہ بندی کرنے کی کوشش کی ہے تُو اسے قبول فرما اور مجھے اس منصوبہ بندی کے مطابق اپنا کام مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایک اچھا معلم بننے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

نوٹ:

تحریر کی گئی منصوبہ بندی کو حفاظت سے رکھیں یہ آئندہ بھی آپ کے کام آئے گی اور معلم طلبہ کی ذہنی سطح اور صورتحال کے مطابق اس میں مناسب تبدیلیاں کر کے اس کو دوبارہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

(یہ مضمون اسکول کے ایک استاذ کا تحریر کردہ ہے اس لیے اس میں مثال بھی سائنس کے مضمون سے بیان کی گئی ہے)

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]
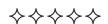
کیا بچوں سے تعلیمی اداروں کی صفائی کروانا غلط ہے؟

یہ ایک جاپانی اسکول کی تصویر ہے جہاں بچے اور اساتذہ مل کر اسکول کی صفائی کر رہے ہیں۔ اسکول کے باتھ روم تک اسی طرح صاف کیے جاتے ہیں۔ اس طرح بچوں میں بچپن ہی سے صفائی کی عادت رچ بس جاتی ہے۔ یوں یہ بچے بڑے ہو کر بھی کسی بھی جگہ کی صفائی کرنے اور جھاڑو پکڑنے میں عار محسوس نہیں کرتے۔

اس کے برعکس ہماری گلیوں اور محلوں میں کچرے کے ڈھیر پڑے سڑتے رہتے ہیں اور ہمارے ہی بچوں کو بیمار کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر سب مل کر کوشش کریں تو ذرا سی دیر میں اسے صاف کیا جا سکتا ہے۔

صفائی کو نصف ایمان کہنے والی قوم میں صفائی کی عادت نہ ہونے کی ایک بڑی

وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو نہ تو تعلیمی اداروں میں صفائی کی عادت ڈالتے ہیں اور نہ ہی گھروں میں۔ حالانکہ اگر بڑے (مدرسے میں اساتذہ اور گھر میں والدین) بچوں کے ساتھ مل کر صفائی کے عمل میں حصہ لینے لگیں تو ہی بچے صفائی کے عادی ہو سکتے ہیں محض حکم دینے سے بچے مجبورا صفائی تو کر دیں گے لیکن اس طرح صفائی ان کی عادت نہیں بنے گی۔ یونہی چند مخصوص بچوں سے صفائی کروانا اور بقیہ سے نہ کروانا بھی مفید نہیں۔

اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں وقتاً فوقتا یومِ صفائی (cleanliness day) منایا جانا چاہیے۔ اور اس میں بچوں کے ساتھ اساتذہ بھی کچھ نہ کچھ حصہ ملائیں تو بچے اس کام کو بوجھ سمجھ کر نہیں بلکہ شوق سے کرنے پر آمادہ ہوں گے۔

صفائی کرنا صرف سویپر کا کام نہیں اجتماعی فریضہ ہے کاش کہ ہم من حیث القوم اس بات کو سمجھ جائیں۔ کم از کم اپنے گھر، دکان، اسکول وغیرہ کے آس پاس صفائی کو اپنی ذمہ داری سمجھ لیں۔

گوجرانوالہ (بیورو رپورٹ)ڈی سی او گوجرانوالہ محمد عامر جان نے تحصیل نوشہرہ ورکاں کے دورہ کے موقع پر اے سی آفس نوشہرہ ورکاں میں اعلیٰ سطحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اداروں کی کارگردگی اور سروس ڈیلوری بہتر بنانے کے لیے تحصیل سطح کے جامع دوروں اور جائزہ اجلاس کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔انہوں نے کہا کہ تعلیمی اداروں میں معیار تعلیم اساتذہ کی حاضری پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا اور سکولوں میں بچوں سے صفائی کروانے والوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے گا۔انہوں نے اے ڈی سی محمد طارق قریشی کی انسپکشن رپورٹ پر نوٹس لیتے ہوئے چھٹی کلاس کے طالب علم سے صفائی کروانے والے استاد کو معطل اور سکول ہیڈ ماسٹر کو فوری ٹرانسفر کرنے کے احکامات جاری کیے۔انہوں نے تحصیل نوشہرہ ورکاں میں ہیلتھ مراکز کو بہتر بنانے کے حوالے سے ضلعی افسران اور اسسٹنٹ کمشنرز کو دیے گئے خصوصی ٹاسک کا جائزہ لیا اور ان کی رپورٹس کی روشنی میں محکمہ بلڈنگ کے افسران کو ہدایت کی بلڈنگ سے متعلقہ جن مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے ان نقائص اور مسائل کو ہنگامی بنیادوں پر حل کرنے کے لیے فوری کام شروع کیا جائے۔انہوں نے مزید کہا کہ سکولوں اور ہیلتھ مراکز کی حالت کو بہتر بنانے اور سٹاف کی

[اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

تعلیم میں استاد اور طالب علم کے کردار کی شرحِ تناسب

اندھیرے سے لڑائی کا یہی احسن طریقہ ہے

تمہاری دسترس میں جو دیا ہو وہ جلا دینا

اس تحریر میں آپ پڑھیں گے:

۱-طلبہ کی ایک بڑی غلط فہمی جسے دور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

۲-وسطانی اور فوقانی درجات کا نصاب اس قدر زیادہ کیوں رکھا جاتا ہے کہ مکمل ہی نہیں ہوتا؟

جب ایک چھوٹا سا بچہ پہلی کلاس میں داخل ہوتا ہے تو صرف کھیلنے کے لیے آتا ہے۔ اچھا استاد اسے کھیل کھیل میں پڑھاتا بھی ہے اور ہاتھ پکڑ کر لکھنا بھی سکھاتا ہے۔یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلی کلاس کی تعلیم میں طالب علم کا کردار محض ۵ فیصد ہوتا ہے جبکہ استاد کا کردار ۹۵ فیصد۔

جوں جوں طالب علم اگلی کلاسوں میں ترقی کرتا ہے یہ شرح الٹنے لگتی ہے اور استاد کا کردار کم اور اور طالب عالم کا کردار بڑھنے لگتا ہے۔ کیونکہ طالب علم خود سے لکھنے پڑھنے کے علاوہ اور بھی بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔ اب اسے ہاتھ پکڑ کر لکھوانے جیسی ضروریات باقی نہیں رہتیں۔

میٹرک (عامہ) یا انٹر (خاصہ) تک طلبہ اس قابل ہو جانے چاہییں کہ لیکچر کے اہم نکات استاد کے بولنے کے دوران ہی نوٹ کر کے بعد میں اپنے الفاظ کا

جامہ پہنا کر بالتفصیل لکھ سکیں۔

گریجویشن (عالیہ) اور ماسٹرز (عالمیہ) تک استاذ رفتہ رفتہ محض لیکچر کی حد تک محدود رہ جاتا ہے بقیہ کام طلبہ کو خود کرنا ہوتا ہے۔ اور ایم فل یا پی ایچ ڈی لیول تک استاد کا یہ کردار اور بھی کم رہ جاتا ہے۔ استاذ محض رہنمائی کرتا ہے۔

یہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس لیول پر پڑھائی میں طالب علم کا کردار ۹۵ فیصد اور استاذ کا کردار محض ۵ فیصد ہوتا ہے۔

یعنی جو شرح تناسب نرسری میں تھی وہ یکسر الٹ کر رہ جاتی ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں اگر ہم مدارسِ اسلامیہ کے طلبہ کا جائزہ لیں تو اکثریت عالمیہ اور تخصص تک بھی اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھی رہتی ہے، چھوٹے چھوٹے شرعی مسائل کے لیے بھی خود سے کتاب کھولنے کے بجائے استاد سے رجوع کرتے ہیں۔ حتی کہ جب تک استاذ بورڈ پر نہ لکھوائے خود سے نوٹس (کاپی) تک نہیں لکھتے۔ یوں طلبہ مکمل طور پر استاد پر ہی انحصار کرنے کی وجہ سے اپنی صلاحیت اور ذہن کو استعمال میں نہیں لاتے۔

اساتذہ بھی نفسیاتی طور پر یہ کہنے میں عار محسوس کرتے ہیں کہ کتاب میں خود تلاش کریں اب آپ بچے نہیں رہے۔ کسی چیز کے بارے میں معلومات ہوتے ہوئے اپنے آپ کو بتانے سے روکنا ایک مشکل کام ہے۔

یونہی عالمیہ یا تخصص وغیرہ کے مقالہ جات لکھنے میں اکثر طلبہ اس بات کے

متمنی نظر آتے ہیں کہ کوئی ایسی کتاب بتادی جائے جس سے وہ اپنا مقابلہ "چھاپ سکیں"۔

حتی کہ کالج اور یونیوسٹی کے طلبہ بھی کئی گروپس میں یہ شکایت کرتے ہوئے نظر آئے کہ میں تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہوں فلاں پروفیسر صاحب سے یہ بات پوچھی تو انہیں معلوم نہیں تھی۔ اسے وہ ان کی کم علمی پر محمول کرتے ہیں۔

یہاں طلبہ کو یہ بات سمجھانے کی اشد ضرورت ہے کہ مقالہ وغیرہ لکھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ اپنے ذہن اور اپنی محنت سے کوئی نئی چیز پیش کر رہے ہیں جس پر آپ سے پہلے کسی نے محنت نہیں کی، یا کی ہے تو کسی اور جہت سے۔ ایسے کاموں میں استاد اپنے تجربے کی روشنی میں صرف رہنمائی کر سکتا ہے، مثلا فلاں کتاب میں مل سکتی، فلاں مصنف کی تصانیف میں ہو سکتی ہے وغیرہ۔ اگر اس موقع پر بھی سب کچھ استاد نے ہی بتانا ہے تو آپ میں اور پہلی کلاس کے بچے میں کیا فرق رہ جائے گا؟

اس لیول پر استاد سے سوال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے خود سے کچھ نہ کچھ تحقیق کی جائے اس کے بعد استاد سے سوال کیا جائے۔

نصاب بہت زیادہ ہے، مکمل نہیں ہوتا

اس جملے کی گردان وسطانی درجات سے اکثر اساتذہ وطلبہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلا ہدایہ جیسی ضخیم کتاب کا نصاب ڈیڑھ پونے دو سو تعلیمی ایام میں

مکمل کروانا موجودہ طریقہ کار کے مطابق ممکن ہی نہیں۔ جب ممکن ہی نہیں تو پھر تنظیم المدارس کی جانب سے اس قدر بھاری نصاب کیوں مقرر کیا جاتا ہے؟ اس پر اکثر اساتذہ وطلبہ معترض دکھائی دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں مسائل کا حل کیا ہے؟

۱- میری ناقص رائے کے مطابق ہمیں اعدادیہ، اولیٰ اور ثانیہ جیسے نچلے درجات پر سخت محنت کی حاجت ہے اور روزانہ کی بنیاد پر ان کی کارکردگی چیک کرنے کی ضرورت ہے۔

مشورہ ہے کہ اعدادیہ کی طرح (اعدادیہ سے پہلے) ایک اور درجہ مثلا ابتدائیہ قائم کیا جائے۔ داخلے کے لیے آنے والے کسی طالب علم کو واپس نہ بھیجا جائے۔ جو روانی سے ناظرہ اور اردو لکھنا پڑھنا جانتا ہو (یعنی کم از کم پانچویں پاس ہو) اسے اولیٰ میں داخلہ دیا جاسکتا ہے۔ اور جو اسکول کی بنیادی تعلیم اور ناظرہ پڑھنے سے یکسر عاری ہو اسے دو سال ابتدائیہ اور اعدادیہ میں بٹھا کر یہ کمی پوری کی جائے۔ جب تک روانی کے ساتھ ناظرہ اور اردو لکھنا پڑھنا نہ آئے ہرگز اولیٰ میں داخلہ نہ دیا جائے۔

۲- اعدادیہ وغیرہ ابتدائی درجات سے ہی طلبہ سے ہر ہر مضمون کی کاپی لازماً بنوائی جائے تاکہ تیز رفتاری سے لکھنے کی مسلسل مشق ہوتی رہے۔ زود نویسی کی یہ صلاحیت امتحانات میں طلبہ کے بہت کام آتی ہے۔

۳-ڈکٹیشن (املانویسی)۔

اس کا رواج شاید ہی کسی مدرسے میں ہو۔ یہ تعلیم کا ایک لازمی جزو ہے۔ جس میں استاذ بولتا ہے اور طلبہ سن کر کاپی پر لکھتے ہیں۔ ابتداءً (اردو عربی) مفردات اور پھر چھوٹے چھوٹے پیراگراف کی املانویسی لازمی کروائی جائے۔

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ طلبہ میں محض سن کر لکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ صلاحیت اگلے درجات میں خوب کام آئی گی۔ طلبہ استاذ کے لیکچر کے دوران ہی اہم نکات سن کر نوٹ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ یوں ابتدائی درجات کی یہ محنت آئندہ درجات میں بہت سا وقت بچانے میں مددگار ثابت ہو گی۔

۴-سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھوانا۔

اسے آپ ڈکٹیشن (املانویسی) کا اگلا قدم کہہ سکتے ہیں۔ ابتدائی درجات میں اردو کی ایک کتاب ضرور ہونی چاہیے۔ جس میں طلبہ سے ہر سبق کی تکمیل کے بعد اپنے الفاظ میں خلاصہ (summary) لکھوایا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ طلبہ اپنا مافی الضمیر الفاظ کے قالب میں ڈھالنے کے قابل ہو جائیں گے۔

آئندہ درجات میں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ طالبِ علم جب کلاس میں استاذ کے لیکچر کے اہم نکات کو نوٹ کرلے گا تو کلاس کے بعد اسے اپنے الفاظ میں لکھ سکے گا۔

یاد رہے کہ یہاں اردو سے مراد تعلیمی زبان ہے جس میں استاذ پڑھاتا ہے۔ علاقے کے لحاظ سے اردو کے بجائے بلوچی، پشتو وغیرہ کو اختیار کیا جائے۔

۵-غیر نصابی سرگرمیوں کو بھی تعلیم کے لیے استعمال کیجیے۔

مثلاً کئی مدارس کے طلبہ سال میں ایک آدھ مرتبہ پکنک وغیرہ پر جاتے ہیں۔ اگلے دن طلبہ کو یہ ہوم ورک دیا جاسکتا ہے کہ اس پکنک کا احوال اپنے الفاظ میں کم از کم دو صفحات پر لکھ کر لائیں۔

یونہی سالانہ چھٹیوں، عید تہوار، بارہ ربیع الاول کے جلوس وغیرہ کے بعد بھی ایسی ہی سرگرمی کی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد دیگر مختلف عنوانات پر چھوٹے چھوٹے مضامین لکھوائے جاسکتے ہیں۔

ایسی سرگرمیوں سے بھی یہی فائدہ حاصل ہوگا کہ طلبہ اپنا مشاہدہ اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔ یہ مضمون نویسی کی جانب ان کا پہلا قدم ہوگا۔

سوشل میڈیا پر اپنے ادارے کا کوئی پیج وغیرہ بنا کر ان مضامین کو وہاں شائع کرکے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے۔ یا وسائل میسر ہوں تو اپنا کوئی ماہنامہ، سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ مجلہ بھی جاری کیا جاسکتا ہے۔

۶- نور الایضاح شروع کراتے ہی طلبہ کو دار الافتاء کا راستہ دکھانا چاہیے۔ ابتداءً کتب فتاویٰ کا مطالعہ کریں اور حاصلِ مطالعہ لکھ کر استاد کو پیش کریں۔

اس کے بعد ہفتے میں کم از کم ایک فتویٰ (اپنے اپنے درجے کے مطابق) لکھ کر استاد کو چیک کروائیں۔ شروع میں اردو کتب سے، رفتہ رفتہ عربی کتب کی جانب رخ موڑ دیا جائے اور اردو کتب کے حوالہ جات فتوے میں لکھنے پر پابندی لگا دی جائے۔

سال میں تقریباً چالیس ہفتے پڑھائی ہوتی ہے اس لحاظ سے اوسطا تیس چالیس فتوے سالانہ کو ایک مستقل پرچے کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ یعنی ان کے نمبر امتحانی نتائج میں شامل کیے جائیں اور نہ لکھنے پر فیل تصور کیا جائے۔

اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ طالب علم چھوٹی چھوٹی باتوں میں استاذ پر انحصار کرنا چھوڑ دے گا اور اپنے مسائل کو کتب میں خود تلاش کرنے لگے گا۔ اور سالانہ تیس چالیس فتاویٰ کے حساب سے فراغت تک دو سو ڈھائی سو فتوے لکھ کر تصنیف و تالیف کی کچھ نہ کچھ صلاحیت حاصل کر چکا ہو گا۔

۷- فوقانی درجات کی ایسی کتب (جن کا نصاب پورا نہیں ہو پاتا) کے اسباق کی آسان، متوسط اور مشکل کے لحاظ سے درجہ بندی کر لی جائے۔ آسان اسباق طلبہ پر چھوڑ دیے جائیں، متوسط اسباق طلبہ کو پڑھانے کے بجائے صرف سنے جائیں۔ استاد صرف مشکل مقامات پڑھائے۔

اسباق کی درجہ بندی صرف ایک مرتبہ کی محنت ہے۔ جسے جس کتاب کا زیادہ تجربہ ہے وہ استاد اس کتاب کے اسباق کے درجہ بندی کر دے تو سب کے کام آ سکتی ہے۔

اس مقام پر اوپر بیان کردہ تمہید کی روشنی میں طالب علم کو بار بار احساس دلاتے رہیں کہ آپ کا درجہ اب یہ نہیں رہا کہ ایک ایک لفظ استاذ بتائے۔ جب تک آپ اپنا ذہن اور صلاحیت استعمال نہیں کریں گے کامیابی نہیں ملے گی۔

استاذ جب مشکل اسباق پڑھائے تو وہاں بھی جتنا زیادہ ہو سکے طلبہ سے اگلوانے کی کوشش کرے اور انہیں بار بار بولنے پر مجبور کرتا رہے۔

فوقانی درجات کا نصاب اسی فارمولے کے تحت زیادہ رکھا جاتا ہے اور اس طریقے کو اپنائے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔

۸-طلباء کی خوبیوں اور کمزوریوں کی فہرست بنائی جائے۔

خوبیاں نوٹ کرنے کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس کی روشنی میں طالبِ علم کے مستقبل کا تعین کیا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں اس کے لیے کون سا شعبہ بہتر رہے گا۔

کمزوریوں کی فہرست کا فائدہ یہ ہو گا کہ انہیں ہدف بنا کر ختم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کلاس میں کچھ طلبہ صرف و نحو میں کمزور ہوں گے اور کچھ منطق وغیرہ میں۔

سالانہ چھٹیوں میں اکثر ادارے دورہ صرف و نحو کرواتے ہیں۔ ایک قدم آگے بڑھا دیگر مضامین کا دورہ بھی رکھنا چاہیے۔ ہر طالب علم کو اس کی کمزوری کی بنیاد پر متعلقہ دورے میں بٹھایا جائے۔

نیز ایسے طلبہ کو سمجھا کر چھٹیوں میں کسی سینئر طالبِ علم یا استاد سے اپنی علمی کمزوری دور کرنے کا ذہن بنایا جا سکتا ہے۔ تمام نہ سہی کچھ نہ کچھ طلبہ آپ کی بات

پر عمل ضرور کریں گے۔ سالانہ چھٹیوں کا دورانیہ ایک ایسا سنہرا موقع ہوتا ہے جسے اگر استعمال میں لایا جائے تو بہت سا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اس پر ایک تحریر گروپ میں موجود ہے "سالانہ چھٹیاں اور میری سی وی"۔

خلاصہ یہ کہ ابتدائی درجات میں طلبہ پر بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ وہاں طلبہ میں مندرجہ ذیل صلاحیتوں کو ہدف بنایا جائے ورنہ پوری درسِ نظامی میں یہ آپ کا دردِ سر بنے رہیں گے۔

۱-ڈکٹیشن (املانویسی)۔

۲-اردو کی کتاب سے اسباق کا خلاصہ طلبہ سے اپنے الفاظ میں لکھوانا۔

۳-پکنک، چھٹیوں، اور عید وغیرہ کے بعد طلبہ سے مضامین لکھوانا کہ انہوں نے یہ مواقع کیسے گزارے؟

۴-نور الایضاح کے بعد سے طلبہ سے ایک فتویٰ ہفتہ وار لکھوانا۔

۵-طلباء کی خوبیوں اور کمزوریوں فہرست۔

۶-خود سے عبارت کی تیاری اور ترجمہ (طلبہ کی صلاحیت کے مطابق)۔ اللہ نے چاہا تو اس نکتے پر ایک الگ تحریر پیش کی جائے گی۔

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے۔

✧✧✧✧✧

کیوں رضا مشکل سے ڈریے۔۔۔؟

اس تحریر میں آپ پڑھیں گے:

- تعریف(Definition)کی اہمیت؟
- تعریفات کا جامع، مانع ہونا کیوں ضروری ہے؟ نہ ہونے سے کیا نقصان ہو سکتا ہے؟
- درسی کتب میں ایک ایک لفظ پر لمبی لمبی ابحاث کیوں کی جاتی ہیں؟
- درسی فنون کی اہمیت۔

سپریم کورٹ، "دہشتگردی" کی تعریف کے لیے 7 رکنی لارجر بینچ تشکیل

اسلام آباد (نمائندہ ایکسپریس/مانیٹرنگ ڈیسک) سپریم کورٹ نے تمام (باقی صفحہ 5۔ نمبر39)

(۱)

درسِ نظامی پڑھتے ہوئے کسی بھی چیز کی تعریف کرنے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ ہر ہر لفظ کے ہر ہر پہلو پر بحث ہوتی ہے۔ ماہرینِ فن کے

اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد دلائل کی روشنی میں کسی ایک تعریف (Definition) کو ترجیح دی جاتی ہے۔

مثلاً کافیہ یا جامی پڑھتے ہوئے "کلمہ" کی یک سطری تعریف پر کئی کئی دن بحث جاری رہتی ہے۔ لیکن زمانہ کی تیز رفتاری اور رنگینیوں سے متاثر طلبہ کے لیے ایسے اسباق نہایت خشک اور اکتاہٹ کا باعث بنتے ہیں۔ خصوصاً سوشل میڈیا اور ٹی وی کی پل پل بدلتی چٹخارے دار تحریروں اور خبروں کے عادی طلبہ ایسی کتب سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اس پر مستزاد بعض اساتذہ بھی ایسے مضامین کو پڑھاتے ہوئے ان کی مذمت بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں تو طلبہ کو مزید شہہ ملتی ہے۔ ایسے کئی جملے مشہور ہیں کہ

کافیہ تو مبتدی طلبہ کے لیے لکھی گئی تھی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے ایسے مشکل طریقے سے کیوں پڑھایا جاتا ہے؟

منطق، فلسفہ اور علم الکلام پڑھانے والے تو مر گئے، اب ان کا پڑھنا پڑھانا ممکن نہیں رہا بس رسم نبھا رہے ہیں۔

اب یہ فنون کہاں استعمال ہوتے ہیں؟ چونکہ ان کی ضرورت باقی نہ رہی لہذا انہیں نکال دینا چاہیے۔

لوگوں کو مسائل ہی تو بتانے ہیں سیدھی سیدھی فقہ کی دو چار کتب پڑھا دی جائیں خوامخواہ الٹی سیدھی غیر ضروری کتب پڑھا کر آٹھ سال "ضائع" کیے جاتے

ہیں۔

سبعہ معلقات نہیں یہ تو سبعہ مغلظات ہے۔ پتا نہیں یہ فضول اور بے ہودہ کتاب کس نے نصاب میں شامل کردی؟

درسِ نظامی کو مختصر ہونا چاہیے۔

مشکل ابحاث و کتب کو نکال دینا چاہیے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

اللہ نے چاہا تو ایسے تمام اعتراضات کے منطقی جوابات پر ایک مستقل تحریر پیش کی جائے گی۔ فی الحال موضوع ہے تعریف (Definition) کی ضرورت اور اس کا جامع ومانع ہونا۔

(۲)

مضمون کے ساتھ منسلک تصویر ایک خبر کا ابتدائی حصہ ہے جو کافی عرصے سے میرے پاس ایسی ہی کسی تحریر کے لیے محفوظ رکھی تھی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دہشت گردی کی تعریف (Definition) کے لیے حکومتی سطح پر ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ اس خبر سے دو باتیں واضح ہو کر سامنے آجاتی ہیں:

۱. کچھ تعریفات اتنی اہم اور حساس ہوتی ہیں کہ ان کے لیے باقاعدہ حکومتی سطح پر کوشش کی جاتی ہے۔

۲. ایک آدھ لائن کی تعریف بنانا اس قدر مشکل کام ہے کہ اس کے لیے ایک فرد کو مقرر کرنے کے بجائے حکومت کو پوری کمیٹی قائم کرنا پڑی۔

اس کی ایک اور مثال بھی ملتی ہے جب آئینِ پاکستان میں "مسلمان کی تعریف" شامل کرنے کے لیے حکومتی سطح پر باقاعدہ کوششیں کی گئیں۔ کیونکہ ایک ایسا گروہ اس تعریف میں شامل ہونے کی کوشش کر رہا تھا جس کا اسلام سے تعلق ہی نہیں تھا۔ ایسے میں ضروری تھا کہ "مسلمان کی تعریف" میں ایسے الفاظ شامل کیے جائیں جو اس گروہ کو "مسلمان کی تعریف" میں شامل ہونے سے روک دیں، ایسے الفاظ کو ہی اصطلاح میں مانع کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد بھولے بھالے طلبہ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔

آپ کتب اٹھائیے، انٹرنیٹ کنگھالیے، قانونی ماہرین سے ملیے یا جو ذریعہ دستیاب ہو استعمال کیجیے لیکن دہشت گردی کی جامع مانع تعریف ڈھونڈ کر لائیے۔

· اس وقت عالمی سطح پر ہر ایک اپنے اپنے مفاد کے تحت دہشت گردی کی الگ الگ تعریف کر رہا ہے، آپ کس طرح مقابل کی غلط تعریف کا رد کریں گے؟ اگر ان کی غلط تعریفات کے رد میں درست تعریف پیش نہ کی گئی تو نتیجہ کیا نکلے گا آپ بخوبی جانتے ہیں۔

· اگر کوئی غیر مسلم گروہ غلط تعریف کے ذریعے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کر دے تو آپ کیسے اس کی تعریف کو غلط ثابت کریں گے؟

اب جو شخص پوری تعلیمی زندگی میں درسِ نظامی کے فنون کو مشکل، فرسودہ، فضول اور بے کار کہتا رہا ہو وہ یہ کام کیسے کرے گا؟

جس نے صرف حلوہ مضامین میں دلچسپی لی ہو وہ یہ لوہے کے چنے جیسے سوالات کیسے چبائے گا؟

اور یہ دو تین سوالات تو صرف ایک نمونہ ہیں، پڑھائی سے فراغت کے بعد عملی زندگی میں ایسے ہزاروں سوالات آپ کے سامنے منہ پھاڑے کھڑے ہوں گے۔ لہذا ابھی سے اپنے آپ کو ان کے لیے تیار کیجیے۔

بلکہ مجھے ایک مثال اور یاد آگئی کہ کچھ عرصہ قبل اسمبلی میں ایک قانونی مسودہ پیش کیا گیا تھا جس میں چند الفاظ کی دانستہ یا نادانستہ غلطی نے ملک کے طول وعرض میں ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا ہر ایک کو معلوم ہے۔ میرا مقصود صرف یہ بتانا ہے ایک ایک لفظ پر لمبی لمبی ابحاث کیوں کی جاتی ہیں اور عملی زندگی میں یہ ابحاث کہاں کہاں کام آتی ہیں؟

ایک منٹ کے لیے ہر ایک یہ فرض کرلے کہ وہ قانونی مسودہ میں نے تحریر کیا تھا، تو جناب سارا نزلہ کس پر گرتا؟ سزا ملتی تو قصور وار کون قرار پاتا؟ پھانسی کا پھندہ کس کے گلے میں فٹ ہونا تھا؟ اس وقت اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ ایک ایک لفظ پر لمبی لمبی ابحاث کس قدر ضروری تھیں۔

ایک لفظ کا غلط استعمال کسی کو پھانسی کے پھندے تک بھی پہنچا سکتا ہے۔

ایک لفظ کا غلط استعمال کسی مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر سکتا ہے۔

ایک لفظ کا غلط استعمال کسی کا ہنستا بستا گھر اجاڑ سکتا ہے۔

(۳)

تو میرے بھولے بھالے طلبہ! درسِ نظامی کے نصاب میں پڑھایا جانے والا کوئی فن بے کار یا فرسودہ نہیں۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر ہر چیز کی اہمیت اور عملی زندگی میں استعمال پڑھائی کے دوران ہی سامنے آجائے۔ بہت سی چیزوں کی اہمیت عملی زندگی میں آنے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر کئی مثالیں بیان ہو چکی ہیں۔

اسکول میں کیمسٹری کے فارمولے، فزکس کے نومیریکل، ریاضی کا الجبرا اور ٹرگنومیٹری وغیرہ وغیرہ درجنوں چیزیں ایسی ہیں جن سے طلبہ دن رات سر پھوڑتے ہیں اور ۹۰ فیصد طلبہ کی عملی زندگی میں ان میں سے کچھ بھی استعمال میں نہیں آتا۔ اس کے باوجود اسکول، کالج یا یونیورسٹی کے کسی استاد کو ان اسباق، ابحاث اور مضامین کی مخالفت کرتے نہیں پایا۔ پھر مدارس میں ہی ایسا کیوں؟ جس مضمون کو میں پڑھانے لگوں اسی کی مذمت طلبہ کے سامنے شروع کر دوں تو طلبہ کیسے دلچسپی لیں گے؟

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

(ثاقب لکھنوی)

(۴)

کسی شخص کو فوج میں بھرتی کرنے سے پہلے درجنوں اقسام کے ٹیسٹ لیے اور کیے جاتے ہیں۔ انتخاب کے بعد بھی سخت سے سخت ٹریننگ سے گزارا جاتا ہے، کیوں؟ کیونکہ اس کے ہاتھ میں مشین گن دینا ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے دشمنوں سے لڑائی لڑنی ہے۔

اور جس کے ہاتھ میں آپ نے فتوے کی توپ تھمانی ہے، جس نے تحریر وتقریر کے ذریعے دین کے دشمنوں سے لڑائی لڑنی ہے، جس نے لوگوں کے ایمان وکفر کا فیصلہ کرنا ہے، جس نے زوجین کے مابین نکاح وطلاق جیسے نازک فیصلے کرنے ہیں، جس نے وراثت جیسے پیچیدہ جھگڑے نمٹانے ہیں، جس نے کل پوری قوم کی قیادت سنبھالنی ہے اسے کسی مشکل سے نہ گزارا جائے، مشکل اسباق، ابحاث اور مضامین کو نصاب سے نکال کر اس کے ذہن کو عملی زندگی سے پہلے ہی زنگ آلود کر دیا جائے، یاللعجب۔۔۔ یاللأسف.

(۵)

یاد رکھیے! درسِ نظامی کا مقصد محض ایسا عالم یا مفتی بننا نہیں جو کتاب میں لکھے ہوئے مسئلے کو بعینہٖ پڑھ کر بیان کر دے۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے تو معذرت کے ساتھ گوگل اس وقت سب سے بڑا علامہ ومفتی بن چکا ہے۔ جب تک ہم کتاب کھولتے ہیں یہ اتنی دیر میں سینکڑوں کتب سے عبارات کے ڈھیر لگا دیتا ہے۔

درسِ نظامی میں پڑھائے جانے والے فنون کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان سے تجزیہ کرنے کی بہترین صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ طالبِ علم الفاظ کے بہترین استعمال کا فن سیکھ لیتا ہے۔ اور یہ صلاحیت افتاء کے علاوہ زندگی کے درجنوں شعبہ جات میں کام آسکتی ہے، جیسے تصنیف و تالیف، صحافت، وکالت، قضاء، سیاست وغیرہ۔

آخر میں طلبہ سے یہی گزارش ہے کہ بے کار کی باتوں میں آنے کے بجائے اپنی پڑھائی پر توجہ دیجیے، مشکل اور طویل ابحاث سمجھ نہ آئیں تو ان کو بار بار پڑھیے تاکہ فراغت کے بعد عملی زندگی میں کسی مشکل کا سامنا نہ ہو۔ یاد رکھیے! **درسِ نظامی "مطالعہ اور تکرار" کے بغیر نہیں آتی۔ جو جس قدر زیادہ مطالعہ و تکرار کا عادی ہے وہ درسِ نظامی میں اسی قدر کامیاب ہے۔**

نیز **اساتذہ کرام سے بھی گزارش ہے** کہ کسی بھی فن کو پڑھاتے ہوئے طلبہ میں اس کا شوق پیدا کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اگر شوق پیدا نہیں کر سکتے تو کم از کم متنفر نہ کیجیے۔

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مار نہیں پیار

یہ چند اسکرین شاٹس ہیں اسکول کے اساتذہ کا ایک گروپ ہے۔ بچوں کو مار کر پڑھانے کے حق میں دلائل دیے گئے ہیں۔ یہ پڑھ کر ذہن میں چند سوالات پیدا ہو رہے ہیں:

۱- آج کا استاد مار کے بغیر کیوں نہیں پڑھا سکتا؟

۲- دنیا میں کون سا ملک تعلیمی لحاظ سے سے پہلے نمبر پر ہے؟ اور وہاں مار کر پڑھایا جاتا ہے یا پیار سے؟ پھر ہم کیوں نہیں پڑھا سکتے؟

۳- "**مار نہیں پیار**" غیر مسلموں کا نعرہ ہے یا ہمارا؟

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہی۔ میں جب بچہ تھا تو دس سال حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں رہا اور آپ نے مجھے کبھی جھڑکا تک نہیں۔ مفہوم حدیث

نیز یہ بھی فرمایا کہ جو ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم سے نہیں۔

۴- دور نبوت سے لے کر آج تک مسلمانوں کی تاریخ کنگھالیں اور چند مشہور اساتذہ کے نام بتادیں جو مار کر پڑھاتے ہوں۔

امام اعظم، امام بخاری جیسے بزرگان دین رحمہم اللہ تعالی ہزاروں شاگرد رکھتے تھے، کسی کا کوئی واقعہ جس میں انہوں نے طالب علم کو مارا ہو؟

(مذکورہ گروپ یا کسی فرد کا نام یہاں ظاہر نہیں کیا جا رہا، ہمارا مقصد تنقید نہیں اصلاح ہے، اگر کوئی پہچان لے تو براہ کرم اپنے تک محدود رکھیں)

مار نہیں پیار

تاریخ اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ انسان نے جب بھی قانون فطرت سے بغاوت کی ہے اس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا ہے نظام کائنات جس ایک نظریے پہ چل رہا ہے وہ ہے "سزا اور جزا"

دنیا کا کوئی بھی مذہب دیکھ لیں اس میں واضح طور پر سزا اور جزا کا نظریہ موجود ہے یہ سزا اور جزا کا ہی نظریہ ہے جس کے تحت انسان مذہب کی طرف مائل ہوتا ہے اچھے کام اور دوسروں سے بھلائی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور برے کام اور برائی سے اجتناب کی کوشش کرتا ہے ایک لمحے کے لیے آپ سوچیں کہ اگر مذہب میں سزا اور جزا کا نظریہ نہ ہوتا تو اس دنیا کا منظر کیا ہوتا؟ حتیٰ کہ وہ لوگ جو کسی مذہب پہ یقین نہیں رکھتے سزا اور جزا کے نظریے پر وہ بھی یقین رکھتے ہیں کیونکہ سزا اور جزا کا نظریہ حقیقت میں اصول کائنات ہے اسی نظریے پہ ہی معاشرے اور ریاستیں قائم ہیں کسی بھی معاشرے اور ریاست کا نظام و انصرام چلانے کے لیے سزا اور جزا کا نظریہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور پھر اسی نظریے کو لاگو کرنے کے لیے مختلف ریاستی ادارے بنائے جاتے ہیں جن میں پولیس، عدلیہ اور پارلیمنٹ اہم ہیں قانون بنانے سے لے کر قانون نافذ کرنے تک ان اداروں کا بنیادی کردار ہے اور کسی بھی ریاست اور معاشرے کی کامیابی اسی میں ہے کہ قانون کی مکمل طور پر پاسداری ہو

اب آتے ہیں اصل موضوع کی طرف

کسی بھی قوم کی تربیت اور ترقی کے لیے تعلیمی ادارے بنیادی کردار ادا کرتے ہیں تعلیمی اداروں کا مقصد ہی کردار اور رویے میں مثبت تبدیلی لا کر فرد کو ریاست کا مفید رکن بنانا ہے تعلیمی ادارے سے نکل کر افراد اسی صورت میں مفید معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں اگر ان کی تربیت صحیح اصولوں پہ کی گئی ہو انہیں سزا اور جزا کا نظریہ سمجھ آتا ہو قانون کا احترام اور قانون کی پاسداری کا انہیں احساس ہو مگر بدقسمتی سے نہ ہمارا تعلیمی نظام اپنا ہے نہ سلیبس اپنا ہے اور نہ ہی تعلیمی اداروں کے لیے اصول اپنے ہیں جب سے "مار نہیں پیار" کا قانون تعلیمی اداروں میں نافذ کیا گیا ہے اس وقت سے تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ ہماری معاشرتی اقدار بھی بگڑتی جا رہی ہیں کیونکہ سکول میں بچے کو جو ماحول دیا ہے اس میں بچہ اگر سکول نہ آئے استاد کچھ نہیں کہہ سکتا

بچہ لیٹ آئے استاد کچھ نہیں کہہ سکتا

بچہ ہوم ورک کرکے نہ آئے استاد کچھ نہیں کہہ سکتا

بچہ سبق یاد کرکے نہ آئے استاد کچھ نہیں کہہ سکتا

جب بچے کو سکول میں اس طرح کا جنگل کا قانون ملے گا جہاں سزا کا تصور تک نہ ہو وہاں تعلیم اور تعلم کا عمل کیا خاک چلے گا جب سزا اور جزا کے نظریے کے بغیر کوئی ملک اور معاشرہ نہیں چل سکتا تو وہ تعلیمی ادارے کیسے چل سکتے ہیں جہاں سے فارغ ہو کر ان بچوں نے اس ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے اگر تعلیمی اداروں سے سزا اور جزا کو بالکل ختم ہی کرنا ہے تو پھر اساتذہ کو سزائیں اور جرمانے کیوں؟ پھر سو فیصد حاضری، یونیفارم کلاس ورک ، ہوم ورک اور نظم و ضبط کے لیے استاد کے پاس کوئی جادو کی چھڑی ہے؟ پھر ہر ایک کو فری کر دیا جائے پورے ملک سے سزا کا نظریہ ختم کر دیا جائے پولیس سٹیشنز بند کر دینے چاہئیں مجرموں کو سزا اور پھانسی سنانے والی عدالتوں کو بھی ختم کر دیا جائے اور سب سے بڑھ کر مختلف جرائم کے خلاف سزا کی قانون سازی کرنے والی پارلیمنٹ کو بھی تالا لگا دیا جائے

بحثیت استاد میں ایک بات واضح کر دوں کہ "مار نہیں پیار" کا نظریہ ہمیں بحثیت قوم بہت مہنگا پڑے گا یہ ان لوگوں کا نظریہ ہے جو اپنے بوڑھے ماں باپ کو اولڈ ہومز میں چھوڑ آتے ہیں اور پھر ان کی خبر گیری مدر ڈے اور فادر ڈے پر ہی لیتے ہیں یہ ان لوگوں کا نظریہ ہے جہاں جانوروں کے حقوق تو ہیں مگر انسانوں کے نہیں اس نظریے کا واحد مقصد ہماری معاشرتی اور اخلاقی اقدار کو کھوکھلا کرنا ہے استاد کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے ہیں استاد تو جیسے تیسے اپنا وقت گزار لے گا مگر تعلیم اور تربیت کا جو خلا رہ جائے گا اسے کون پُر کرے گا کل کوئی یہی بچے جب والدین کے ساتھ طوفان بدتمیزی برپا کریں گے اس کا ذمے دار کون ہوگا؟یہی طلباء اگر خدانخواستہ ریاستی قوانین سے رو گردانی کریں گے تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا خدارا اس معاملے کو صرف استاد اور شاگرد کے تناظر میں نہ دیکھیں بلکہ دوراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک اور قوم کی بھلائی کے لیے سوچیں

آج اساتذہ کے عالمی دن کے موقع پر ماضی اور موجودہ صورتحال کو پرکھتے ہوئے مستقبل کے راستے کے کیلئے آپ بھی اپنی رائے دیں
میں نے 1988 میں کالونی ہائی سکول سے میٹرک کی
اس سے پہلے ماڈل آرمی پبلک سکول جو اس وقت گیریزن پبلک سکول کے نام سے رحیم یار خان کا واحد پرائیویٹ سکول تھا سے کیا
مار نہیں پیار..... سے اساتذہ کو ظالم ثابت کرنے تک کا سفر
جسے آج ہم نے استاد کے تشدد کا نام دے کر سرکاری و پرائیویٹ سکولز میں تعلیم کی بربادی بنیاد رکھی
یہ "تشدد" اس وقت پرائیویٹ و سرکاری دونوں تعلیمی اداروں میں ہوتا تھا
اور سرکاری و پرائیویٹ دونوں ہی تعلیمی اداروں سے ڈاکٹر انجینئر سائنسدان آرمی افسر وکیل مقابلے کے امتحان پاس کرنے والے طلبہ نکلتے تھے
کبھی والدین تھپڑ مارنے , رولر یا سٹکس سے پٹائی (جو روز مرہ کا معمول تھا) پر سکول شکایت لے کر نہیں آتے تھے
ٹیوشن پڑھنا اور پڑھانا اساتذہ و طلبہ دونوں کیلئے ہی باعث شرمندگی ہوتا تھا اور ٹیوشن پڑھنے اور پڑھانے والے پہلے مکمل رازداری کا وعدہ لیتے تھے کہ کسی کو بتانا نہیں
وجہ صرف یہ کہ
مکمل تعلیم سکول میں ہی دی جاتی تھی جو بچہ سکول میں مکمل تیاری نہیں کرتا تھا اس کی ٹھیک ٹھاک مرمت بھی سکول میں ہی کی جاتی تھی
اب آ گیا فارمولہ مار نہیں پیار کا
فارمولہ تو بہت اچھا ہے لیکن پہلے والدین اپنے آپ کو اس معیار تک تو لائیں کہ اس فارمولے پر عملدرآمد بھی ممکن ہو
پرائیویٹ سکول میں بچے پڑھاتے ہیں تو ہر ماہ PTM پر بھی جاتے ہیں اور گاہے بگاہے سکول کے اساتذہ کے ساتھ رابطے میں بھی رہتے ہیں اور پھر بھی جو بچہ نالائق ہو اسے گھر پر ٹیوشن رکھ کر دیتے ہیں اور اگر وہاں بھی بچہ نالائق رہے تو گھر پر ٹیچر کو خود ہلکی پھلکی ٹھکائی کی اجازت دیتے ہوئے خود بھی اپنے بچے کی مرمت کرتے ہیں لیکن سکول میں
مار نہیں پیار نہیں تو شکایت یہاں تک کہ بعض اوقات بات تھانہ کچہری تک جا پہنچتی ہے
اور سرکاری سکولوں کا تو حال ہی مت پوچھیں
وہاں داخل بچوں کے والدین خود تو سکول جا کر بچوں کا احوال لینا تدارد اساتذہ پرنسپل کے بار بار بلوانے پر بھی کبھی نہیں جاتے بچے پاس ہوں یا فیل لیکن جیسے ہی کوئی استاد بچے کو ہاتھ لگا دے تو فوری سکول پہنچتے ہیں سکول کے باہر محکمہ تعلیم کے لگے پوسٹر جہاں لکھا ہوتا ہے "مار نہیں پیار" شکایت کی صورت میں درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں
پر کال ملاتے ہیں استاد کی شکایت لگاتے ہیں اور پھر سکول میں داخل ہو کر اپنے بچے کے سامنے اسکے استاد کی ایسی تیسی کرتے ہیں
اور پھر امید کرتے ہیں کہ بچے کے سامنے ذلیل ہونے والا وہ استاد اس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کرے گا
یہ بات بھی درست ہے کہ اساتذہ بھی اسی فرسٹیٹڈ معاشرے کا حصہ ہیں اور بعض اوقات مہنگائی کا ستایا یا گھر کا ستایا کوئی استاد اپنے معاملات کا غصہ اپنے شاگردوں پر نکال دیتا ہے جس کی کسی صورت اجازت نہیں دی جا سکتی اور ایسے اساتذہ کے خلاف بھرپور تادیبی کاروائی ہونی چاہئے
لیکن جو اساتذہ صرف اپنے شاگردوں کے بہتر مستقبل کیلئے اور اپنے شاگردوں کو معاشرے کا کامیاب حصہ بنانے کی خاطر نیک نیتی سے اپنے شاگردوں پر سختی کرے اسے اور اول الذکر اساتذہ کو ایک کٹہرے میں کھڑا نہیں کرنا چاہئے
ہمارا معاشرہ ابھی کسی صورت بھی "مار نہیں پیار" والے فارمولے کا متحمل نہیں خاص طور پر سرکاری سکول جس کی وجوہات اوپر بیان کر چکا ہوں
پرائیویٹ سکولز کے اساتذہ سے زیادہ تعلیم یافتہ , زیادہ تجربہ کار , زیادہ محنتی اور زیادہ جذبہ رکھنے والے اساتذہ سرکاری سکولوں میں ہیں لیکن یہ نظام ایسے ہی ہے جیسے ان کے ہاتھ باندھ کر ان سے دریا کو تیر کر عبور کرنے کا مطالبہ کرنا.

Absolutely right

Like · Reply · 2d · 1

برادرم آب نے بالکل ٹھیک کہامگر انگریز کی چال نہیں سمجھے جو ہمیں اسلام سے ہٹانا
چاہتا ہے مار نہیں پیار انہی کا دیا ہوا فار مولا ہے جسے ہمارے ماہرین تعلیم اور دانشوروں
نے لاگو کر دیا کاش کوہی مسلمان لیڈر نصرانیوں اور یہودیوں سے کنارہ کشی کرتا

Like · Reply · 2d · 1

Muhammad Yousuf Jamal

1- آج کا استاد مار کے بغیر کیوں نہیں پڑھا سکتا؟
2- دنیا میں کون سا ملک تعلمی لحاظ سے سب سے پہلے نمبر پر ہے؟ اور وہاں مار کر پڑھایا
جاتا ہے یا پیار سے؟

Like · Reply · 2d · 2

Muhammad Yousuf Jamal

2- مار نہیں پیار غیر مسلموں کا نہیں ہمارا نعرہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالی
عنہ فرماتے ہی۔ میں جب بچہ تھا تو دس سال حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ
وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا اور آپ نے مجھے کبھی جھڑکا تک نہیں۔ مفہوم حدیث

Like · Reply · 2d · 1

Muhammad Yousuf Jamal

دور نبوت سے لے کر آج تک مسلمانوں کی تاریخ کنگھالیں اور چند مشہور اساتذہ
کے نام بتا دیں جو مار کر پڑھاتے ہوں۔
امام اعظم، امام بخاری جیسے بزرگان دین ہزاروں شاگرد رکھتے تھے، کسی کا
کوئی واقعہ جس میں طالب علم کو مارا ہو؟

Like · Reply · 2d · 1

Write a reply...

Uuye

Like · Reply · 2d

No doubt

Like · Reply · 1d

اسلام وعلیکم و رحمۃ اللہ و برکاۃ پلیز مجھے آپ سے 100% اختلاف ہے
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے کہ جو شخص ہمارے بڑوں
کی عزت نہیں کرتا چھوٹوں سے شفقت نہیں کرتا وہ ہم سے نہیں ہے
ہمیشہ یاد رکھیں جو استاد بچوں کو مارتے نہیں ہیں اور توجہ سے پڑھاتے ہیں بچے ایسے
اساتذہ کی عزت بہت زیادہ کرتے ہیں جو مارتے ہیں یا اچھا پڑھا نہیں سکتے ان کی عزت
کم ہی کرتے ہیں

Love · Reply · 5h · 2

6 Replies

Ye baat govt ko jo nai pata

Like · Reply · 4h

Very nice . 1
Like · Reply · 2d
1 Reply

Totally agreed sir 1
Like · Reply · 2d
1 Reply

Well said. 1
Like · Reply · 2d
1 Reply

خوب است سر 1
Like · Reply · 2d
1 Reply

100Percent Agreed 3
Like · Reply · 2d
1 Reply

100 %agree 1
Like · Reply · 2d
1 Reply

Bilkul thek kaha sir 1
Like · Reply · 2d

Very good 1
Like · Reply · 2d

Very Nice G 1
Like · Reply · 2d

100% right 1
Like · Reply · 2d

Right 1
Like · Reply · 2d

100 prcnt right.
Actually, non muslims hmara education systm tbah krna chahte hn, is lye wo apni policies implemnt krva rhe hn. 1
Like · Reply · See Translation · 2d

[اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

اغراض کی اغراض

اس تحریر میں آپ پڑھیں گے:

- **اغراض کیوں پڑھائی جاتی ہیں؟**
- **اغراض کے فوائد و عملی زندگی میں استعمال۔**
- **بعض عبارات کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہوتا ہے۔ کیا درسِ نظامی پڑھا ہوا شخص ایسی عبارات سے دھوکا کھا سکتا ہے؟**
- **درسِ نظامی کے دو بنیادی حصے۔**

(۱)

جناب گروپ کے قوانین اجازت نہیں دیتے ورنہ کھل کر اور نام لے کر لکھتا۔ اشارہ دے رہا ہوں سمجھ جائیں تو فبہا ورنہ مقصود تو بہر حال حاصل ہو ہی جائے گا:

کچھ روز پہلے ایک نامور صحافی نے ایک مشہور "مذہبی شخصیت" کے بارے میں کالم لکھا۔ اس شخصیت کے متعلقین نے اس کالم کو تعریف سمجھ کر سوشل میڈیا پر خوب شیئر کیا۔ دو تین دن کے بعد کسی نے توجہ دلائی کہ جناب اس کالم میں تعریف نہیں تنقید کی گئی ہے۔ البتہ انداز ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ بادیٔ النظر میں تعریف ہی معلوم ہوتی ہے۔

عوام کی بات تو چلیں رہنے دیں سوال یہ ہے کہ درسِ نظامی پڑھا ہوا شخص

کسی عبارت سے کیسے دھوکا کھا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ عبارت کی اغراض پر توجہ دینا چھوڑ دیتا ہے۔

(۲)

آج کل سوشل میڈیا وغیرہ پر بھی بعض اسلام مخالف تحاریر ایسے انداز میں لکھی جاتی ہیں کہ عام آدمی تو دور کی بات پڑھے لکھے بھی ان کے لچھے دار الفاظ میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور ایسی تحاریر کو آگے بڑھانے سے گریز نہیں کرتے۔

اگر عالم و مفتی کہلانے والا بھی ہر تحریر و تقریر کے ظاہری حسن سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس کی اغراض کی جانب توجہ نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں اور عوام میں کوئی فرق نہ رہا۔

یہی وجہ ہے کہ درسِ نظامی میں ایک مخصوص وقت کے بعد اکثر کتب اغراض کے ساتھ پڑھائی جاتی ہیں تاکہ آنے والے وقت میں باطل کی مکاریوں سے نبرد آزما ہونے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

(۳)

غور کیا جائے تو درسِ نظامی بنیادی طور پر دو حصوں میں منقسم دکھائی دیتی ہے:

۱-کیا؟

۲-کیوں؟

ابتدائی درجات میں صرف "کیا" پڑھایا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد رفتہ رفتہ "کیوں" پر بحث ہوتی ہے۔

مثلا ابتدائی درجات میں پڑھایا جاتا ہے کہ کلمہ کی تین اقسام ہیں، اسے آپ "کیا" کہہ لیں۔

اس کے بعد آنے والے کتب میں بحث ہوتی ہے تین ہی کیوں ہیں؟ دو، چار یا اس سے زائد کیوں نہیں؟ فلاں لفظ کیوں لایا گیا، اگر اس کے بجائے دوسرا لفظ لاتے تو کیا حرج تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ درسی اصطلاح میں اسی "کیوں" کو "اغراض نکالنا" کہا جاتا ہے۔

سوال در سوال پر مبنی اندازِ تدریس:

سوال اپنے اندر بذاتِ خود ایک طاقت رکھتا ہے۔ سوال کی طاقت واہمیت پوچھنی ہو تو کسی صحافی سے پوچھیں جو کسی بھی شخصیت سے انٹرویو کے لیے کئی مہینے صرف سوالات تیار کرنے پر لگا دیتا ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ سوال آدھا علم ہے۔ ذہنوں کے بند دریچے وا کرنے والا اسلاف کا یہ اندازِ تدریس لائقِ صد تحسین ہے جس کی وجہ سے طالبِ علم کے ذہن میں نئے نئے سوالات جنم لینے لگتے ہیں۔ ذہن میں سوالات جنم لینے کا مطلب ہے اب ذہن ان سوالات کے جوابات کی جستجو بھی کرے گا۔ اور یہی جستجو ذہنی صلاحیتوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔

جیسا کہ کافیہ یا جامی وغیرہ پڑھتے ہوئے اغراض کو سوال در سوال کے انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ پہلے ایک سوال (اعتراض) اٹھایا جاتا ہے، پھر اس کا جواب ایسے انداز میں دیا جاتا ہے کہ کوئی ایک پہلو تشنہ رہ جائے، پھر اس تشنہ پہلو پر ایک اور سوال اٹھایا جاتا ہے، اور بعض اوقات اس میں بھی کچھ کمی چھوڑ دی جاتی ہے۔ یوں کئی اعتراضات وجوابات کے بعد رفتہ رفتہ حتمی جواب طالبِ علم کے سامنے لایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل ممکن ہوتا ہے کہ ایک ہی مرتبہ میں ایسا نَپا تُلا جواب دے دیا جائے کہ مزید اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔

مثلاً:

۱-سوال: مصنف نے اپنی کتاب میں حمد کو کیوں ترک کیا؟ **جواب:** کسرِ نفسی کی وجہ سے۔

۲-جواب ا پر اعتراض: حمد ایک عبادت ہے اور عبادت کے بجالانے میں کسرِ نفسی ہے نہ کہ ترک کرنے میں۔ **جواب:** عبادت سمجھ کر چھوڑنا الگ ہے اور یہ سمجھ کر چھوڑنا الگ ہے کہ میری کتاب اسلاف کی کتب جیسی نہیں، اس لیے ان کے طریقہ پر شروع نہیں کر رہا۔

۳-سوال ۲ کے جواب پر اعتراض: آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مصنف نے کیا سمجھ کر ترک کیا؟ **جواب:** حدیث پاک ظنوا المؤمنین خیراً سے ہم نے مصنف کے بارے میں اچھا گمان کیا۔

۴-سوال ۳ کے جواب پر اعتراض: حدیث پاک میں تو یہ بھی ہے کہ جو کام حمد سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں رہتی۔ **جواب:** حمد دو قسم پر ہے تحریری (خاص) اور تقریری (عام)۔ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں۔ اسی حدیث پاک کے تحت یہ گمان رکھیں کہ مصنف نے حمد تقریری کی ہو اگرچہ کسرِ نفسی کی بنا پر حمد تحریری کو کتاب کا جز نہ بنایا۔

یہ ایک چھوٹی سے مثال ہے۔ غور کیجیے تو اس سوال در سوال کی ضرورت ہی نہ تھی۔ حتمی جواب کو ایک ہی مرتبہ بیان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں طلبہ کو اعتراض اٹھانا اور اس کا جواب کھوجنے کی مشق کروانا مقصود ہے تا کہ وہ اپنی اور مقابل کی عبارت کی اغراض پہچان سکیں۔ کیونکہ عملی زندگی میں فتویٰ نویسی، تصنیف تالیف اور مناظرہ وغیرہ میں اسی کام سے دن رات واسطہ پڑتا ہے۔

اپنی عبارت کی اغراض پہچانا اس لیے لازم ہے کہ عبارت کو شائع کرنے سے پہلے محرر یہ جان لیتا ہے کہ اس عبارت پر کس کس طرح کے اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں۔ یہ جاننے کے بعد یا تو عبارت میں ایسی تبدیلی کی جاتی ہے جس سے اعتراض واقع نہ ہو یا پہلے سے جوابات تیار کر لیے جاتے ہیں۔

مقابل کی عبارت کی اغراض پہچانا کیوں لازم ہے؟ اس کے لیے تحریر کا ابتدائی پیراگراف دوبارہ پڑھ لیں۔ اگر پڑھنے والوں کو اس کالم کی اغراض معلوم ہوتیں تو کوئی بھی تنقید کو تعریف سمجھ کر آگے شیئر نہ کرتا۔

(۴)

عملی زندگی میں استعمال:

مجھے جب کسی اہم معاملے پر کسی سے میٹنگ کرنا ہوتی ہے تو میں سوال در سوال کے اسی طریقے کو آزماتا ہوں۔ ایک الگ اور پر سکون جگہ پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہوں اور فرض کرتا ہوں کہ جس سے میٹنگ ہے وہ میرے سامنے بیٹھا ہے۔ اس کے بعد ذہن میں ایک فرضی میٹنگ شروع کرتا ہوں، مقابل سے سوال بھی کرتا ہوں اور اس کے ممکنہ سوالات کا اندازہ لگا کر پہلے سے جواب تیار کر لیتا ہوں۔ میرا تجربہ ہے کہ حقیقی میٹنگ میں ۷۰٪ سے زائد باتیں وہی ہوتی ہیں جن کا اندازہ میں فرضی وذہنی میٹنگ میں پہلے سے لگا چکا تھا۔ آپ بھی آزما کر دیکھ لیں۔

البتہ اگر مقابل سے پہلی ملاقات ہو یا میٹنگ میں زائد افراد شریک ہوں تو یہ تناسب ۷۰٪ نہیں رہتا بلکہ بہت کم ہو جاتا ہے۔

ایک اور مثال:

امسال رمضان المبارک میں روزے کے مسائل پر لکھی گئیں کوئی درجن بھر تحاریر نظر سے گزریں۔ ایک مشترکہ مسئلہ جو کئی احباب نے تحریر کیا تھا اس کی جانب آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں، لکھا تھا:

"نانبائی کو چاہیے کہ آدھا دن روٹیاں لگائے اور بقیہ آدھا دن آرام کرے،

اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں"

ایک دو جاننے والوں سے پوچھا بھی کہ یہ مشورہ آپ کس کو دے رہے ہیں؟ پاکستان میں کون سا ہوٹل ہے جہاں رمضان میں نانبائی پورا پورا دن روٹیاں لگاتا ہے؟

اصل میں مسئلہ وہی ہے کہ ہم عبارت کی اغراض جاننے کی زحمت کیے بغیر ہی اسے تحریر و تقریر میں نقل کر دیتے ہیں۔

صاحبِ بہارِ شریعت نے یہ مسئلہ ہندوستان کے اعتبار سے لکھا ہو گا جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہیں۔ ظاہر ہے وہاں غیر مسلموں کے لیے پورا دن ہوٹل کھلے رہتے ہوں گے اور کھانا بھی بنتا ہو گا، اسی لیے انہوں نے یہ مسئلہ تحریر کیا۔

دیکھا جائے تو دورِ حاضر میں ایسے کئی پیشے وجود پا چکے ہیں جن کے لیے ہر وقت آگ کے سامنے کام کرنا ہوتا ہے، رمضان ہو یا غیر رمضان۔ مثلاً اسٹیل مل میں، شیشے کی اشیاء بنانے کے کارخانوں میں کام کرنے والے۔ یہ مسئلہ بتانے کے لیے پاکستان جیسے ممالک میں نانبائی کے بجائے ایسے افراد کو مخاطب کرنا مناسب ہے۔

خلاصہ یہ کہ اغراض نکالنے کی صلاحیت زندگی کے بہت سے شعبہ جات میں کام آ سکتی ہے۔ جیسا کہ فتویٰ نویسی، تصنیف و تالیف، تجزیہ نگاری اور مناظرہ و مباحثہ وغیرہ۔ اغراض نکالنے کی صلاحیت انسان کو خود اس کا محتسب بن دیتی

ہے اور وہ اپنی تحریر و تقریر کا تنقیدی جائزہ لے سکتا ہے۔ کس لفظ یا جملے سے قاری و سامع کیا مطلب نکالیں گے اس کا اندازہ تحریر و تقریر کے شائع ہونے سے پہلے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ نیز اس صلاحیت سے غیر کی تحریر و تقریر کے قبول ورد میں غلطی کا احتمال کم سے کم ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کو اس کا عملی تجربہ کرنا ہو تو میرا مشورہ ہے کہ کسی مصنف، شاعر، صحافی یا قانون دان کی صحبت میں کچھ عرصہ گزاریں۔

اغراض کو پہچانے بغیر خود سے لکھنا تو دور کی بات غیر کی لکھی ہوئی تحریر کو سمجھنا بھی مشکل ہے۔ اس لیے زمانۂ طالبِ علمی سے ہی اس کام پر سخت محنت کی حاجت ہے۔

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

جڑواں بچے

- سبق میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اسکول کے ایک استاد صاحب نے ایک سرگرمی کی مدد لی۔
- تعلیم کے لیے بدل بدل مختلف سرگرمیوں کا انتخاب آپ کی تدریس کو دلچسپ بنا سکتا ہے
- مدارس کے اساتذہ کے لیے قابل تقلید

جڑواں بچے The Twins

تحریر۔ محمد صہیب فاروق صدیقی

کسی بھی کتاب کی تدریس کے دوران اس میں طلبا کے لیے کسی Activity کی بدولت خاصی دلچسپی پیدا کی جاسکتی ہے ایک کامیاب استاد اس

بارے خاصہ فکرمند ہوتا ہے کہ وہ دوران سبق پلک جھپکنے کے برابر بھی طلبا کی توجہ کو کسی دوسری جانب منتشر نہ ہونے دے۔اورانکے قلوب واذہان میں لیکچر کو اتار دے۔

The Twins جڑواں بچے آٹھویں جماعت کے کی انگلش کی کتاب میں شامل ایک دلچسپ نظم ہے جس میں ایک جڑواں بچہ اپنے ہوبہو ہم شکل بھائی کی وضع وخدوخال چہرے اوراعضا کے لحاظ سے مشابہت کو دلچسپ انداز میں بیان کرتا ہے۔

یہ نظم سامنے آئی تو میں نے دیکھا کہ میری جماعت کے اندر ہی دو ہم شکل بھائیوں کی دوجوڑیاں موجود تھیں تو زہن میں آیا کہ کیوں ناان کی مدد سے اس کو Activity Base بنا کر طلبا کے لیے زیادہ آسان طلب بنایا جائے چنانچہ جب ان کو ڈائس پر بلایا گیا تو ایک طالبعلم نے کہا سر ہمارے سکول میں کچھ دیگر کلاسز میں بھی Twins موجود ہیں چنانچہ ان سب کو کلاس روم میں بلوایا اور یوں آج میری جماعت کے طالبعلموں نے ان Twins کی موجودگی میں خوب دل لگا کر گرجوشی سے اس نظم کو پڑھا۔

ہمارے گردوپیش بہت ساری معاون چیزیں ہوتی ہیں جن کی مدد سے ہم انتہائی حیران کن مثبت نتائج حاصل کرسکتے ہیں آپ اساتذہ بھی اپنی جماعت میں اس جیسی دیگر سرگرمیوں کا ضرر تجربہ کیجیے گا۔

The Twins (Rhyme) English Class 8th

GHS Chicher wali pasrur sialkot

M Sohaib Farooq

SESE Arabic

In the form and the feature, face and limb,

I grew so like my brother,

That folks got taking me for him,

And each for one another.

It puzzled all our kith and kin,

It reached a fearful pitch;

For one of us was born a twin,

Yet not a soul knew which.

تعلیم ہی وہ ہتھیار ہے جس سے معاشرے کو بدلا جا سکتا ہے

تعلیم سے ذہن بنتا ہے، ذہن سے فرد، فرد سے ماحول اور ماحول سے نظام بنتا ہے۔

تعلیم اچھی تو ذہن اچھا، ذہن اچھا تو فرد اچھا، فرد اچھا تو ماحول اچھا، ماحول اچھا تو نظام خود بخود اچھا ہو جائے گا۔

تعلیم بری تو ذہن برا، ذہن برا تو فرد برا، فرد برا تو ماحول برا، ماحول برا تو نظام خود بخود برا ہو جائے گا۔

دنیا کا کوئی شخص اس سے اختلاف نہیں رکھتا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بعثت کے بعد افراد نہیں بدلے بلکہ تعلیم بدلی، سبق بدلا، نتیجۃً ذہن بدل گئے، ذہن سے افراد بدلے اور افراد سے ماحول بدلا اور

ماحول سے نظام بدل گیا۔

لہذا اگر آپ معاشرے میں واقعی اصلاح چاہتے ہیں تو تعلیم کے میدان میں کام کریں۔ تعلیم میں دینی ودنیاوی کی تقسیم کو ختم کردیں اسلاف کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہر طرح کی تعلیم مدارس میں ہونی چاہیے۔ بقیہ کام خود بخود ہوتے چلے جائیں گے۔

(ماخوذ)

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

تعلیمی نفسیات

(Educational Psychology)

تعلیمی نفسیات علم نفسیات کی ایک شاخ ہے جس میں نفسیاتی معلومات کا اطلاق تعلیمی مسائل پر کیا جاتا ہے۔ احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام سے بڑھ کر کوئی نفسیات کو جاننے والا نہیں تھا۔ یونہی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف بھی اپنے وقت کے بہترین "نباض" تھے۔

اسلام کا ایک مبلغ خصوصا مدرس نفسیات کو جانے بغیر تبلیغ و تدریس کا فریضہ مؤثر انداز میں سر انجام نہیں دے سکتا۔

علم نفیسیات کی یہ شاخ ترقی کرکے ایک باقاعدہ علم کا روپ دھار چکے ہے اور تمام ترقی یافتہ ممالک اپنے تعلیمی اداروں کو اس کے اصولوں کی روشنی میں چلا کر روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں۔ جبکہ یہ ہمارا ہی سرمایہ ہے۔

اس یونٹ میں تعلیمی نفسیات پر بات چیت ہوگی تاکہ ہم اپنے اندازِ تدریس کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنا سکیں۔

تعلیمی نفسیات کا مختصر تعارف

نفسیات ایک ایسا تحقیقی علم ہے جس میں باضابطہ طور پر ذہنی اعمال و کردار کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

دورِ جدید میں جہاں ہر علم و فن شعبہ جات میں تقسیم ہو رہا ہے وہیں نفسیات بھی درجن بھر شاخوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ جن میں سے ایک "تعلیمی نفسیات" بھی ہے۔

نفسیات کی اس شاخ میں نفسیاتی معلومات کا اطلاق تعلیمی مسائل پر کیا جاتا ہے۔

ایک مدرس کے لیے اس فن کا سیکھنا بہت ضروری ہے۔ اس کے بر عکس اس فن سے جاہل مدرس ساری عمر تمام طلبہ کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کا عادی رہتا ہے۔ جبکہ فن کا عالم طلبہ کی صلاحیتوں کے مطابق بدل بدل کر طریقہ تدریس اختیار کرتا ہے۔

تعلیمی نفسیات کی افادیت اور اس میں ہونے والی روز بروز ترقی کے پیشِ نظر تمام ترقی یافتہ ممالک اپنے تعلیمی اداروں کو اسی فن کی روشنی میں چلا کر فوائد سمیٹ رہے ہیں۔

تعلیمی نفسیات کا مقصد طلبہ اور نصاب کے درمیان ایک ہم آہنگی اور توازن پیدا کرنا ہے۔ یہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے طالب علم کے ذہن کی پیمائش اور

اس کی ذہنی نشوونما سے متعلق معلومات ہونا بہت ضروری ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ کند ذہن طلبہ کی تعلیم کے لیے بھی اسی فن کے اصولوں سے مدد لی جاتی ہے۔

* * * * * * * * * *

اس فن کی وسعت وافادیت کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل امور سے لگا سکتے ہیں:

1- تعلیمی مقاصد سے آگاہی اور ان کی بہتر تکمیل تعلیمی نفسیات کو جانے بغیر ممکن ہی نہیں۔

2-یہ فن معلم کے طرزِ فکر میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے جس سے معلم نالائق اور کم ذہن بچوں سے نفرت کرنے کے بجائے ان کی ذہنی سطح پر اتر کر ان کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔

3-اس فن کا عالم طلبہ کی شخصیت کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اسی مطالعے کی روشنی میں وہ اپنے درسی مواد کو ترتیب دیتا ہے اور مشکل اسباق کو آسان بنانے اور جلد ذہن نشین کرانے کے طریقے تلاش کرتا ہے۔

4-اس فن کی مدد سے تدریس کو دلچسپ اور مؤثر بنایا جاسکتا ہے، اگر آپ کو شکایت ہے کہ آپ کے طلبہ ذہنی طور پر کلاس سے غیر حاضر ہو جاتے ہیں نظریں

کتب پر لیکن ذہن کہیں اور ہوتا ہے تو آپ کو یہ فن سیکھنے کی اشد ضرورت ہے۔

5- مونٹیسوری (Montessori) کنڈر کارٹن (Kindergarten)، ڈالٹن پلان (Dalton Plan) وغیرہ تدریس کے تمام طریقوں تعلیمی نفسیات کی بدولت سامنے آئے جو آج دنیا کے اکثر ممالک میں رائج ہیں۔

6- تدریس میں سمعی وبصری اعانتوں اور دیگر امدادی سامان کا استعمال بھی تعلیمی نفسیات کا مرہونِ منت ہے۔

7- بچپن سے بڑھاپے تک انسانی شخصیت کو کئی ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جب تک ان ادوار کو سامنے رکھتے ہوئے طریقہ تدریس کو انتخاب نہیں کیا جائے گا مؤثر تدریس ممکن نہیں۔ اور تعلیمی نفسیات کے بغیر ان ادوار کے تقاضوں کو جاننا ممکن نہیں۔

8- اسی فن کی بدولت امتحانات کے مختلف طریقے دریافت ہوئے۔ مشقی سوالات اور آزمائشیں میں جدت پیدا ہوئی۔ عموما مدرس یہ نہیں جان پاتا کہ میرا پڑھایا ہوا سبق کس حد طلبہ کو سمجھ آیا اگر نہیں آیا تو اس کی وجوہات کیا رہیں؟ جدید معروضی طرز کے امتحانات کی مدد سے اس کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اگر اس فن کے شماریاتی اصول و قواعد کو مد نظر رکھا جائے تو ۲ + ۲ کے جواب کی طرح ممتحن پہلے سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ کس نوعیت کے سوالات سے طلبہ کی جانچ کی جا سکتی ہے اور اس کا نتیجہ کیا رہے گا۔

-9 یہ فن ہمیں بتاتا ہے کہ پڑھنے والے بچوں کو پڑھائی کے ساتھ کس قدر وقت جسمانی سرگرمی کے لیے درکار ہوتا ہے اور کیسی غذا طلبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

-10 یہ فن ہمیں سکھاتا ہے کہ مدرسے کا ماحول جمہوری ہونا چاہیے نہ کہ آمرانہ (اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تفصیل آئندہ مضامین میں)۔

تلک عشرۃ کاملۃ

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

بچوں کی نفسیات کا مطالعہ (حصہ اول)

ایک اچھے مدرس کے لیے بچوں کی نفسیات جاننا از حد ضروری ہے۔ بچوں کی نفسیات سے عدم واقفیت کی بناء پر مدرس ڈنڈے، غصے اور مصنوعی رعب و جلال جیسی ناپائیدار چیزوں کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ناپائیدار اس لیے کہ ڈنڈے کے زور پر مدرس بچے کو کب تک چلا سکتا ہے؟ دس سال، بارہ سال یا پندرہ سال کی عمر تک؟ اس کے بعد ایک وقت ایسا آتا ہے جب بچے میں بغاوت پیدا ہوتے ہے اور وہ استاذ سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

اس کے برعکس علم نفسیات مدرس (اور مبلغ) میں وہ صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اپنے بات کو بچوں کی ذہنی سطح پر اتر کر سمجھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے نفسیات کی اہمیت و طاقت کے متعلق ایک غیر متعلقہ مثال دینا چاہوں گا۔ آپ نے کچھ عرصہ پہلے بلیو وہیل (Blue Whale) نامی ایک گیم کا چرچا سنا ہو گا جس کا کھیلنے والا بالآخر خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ جانتے ہیں وہ گیم کس نے بنائی تھی؟ جی ہاں! فلپ بوڈکن نامی نفسیات کے ایک ادھورے طالب علم نے، ادھورا اس لیے کہ اسے یونیورسٹی سے اس کی منفی سرگرمیوں کی وجہ سے نکال دیا گیا تھا۔

اگر آپ اس گیم کے بارے میں نہیں جانتے تو گوگل پر اس کے بارے میں تلاش کریں آپ کو علمِ نفسیات کی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اگر اس علم کا منفی

استعمال کسی کو خودکشی پر مجبور کر سکتا ہے تو مثبت استعمال بچوں میں مثبت تبدیلیاں بھی پیدا کر سکتا ہے۔

واپس اپنے موضوع کی جانب آتے ہیں، بچوں کی نفسیات میں مندرجہ ذیل امور کا مطالعہ کیا جاتا ہے:

-1 بچے کا ذہن کا طرح کام کرتا ہے؟ کس چیز کو کیوں پسند کرتا ہے اور کس چیز کو کیوں ناپسند کرتا ہے؟

-2 بچے کی نشوونما کے مختلف مراحل۔ تاکہ مدرس جان سکے کہ کس عمر کے بچے کے لیے کون سا اندازِ تدریس اختیار کرنا ہے۔ جو انداز تدریس ایک سمجھدار بچے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اس ناسمجھ بچے کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔

بچے کی پیدائش سے بلوغت تک اس کے ذہن اور جسم میں ہونے والی تبدیلیوں سے ایک اچھے مدرس کا واقف ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ جان سے کہ بچے میں کب کب کون سی نئی چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور کون سی پرانی چیزیں کب تک موجود رہتی ہیں اور کب تک ختم ہوتی ہیں۔

-3 بچوں کے کردار، جذبات اور رویوں میں تبدیلی۔ مثلا بچپن میں میٹھا اور دودھ بچوں کی پسندیدہ غذا ہوتی ہے لیکن کچھ سال کے بعد اسی بچے سے اس کی پسندیدہ غذا کے بارے میں پوچھیں تو وہ مختلف ماحول کے زیر اثر مختلف اشیاء کے نام بتائے گا۔ مثلا شہری بچہ پزا یا برگر وغیرہ کا اور دیہاتی بچہ اپنے ہاں کی کسی لذیذ

ترین ڈش کا نام لے گا۔ غرض عمر اور ماحول وغیرہ مختلف عوامل کے زیر اثر بچوں کی پسند ناپسند، جذبات اور رویے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک اچھے مدرس کے لیے ان سب سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ وہ بچوں کو اس کے مطابق تعلیم دینے کے قابل ہو سکے۔

)جاری ہے(

نوٹ: خود سے آگے بڑھ کر مطالعہ کرنا چاہیں تو انگلش، عربی اور کسی حد تک اردو میں اس موضوع پر کافی مواد دستیاب ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ گوگل پر لکھ کر تلاش کریں اور حاصل مطالعہ گروپ میں ضرور شیئر کریں:

* بچوں کی نفسیات
* بچوں کی تعلیمی نفسیات
* علم نفس الطفولة
* سیکولوجیة الطفل
* علم نفس الطفل
* child psychology

وغیرہ

Little Birds ECDE Teacher Education
Little Birds
Certificate Course
Introduction to Child Psychology
C.Gichuba • Z. Kanyoria

بچّوں کی نفسیات
ڈاکٹر عبدالرؤف
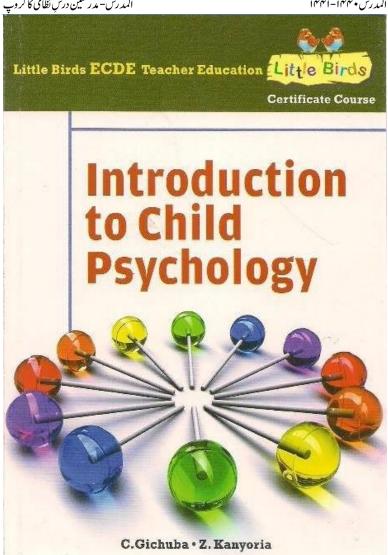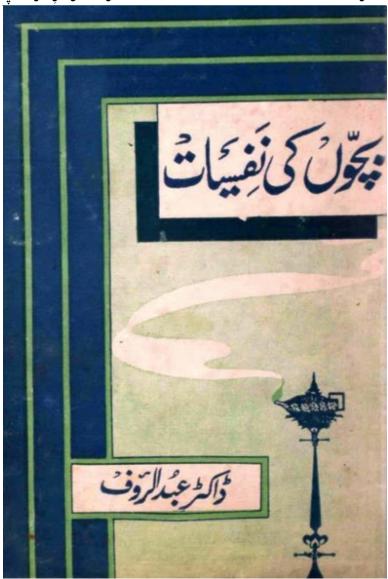
سيكولوجية الطفل

(علم نفس الطفولة)

ألفت حقي
أستاذ علم النفس الاكلينيكي
جامعة الإسكندرية

١٩٩٦

مركز الإسكندرية للكتاب
٤٦ شارع الدكتور مصطفى مشرفة
ت: ٤٨٢٦٥٠٨ - الإسكندرية

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

طلبہ کی نفسیات سے آگاہی کامیاب تدریس کی ضمانت

قدیم تعلیمی نظام میں استاد اپنے علم و معلومات کی ترسیل کے لئے صرف طریقہ تدریس کو ہی کافی تصور کرتے تھے۔ طلبہ کی تعلیمی ضروریات، ان کی ذہنی استعداد، اکتسابی رویوں، میلانات اور رجحانات کو قدیم تعلیمی نظام میں کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ قدیم تعلیمی نظام طلبہ کی ذہنی و نفسیاتی مسائل سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تھا۔ جس طرح ارتقاء و انقلاب نے زمانے کی اقدار اور ادراک کی سطحوں کو مرتعش کیا اسی طرح زمانے کے تغیرات کا تعلیمی نظام و نظریات اور شعبے درس و تدریس پر بھی گہرا اثر پڑا ہے۔ جدید تعلیمی نظام میں درس و تدریس اور اکتسابی امور کی احسن طریقے سے انجام دہی کے لئے طلبہ کی نفسیات سے آگہی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ طلبہ کی نفسیات سے آگہی کا علم، فن تدریس کو سائنسی

مزاج کا حامل بناتا ہے۔ تعلیمی تحقیق اور مشاہدے سے اکتساب پر اثرانداز ہونے والے کئی نفسیاتی عوامل و حقائق کا پتہ چلا ہے۔ موثر تدریس کے لئے ضروری ہے کہ ایک معلم کو یہ علم ہو کہ وہ کسے اور کیا پڑھا رہا ہے۔ بچوں میں جسمانی، ذہنی اور جذباتی نشو و نما مختلف ادوار میں مختلف انداز میں نمو پذیر رہتی ہے جس کی بناء پر طلبہ کمرۂ جماعت میں اپنی کارکردگی درج کرواتے ہیں۔ تدریسی عمل میں طلبہ کی یاداشت کی سطح) قوت انجذاب (grasping ، تعلیمی رویوں، فہم وادراک اور برتاؤ جیسے اہم عناصر کو بنیادی مقام دیا جانا چاہئے۔ جدید تعلیمی نظریات کا سر خیل پستالوزی اساتذہ کے لئے طلبہ کی نفسیات سے آگہی کو ضروری قرار دیتا ہے۔ نفسیاتی علوم کی اہمیت و افادیت کی وہ پرزور تائید کرتا ہے۔ پستالوزی کے مطابق " بچوں کی مسلسل ترقی و نشو و نما کے لئے لازمی ہے کہ اساتذہ طلبہ کی ذہنی سطح اور صلاحیتوں کا بہتر طور پر جائزہ لیں۔" اساتذہ اپنی صلاحیتوں کی منتقلی کے دوران طلبہ کی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کا سنجیدگی سے جائزہ لیں۔ کئی بیرونی و اندورنی عوامل بچوں کی ذہنی کارکردگی کو متاثر کرتے ہیں۔ نفسیاتی رویے فکر کے زیر اثر پرورش پاتے ہیں۔ چند رویے جہاں اکتساب کے لئے موزوں ہوتے ہیں وہیں چند اکتسابی کیفیت کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ طلبہ کی پریشانیوں، مسائل، الجھنوں اور ضرورتوں کے وقت رہبری اور رہنمائی میں طلبہ کی ذہنی سطح اور نفسیات سے آگہی کا علم اساتذہ کے لئے بے حد مددگار ہوتا ہے۔ طلبہ کی نفسیات سے آگہی کے

باعث اساتذہ کو درج ذیل امور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے

(1)نفسیات سے واقفیت کے باعث اساتذہ طلبہ کی ضرورتوں، مقاصد، ذہنی میلان ورجحانات، خواہشات، اور ان میں وقوع پذیر جذباتی رویوں کی تبدیلی سے اکتساب پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا کامیاب تجزیہ کرسکتے ہیں۔

(2)نفسیات سے آگہی کے باعث طلبہ کی انفرادی شخصیت اور ان کی پیچیدگیوں کا صحیح اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے اور تدراک کے اقدامات کیئے جاسکتے ہیں۔ نفسیاتی علوم سے لیس اساتذہ بچوں کی صلاحیتوں کی جدید صورت گیری کرتے ہوئے اکتسابی عمل کو صحیح سمت دے سکتے ہیں۔

(3)بچوں کی نفسیات سے آگہی کے ذریعے اکتسابی عمل کو ذہنی وجذباتی خلفشار سے ہونے والے نقصانات سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور اس کے سدباب کے لئے مبسوط حکمت عملی ترتیب دی جاسکتی ہے جس سے اکتسابی مسائل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

(4)بچوں کی نفسیات سے واقفیت کے بناء پر استاد اور طالب علم کے درمیان ایک صحت مند مضبوط تعلق پیدا ہوتا ہے۔ طلبہ کی حوصلہ افزائی سے اکتسابی عمل کو مزید پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔

(5)اساتذہ بچوں کی نفسیات سے واقفیت رکھتے ہوئے نہ صرف تعلیمی پسماندگی پر قابو پاسکتے ہیں بلکہ تعلیمی طور پر معذور طلبہ کے مسائل کا بھی سدباب

کر سکتے ہیں۔

(6)طلبہ کی نفسیات سے آگہی رکھنے والے اساتذہ ان کے ذہنی سطحوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک کامیاب تدریسی حکمت عملی تیار کر سکتے ہیں۔

(7)جذبہ اکتساب کو نقصان پہنچانے والے عوامل، حالات سے مطابقت پیدا کرنے سے روکنے والے عناصر کی بر وقت مشورہ سازی کے ذریعہ روک تھام اسی وقت ممکن ہے جب اساتذہ بچوں کی نفسیات سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہوں۔ غیر پسندیدہ رویوں کو فروغ دینے والے حالات، مسائل اور واقعات کا جائزہ لے کر ان کا سد باب کیا جا سکتا ہے اور ناپسندیدہ رویوں کی جگہ پسندیدہ رویوں کو فروغ دینا تب ہی ممکن ہے جب اساتذہ طلبہ کی نفسیات سے آگہی رکھتے ہوں۔

طلبہ کے رویے اکتسابی صلاحیت پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی لئے اسکول میں ان کے برتاؤ کا معروضی مشاہدہ ضروری ہوتا ہے۔ طلبہ کے شخصی، انفرادی اوراجتماعی رویوں سے واقف استاد بہتر طور پر طلبہ کی تعلیمی رہبری کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ طلبہ کے انفرادی میلانات ورجحانات کا علم ایک استاد کو تشفی بخش علم کی فراہمی اور موثر طریقہ تدریس میں کافی مدد فراہم کرتا ہے۔ نفسیاتی عوامل و عناصر سے آگہی طلبہ کی ذہنی سطح اور ضرورت پر مبنی تدریس کی منصوبہ بندی میں سود مند ثابت ہوتی ہے۔ نفسیاتی علوم سے متصف استاد طلبہ کے میلانا ت ان کے رجحانات اور سماجی پس منظر کی بخوبی نشاندہی کر سکتا ہے۔ طلبہ کی

نفسیات سے آگہی رکھنے والا استاد نہ صرف بہتر مشاہدہ کا حامل ہوتا ہے بلکہ اس میں واقعات اور مسائل کے تجزیہ کی صلاحیت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے وہ مسائل کے حل کے اصلاحی طریقوں سے بھی بخوبی واقف ہوتا ہے۔یہی اوصاف استاد کو ایک اچھے اور بہتر رہنماورہبر کا درجہ عطا کرتے ہیں۔

اکتساب چونکہ ایک نفسیاتی عمل ہے اسی لئے طلبہ کی ذہنی نشوونما کے مختلف مراحل جیسے سوچنے کی صلاحیت) فکر(Thniking،سوجھ بوجھ کی صلاحیت)فہم(comprehension،برتاؤ میں ہونے والی تبدیلیوں کو تعلیمی منصوبہ بندی میں خاص اہمیت دی جانی چاہیئے۔اسکولی بچوں کی نشوونما(بالیدگی) کے تین اہم دور ہوتے ہیں۔ابتدائی بچپن ۵-۷ سال کی عمر،درمیانی بچپن ۸ تا ۱۰ سال اوابتدائی بلوغت کا دور ۱۱(گیارہ) سال اور اس سے آگے کی عمر پر محیط ہوتا ہے۔حالانکہ ذہنی کیفیت اور کارکردگی انفرادی حیثیت کی حامل ہوتی ہے لیکن بالیدگی کے مراحل میں اس کا مشاہدہ کافی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔طلبہ کے طرز عمل اور برتاؤ میں پائے جانے والی تبدیلیوں سے آگہی کی وجہ سے اساتذہ موقع کی مناسبت سے اپنی تدریسی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔طلبہ کے برتاؤ کی تبدیلیاں جیسے دباؤ، غم وسوگواری، چڑچڑاپن۔تنہائی پسندی،اور ان تبدیلیاں کے پیچھے کارفرما وجوہات وحالات ، ناقص تعلیم وتربیت جیسے عوامل کو ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔طلبہ کو ذہنی خلفشار میں تحفظ فراہم کرنا،ناکامی کے خوف سے باہر

نکال کر ان کی توانائی اور صلاحیت کو صحیح سمت دینا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب اساتذہ طلبہ کی نشوونما (بالیدگی) کے مختلف مراحل کا نفسیاتی شعور رکھتے ہوں۔طلبہ کی نفسیات سے آگہی کا عمل درس و تدریس سے وابسطہ کئی مسائل کا کامیاب حل پیش کرتا ہے۔ناتجربہ کار اور خراب انتظامیہ مسائل کو حل کرنے کے بجائے بد سے بد تر بنادیتے ہیں۔ایک استاد اپنی تدریس کو اسی وقت بال و پر عطا کر سکتا ہے جب وہ اپنی تدریس کو طلبہ کے ذہن اور صلاحیتوں کے عین مطابق بنائے۔طلبہ کی ذہنی سطحوں کو ملحوظ رکھ کر ترتیب دیا جانے والا درس ہی طلبہ کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے اور طلبہ میں تعلیم سے دلچسپی اور رغبت کو فروغ دیتا ہے۔

ہر طالب علم کی نشوونما و ترقی میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس تفریق کے باوجود ہم عمر بچوں کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں میں چند مشترکہ خصوصیات پائی جاتی ہیں اور ان مشترکہ خصوصیات کو تدریسی منصوبہ بندی کے دوران اہمیت دینا ضروری ہوتا ہے۔ماہرین نفسیات اور بچوں کے نشوونما کی جانچ کرنے والے ماہرین کے مطابق ابتدائی بچپن ۵ تا ۷ سال کی عمر میں چند نمایاں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اس عمر کے بچے کسی کام کی انجام دہی کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اکثر اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود سے لطف حاصل کرتے ہیں۔پانچ تا سات سال کے بچوں کی قوت تخیل بہت ہی اچھی ہوتی ہے اور وہ تخیلاتی واقعات میں گہری

دلچسپی لیتے ہیں۔اس عمر میں بچوں کی یاداشت عموماً بہترین ہوتی ہے۔وہ سنے ہوئے واقعات اور دیکھی ہوئی اشیاء کو باآسانی یادرکھ سکتے ہیں اور دہرا سکتے ہیں۔جسمانی سرگرمیاں ان کے لئے لطف کا سامان فراہم کرتی ہیں اسی وجہ سے وہ لطف فراہم کرنے والی اکتسابی سرگرمیاں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔فکر کی جامعیت (Abstract Thinking) کے یہ متحمل نہیں ہوتے۔ حرکی(Motor)استعداد ان میں بہترین معیار کی پائی جاتی ہے۔متحرک اکتساب اور جسمانی سرگرمیاں اس عمر کے بچوں کی دلچسپی کا محور ہوتی ہیں۔کسی قسم کی جسمانی چوٹ یانقصان کاخوف یاکسی اور قسم کاخوف ان کی ذہنی صلاحیتوں پر کاری ضرب لگاتا ہے۔اس عمر میں بچے اکثر لایعنی سوالات کرتے ہیں اور معمولی سے ردعمل پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔عموماً اس عمر کے بچوں کا مزاج خودپسندی (Egocentric) ہوتا ہے اور یہ دوسرے بچوں کے لئے رحم کا جذبہ نہیں رکھتے ہیں۔

ذہنی نشوونما کا دوسرا دور ۸ تا ۱۰ سال کی عمر پر محیط ہوتا ہے۔اس دور میں اکثر بچوں میں ادراک اور دانش مندی کی نشوونما اتم درجہ کی ہوتی ہے۔یہی عمر رسمی تعلیم کے لئے بھی موزوں ہوتی ہے۔عمر کے اس دور میں حرکی استعداد،سماعت کی صلاحیت،سوجھ بوجھ اور حقائق پسندی بھی نمو پذیر رہتی ہے۔اسی عمر میں مصلحت پسندی اور دوسروں سے تعاون کا جذبہ بھی فروغ پاتا

ہے۔اس عمر میں بچے دوسروں کی صحبت کو پسند کرتے ہیں اوران میں دوست بنانے کا رجحان فروغ پاتا ہے۔ تعریف وتوصیف نمایاں کارکردگی میں محرکہ کا کام انجام دیتی ہے۔اس عمر کے بچے خود کو نمایاں اور اعلی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اساتذہ کے بہتر برتاؤ سے بچوں میں اچھے اخلاق پروان چڑھتے ہیں عمر کے اسی دور میں اقدار اور انضباط کی صلاحیت پروان چڑھتی ہے جس کی وجہ سے ان کی نگرانی ضروری ہو جاتی ہے۔بچوں کو ان کی نگرانی سے واقف بھی کرایا جائے تاکہ وہ اپنے حدود کو جان لیں اور اس سے تجاوز کی کوشش نہ کریں۔۱۱

سال اور اس سے آگے کے دور کو نوخیزی (Teenage) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔بچوں کی زندگی کا یہ دور بہت ہی نازک دور ہوتا ہے اگر اس دور کو دانش مندی سے نہیں سنبھالا گیا تو بچوں کا نا قابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔یہ دور بچوں کے ذہنی ہیجان و انتشار کا دور ہوتا ہے۔بچے اس عمر میں جذباتی عدم استقامت کا شکار ہوتے ہیں۔جسمانی اور ذہنی نشو ونما اس عمر میں اپنے عروج پر ہوتی ہے۔اس عمر میں بچے خود شناسی اور خود پرستی کے علاوہ مخالف جنس میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔اپنے مقام و مرتبے، تعریف و توصیف کے خوگر ہو جاتے ہیں۔عمر کے اس دور میں واقع ہونے والی تبدیلیوں سے آگہی کے ذریعہ استاد اکتسابی امور کی بہتر انجام دہی کو ممکن بناتا ہے، طلبہ کی شخصیت سازی کا اہم کام انجام دیتا ہے اور طلبہ سے اپنے اٹوٹ تعلق کو استوار کرتا ہے۔عمر کے اس دور میں بچوں کی جسمانی

نشو و نما ذہنی نشو و نما سے تیز تر ہوتی ہے اور یہ اکتساب کے عمل میں مانع بھی ہو سکتی ہے۔ اس عمر کے بچے اکثر دباؤ(anxiety)کا شکار ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی روز مرہ کی سر گرمیاں متاثر ہو جاتی ہیں۔ نفسیات کی اصطلاح میں اس کیفیت کوanxiety necrosis کہا جاتا ہے۔ عمر کے اسی دور میں بچے احساس کمتری اور عدم تحفظ کے احساس سے گزرتے ہیں۔ قابلیت و صلاحیت کے اظہار کے مواقع نہیں ملنے کی وجہ سے ان میں جھگڑالو پن یا چڑ چڑے پن فروغ پانے کے قوی امکانات پائے جاتے ہیں۔ خوابوں کی دنیا میں مگن رہنے کی کیفیت اس عمر کے بچوں میں دیکھی جاسکتی ہے اور یہ کیفیت اکثر اس وقت دیکھی جاتی ہے جب بچے زندگی کے حقائق سے آنکھیں چرانے لگتے ہیں۔ یہ کیفیت تعلیم کے تیئں ان کی توجہ و دلچپسی کو کم کر دیتی ہے۔ توہم پرستی اور عقائد کے بگاڑ کا بھی یہی وقت ہوتا ہے۔ اکثر بچے غیر صحت مند عادتوں کو اپنا کر ذہنی انتشار اور چڑ چڑے پن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ غلطی اور احساس ندامت بھی ان میں چڑ چڑے پن کا باعث بنتے ہیں۔ مختلف النوع حالات سے مطابقت پیدا کرنے میں یہ دقت محسوس کر تے ہیں۔ مثالی اشخاص کے اسوہ کو قبول کرنے سے کتراتے ہیں۔ نئ روایات و اطوار کو اپنانے میں ان کو شادمانی ملتی ہے۔ اساتذہ اور والدین عمر کے اس دور میں اپنی بے جا امیدیں و توقعات ان سے وابستہ کر کے ان کو دباؤ کا شکار نہ کر یں۔ اساتذہ اپنے بر تاؤ اور طرز عمل کو بچوں کے ذہنی رویوں کے عین مطابق

بنائیں۔ اساتذہ کی غفلت و لاپرواہی ان میں غصہ، چڑچڑاپن، شدت پسندی جیسے نا پسندیدہ اطوار و عادتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔

غیر صحت مند سماجی ماحول کے نتیجے میں بچوں کا برتاؤ خراب ہو جاتا ہے۔ عمر کے اس دور میں استاد بچوں سے دوستانہ طرز عمل کو رواج دیں تاکہ بچوں میں اعتماد کی فضاء بحال ہو اور وہ اساتذہ کی سنجیدہ کوششوں کو سمجھ سکیں۔ عمر کے اس دور میں بچوں کو اظہار کے سلیقہ سے واقف کروایا جائے اور یہ امر بھی ذہن نشین کیا جائے کہ جذبات کے اظہار سے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ تیز جسمانی نشو و نما کے باعث اس دور میں بچے بے راہ روی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ میں اقدار سے پاسداری کے جذبے کو پروان چڑھائیں تاکہ وہ کسی بھی بے راہ روی سے محفوظ رہیں۔ بچوں کو جذبات کی پردہ پوشی کے نقصانات سے واقف کروانا بھی استاد کی ذمہ داری ہے۔ طلبہ کو زندگی کا ایک مثبت اور صحت مند نظریہ پیش کیا جائے، خیالات، نظریات اور جذبات کے اظہار کے لئے مناسب مواقع فراہم کئے جائیں۔ تناؤ اور دباؤ پر قابو پانے کے طریقوں سے طلبہ کو روشناس کیا جائے۔ عمر کے اس دور میں مسلسل ہمت افزائی اور رہبری کے ذریعہ اساتذہ طلبہ میں خود انضباط اور احساس ذمہ داری کو فروغ دے سکتے ہیں۔ طلبہ کو ذہنی طور پر اس طرح تیار کریں کہ وہ غیر صحت مند اور مضر صحت سرگرمیوں سے احتراز کریں۔ بچوں میں اختراعی اور فکر ساز رجحانات کو جاگزیں کیا جائے تا

کہ ان میں قوت فیصلہ اور تجزیہ کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ شخصی اختلافات کے احترام کا جذبہ پیدا کیا جائے تا کہ وہ سماج کا فعال حصہ بن سکیں۔اساتذہ بچوں پر تنقید کے بجائے ان کے خراب تعلیمی مظاہرے کے اسباب کو تلاش کریں اوراس کا سدباب کریں۔ مذکورہ اہنمایانہ خطوط کی روشنی میں اساتذہ بہتر رہنمائی کے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ایک استاد کو مربی کا مقام اسی وقت ملتا ہے جب وہ نہ صرف علم کی منتقلی کو یقینی بناتا ہے بلکہ طلباء کی ذہنی سطحوں کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے تدریسی لائحہ عمل کو مرتب کرتا ہے۔ایسے اساتذہ اپنے پیشے کی عظمت و وقار کو جلا بخشتے ہیں اور در حقیقت یہی لوگ سماج کے حقیقی معمار بھی ہیں۔

https://www.facebook.com/groups/almudarris/permalink/2068653056579325/

مدارسِ کے طلبہ جائز تفریحی سرگرمیوں سے بھی محروم کیوں؟

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں تعلیمی نظام دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے:

پہلے نظام کو اسکول کا نام دیا گیا ہے

جہاں کے ماحول میں ظاہری کشش اور رنگینی ہے، طلبہ وطالبات کو تعلیم کے ساتھ بھرپور تفریح کا سامان بھی مہیا ہوتا ہے۔ کئی اسکولوں میں داخل ہوتے ہی چھوٹا سا لان اور جھولے بچوں کا دل موہ لینے کو کافی ہوتے ہیں۔ رنگ برنگی ڈرائینگز اور اشیاء سے سجے سنورے کلاس روم، کھیل کود کے لیے ایک مخصوص پیریڈ اور پی ٹی وغیرہ کثیر لوازمات ہیں جن کے ذریعے بچوں کو اسکول کی جانب راغب کیا جاتا ہے۔

دوسرے نظام کو مدرسہ کا نام دیا گیا ہے

جہاں کا ماحول ظاہر کے اعتبار سے پھیکا، بے رنگ اور کسی بھی قسم کی دلچسپی سے خالی ہوتا ہے۔ جھولے یا رنگین کلاس روم تو شاید ہی کسی مدرسے میں موجود ہوں۔ نیز کسی قسم کے کھیل کود کا کوئی پیریڈ بھی نہیں ہوتا، نہ ڈرائینگ نہ پی ٹی وغیرہ۔ اس پر اکثر اساتذہ کا سخت رویہ اور ٹیڑھے میڑھے حاشیوں والی ڈراؤنی اور بے رنگ کتب جدید دور کے بچوں کو مدرسے کے ماحول سے دور کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

شہری مدارس میں جگہ کی کمی کے باعث کھیل کود کے لیے کوئی میدان بھی

دستیاب نہیں ہوتا۔ اور سب سے برا حال ان مدارس کے طلبہ کا ہے جہاں مدرسے کے لیے الگ سے کوئی عمارت نہیں بلکہ طلبہ مسجد میں ہی رہتے ہیں۔ دن رات مسجد میں پڑے رہنے کی وجہ سے مسجد کے ادب سے بھی جاتے رہتے ہیں اور آتے جاتے نمازیوں کی ڈانٹ پھٹکار بھی سنتے ہیں۔ دیہاتی علاقوں میں یہ مسئلہ عام ہے۔

یہ تمام مسائل موجودہ دور کی رنگینیوں میں کھوئے بچوں کو مدارس وجامعات سے دور کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ اپنے مدرسے یا جامعہ میں طلبہ کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے کچھ ایسی سرگرمیاں ضرور کروانی چاہییں جن سے طلبہ کو کچھ نہ کچھ تفریحی ماحول بھی میسر آئے۔ اور بچے مدارس کے قریب آنے لگیں گے۔

سوال یہ ہے کہ مدارس کے طلبہ جائز تفریحی سرگرمیوں سے محروم کیوں ہیں؟ اگر اس میں کوئی شرعی قباحت ہے تو براہ کرم میری غلط فہمی دور کیجیے۔

موجودہ دور کو سمجھیے، لوگوں کے مزاج کو دیکھیے۔ عام مشاہدہ کہ آج کل بچے تو بچے تو بڑے بھی موبائل وغیرہ کے ذریعے کسی نہ قسم کی تفریح کرتے ہیں کوئی گیم کھیلتا ہے تو کوئی کچھ (حالانکہ ان میں سے بہت سی چیزوں کی شرعا اجازت بھی نہیں)۔ اور تعلیم تو تعلیم ملکی سیاست کے سنجیدہ مسائل کو بھی تفریحی رنگ میں ٹی وی پر پیش کیا جاتا ہے۔

مدارس کے بہت سے اساتذہ بھی ان چیزوں سے خالی نہیں۔ چند ایک کی فیس بک وغیرہ کی آئی ڈی دیکھ لیں آپ کو وہاں لطیفے بھی مل جائیں گے، مزاحیہ کلپ بھی شیئر کیے جاتے ہیں، عشقیہ شاعری کے دلدادہ بھی بہت مل جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ہر ایک کسی نہ کسی ذریعے سے ذہنی وجسمانی تفریح حاصل کرتا ہے لیکن جب بات کرتے ہیں طلبہ کو محدود اور جائز تفریحی ذرائع مہیا کرنے کی تو اس پر کوئی راضی نہیں ہوتا۔

آخر کیوں؟

اس کا جواب مجھے نہیں مل سکا۔

یوم المانجو (MangoDay)-سخت گرمی میں بہار کا جھونکا

جامعہ فیضان اولیاء کراچی میں چند روز پہلے یوم المانجو (MangoDay) منایا گیا۔ جس کی تصویر جھلکیاں مضمون کے ساتھ منسلک ہیں۔

طلبہ اس بزم سے بھرپور لطف اندوز ہوئے اور اس کے بعد دسہری آموں سے پورا پورا انصاف بھی کیا۔

جامعہ کے شیخ الحدیث مفتی احسن نوید نیازی صاحب کے ادبی بیان نے اس بزم کو چار چاند لگا دیے۔ آپ نے اردو ادب میں آم کے تذکرے پر گفتگو فرمائی اور بتایا کہ اقبال و غالب جیسے شعراء بھی آم کے کس قدر شوقین تھے۔

چھوٹے بچوں نے آم کی شکل والی کاغذ کی ٹوپیاں پہن کر مختلف آموں کے بارے میں بتایا کہ آم کی کون سی قسم کیسی ہوتی ہے۔

ایک بچے نے آم کے بارے میں نظم پڑھی جس کی ویڈیو ساتھ منسلک ہے۔

غرض چند گھنٹوں کے لیے جامعہ کا ماحول یکسر بدل کر رہ گیا تھا۔

بظاہر تو یہ تفریحی اور معلوماتی بزم چند گھنٹوں کی تھی لیکن یہ چند گھنٹے طلبہ کے ذہنوں پر دیرپا مثبت اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔

مثلاً

۱- قوتِ تخیل مضبوط ہوتی ہے:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچے اپنے ہاتھ کو جہاز بنا کر کھیلتے ہیں تو کبھی کسی ڈنڈے پر آگے پیچھے سوار ہو کر موٹر سائیکل بنا لیتے ہیں وغیرہ۔ یہ بچوں کی قوتِ تخیل ہی ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ ہاتھ کو جہاز یا ڈنڈے کو موٹر سائیکل سمجھ لیتے ہیں۔

آج بھی جب میں کاغذ کاٹ کر آم کی شکل والی ٹوپیاں بنا رہا تھا تو ایک بچے نے

بے کار کاغذ کا ٹکڑا اٹھا کر چھوٹا سا آم کاٹا اور اس کی انگوٹھی بنا دی۔ اگر آپ تصاویر دیکھ کر ٹوپی اور انگوٹھی پر غور کریں تو دونوں میں صرف سائز کا فرق ہے۔ یہ قوتِ تخیل ہی ہے جس نے اس بچے کو یہ بات سمجھائی کہ اس ٹوپی کو چھوٹے سائز میں بنا کر انگلی میں بھی پہنا جا سکتا ہے۔

اور

یہ یہی قوت آگے چل کر "منطق و فلسفہ" کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانے میں مد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

۲-ذہنی تھکاوٹ دور ہوتی ہے:

بچے تو بچے بڑے بھی ایک جگہ ساکت و جامد بیٹھے بیٹھے تھک جاتے ہیں اس سے ان کی تعلیمی کارکردگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ ایک آدھ ماہ میں کبھی کبھی ایسی تفریحی سرگرمی طلبہ کی ذہنی بیٹری کو نئے سرے سے چارج کر دیتی ہے۔ خصوصاً منطق و فلسفہ جیسے خشک مضامین سے سر پھوڑتے طلبہ کے لیے ایسی تفریح از حد ضروری ہے۔

تو جناب گرمی کے اس موسم میں آم بالکل عام ہے اس لیے آپ بھی اپنے مدرسہ یا جامعہ کے طلبہ کو تفریح کا موقع فراہم کر سکتے ہیں۔

مزید کیا کیا جاسکتا ہے؟

۱- جن مدارس میں کھیل کے میدان نہیں وہاں Indoor Games کا بندوبست ہو سکتا ہے۔ مثلاً ٹیبل ٹینس وغیرہ۔ اس میں زیادہ سرمایہ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا، جگہ بھی کم لیتی ہے اور جسمانی ورزش بھی خوب ہوتی ہے۔ نیز طالبات کے مدارس کے لیے بھی یہ کھیل موزوں ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ محض ایک مشورہ ہے اپنے ماحول اور بجٹ کے مطابق کسی بھی جائز ذریعہ کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۲- ہفتے میں کم از کم ایک دن ڈرائینگ کا پیریڈ رکھا جا سکتا ہے۔ اس میں بچے اور بڑے یکساں دلچسپی لیتے ہیں۔ دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے ڈرائینگ کی مشق سے نہ صرف لکھائی نکھرتی ہے بلکہ اشیاء کا بغور مشاہدہ کرنے کی صلاحیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی صلاحیت آگے چل کر درسِ نظامی کے بہت سے فنون میں کام آتی ہے۔

۳- کمپیوٹر کا ایک پیریڈ بھی طلبہ کے لیے دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ گزشتہ دو سال پہلے ہم نے جامعہ میں کمپیوٹر کی ٹریننگ کا سلسلہ شروع کیا تھا جس میں ہفتے میں ایک پیریڈ کمپیوٹر پر Typing Dead نامی ایک گیم کھیلنے کے لیے مخصوص تھا۔ اس گیم سے طلبہ کی دلچسپی کا اندازہ یوں لگالیں کہ پورا ہفتہ طلبہ کو اس پیریڈ کا انتظار رہتا تھا۔ اس گیم پیریڈ کا سب سے بڑا فائدہ ہوا کہ طلبہ نے کمپیوٹر کے پیریڈ میں دلچسپی لینا شروع کر دی اور صرف دو سال میں اردو انگلش ٹائپنگ، ان پیج، ایم

ایس ورڈ، پاور پوائنٹ اور السٹریٹر کی ابتدائی تربیت مکمل کرلی۔

کیا نہ کیا جائے؟

کسی بھی ایسی تفریح یا کھیل کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے جس میں کسی قسم کی ذہنی وجسمانی سرگرمی نہ ہو مثلا کیرم بورڈ یا لڈو وغیرہ۔ تفریح اور گیم کا انتخاب کرتے وقت غور کرلیں کہ اس کے ذہنی وجسمانی فوائد کیا ہوں گے۔

اس موضوع پر مزید بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن وقت کی تنگی کے باعث ایک شعر پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں:

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

(اقبال)

آم
ملتا ہے یہ سستے دام
کتنا اچھا پھل ہے آم
گودے دار رسیلا بھی
کھٹا بھی ہے میٹھا بھی
چٹنی، شربت اور اچار
اس کا مربہ ذائقہ دار
آم دسہری ہے مشہور
لنگڑا بھی رس سے بھرپور
بزم جامعہ فیضانِ اولیاء
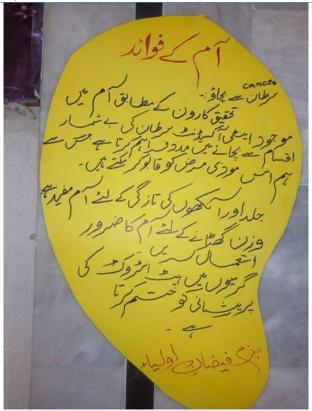
[تحریر کے ساتھ منسلک ویڈیو کے لیے یہاں کلک کیجیے](#)

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے](#)

عقلمند استاد

پرانے استاد کو اپنی تعلیم مکمل کرنے کیلئے چھٹی پر جانا پڑا تو ایک نئے استاد کو اس کے بدلے ذمہ داری سونپ دی گئی۔ نئے استاد نے سبق کی تشریح کر چکنے کے بعد ایک طالبعلم سے سوال پوچھا۔ اس طالب علم کے ارد گرد بیٹھے دوسرے سارے طلباء ہنس پڑے۔ استاد کو اس بلا سبب ہنسی پر بہت حیرت ہوئی، مگر اس نے ایک بات ضرور محسوس کر لی کہ کوئی نا کوئی وجہ ضرور ہو گی۔ طلباء کی نظروں، حرکات اور رویئے کا پیچھا کرتے آخر کار استاد نے یہ نکتہ پا لیا کہ یہ والا طالب علم ان کی نظروں میں نکما، احمق، پاگل اور خبتی ہے، ہنسی انہیں اس بات پر آئی تھی کہ استاد نے سوال بھی پوچھا تو کسی پاگل سے ہی پوچھا، جیسے ہی چھٹی ہوئی، سارے طلباء باہر جانے لگے تو استاد نے کسی طرح موقع پا کر اس طالب علم کو علیحگی میں روک لیا۔ اسے کاغذ پر ایک شعر لکھ کر دیتے ہوئے کہا، کل اسے ایسے یاد کر کے آنا جیسے تجھے اپنا نام یاد ہے، اور یہ بات کسی اور کو پتہ بھی نا چلنے پائے۔ دوسرے دن استاد نے کلاس میں جا کر تختہ سیاہ پر ایک شعر لکھا، اس کے معانی، مفہوم، ابلاغ اور تشریح بیان کر کے شعر مٹا دیا۔ پھر طلباء سے پوچھا؛ یہ شعر کسی کو یاد ہو گیا ہو تو وہ اپنا ہاتھ کھڑا کرے! جماعت میں سوائے اس لڑکے کے ہچکچاتے، جھجھکتے اور شرماتے ہوئے ہاتھ کھڑا کرنے کے اور کوئی ایک بھی ایسا لڑکا نا تھا جو ہاتھ کھڑا کرتا۔ استاد نے اسے کہا سناؤ، تو لڑکے نے ازبر یاد کیا ہوا شعر سنا دیا۔ استاد

نے لڑکے کی تعریف کی اور باقی سارے لڑکوں سے کہا اس کیلئے تالیاں بجائیں۔ سارے طالبعلم حیرت و استعجاب سے دیدے پھاڑے اس لڑکے کو دیکھ رہے تھے۔ اس ہفتے وقفے وقفے سے، مختلف اوقات میں اور مختلف طریقوں سے ایسا منظر کئی بار ہوا، استاد لڑکے کی تعریف وتوصیف کرتا اور لڑکوں سے حوصلہ افزائی کیلئے اس کیلئے تالیاں بجواتا۔ دوسرے طلباء کی نظریں، رویہ اور سلوک اس کے ساتھ بدلنا شروع ہو گیا۔ اس طالب علم نے بھی اپنے آپ کو بہتر اور افضل سمجھنا شروع کر دیا، اپنی ذات پر بھروسہ کرنے لگا، خبتی اور پاگل کی سوچ سے باہر نکل کر بہتری کی جانب بڑھنا شروع ہو گیا۔ اپنی صلاحیتوں کو بہتر استعمال کرنے لگا، پر اعتماد ہوا، دوسروں جیسا پڑھنے لگا بلکہ دوسروں کے ساتھ مقابلے میں آنے لگا۔ امتحانات میں خوب محنت کی، اپنے آپ کو ثابت کیا اور اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا۔ اگلی جماعتوں میں اور بہتر پڑھا، یونیورسٹی تک پہنچا، آجکل پی ایچ ڈی کر رہا ہے۔ یہ ایک شخصی قصہ ہے جس میں ایک شخص اس ایک شعر کو اپنی کامیابی کی سیڑھی قرار دے رہا ہے جو ایک شفیق استاد نے چپکے سے اسے یاد کرنے کیلئے لکھ کر دیدیا تھا۔ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک قسم ان لوگوں کی ہوتی ہے جو خیر کی کنجیوں کا کام کرتے ہیں، شر کے دروازے بند کرتے ہیں، حوصلہ افزائی کرتے ہیں، داد دیتے ہیں، بڑھ کر ہاتھ بڑھاتے ہیں، اپنی استطاعت میں رہ کر مدد کر دیتے ہیں، دوسروں کے شعور اور احساس کو سمجھتے ہیں، کسی کے درد کو پڑھ لیتے ہیں،

مداوا کی سبیل نکالتے ہیں، رکاوٹ ہو تو دور کر دیتے ہیں، تنگی ہو آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ترشی ہو تو حلاوت گھولنے کی کوشش کرتے ہیں، مسکراہٹ بکھیرتے ہیں، انسانیت کو سمجھتے ہیں، انسانیت کی ترویج کر دیتے ہیں، کسی کی بیچارگی کو دیکھ کر ملول ہوتے ہیں اور اپنے تیئں چارہ گری کی سبیل کرتے ہیں، ابتداء کرتے ہیں، ایجاد کرتے ہیں، ساتھ دیتے ہیں، مل کر کھاتے ہیں، دکھ بانٹتے ہیں، درد سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ اس کے برعکس شر کا دروازہ کھولنے والے، قنوطیت اور یاسیت کو پروان چڑھانے والے، چلتوں کو روکنے والے، سامنے پتھر لڑھکانے والے، حوصلوں کو پست کرنے والے، منفی رویوں کی ترویج کرنے والے، شکایتوں کے پلندے اٹھائے، نصیبوں کرموں اور تقدیروں کو رونے والے، راستے بند اور راستوں میں کھونٹے گاڑنے والے۔ آپ معلم ہیں، والد ہیں، والدہ ہیں، استاد ہیں، قائد ہیں، یا ایک عام شہری ہیں؛ ایک سوال ہے آپ سے: یا آپ اپنی قسم بیان کر سکتے ہیں؟ یا اللہ ھم سب کو خیر بانٹنے والا بنادے... ٭ آمین ٭

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

نصیحت کا بہترین وقت

بچوں کو نصیحت اس وقت کریں جب بچے receptive mood میں ہوں ۔۴ اوقات ایسے ہیں جب بچہ receptive mode میں ہوتا ہے اس وقت آپ بچے کو جو بھی نصیحت کریں گے وہ بچے کے دل میں اتر جائے گی گا۔

(1) جب بچہ رات کو سونے لگے اس وقت بچہ learning mood میں ہوتا ہے اسلیے اس وقت بچے کہتے ہیں ہمیں کوئ کہانی سنائیں مائیں بچوں کو بلی چوہوں کی کہانیاں سنا دیتی ہیں پھر بچوں میں بلی چوہوں والی حرکتیں آتی ہیں۔اس وقت بچے کو نبیوں اور اور نیک لوگوں کے واقعات سنانے چاہیے جس میں اچھی نصیحتیں ہوں۔ تاکہ آپ کا بچہ بھی نیک بنے۔

(2) جب بچہ آپکے ساتھ گاڑی میں بیٹھا ہو۔اس وقت بھی بچہ learning mode. میں ہوتا ہے اس لیے اس وقت بچہ پوچھ رہا ہوتا ہے ابو یہ کیا ہے وہ کیسے۔اسوقت ہم ڈانٹ ڈپٹ کر کے بچے کو چپ کروا دیتے ہیں وہ بہت قیمتی وقت ہوتا ہے۔اس وقت بچے سے اچھی باتیں کریں اور اچھی نصیحتیں کریں وہ آپ کی باتوں پر توجہ دے گا اور آپکی باتوں پر عمل کرے گا۔

(3) جب بچہ کھانے پے بیٹھے اس وقت بھی بچہ learningmode ہوتا اسوقت بھی آپ نصیحت کر سکتے ہیں۔

(4) جب بچہ بیمار اس وقت بھی بچہ learning mod میں ہوتا ہے اس

وقت آپ جو بھی نصیحت کریں گے وہ بچہ کے دل میں نقش ہو جائے گی۔ آپ نے بچوں کو جو بھی نصیحتیں کرنی ہوں ان اوقات میں کریں بچے ضرور آپکی نصیحتوں پر عمل کریں گے۔ بے وقت بچے کو کبھی نصیحت نہ کریں کیونکہ کہ بچے کبھی کھیلنے یا کسی اور موڈ میں ہوتے ہیں ہم بچوں کو نصیحتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اس سے بچہ کھچنا شروع ہو جاتا ہے اور آپکی باتوں کو اہمیت نہیں دیتا اسی وجہ سے بچہ نافرمانی کرتا ہے ہم پھر اسکو مار پیٹ کرتے ہیں اور زیادہ اپنا باغی بنا دیتے ہیں پھر لوگ کہتے مولانا دعا کرو ہمارے بچے فرمابردار ہو جائیں۔

(منقول)

اس تحریر پر تصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

نظام الامتحانات

اس یونٹ میں امتحانات، کلاس ٹیسٹ، سبق کے بعد کرائے جانے والی مشقوں اور سرگرمیوں، اور سوالیہ پرچے بنانے پر بات ہو گی۔ اللہ کریم ہمیں دنیا وآخرت کے امتحانات میں سرخرو فرمائے۔

یا اللہ عزوجل — الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ — یا رسول اللہ ﷺ

ریفرنس نمبر: har 5183 — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — تاریخ: 20-02-2019

امتحانات میں رشوت لے کر نقل کروانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ Examination staff کو اس لئے کھانا کھلانا اور تحفہ دینا تاکہ وہ ہمارے طلبہ کو چیٹنگ (نقل) کرنے دیں۔ یہ کیسا ہے؟ سائلہ: بنت نواز (خوشاب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

قوانین شرعیہ کے مطابق اپنا کام نکلوانے یا دوسروں کی حق تلفی کے لئے کسی کو کچھ دینا رشوت کہلاتا ہے، اس کے مطابق Examination staff کو اس مذموم غرض سے کھانا کھلانا یا تحفہ دینا، اپنا کام نکلوانے اور نقل نہ کرنے والے طلبہ کی حق تلفی کے لئے ہے، لہٰذا رشوت و ناجائز ہے۔ پھر یہ کہ امتحانات میں نقل کرنا یا کروانا خود مستقل طور پر ناجائز و حرام کام ہے۔ اولاً اس لئے کہ قانوناً جرم ہے اور پکڑے جانے کی صورت میں ذلت و رسوائی کا سبب ہے اور ایسا ملکی قانون، جو خلاف شریعت نہ ہو اور اس کی خلاف ورزی میں ذلت کا اندیشہ ہو، ایسے قانون پر شرعاً بھی عمل واجب ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ نقل کرنے میں نگرانی کرنے والوں، پیپر چیک کرنے والوں اور اس ڈگری کے ذریعے نوکری دینے والوں کے ساتھ دھوکہ ہے حالانکہ احادیث کریمہ میں دھوکہ دینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ثالثاً اس لئے کہ نقل کرنے میں بغیر نقل پیپر دینے والے طلبہ کی حق تلفی ہے اور یہ بھی ناجائز ہے۔ الغرض نقل کرنا یا کروانا کئی وجوہ سے ناجائز ہے اور ایسا ناجائز کام بغیر رشوت بھی ناجائز و حرام ہے، تو رشوت دے کر کرنے یا کرانے میں اس کی شناعت و برائی میں اضافہ ہو جائے گا، لہٰذا اس مذموم غرض سے کھانا کھلانا یا تحفہ دینا سخت ناجائز و حرام ہے، کھانے والے، کھلانے والے، یونہی تحفہ کا لین دین کرنے والے رشوت کے گناہ کے ساتھ ساتھ، نقل کے گناہ میں معاون و مددگار بننے کی وجہ سے سخت گناہ گار و عذاب نار کے حقدار ہوں گے، لہٰذا اس سے بچنا فرض ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: بڑے جھوٹ سننے والے،

01

بڑے حرام خور۔ (القرآن، پارہ6، سورۃ المائدۃ، آیت42)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت حضرت علامہ ابو بکر احمد الجصاص علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "اتفق جمیع المتاولین لھذہ الآیۃ علی ان قبول الرشا حرام، و اتفقوا انہ من السحت الذی حرمہ اللہ تعالی "اس آیت کے تمام مفسرین نے اتفاق کیا اس بات پر کہ بے شک رشوت کا قبول کرنا حرام ہے اور اس بات پر (بھی) اتفاق کیا کہ رشوت اس سحت میں سے ہے، جسے اللہ تبارک و تعالی نے حرام فرمایا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص، ج2، ص607، مطبوعہ کراچی)

جامع الترمذی میں ہے: "لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم الراشی والمرتشی" رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی۔

(جامع الترمذی، ج1، ص248، مطبوعہ کراچی)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ رشوت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الرشوۃ بالکسر: ما یعطیہ الشخص الحاکم و غیرہ لیحکم لہ او یحملہ علی ما یرید "رشوت کسرہ کے ساتھ اس چیز کا نام ہے، جو آدمی حاکم یا اس کے غیر کو دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے یا وہ چیز اسے ابھارے اس کام پر، جو رشوت دینے والا چاہتا ہے۔

(ردالمحتار، ج8، ص42، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: "رشوت لینا مطلقاً حرام ہے۔ کسی حالت میں جائز نہیں۔ جو پرایا حق دبانے کے لئے دیا جائے رشوت ہے، یونہی جو اپنا کام بنانے کے لئے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے۔"

(فتاوی رضویہ، ج23، ص597، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "رشوت کے معنی اپنے مفاد کے لئے یا کسی کی حق تلفی کے لئے رقم دے کر وہ کام کرنا ہے۔ ملخصا" (وقار الفتاوی، ج3، ص314، مطبوعہ بزم وقار الدین، کراچی)

گناہ کے کام میں معاونت منع ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور گناہ اور زیادتی میں باہم مدد نہ دو۔ (القرآن، پارہ6، سورۃ المائدہ، آیت2)

دھوکہ دینے والے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لیس منا من غشنا" وہ ہم میں سے نہیں، جو ہمیں دھوکہ دے۔ (صحیح المسلم، ج1، ص70، مطبوعہ کراچی)

ایک اور حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لیس منا من غش مسلماً او ضرہ او

02

ما کرہ" ہم میں سے نہیں جو کسی مسلمان کو دھوکہ دے یا اسے ضرر پہنچائے یا فریب دے۔

(کنز العمال، ج4، ص26، مطبوعہ لاھور)

ذلت و رسوائی والے کام سے بچنا ضروری ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا ینبغی للمؤمن أن یذل نفسہ" مومن کو جائز نہیں کہ خود کو ذلت و رسوائی میں مبتلا کرے۔

(جامع الترمذی، ج02، ص498، مطبوعہ لاھور)

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من اعطی الذلۃ من نفسہ طائعاً غیر مکرہ فلیس منا" جو شخص بغیر مجبوری اپنے آپ کو ذلت پر پیش کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔

(الترغیب والترھیب، ج2، ص244، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانوناً، ناجائز ہو اور جرم کی حد تک پہنچے شرعاً بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہو کر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعاً بھی روا نہیں و قد جاء الحدیث عنہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ینھی المومن ان یذل نفسہ۔ (تحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے حدیث آئی ہے کہ آپ نے مومن کو اپنے آپ کو ذلت میں ڈالنے سے منع فرمایا۔) ملخصا"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص192، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

اللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو محمد محمد سرفراز اختر عطاری

14 جمادی الثانی 1440ھ/20 فروری 2019ء

الجواب صحیح

مفتی ابو الحسن فضیل رضا عطاری

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

امتحانی پرچے میں لازمی سوالات کی اہمیت

ایک پرچے میں ۲۵-۲۵ نمبر کے چار سوالات دیے گئے۔

1- عبارت پر اعراب اور ترجمہ۔

2- اشعار پر اعراب اور ترجمہ۔

3- جملے بنائیں۔

4- مضمون لکھیں۔

اب پرچے کے انداز کو سمجھیں:

پہلے دو سوالات ۱۰۰ فیصد کتاب سے متعلق تھے،

جبکہ تیسرا ۵۱ فیصد تک کتاب سے متعلق تھا۔(الحکم للاکثر کی بناء پر اسے بھی غیر متعلق ہی کہہ لیں)

اور چوتھا سوال کتاب سے لیا ہی نہیں گیا۔یعنی قطعی طور پر غیر متعلق تھا۔

اس کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہوں:

یوں سمجھیں کہ

دیوان المتنبی کے پرچے سے اشعار کا ترجمہ کرنے کو دیا جائے تو یہ براہ راست کتاب سے متعلق سوال ہے

یونہی

اشعار میں سے کچھ منتخب الفاظ کے جملے بنانے کو دیے جائیں تو میرے خیال

میں یہ پچیس فیصد تک کتاب سے متعلق ہے

یونہی

اگراسی پرچے میں کسی عنوان پر عربی میں مضمون لکھنے کو دیا جائے تو یہ سوال کتاب سے تعلق نہیں رکھتا

اب صورتِ حال کو سمجھیں:

کچھ طلباء نے پہلے اور دوسرے سوال کو ہاتھ ہی نہیں لگایا یا حل کیا تو غلط جبکہ یہ دونوں سوالات کتاب سے متعلق تھے۔

اور تیسرے چوتھے دو آسان اور غیر متعلق سوالات کو حل کر کے ۴۰ سے ۵۰ کے درمیان نمبر لے کر پاس ہو گئے۔

بادیٔ النظر میں تو ان طلبہ نے کتاب کا پرچہ پاس کر لیا لیکن کیا اسے حقیقۃً پاس ہونا کہا جائے گا؟ جبکہ انہوں نے کتاب سے متعلق ایک سوال بھی حل نہیں کیا، گویا کہ کتاب کو سمجھے بغیر کتاب کا پرچہ پاس کر لیا۔

یقینا آپ نے ایسی صورتِ حال کا مشاہدہ کیا ہو گا۔

اس کا حل یہ ہے کہ کتاب سے متعلق سوالات کی تعداد زیادہ اور نمبر ۷۰ فیصد کے قریب ہونے چاہییں۔ جن میں سے اہم ترین سوالات کو لازمی قرار دیا جائے اور ان کے حل نہ کرنے پر طالب علم کو پاس نہ کیا جائے اگرچہ اس کے نمبر کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ (کیونکہ ان سوالات کے حل نہ کرنے یا غلط حل کرنے کا

مطلب یہ ہے کہ اس نے کتاب سمجھی ہی نہیں)۔

یہ مسئلہ ہمارے امتحانی نظام کے ان چور دروازوں میں سے ایک ہے جن سے گزر کرنا اہل، اہل کی اور بے صلاحیت باصلاحیت کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کتاب سے براہ راست تعلق رکھنے والے سوالات لازمی ہونے چاہییں، طالب اگر انہیں چھوڑ دے یا غلط حل کرے تو فیل تصور کیا جائے کیونکہ مضمون وغیرہ لکھ کر کامیابی کے نمبر لے لینا دیوان المتنبی کا پرچہ پاس کرنا نہیں کہلائے گا

مذکورہ بالا مثال پر دوسری کتب کو قیاس کرلیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

امتحانات ختم۔۔۔

کیا ذہانت کو تین تین گھنٹوں کے چھ پرچوں سے ناپا جا سکتا ہے؟

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

املانویسی (Dictation) کی اہمیت

1

املانویسی یعنی ڈکٹیشن کے بغیر طلبہ کی لکھائی میں اغلاط کی بھرمار رہتی ہے جو طویل عرصے تک درست نہیں ہوتی۔ خصوصا عربی لکھنے میں یہ مسئلہ اور زیادہ گھمبیر ہے۔ کیونکہ عربی میں ہمزہ وصلی، جمع کا الف وغیرہ ایسے کثیر حروف ہیں جو لکھے تو جاتے ہیں لیکن پڑھنے میں نہیں آتے۔ املانویسی کی مشق کے بغیر طلبہ کا اس فرق کو سمجھنا نہایت دشوار ہے۔ مثلا والحمد اور ولحمد پڑھنے میں ایک جیسے ہی ہیں املانویسی کے مشق کے بغیر طالب علم ان دونوں میں فرق نہیں سمجھ سکتا۔ کم از کم میری نظر میں ایسی کوئی جامعہ نہیں جہاں ابتدائی درجات میں طلبہ کو املا نویسی کی مشق کرائی جاتی ہو جبکہ یہ بہت اہم ہے۔

زیرِ نظر جوابی پرچوں کی تصاویر دو مختلف طلبہ کی ہیں جن میں سے پہلا اسکول پڑھ کر آیا تھا جہاں اس نے املانویسی کی مشق کرلی تھی، جبکہ دوسرا اسکول نہ پڑھنے کی وجہ سے املانویسی کی مشق سے محروم رہا اور مدرسہ میں بھی اسے یہ موقع نہ ملا۔

اگر آپ نیچے دی گئی تصاویر پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ دونوں طلبہ کو ہفتے کے دنوں کے نام یاد تھے، لیکن دوسرا طالب علم املانویسی کی مشق نہ ہونے کی وجہ سے انہیں بہتر انداز میں لکھ نہیں سکا۔ (اسی وجہ سے یہاں غلطی نہیں لگائی گئی)۔

عربی میں دنوں کے نام

يَوْمُ السَّبْت
يَوْمُ الأَحَدْ
يَوْمُ الإِثْنَيْن
يَوْمُ الثُّلَاثَاء
يَوْمُ الأَرْبَعَاء
يَوْمُ الخَمِيس
يَوْمُ الجُمُعَة
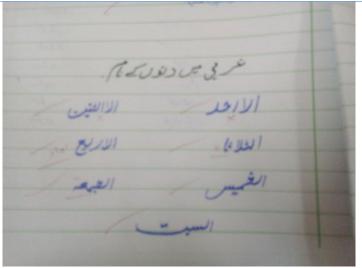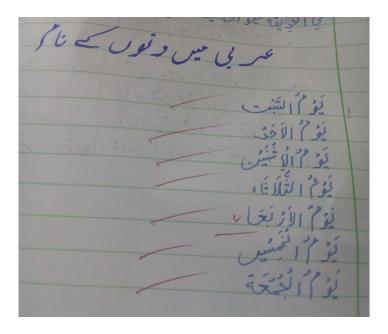
یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اول الذکر طلبہ ثانی الذکر سے آگے نکل جاتے ہیں جبکہ ذہانت میں ثانی الذکر بھی کم نہیں ہوتے۔ میرا طریقہ یہ ہے کہ ابتدائی درجات میں ثانی الذکر کے نمبر ایسی غلطیوں پر نہیں کاٹتا یہاں تک کہ ان کی یہ کمزوری دور ہو جائے۔

2
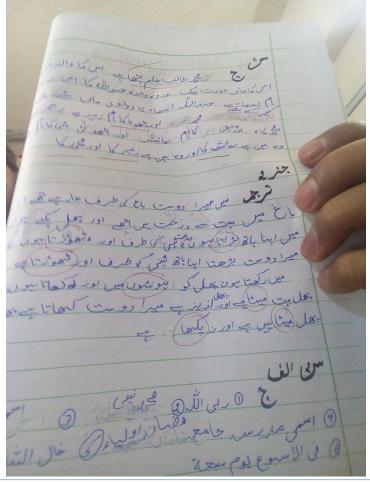
املا نویسی یعنی ڈکٹیشن کا طریقہ یہ ہے کہ طلبہ کی استعداد کے مطابق روزانہ ایک یا آدھ صفحے کا انتخاب کیا جائے (قرآن یا حدیث کے بجائے ادب کی کوئی کتاب جیسے طریقہ جدیدہ، اور اردو کی کوئی کتاب مفید ہوں گی) اور اس میں سے ابتداء مشکل الفاظ پر نشانات لگوا دیے جائیں کہ کل ان الفاظ کی املا زبانی لکھوائی جائے گی۔ اگلے روز طلبہ تیاری کر کے آئیں گے اور استاذ اونچی آواز سے ان الفاظ کو پکارے گا اور طلبہ بغیر دیکھے اپنی کاپیوں پر لکھیں گے۔

3

دوسرے مرحلے پر آگے بڑھ کر چھوٹے چھوٹے جملے اور پھر پیراگراف کی باری آتی ہے۔ ابتدائی دو سال میں بھی اگر طلبہ کو املا نویسی کی مشق کرادی جائے تو لکھائی کی کمزوری کافی حد تک دور کی جاسکتی ہے۔

*** نیز ممکن ہو تو ایسے طلبہ کو دوپہر یا کسی مناسب وقت میں اسکول کی ابتدائی تعلیم دینی چاہیے بعض مدارس میں یہ انتظام تو ہے لیکن اس کا پرسانِ حال کوئی نہیں ہوتا نہ ان کی کوئی رپورٹ ہوتی ہے نہ ٹیسٹ اور نہ امتحان جس کی وجہ سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہو پاتا۔

4

اگر جامعہ کی جانب سے یہ انتظام نہ ہو تو چند سینئر طلبہ کو اس بات پر تیار کیا

جائے کہ وہ جونیئر طلبہ کو کچھ وقت بغیر فیس کے ٹیوشن پڑھائیں۔ یہ مشکل نہیں بہت سے طلبہ اس پر تیار ہو جاتے ہیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

نتائج کے ساتھ جوابی پرچے واپس دے دینا مفید ہے

میری ناقص رائے کے مطابق نتیجہ امتحان کے ساتھ طلبہ کو ان کے چیک کیے ہوئے پرچے واپس دے دینے چاہییں، اس کے دو فائدے ہیں:

1- طلبہ اپنی غلطیوں سے آگاہ ہوں گے۔

2- اساتذہ توجہ سے پرچہ چیک کریں گے۔

کچھ سال قبل (جب میں اپنی کلاس کا مختار کل تھا) میرا طریقہ یہی تھا کہ نتیجہ سے پہلے طلبہ کو چیک کیے ہوئے پرچے واپس دے دیتا تھا کہ اگر کسی کو چیکنگ پر اعتراض ہو تو مقرر وقت کے اندر اندر لے آئے، چیکنگ کی واقعی غلطی ملنے پر رجوع کر لیتا تھا اور اس کے بعد نتیجہ امتحان کی تیاری ہوتی تھی۔

اس عمل کے فوائد و ثمرات کو نوٹ کرنے کے لیے ایک سے زائد بار سہ ماہی میں دیے گئے چند سوالات ششماہی میں، اور ششماہی کے سالانہ میں شامل کیے گئے تو طلبہ کی ۹۰٪ فیصد ایسی اغلاط درست ہو چکی تھیں جو انہوں نے سہ ماہی میں کی تھیں۔

آپ بھی اس مرتبہ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

کیا آپ کی جامعہ میں پرچہ واپس کیے جاتے ہیں؟

نہیں، تو پھر ان پرچوں کا کیا کرتے ہیں؟ یقیناً ردی کی نظر کر دیے جاتے ہوں گے۔ تو کیا ہی بہتر ہے ہو گا اگر اس "ردی" سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

پرچہ حل کرنے کے لیے چند ہدایات

اچھی لکھائی کے ساتھ ساتھ پرچے کی خوبصورت فارمیٹنگ (مثلاً مارکر سے سرخیاں لگانا، (اگر اجازت ہو تو) سوالات کے لیے کالے اور جوابات کے لیے نیلے پین کا استعمال کرنا، یونہی مناسب حاشیے لگانا، کالم بنانا وغیرہ) ممتحن کے ذہن پر بہت اچھا اثر چھوڑتی ہے۔ طلباء کو کلاس ٹیسٹ کے دوران ایسے پرچوں کے نمونے دکھا کر ترغیب دلانی چاہیے اور پرچے کی فارمیٹنگ کے نمبر بھی دینے چاہییں تاکہ یہ احساس پیدا ہو کہ پرچہ حل کرنے میں درست جوابات سے ساتھ ساتھ اچھی فارمیٹنگ بھی اپنی جگہ اہم ہے۔ جو طلباء باقاعدگی کے ساتھ کاپی لکھنے کے عادی ہوتے ہیں عموما ان کی لکھائی اور انداز وقت کے ساتھ ساتھ بہتر ہوتا رہتا ہے۔

زیر نظر تصاویر انٹرنیٹ سے لی گئی ہیں، لکھائی اور فارمیٹنگ کے لحاظ سے نہایت عمدہ پرچے ہیں۔ امتحانات قریب ہیں اپنے طلباء کی اس حوالے سے تربیت ضرور فرمایئے۔

پیپر حل کرنے کے رہنما اصول

ممکن ہو تو یہ ہدایات کمرہ امتحان میں نمایاں جگہوں پر آویزاں کر دی جائیں) چیکر کو متاثر کرنے والی چند چیزیں جن کی وجہ سے وہ زیادہ نمبر دے دیتا ہے

1 صاف ستھرا لکھا ہو

2 ضروری سرخیاں (Headings) لگی ہوں

3 پرچے کے دونوں طرف نیلی مار کر سے لائن لگا دی جائے

4 ان دو لائنوں کے درمیان والی جگہ کو بھرا جائے خالی نہ چھوڑا جائے

5 جو پوچھا گیا ہے اس کا جواب ضرور لکھا جائے

6 ہر جزء کا جواب لکھنے کے بعد آخر میں چھوٹی سی لائن لگا دی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ چیکر دو اجزاء کو جلدی جلدی میں ایک سمجھ کر ایک کے نمبر دے دے

7 پیپر میں کہیں بھی غیر ضروری جگہ نہ چھوڑی جائے

8 جتنے سوالات پوچھے جائیں انہی کے جوابات دے دیئے جائیں زائد کو چیک نہیں کیا جائے گا

9 اگر کوئی چیز رہ گئی ہے اور آپ اس کو لکھنا چاہتے ہیں تو اس کی با قاعدہ نشاندہی کریں

10 اگر کوئی چیز کاٹنی (منسوخ) پڑ جائے تو اس پر گند مارنے کے بجائے اس کے دونوں جانب کر اس لگا کر اوپر ہلکی سی لائن لگا دیں

11 چیکر کے چیک کرنے سے پہلے خود اپنے پیپر کو اچھی طرح چیک کر لیں

* جو اپنا احتساب کرتا ہے لوگ اس کا احتساب کم کرتے ہیں *

12 جس قلم سے پرچہ حل کرنا ہے اس کو چلانے کی پہلے سے مشق کر لیں

13 کمرہ امتحان میں پیپر سے متعلق سارا سامان لے کر جائیں تاکہ بعد میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے

14 ہمیشہ چیکر کے لئے آسانی پیدا کریں اِسے کہتے ہیں پیشکش اچھی رکھنا چیزوں کو اچھا بنا کر پیش کرنا

(منقول بتصرف)

اردو، انگریزی کے چند عمدہ پرچوں کے نمونے

اُردو میں جواب اس صفحہ سے شروع کریں۔

Ans to Q no 7

Application for full fee concession.

To,

The Principal,
Bloom Star School,
Nehar Ghara.

Dear Sir,

With utmost veneration to state that my father is a Govt. employee in a large factory. He has a large family to support. He cannot afford my expenses. I am very fond of reading. Kindly grant me full fee concession. I shall be very thankful to you.

Yours obediently,
Sajid Khan.

4

اُردو میں جواب اس صفحہ سے شروع کریں۔

سیکشن ب

سوال نمبر 1 کا جواب

طہارت کی دو قسمیں ہیں

① اپنے ظاہر ہر قسم نجاست سے پاک رکھنا

② اپنے باطنی، شرک، بداخلاقی اور ہر قسم ناپسندیدگی سے نجاست سے پاک رکھنا۔

سوال نمبر 2 کا جواب

ترجمہ

مجلسوں میں کہی گوئی بات امانت ہیں۔ یعنی اس کو آفشا نہیں کرنا۔

سوال نمبر 3 کا جواب

صداقت کا لفظی معنی ہے سچائی اور راست بازی۔

Name Habib

QUESTION NO3:

LONG QUESTION

~{ ANS TO NO 3 }~

{ a }

THE OLD WOMAN

As a wright candle in a holy place so is the beauty of an aged face.

ABOU BEN ADHEM

The poem has been composed by leigh hunt here the poet want to tell the story of abou bene adhem that god loves those people who love human being he says that one night abou

{ b }

ANT AND

A criket in singing and dancing in summer

1

BLOOM STAR SCHOOL

SHINKOH CHOWK NEHAR GHARA BARA KHYBER AGENCY

Name: Sajid Khan Father's Name: Waris Khan

Class: 6th Roll No: 25 Section: Rose Subject: I.S Date: 4/3/2

انگریزی میں جواب اس صفحہ سے شروع کریں۔

کرنے سے پہلے مسواک کرنا آپ کی عادت تھی۔
بدبو دار چیز کھاکر مسجد میں جانے سے منع فرمایا۔

سوال نمبر ۲ کا جواب

سچائی کی فضیلت:

قرانی آیات

(۱) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور رازوں کے ساتھ رہو۔

(۲) مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں۔ کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔ اسکو سچ کر دکھایا۔

3

سوال نمبر ۱ کا جواب

سورج اور اس کے سیاروں کے نظام کو نظامِ شمسی کہتے ہیں۔

سوال نمبر ۲ کا جواب

ہمارے ارد گرد زمین، پانی، ہوا، اور نباتات ہمارا ماحول ہے۔

سوال نمبر 3

الفاظ	جملے
ہونہار	علی ایک ہونہار طالب علم ہے۔
اکیلا جانا	علی اکیلا شہر شہر اکیلا گیا ہے۔
رفتہ رفتہ	علی رفتہ رفتہ اپنے گھر تک پہنچ گیا۔
نظام شمسی	ہمارا نظام شمسی آٹھ سیاروں پر مشتمل ہے
نصب العین	امتحان میں اول آنا میرا نصب العین ہے۔

2

حصہ ج

سوال نمبر 4

درخواست نویسی

درخواست برائے رخصت شمولیت شادی:-

بخدمت جناب پرنسپل صاحب علوم سٹار سکول۔

جناب عالی!

مودبانہ گزارش ہے کہ میرے
بڑے بھائی کی شادی ۵ اپریل بروز جمعرات
قرار پائی ہے۔ شادی میں شمولیت کی
وجہ سے میں سکول حاضر ہونے سے قاصر ہوں
مہربانی فرما کر مجھے ۵ تا ۱۰ اپریل چار یوم
کی رخصت عنایت فرمائیں۔
عین نوازش ہوگی۔

العارض:-
آپ کا تابعدار شاگرد۔
نام: محمد عالم
کلاس: ہشتم روز
رول نمبر: گیارہ

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

اے پروردگار! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں لڑائی میں ثابت قدم رکھ اور لشکر کفار پر فتحیاب کر۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

اے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔

الحمد للہ رب العالمین
الرحمن الرحیم
مالک یوم الدین
ایاک نعبد وایاک نستعین
اھدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت علیھم
والضالین

Bloom * Star * School

4

Answer To Question No #4

Part No (a)

Germiation Of Seeds:-

Tamperature Of germenated was for also be the following enviroment can't generated with the this methods Organisms Movement was also fussion and Other insect their in Unicellular organisms such as ambea and Paramecium. During binary fussion.

Part No (b)

Fragmentation:-

During fragementation, an Organism is divide into fragment. It is common in those animals which occure in lower such as planaria.

اُردو میں جواب اس صفحہ سے شروع کریں۔
سیکشن "ب"
سوال نمبر ۲
مختصر جوابات
(سوال نمبر ۱ کا جواب)
طہارت کی اقسام
طہارت کی دو قسمیں ہیں۔
۱۔ اپنے ظاہر کو نجاست سے پاک رکھنا۔
۲۔ اپنے باطن کو شرک، بداخلاقی اور ہر قسم کی ناپسندیدہ خصائل سے پاک رکھنا۔
(سوال نمبر ۲ کا جواب)
صداقت
صداقت کے لفظی معنی ہیں۔ سچ بولنا اور راست بازی۔

EARLY EDUCATION

He received his early education from sailkot

HIGHER STUDIES

He went to England and Germany for higher studies

POETRY

His poetry is a message of struggle, liberty and unity

DATE OF DEATH

He was died on 21st april 1938.

THE END

QUESTION 8

ESSAY WRITING

OUT LINES

ALLAMA MUH IQBAL

DATE OF BIRTH

EARLY EDUCATION

HIGHER STUDIES

POETRY

DATE OF DEATH

ALLAMA MUH IQBAL

Allama Muhammad Iqbal is our nation al poet. He was the man who gave us the idea of pakistan

DATE OF BIRTH

He was born

SECTION "B"

QUESTION "2"

SHORT QUESTION

(ANS TO Q 1)

Attact here you people thoughts to cut They man was attacing the by cutting a Dog is not janury. Englis people.

(ANS TO Q 2)

They are people in the carrage pulled a the ~~winde~~ thought gave you childr thou Brout they are youg.

(ANS TO Q "3")

I hope that yo will be happy to heare a passad my examination thoughte you Ray is very good.

3

سوال نمبر 5 کا جواب

دنیا میں کوئی بھی ایسا علم نہیں جس ریاضی کا استعمال نہ ہو۔ اس لئے ریاضی کو علوم کی ماں کہتے ہیں۔

سوال نمبر 6 کا جواب

	الفاظ	جملے
①	فاتح	فاتح اندلس طارق بن زیاد ایک مسلمان جرنیل تھے۔
②	عدل وانصاف	ہمیں ہر معاملے میں عدل وانصاف کرنی چاہیے۔
③	دم توڑنا	ڈاکٹر کے آنے سے پہلے مریض دم توڑ چکا تھا۔
④	اطاعت کرنا	ہمیں ہر معاملے میں والدین کی اطاعت کرنی چاہیے۔
⑤	شجاعت	1965ء کی جنگ میں عزم و ہمت اور شجاعت کی یاد دلاتی ہے۔

BLOOM STAR SCHOOL

SECTION B

QUESTION 5

(ANSWERS)

(1)

☆ WATER/WET LAND.

There are place where water is present for some time in a year these are found hear the bank.

(2)

☆ PRODUCERS

Its producers are cotton wheat and rice these place where There is not enough rainfall to suppor

☆ CONSUMERS

Its consumers are cows, goats, duct and turtle etc. a forest habitat this land is the.

(3)

Sun is the ultimate source of energy & is an ecosystem.

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

دو مضامین کا امتحان ایک ہی پرچے میں نہ لیں

جامعات میں بعض اوقات دو مضامین کے لیے ایک ہی پرچہ بنالیا جاتا ہے۔ مثلاً العقائد والمسائل اور قطبی کا پرچہ ایک ساتھ لیا جاتا ہے میری ناقص رائے کے مطابق ایسا نہیں کرنا چاہیے، وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

1- دو مضامین کی ایک ساتھ تیاری کمزور طلبہ کے لیے مشکل کا باعث بنتی ہے۔ چینی کہاوت ہے کہ آپ ایک وقت میں دو خرگوش نہیں پکڑ سکتے۔ کمزور طلبہ کو ایک ساتھ دو خرگوشوں کے پیچھے دوڑانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض طلبہ ایک کو بھی نہیں پکڑ پاتے۔

1- گزشتہ پوسٹ (پرچے میں لازمی سوال کی اہمیت) میں بیان کردہ خرابی یہاں بھی لازم آتی ہے کہ طالب علم ایک آسان مضمون میں چالیس پینتالیس نمبر لے کر مشکل مضمون میں فیل ہونے کے باوجود پرچے میں پاس ہو جاتا ہے۔

مثلاً قطبی جتنی مشکل ہے العقائد والمسائل اتنی ہی آسان۔ اب اگر ان دونوں کا ایک ہی پرچہ ۵۰+۵۰ نمبر کا بنا دیا جائے اور طالب علم العقائد والمسائل سے چالیس نمبر لے کر قطبی میں بھی پاس ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس نے قطبی کا کوئی سوال حل نہیں کیا ہوتا، یا جو کیے ہوتے ہیں غلط ہوتے ہیں۔

میرے خیال میں ہر مضمون کا پرچہ الگ الگ ہی بنانا چاہیے اگرچہ پچاس نمبر کا ہو۔ تاکہ ایک مضمون میں کامیابی یا ناکامی کا اثر دوسرے مضمون پر نہ پڑے۔

نیز اگر کسی مجبوری کی بنا پر دو مضامین کا امتحان ایک دن میں لینا ہی ہو تو دونوں پرچوں میں کچھ گھنٹوں کا وقفہ دے کر لیا جا سکتا ہے

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

کم از کم مشکل پرچوں میں تو ایک دن کی چھٹی دے ہی دیں

پہلے ایک خبر کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمائیں:

کراچی (اُردو پوائنٹ اخبار تازہ ترین ۲۰ مارچ ۲۰۱۵ء) ثانوی تعلیمی بورڈ کراچی کے ناظم امتحانات نعمان احسن کے اعلامیہ کے مطابق ۷ اپریل سے شروع ہونے والے نویں دسویں کے امتحانات کے حوالے سے طلبہ و طالبات کے لئے تین مراحل میں سہولیات بہم پہچانے کے لئے اقدامات کئے جارہے ہیں۔ پہلے مرحلے میں امتحانات سے ۲۲ دن قبل ٹائم ٹیبل (نظام الاوقات) جاری کر دیا گیا ہے اور طلباء کے لئے تیاری کے لئے پرچوں کے درمیان کافی گیپ دیا گیا ہے جسے اساتذہ اور طلبہ وطالبات نے قابل ستائش قرار دیا ہے۔۔۔ الخ

سبھی جانتے ہیں کہ دنیا بھر میں اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے امتحانات میں ہر

ہر پرچے میں کم از کم ایک دن کی چھٹی (Gap) دی جاتی ہے اور بعض پرچوں میں ایک سے زائد دن کا گیپ بھی ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ بھرپور طریقے سے امتحانات کی تیاری کر سکیں اور بے آرامی کی وجہ سے ان کی صحت بھی متاثر نہ ہو۔

اس کے برعکس جامعات و مدارس کے طلبہ تاحال اس سہولت سے محروم ہیں اکثر جامعات میں تنظیم المدارس کے امتحانات سے پہلے یا بعد جامعہ کے اپنے امتحانات بھی ہوتے ہیں یوں اور ان میں بھی چھٹی نہیں دی جاتی یوں طلبہ امتحان در امتحان سے گزرتے ہیں، بقول شاعر

اک اور دریا کا سامنا تھا منیرؔ مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

چھٹی نہ ہونے کی وجہ سے طلبہ عموما ان ایام میں راتوں کو جاگ کر تیاری کرتے ہیں پھر اگلے دن پرچہ دیتے ہیں اور پھر اگلے پرچے کی تیاری کے لیے جاگتے ہیں۔ اور تقریبا ۲ ہفتے یہی کیفیت رہتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے کارکردگی پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

اس کا تجربہ کرنا چاہیں تو

1- دو تین دن نیند پوری کیے بغیر تدریس کے لیے تشریف لے آئیں آپ کو طلبہ کی پریشانی کا اندازہ ہو جائے گا۔

یا

2-طلبہ کو دو گروپ میں تقسیم کر دیں۔ ایک گروپ سے مروجہ طریقے کے مطابق مسلسل پرچہ لیں اور دوسرے سے ایک دن کا وقفہ دے کر، پھر دونوں گروپس کی کارکردگی کا تقابل کر لیں۔

طلبہ کی پریشانی اور صحت کی فکر اساتذہ اور انتظامیہ نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟ لہذا "اربابِ اختیار" سے گزارش ہے کہ آئندہ امتحانات میں ہر پرچے میں نہ سہی کم از کم مشکل مضامین کے پرچوں میں ہی چھٹی دے دیں تو یقیناً طلبہ پر آپ کا احسانِ عظیم ہو گا اور اس سے طلبہ کی کارکردگی میں بھی اضافہ ہو گا اور طلبہ کی کارکردگی میں اضافے کا مطلب اساتذہ اور ادارے کی کاردگی میں اضافہ ہے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

[تنظیم المدارس] ایم فل / پی ایچ ڈی مقالے کا عنوان کیسے چنا جائے

فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدً

ایم فل / پی ایچ ڈی کے بہت سے طلبا کو مقالے کا عنوان چننے میں پریشانی کا شکار ہوتے دیکھا یہاں تک کہ بہت سے سپر وائزر بھی اس حوالے سے پریشانی کا شکار دکھائی دیتے ہیں کہ اپنے طالب علموں کو کیا عنوان منتخب کر کے دیا جائے کہ وہ ایم فل یا پی ایچ ڈی کے معیار کا مقالہ تحریر کر سکیں اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی سپر وائزر نے ایک عنوان منتخب کر دیا اور طالب علم نے اسے اپنا لیا لیکن دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے مقالہ لکھنے میں مشکلات پیش آتی ہیں اب اس بات کا ادراک کرنا کہ مقالہ نگار کی حقیقی صلاحیت کیا ہے اسکے اندر کتنی استعداد ہے اسکا مطالعہ کتنا ہے اسکی اندر لکھنے کی کتنی صلاحیت موجود ہے اور اسکی دلچسپی کا موضوع کیا ہو سکتا ہے، بعض اوقات طلبا دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں اب اگر ایک مقالہ ا انکے سر ڈال ہی دیا گیا تو اسے کسی سے لکھوانے کی کوشش کی جائے گی فری لانسر جیسے کسی فورم سے منسلک ہو کر کسی سے پیسوں کے عوض مقالہ لکھوایا جائے گا یا پھر ادھر ادھر سے مواد اکھٹا کرنے کی کوشش ہو گی بعض صاحبان کی پہنچ کافی ہوتی ہے اسلیے انہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ وائیوا تو نکل ہی جائے گا۔

افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ سوشل سائنسز اور پھر خاص کر اسلامیات کی فیکلٹیز میں تحقیق کا کام بہت کم ہو رہا ہے اور اگر ہو بھی رہا ہے تو اسکا معیار بہر حال

معیاری نہیں ہے، آجکل ایک اچھا مقالہ اپنے اندر معلومات کا انبار تو ضرور رکھتا ہے لیکن زبان و بیان کی درستی تحریر کی چاشنی استدلال کی قوت ہمیں مفقود دکھائی دیتی ہے لکھے جانے والے ایک ہزار مقالوں میں سے کوئی ایک معیاری مقالہ سامنے آتا ہے۔

جب میں نے ۲۰۱۵ میں کراچی یونیورسٹی کے شعبہ قرآن سنہ میں داخلہ لیا تو اس وقت ایم فل لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی جاری تھا(اب لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی ختم کردیا گیا ہے) ایم فل میں داخلہ لینے سے پہلے بلکہ ایم اے اسلامیات سے بھی پہلے بی اے کرتے وقت ہی میرے ذہن میں وہ موضوعات واضح تھے کہ جن پر میں نے مقالہ لکھنا تھا اسی لیے مجھے موضوع کا عنوان چننے، سائناپسس تیار کرنے اور پھر اپنے موضوع کو تحریر کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

اب سوال یہ ہے کہ موضوع کا عنوان کیسے چنا جائے یا پھر سپروائزر کسی بھی ریسرچ اسکالر کو موضوع کیسے اسائن کرے، اس کے بنیادی محرکات کیا ہوں؟ مقالہ نگار کی دلچسپی کا تعین کیسے کیا جائے؟

آیئے ہم ان سوالوں کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کورس ورک کے دوران ہی آپ پر یہ بات واضح ہو جانا ضروری ہے کہ آپ کی دلچسپی کا موضوع آخر ہے کیا؟ اس کیلئے چند بنیادی امور سرانجام دینے انتہائی ضروری ہیں۔

یاد رہے کہ وہ موضوع کہ جس پر آپ لکھنا چاہتے ہوں ضروری نہیں کہ آپ کی دلچسپی کا موضوع بھی ہو جیسے اگر کوئی کرکٹر یا ڈاکٹر یا انجینیر بننا چاہتا ہے تو ضروری نہیں کہ اس میں ان تمام شعبوں کو اختیار کرنے کی صلاحیت بھی ہو۔

ایک مقالہ نگار کی دلچسپی کا موضوع کیسے تلاش کیا جائے یا وہ یہ موضوع کیسے تلاش کرے خاص کر سوشل سائنسز یا ہیومینیٹیز کا طالب علم۔

"سب سے پہلے تو سنت کے مطابق استخارہ کیجیے اور اسکے بعد استشارہ کیجے پھر درج ذیل نکات پر عمل کرنے کی کوشش کریں"

اول؛ اس بات کا جائزہ لیجیے کہ آپ کون سی کتب پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں زبردستی نہیں، علمیت کو ثابت کرنے کیلئے نہیں، درسی کتب صرف امتحانات کو پاس کرنے کیلئے نہیں بلکہ وہ کتب کہ جن کو پڑھ کر آپ کو وقت گزرنے کا پتہ نہ چلے وہ کتب کہ جو آپ کو اس موضوع پر مزید پڑھنے پر راغب کریں۔

دوم؛ غور کیجیے کہ آپ کن موضوعات پر بے تکان بغیر کسی تیاری کے گفتگو کر سکتے ہیں وہ کون سے موضوعات ہیں کہ جن پر آپ کو بحث کرنا پسند ہے اور آپ کو انکے حوالے سے سوچنا نہیں پڑتا۔

سوم؛ اپنے سابقہ مطالعے کی ایک فہرست تشکیل دیجیے خاص کر درسی کتب سے ہٹ کر، کاغذ قلم اٹھائیں اور ایک فہرست تشکیل دیں کہ کون کون سی کتب آپ کے زیر مطالعہ آچکی ہیں اور جب یہ فرست تیار ہو جائے تو دیکھئے کہ اس میں

کون سے موضوعات پر مشتمل کتب کی تعداد زیادہ ہے جلد بازی سے کام مت لیں اس فہرست کو انتہائی اطمینان سے سوچ سمجھ کر تشکیل دیں۔

چہارم؛ یادرہے مقالہ لکھ دینا کمال نہیں بلکہ ایسی تحقیق کا پیش کیا جانا کمال ہے کہ جو اس سے پہلے موجود نہ ہو، ایک نیا رخ ایک نیا زاویہ ایک نیا رنگ ایک نئ بات۔

پنجم؛ ایسا کیجیے کہ کسی لائبریری میں تشریف لے جائیں اور دیکھیں کہ آپ کے قدم غیر اختیار طور پر کس سیکشن کی جانب اٹھتے ہیں اور جس جانب آپ کے قدم اٹھیں سمجھ لیجیے کہ وہی آپ کی اصل جا اور آپ کا اصل میدان ہے۔

ششم؛ سادہ کاغذ سنبھالیے اور لکھنا شروع کریں وہ موضوع یا وہ عنوان کہ جس پر آپ بغیر کسی تیاری کے لکھ سکتے ہیں وہی آپ کا موضوع ہے صرف لکھنا ہی نہیں یہ بھی دیکھیے کہ کیا آپ کو اس سے متعلق حوالے آسانی سے یاد آرہے ہیں اور اگر آرہے ہیں تو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ آپ اپنے موضوع پر ہیں۔

ہفتم؛ سب سے آسان کسی شخصیت پر مقالہ لکھ دینا ہے کیونکہ اسکی وسعت اتنی زیادہ نہیں ہوتی اور سب سے مشکل افکار و نظریات پر تحریر کرنا ہوتا ہے کوشش کیجیے کہ کوئی نیا کام کریں مکھی پر مکھی نہ ماریں۔

ہشتم؛ اگر آپ نے کسی عنوان کا انتخاب کرلیا ہے تو آپ کو مبارک ہو لیکن یہ صرف پہلا قدم ہے اب اس فن کے کسی ماہر سے رابطہ کیجیے ضروری نہیں کہ وہ

آپ کا سپر وائزر رہی ہو اپنی یونیوسٹی میں سوشل میڈیا پر کہیں بھی کوئی ایسی شخصیت مل جائے تو اسکا دامن تھام لیجیے اور اس سے سیکھنے کی کوشش کریں۔

نہم؛ اگر آپ بہت ہی باصلاحیت ہیں اور آپ کے سامنے متعدد موضوعات موجود لیکن فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے تو اس موضوع کا انتخاب کریں کہ جسکی اہمیت موجودہ دور کے حوالے سے سب سے زیادہ ہو۔

دہم؛ کسی مطالعاتی دائرے کو اختیار کریں اور اگر ایسا کوئی دائرہ موجود نہیں تو اسے تشکیل دیں آپ کے بیچ فیلوز، مدرسے کے ساتھی یا وہ لوگ کے جو مطالعے میں آپ کے معاون بن سکیں اس دائرے کا حصہ بن سکتے ہیں۔

یاد رہے ریسرچ اسکالر کہلوانا اچھی بات لیکن درحقیقت ایک ریسرچ اسکالر بننا اور حقیقی ریسرچ کرنا ہی اصل کام ہے، امید ہے کہ پیش کردہ معروضات طالبان علم کیلئے مفید ثابت ہوں گی۔

حسیب احمد حسیب

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مقالہ نویسی میں طلبہ کی چند مشکلات

تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کی جانب سے عالمیہ سال دوم کے لیے مقالے کے عنوانات بہت ہی جاندار اور حالاتِ حاضرہ کے مطابق ہوتے ہیں۔ اگرچہ کچھ عنوانات پر لکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

مقالہ نویسی میں طلبہ کو کچھ مشکلات کا سامنا رہتا ہے، جیسا کہ

1- اکثر جامعات میں مقالہ نویسی کی تربیت نہیں دی جاتی، اکثر جامعات میں مشرف بھی محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔ طلبہ اپنے بل بوتے پر جیسے تیسے کر کے اس مرحلے کو سر کرتے ہیں۔

کیا ہی اچھا ہو اگر جامعات میں ابتداء سے ہی طلبہ سے مضامین لکھوائے جائیں تاکہ عالمیہ تک ان کی اچھی خاصی مشق ہو چکی ہو۔

بحمدہ تعالیٰ ہماری جامعہ میں درجہ اولیٰ سے ہی چھوٹے چھوٹے مضامین لکھوائے جاتے ہیں جس کا طلبہ کا بہت فائدہ ہوتا ہے اور چند ایک نے مضمون نویسی کے مقابلے بھی جیتے ہیں۔

نیز اگر نور الایضاح کے بعد سے ہی طلبہ کو ہفتے میں ایک دو پیریڈ دار الافتاء کی "سیر" کے لیے مہیا کر دیے جائیں تو بھی لکھنے کا ذوق پیدا ہونے کی قوی امید ہے۔

یونہی جامعات اپنے اپنے مجلات (ماہانہ، سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ) جاری کریں جس میں طلبہ کے مضامین بھی شائع کیے جائیں تو امید ہے کہ کچھ ہی عرصے

میں تحریر کی کچھ نہ کچھ صلاحیت حاصل ہو جائے گی۔

-2مقالہ لکھنے کے لیے دیا گیا وقت نہایت ہی قلیل ہوتا ہے۔ تعلیمی مصروفیات (اور اب تو اکثر طلبہ کے ساتھ معاشی بھی) کے ساتھ اتنے کم وقت میں ایسے عظیم الشان عنوانات پر کوئی محقق ہی مقالہ لکھ سکتا ہے نہ کہ ایک ایسا طالب علم جس نے اس مقالے سے قبل ایک صفحے کا مضمون بھی کبھی نہیں لکھا ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلبہ کی اکثریت کوئی آسان سے عنوان منتخب کرتی ہے اور فیل ہونے کے خوف سے "ڈنگ ٹپاؤ" فارمولے پر عمل کرتے ہوئے الٹا سیدھا مواد نقل کر دیا جاتا ہے۔ کوئی ایسا طریقہ کار وضع کرنا چاہیے کہ عالمیہ سالِ اول کا امتحان پاس کرنے کے ساتھ ہی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کی جانب سے مقالہ جات کے عنوانات دے دیے جائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ طلبہ کو مقالہ لکھنے کو لیے پورا ایک سال مل جائے گا۔ اس سے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ طلبہ تحقیقی مقالہ جات لکھنے کی طرف متوجہ ہوں گے۔

-3مطلوبہ کتب کی فراہمی بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ مہنگی اور مجلدات پر مشتمل بڑی کتب کا مالی بوجھ طلبہ تو درکنار تمام جامعات کے لیے برداشت کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے میں اگر چند ہزار روپے خرچ کر کے دو چار کمپیوٹر اور ایک بڑی ہارڈ ڈرائیو (Hard Drive) خرید لی جائے تو پی ڈی ایف کی صورت میں ایک ڈیجیٹل لائبریری (Digital Library) بنائی جا سکتی ہے۔ عربی،

فارسی، اردو اور انگلش کی اکثر کتب پی ڈی ایف میں انٹرنیٹ سے مل جاتی ہیں۔ اگرچہ اصل کتاب کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں لیکن پھر بھی گزارہ ہو ہی جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں اقدامات سے طلبہ کو فائدہ ہو گا۔ اور وہ اطمینان سے اپنے موضوع پر کام کر سکیں گے۔ ان کے بعد ہی تحقیقی مقالہ جات سامنے آنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

مقالہ نویسی میں سرقہ بازی

خورشید احمد سعیدی صاحب کی تحریر

اسلام کو مٹانا!؟

اسلام کی بنیاد قرآن مجید ہے۔ نبی اسلام سید الانبیاء و الرسل نے اسلام کی حفاظت کے لیے قرآن مجید کی حفاظت کو مسلمانوں کی اولین ذمہ داری قرار دیا۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ القُرْآنَ وَعَلَّمَهُ» صحيح البخاري (٦/ ١٩٢)۔ قرآن مجید کی حفاظت کے لیے دو عام مگر بہت اہم طریقے حفظ في الصدور اور کتابة في السطور شروع کیے گئے جو ابھی تک مسلم معاشروں میں پورے تسلسل کے ساتھ جاری ہیں۔

حفاظت قرآن کا تیسرا طریقہ اخلاق قرآنی کا آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اختیار فرمایا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور کے اخلاق قرآنی کے بارے میں جب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: «كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ» [خلق أفعال العباد للبخاري، ص:۸۷]

حضرت ضحاک بن قیس جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے معاصرین کو یوں نصیحت فرمایا کرتے تھے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِّمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَهَالِيكُمُ الْقُرْآنَ [مصنف ابن أبي شيبة، ٦/ ١٣١]

اس تعلیم میں حفظ فی الصدور، کتابت فی السطور اور تبلیغ بذریعہ اخلاق قرآنی سب شامل رہے تھے۔

تعلیم قرآن، تفہیم قرآن، عمل بالقرآن کی تب سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ دینی مدارس میں تعلیم پانے والے اور جامعات میں شعبہ اسلامیات میں پڑھنے پڑھانے والے کسی نہ کسی شکل و صورت میں اسلام کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔

آپ اگر بی ایس، ایم ایس اور پی ایچ ڈی کے سکالر ہیں تو کم از کم آپ تو اسلام کو مٹانے والا کام نہ کریں۔ جب آپ تحقیقی تربیت والی اسائنمنٹ یا تھیسس اور مقالہ میں نقل، سرقہ بازی اور چربہ نگاری سے کام لیتے ہیں تو اسلام کو اگلی نسلوں تک پہنچنے سے روکنے والا کام کرتے ہیں یا نہیں؟

آپ اگر شعبہ اسلامیات کے پروفیسر ہو کر ریسرچ آرٹیکل میں یا کوئی کتاب شائع کرنے میں نقل محض سے کام لیتے ہیں، یا محض سرقہ بازی اور چربہ نگاری سے کام لیتے ہیں، یا مکھی پر مکھی مارتے اور کوئی نئی معلومات پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں، نئے مسائل کا دینی حل استنباط کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو آپ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کا کام کرتے ہیں یا نہیں؟

اگر آپ عالم دین اسلام ہو کر، اگر آپ دین اسلام کے پیرو کاروں کے پیر مرشد ہو کر، اگر آپ شعبہ اسلامیات کے استاد ہو کر، اگر آپ اسلامیات کے

تحقیق کار ہو کر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو آپ اسلام کو کمزور کرنے کا کام کرتے ہیں یا نہیں؟

ہندو کافر مسلمانوں کی مساجد گراتے جا رہے ہیں؛ یہودی مسلمانوں کے قبلہ اول پر قبضہ کیے ہوئے ہیں؛ بدھ مت کے پیروکار روہنگیا کے مسلمانوں پر اور ہندو کشمیر کے مسلمانوں پر، یہودی فلسطین کے مسلمانوں پر، روسی اور امریکی کافر عراق، افغانستان، لیبیا وغیرہ ممالک پر قبضہ کر رہے ہیں یا تباہیاں لا رہے ہیں اور آپ اسلامیات کے تحقیق کار ہو کر حقیقی اور بامعنی تحقیق نہیں بلکہ سرقہ بازی اور چربہ نگاری سے کام لیتے ہیں تو آپ کے کام کے اثرات کافروں کے خلاف اسلام کاموں سے کیسے مختلف ہو سکتے ہیں؟

جب سے مسلمان علماء نے سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کشی ہے؛ جب سے انہوں نے اپنے نصاب تعلیم سے سیاسی شعور کی آبیاری کے مضامین خارج کر دیئے ہیں؛ جب سے انہوں نے اس میدان میں قلم کی سیاہی کو خشک کر دیا اور معاصر تقاضوں اور حالات کے مطابق رہنما کتب پیش نہیں کی ہیں تب سے ان کے ممالک کی زمام سیاست ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے جو لبرل ہیں، جو سیکولر ہیں، جو دین بیزار ہیں، جو دینی قائدین اور مفتیان کے شدید ناقد ہیں، جو یورپی اور امریکی طاقتوں کے آلہ کار ہیں، جو ان کے دینی مدارس کے نظام تعلیم میں مداخلتیں کرتے رہتے ہیں۔

سوچیں! اس طریقے اور اس طرز عمل سے اشاعت اسلام، استحکام اسلام، غلبہ اسلام اور فروغ اسلام کا مستقبل کیا ہو گا؟

سوچیں! آپ تعلیم اسلام تو جیسی کیسی دے رہے ہیں، کیا اس کے ساتھ ساتھ آپ تربیت اسلام بھی کر رہے ہیں؟ تجدید مہارات کی ورکشاپسیں منعقد کر رہے ہیں؟ کیا سیروا فی الارض (سورۃ الأنعام: ۱۱، سورۃ النمل: ۶۹، سورۃ العنکبوت: ۲۰) پر عمل کرنے کے لیے مطالعاتی دورے بھی آپ کے نصاب میں شامل ہیں؟

سوچیں! ورابطوا (سورۃ آل عمران: ۲۰۰) پر عمل کرنے کے لیے علماء، محققین اور اشاعتی اداروں کے قائدین سے توسع فی العلم والمہارات کی ملاقاتیں کر رہے ہیں؟

انہوں نے آپ سے ایک بڑے ذریعہ آمدنی یعنی چرم ہائے قربانی سے استفادے کو بند کر دیا ہے کیا آپ نے اپنے ہی کارخانے لگانے کی منصوبہ بندی کی ہے؟

أیها المسلمون! تعالوا الی الحق والصواب، واتبعوا الصراط المستقیم.

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

بطورِ نمونہ ہدایہ کے چند معروضی سوالات

(خالی جگہ پر کریں)

نوٹ: اس میں کثیر الانتخابی سوالات (MCQS) اور غلط صحیح (TRUE FALSE) وغیرہ شامل نہیں۔

۱- ھدایہ کے مصنف کا نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۲- صاحب ہدایہ نے یہ کتاب حالت۔۔۔۔۔میں لکھی۔

۳- صاحب ہدایہ کا مقام قاضی خان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۴- مصنف فقیہ کے ساتھ ساتھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بھی تھے۔

۵- صاحب ہدایہ کی عادت ہے کہ راجح قول کو۔۔۔۔۔۔۔میں ذکر کرتے ہیں۔

۶- ھدایہ کا متن بدایۃ المبتدی ہے جسے دو کتابوں کو ملا کر مرتب کیا گیا ہے: قدوری اور۔۔۔۔۔۔

۷- بدایۃ المبتدی کی طویل شرح جو خود مصنف نے لکھی، اس کا نام۔۔۔۔ہے۔

۸- ھدایہ کی احادیث۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی کتابوں مل گئی ہیں۔

۹- ہدایہ کی احادیث کی تخریج کا کام شافعی علماء میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے کیا ہے۔

۱۰- ہدایہ کی احادیث کی تخریج احناف میں سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے کی ہے۔

۱۱- مسح کا معنی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۲- وجہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سے مشتق ہے۔

۱۳- غسل کا معنی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۴-امام زفر کے نزدیک غایہ مغیامیں داخل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۵-امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک قے منہ بھر سے کم ہو تو وضو۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۶- نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۷- متیمم کے پیچھے متوضی کی اقتدا۔۔۔۔۔ہے۔

۱۸-حدیث قلتین امام۔۔۔۔۔۔کی دلیل ہے۔

۱۹- کعب کا معنی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

۲۰- تیمم میں نیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۲۱- تیمم میں استیعاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۲۲- مسح علی الخفین میں استیعاب۔۔۔۔۔۔ہے۔

۲۳- مردوں کے لیے جماعت سے نماز پڑھنا۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۲۴- کنوئیں میں چڑیا کی بیٹ گر جائے تو کنواں۔۔۔۔۔ہو جائے گا۔

۲۵- کنوئیں میں چڑیا مر جائے اور پھول پھٹ جائے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۲۶- آزاد مرغی کا جھوٹا۔۔۔۔۔۔ہے۔

۲۷- واؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے لیے آتا ہے۔

۲۸- فا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے لیے آتا ہے۔

۲۹- عطف۔۔۔۔۔۔۔۔کا تقاضہ کرتا ہے۔

۳۰- نبیذ تمر والے مسئلے میں فتوی۔۔۔۔۔۔کے قول پر ہے۔

۳۱-سور حمار میں راجح یہ ہے کہ شک۔۔۔۔۔۔۔میں ہے۔

۳۲- امام ہندوانی کے نزدیک جہر کی ادنی مقدار۔۔۔۔ہے۔

۳۳- امام کرخی کے نزدیک سر کی ادنی مقدار۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۳۴- خلاف قیاس پر قیاس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۳۵- خون اس وقت ناقض وضو ہے جبکہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۳۶- متفرق جگہوں پر الٹی ہوئی تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا اعتبار ہے۔

۳۷- جو چیز حدث ہے وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۳۸- جو چیز حدث نہیں تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۳۹- بلغم سے وضو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۴۰- متکا کا مطلب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۴۱-مستندا کا مطلب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۴۲- قہقہے کا مطلب ہے:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۴۳- ضحک کا مطلب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۴۴- تبسم کا مطلب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۴۵- خف کے اوپر جرموق چڑھالیا تو اس پر مسح۔۔۔۔۔۔

۴۶- گدلا رنگ حیض۔۔۔۔۔۔

۴۷- دو حیضوں کے درمیان کم سے کم پاکی کی مدت ــــــــ ہے۔

۴۸- معذور کا وضو ـــــــ وقت سے ٹوٹے گا۔

۴۹- استنجاء میں ـــــــ کرنا مسنون ہے۔

۵۰- صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت مثل اول پر ـــــــ

۵۱- حالت جنابت میں دی گئی اذان کا اعادہ ـــــــ

۵۲- راجح قول کے مطابق خروج بصنع المصلی ـــــــ

۵۳- امام ربنا لک الحمد ـــــــ

۵۴- فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ ملانا ـــــــ

۵۵- داڑھی رکھنا امور فطرت ـــــــ

۵۶- خروج منی سے غسل اس وقت واجب ہو گا جبکہ ـــــــ سے نکلی ہو۔

۵۷- التقاء ختانین ہو، انزال نہ ہو تو غسل ـــــــ

۵۸- کبھی کبھی سبب کو ـــــــ کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے۔

۵۹- غسل جمعہ اور غسل عیدین ـــــــ ہے۔

۶۰- بارش جس وقت ہو رہی ہو اس وقت بارش کا پانی ـــــــ ہوتا ہے۔

۶۱- ماء جاری کا مطلب ہے ـــــــ

۶۲- مغلوب پانی سے وضو درست ـــــــ

۶۳- پانی کی اصل طبیعت رقت اور-----------ہے۔

۶۴- حدیث قلتین کو----------نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۶۵- دہ دردہ ماء---------کے قائم مقام ہے۔

۶۶- دہ دردہ اصل مذہب کا قول---------

۶۷- پانی میں آبی جانور مر جائے تو پانی---------

۶۸- جن جانوروں میں بہتا خون نہیں ہوتا پانی میں ان کے مر جانے سے پانی

۶۹- امام مالک کے نزدیک ماء مستعمل-----------

۷۰- امام زفر کے نزدیک ماء مستعمل-----------

۷۱- امام ابو حنیفہ کے نزدیک ماء مستعمل----------

۷۲- امام محمد کے نزدیک ماء مستعمل------------

۷۳- ایما اھاب دبغ فقد---------

۷۴- اذا بلغ الماء قلتین----------

۷۵- پانی میں بال یا ہڈی گر جائے تو پانی-------

۷۶- ماکول اللحم کا جھوٹا امام محمد کے نزدیک--------

۷۷- استنزھوا من البول--------------

۷۸- کسی بھی جانور کے پسینے کا حکم اس کے-------کی طرح ہے۔

۷۹- حائضہ کا جھوٹا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۸۰- بلی کا جھوٹا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۸۱-کتے کا جھوٹا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۸۲- نبیذ تمر کا اختلاف صرف۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں ہے۔

۸۳- تیمم کا لغوی معنی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۸۴- جنابت کے تیمم کا طریقہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی طرح ہے۔

۸۵- پلاسٹک پر تیمم درست۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۸۶- قرآن پاک پڑھنے کے لیے تیمم کیا تو اس تیمم سے نماز پڑھنا درست۔۔۔۔۔۔

۸۷- تیمم کے نواقض وہی ہیں جو۔۔۔۔۔۔۔۔

۸۸- تیمم ہمارے ہاں طہارت۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۸۹- مسافر کے لیے مسح علی الخفین کی مدت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۹۰- جنابت کی حالت میں مسح علی الخفین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۹۱- عمامے پر مسح درست۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۹۲- مسح علی الخفین اور مسح علی الجبیرۃ کے مابین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۹۳- حیض کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رنگ ہیں۔

۹۴- بچوں کے لیے بغیر وضو کے قرآن پاک ہاتھ میں لینا درست۔۔۔۔۔۔

۹۵- طہر کی اکثر مدت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۹۶- نفاس کی اقل مدت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۹۷- حیض کی عادت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

۹۸- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔تتوضا لوقت کل صلوۃ

۹۹- جڑواں بچے پیدا ہوں تو نفاس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بچے سے ہو گا۔

۱۰۰- حمل کا ایک آدھ عضو بن گیا ہو تو وہ شرعا۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے حکم میں ہے۔

۱۰۱- اشیاء کی تطہیر کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔طریقے ہیں۔

۱۰۲- زمین خشک ہونے سے پاک۔۔۔۔۔۔۔

۱۰۳- مقدار درہم کی معافی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سے لی گئی ہے۔

۱۰۴- مرغی کی بیٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۰۵- نجاست خفیفہ بقدر ربع معاف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۰۶- نجاست غلیظہ بقدر درہم معاف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۰۷- ماکول اللحم کے گوبر کے بارے میں اہل علم کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۰۸- امام ابو حنیفہ کے نزدیک غلیظہ خفیفہ کا دارومدار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۰۹- صاحبین کے نزدیک غلیظہ خفیفہ کا دارومدار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۱۰- گھوڑے کا پیشاب نجاست۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۱۱- مچھلی کا خون۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۱۲- استنجاء کرنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۱۳- فجر کے وقت کا آغاز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سے ہوتا ہے۔

۱۱۴- فجر کا وقت۔۔۔۔۔۔۔۔تک رہتا ہے۔

۱۱۵- ظہر کا وقت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شروع ہوتا ہے۔

۱۱۶- امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت۔۔۔۔۔۔۔تک ہے۔

۱۱۷- مغرب کے وقت میں امام شافعی کا کوئی اختلاف ہے؟

۱۱۸- تہجد کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

۱۱۹- وتر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

۱۲۰- اذان فجر کے بعد نوافل۔۔۔۔۔۔۔

۱۲۱- اذان فجر کے بعد قضا نمازیں درست۔۔۔۔۔

۱۲۲- نماز فجر کے بعد قضا نمازیں درست۔۔۔۔۔۔

۱۲۳- نماز فجر کے بعد نوافل درست۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۲۴- طلوع آفتاب کے وقت قضا اور نوافل درست ہیں؟

۱۲۵- نماز عصر کے بعد قضا نمازیں درست۔۔۔۔۔۔

۱۲۶- نماز عصر کے بعد جنازہ پڑھنا۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۲۷- طلوع، استواء اور غروب کے وقت سجدہ تلاوت درست۔۔۔۔۔۔

۱۲۸- جمعے کے دن امام کے منبر پر بیٹھنے سے۔۔۔تک لغو عمل درست نہیں۔

۱۲۹- صاحبین کے نزدیک اذان مغرب اور نماز کے مابین ۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا جائے۔

۱۳۰- فجر کی اذان نصف لیل کے وقت دینا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے نزدیک درست ہے۔

۱۳۱- مسافر کے لیے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے کہ وہ اذان اور اقامت دونوں چھوڑ دے۔

۱۳۲- لا صلاۃ لحائض الا ۔۔۔۔۔۔۔

۱۳۳- الرکبۃ من ۔۔۔۔۔۔

۱۳۴- کثرۃ اور قلۃ اسمائے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں سے ہیں۔

۱۳۵- اعضائے مستورہ میں سے کسی عضو کا ربع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وقت کھل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۳۶- باندی کا ستر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی طرح ہے۔

۱۳۷- عادت اور عبادت میں فرق ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے ہوتا ہے۔

۱۳۸- قبلے کی چار قسمیں ہیں: عین کعبہ، جہت کعبہ، جہت قدرت اور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۳۹- دوسرے سجدے کی فرضیت پر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

۱۴۰- قعدہ اخیرہ کی فرضیت قرآن کریم سے ۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۴۱- نفی، اثبات سے۔۔۔۔۔۔۔ہوتی ہے۔

۱۴۲- الرحمن اعظم کہہ کر نماز شروع کی تو۔۔۔۔۔۔۔ تکبیر تحریمہ کا فرض ادا ہو گیا۔

۱۴۳- عجمی زبان میں اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کیا تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۴۴- اگر عجمی زبان میں قرات کی تو راجح قول کے مطابق نماز۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۴۵- ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں تعظیم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۴۶- جہر بالتسمیہ کی احادیث احناف کے نزدیک۔۔۔۔۔۔۔۔پر محمول ہے۔

۱۴۷- اذان میں ترجیع کی احادیث احناف کے نزدیک۔۔۔۔۔۔۔۔۔پر محمول ہے۔

۱۴۸- امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرات کی فرض مقدار۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۴۹- امام شافعی کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ، تشہد اور درود پڑھنا۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۵۰- امام مالک کے نزدیک امام آمین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۵۱- ہاتھوں کی انگلیاں پوری کھلی رکھنا صرف۔۔۔۔۔کے ساتھ خاص ہے۔

۱۵۲- ہاتھوں کی انگلیاں ملا دینا صرف۔۔۔۔۔۔۔۔کے ساتھ خاص ہے۔

۱۵۳- رکوع کا معنی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۵۴- سجدے کا معنی ہے۔۔۔۔۔۔۔

۱۵۵- امرت ان اسجد علی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۵۶- تورک کی احادیث۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی حالت پر محمول ہے۔

۱۵۷- احناف تشہد ابن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے قائل ہیں۔

۱۵۸- امام شافعی تشہد ابن۔۔۔۔۔۔۔۔کے قائل ہیں۔

۱۵۹- فرض کی آخری دور کعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۶۰- سلام پھرتے وقت فرشتوں اور مقتدیوں کی نیت کرنا ان سنتوں میں سے ہے جسے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۶۱- تحریمھا التکبیر و۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔التسلیم

۱۶۲- صلاۃ النھار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۶۳- فجر کی سنت قرات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آیتیں ہیں۔

۱۶۴- قرات خلف الامام کی ممانعت پر۔۔۔۔۔۔۔۔صحابہ کے آثار ملتے ہیں۔

۱۶۵- امام محمد کے نزدیک۔۔۔۔۔نمازوں میں مقتدی خلف الامام پڑھ سکتا ہے۔

۱۶۶- منبر سے دور ہو یا نزدیک خطبے کے وقت۔۔۔۔۔۔۔۔واجب ہے۔

۱۶۷- صحابہ کرام کے زمانے میں جو اقرء ہوتا تھا وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔بھی ہوتا تھا۔

۱۶۸- عورتوں کی جماعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۶۹- مقتدی ایک ہی ہو تو وہ امام کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کھڑا ہو۔

۱۷۰- ـــــــــــــ کے نزدیک نابالغ کے پیچھے بالغ کے نوافل درست ہیں۔

۱۷۱- اخروھن من حیث ــــــــــــــــــــ۔

۱۷۲- امام صاحب کے نزدیک بوڑھی مستورات کے لیے رات کی نمازوں کی جماعت میں شرکت ــــــــ۔

۱۷۳- اصل مذہب کی رو سے نماز عید میں شرکت بوڑھی خواتین کے لیے بالاتفاق درست ــــــــ۔

۱۷۴- قائم کی نماز مومی کے پیچھے ــــــــــــ۔

۱۷۵- قائم کی نماز قاعد کی اقتداء میں ــــــــــــ۔

۱۷۶- تنفل کی اقتداء مفترض کے پیچھے ــــــــــ۔

۱۷۷- بناء کے بجائے استیناف ــــــــ ہے۔

۱۷۸- محاذاۃ کا مسئلہ اور اس کی شرائط حدیث ــــــــــــــــــ سے ثابت ہے۔

۱۷۹- فرض کا مقدمہ ــــــــــــــ ہوتا ہے۔

۱۸۰- تمت صلاتک کا معنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک ــــــــــــــــ ہے۔

۱۸۱- امام کا ایک مقتدی ہو اور امام کو حدث لاحق ہو جائے تو ــــــ خود بخود امام بن جائے گا۔

۱۸۲- زبان سے سلام کا جواب دیدیا تو نماز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۸۳- اشارے سے سلام کا جواب دیا تو نماز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۸۴- چھینک آنے پر نماز میں زبان سے الحمد للہ کہنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۸۵- ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد اسی ظہر کی دوبارہ نیت کر کے اللہ اکبر کہا تو یہ نیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۸۶- سترے میں خط کھینچنے کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۸۷- تصویر پاؤں میں آرہی ہو تو اس پر نماز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۸۸- تصویر کا اطلاق صرف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پر ہوتا ہے۔

۱۸۹- تسبیحات کو نماز میں ہاتھ سے گننا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۹۰- مسجد کی چھت پر مجامعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۹۱- موم بتی کے سامنے نماز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۹۲- قرآن شریف کے سامنے نماز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۹۳- خبر واحد میں کسی چیز پر سزا کی وعید یا سخت الفاظ آئے ہوں تو وہ مکروہ، مکروہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

۱۹۴- لو علم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ من الوزر لوقف۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۹۵- سجدہ میں ہاتھ بچھا دینا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۹۶- چندے کے پیسوں سے تزیین و آرائش کا کام کرانا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۹۷- شیخین کے نزدیک فجر کے علاوہ بقیہ تمام نمازوں میں دونوں رکعتوں کی قرات۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہونی چاہیے!

۱۹۸- فرض کی پہلی دو رکعتوں مین سورہ فاتحہ بھول جائے تو آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا اعادہ۔۔۔۔۔۔۔

۱۹۹- فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ ملانا بھول جائے تو آخری دو رکعتوں مین سورت۔۔۔۔۔۔۔۔

۲۰۰- سورۃ کی واجب مقدار۔۔۔۔۔۔۔۔ حروف ہے۔

#copypaste

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

اپنا پرچہ ممتحن کی نظر سے دیکھیں

(پرچہ چیک کرنے والا کن باتوں کو مدِ نظر رکھتا ہے)

جب رزلٹ آتا ہے تو طلباء کی اکثریت نمبرز کم آنے کا شکوہ کر رہی ہوتی ہے اور پیپر چیک کرنے والے کو برا بھلا کہہ رہی ہوتی ہے حالانکہ پیپر چیکر کا کام تو صرف پیپر چیک کرنا ہوتا ہے۔ اگر اچھا پیپر ہو تو وہ نمبر دے دیتا ہے اور اگر پیپر اچھا نہ ہو تو اچھے نمبر نہیں دیتا۔ اس کا مطلب ہے سوالوں کے صحیح جواب دیئے جائیں تو اچھے نمبر آسکتے ہیں۔ پیپر چیک کرنے والے کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ یہ پیپر کس کا ہے۔ اس کے سامنے صرف پیپر ہوتا ہے وہ چاہے لائق طالب علم کا ہو یا نالائق کا۔ پیپر چیک کرنے والا عام طور درج ذیل دی گئی باتوں کو مدِ نظر رکھتا ہے:

۱-پریزنٹیشن (پیشکش)

پیپر چیک کرنے والے کو پیپر چیک کرنے میں جتنی سہولت ملتی ہے وہ اتنے زیادہ نمبر دیتا ہے۔ پیپر کی پریزنٹیشن اچھی نہ ہو تو چاہے طالب علم جتنا مرضی لائق کیوں نہ ہو وہ اچھے نمبر نہیں حاصل کر سکتا۔ اچھے نمبر لینے کے لیے ضروری ہے کہ پیپر اچھے انداز میں پیش کیا جائے۔ پیپر چیک کرنے والا دیکھتا ہے کہ

بچے نے پیپر کی دونوں سائیڈوں پر لائنیں لگائی ہیں؟

کیالائن ایک سائیڈ پر تو نہیں لگائی؟

کیالائن سیدھی اور خوبصورت ہے؟

کیاسوال نمبر صحیح جگہ پر لکھے ہیں؟

کیاہیڈ نگز(سرخیاں) صحیح جگہ لگائی ہیں؟

کیاجو سوال پوچھا گیاہے صرف اسی کا جواب دیا گیاہے؟

جتنے سوالوں کے جواب مانگے گئے ہوں صرف اتنے سوالوں کے جواب دینے چاہیے۔

مثال کے طور پر، آٹھ سوالوں میں سے چار کے جواب دینے ہوں لیکن جواب پانچ دے دیے جائیں اور پھر یہ سوچ لیا جائے کہ پیپر چیک کرنے والا پانچوں جوابات کو چیک کر کے ان میں سے جو چار سب سے اچھے ہوں گے ان کے نمبر لگادے گا تو ایسا نہیں ہے۔ وہاں اصول یہ ہے کہ پہلے چار کو چیک کرنا ہے۔ اگر پانچویں سوال کا بھی جواب ہو تو اس کو کراس کر دیا جاتا ہے۔

سوال نمبر 2

مضمون کی لکھائی

مضمون علامہ محمدؐ اقبال

OUTLINE

* علامہ محمد اقبال
* تاریخ پیدائش
* ابتدائی تعلیم
* ثانوی تعلیم
* شاعری
* تاریخ موت

علامہ محمد اقبال

علامہ محمد اقبال ہمارا قومی شاعر ہیں۔ وہ ایک انسان تھے۔ جس نے لوگوں کو پاکستان آباد ہونے کا تصور دے دیا۔

تاریخ پیدائش

علامہ محمد اقبال 9 نومبر سیالکوٹ کے شہر 1877 میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم

اس نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے حاصل کی۔ اور اس نے ام۔اے کا امتحان لاہور سے دے دیا۔

حاشیہ، سرخیاں، لکھائی اور سوال ختم ہونے پر لگائی گئی لکیر پر غور کیجیے

۲-صفائی / لکھائی

پیپر چیک والا دیکھتا ہے کہ بچے نے پیپر کتنا صاف ستھرا رکھا ہے۔ عام طور پر بچوں کے پیپرز پر جگہ جگہ سیاہی گری ہوتی ہے، کئی بچوں کے ڈایاگرام صحیح نہیں ہوتے۔ پرچہ ہمیشہ معیاری ہونا چاہیے۔ ڈایاگرام مناسب سائز کا ہونا چاہیے۔ ڈایا

گرام چھوٹی اور درمیان میں ہونا چاہیے کیونکہ پیپر چیک کرنے والا چاہتا ہے کہ پیپر پڑھنے کے قابل ہو۔ پیپر جتنا صاف لکھا ہوگا اتنی پیپر چیک کرنے والے کو آسانی ہوگی۔ جس کی لکھائی صاف نہیں ہوتی، اس کیلئے پیپر چیک کرنے والے کی اپروچ اچھی نہیں ہوتی۔ پیپر میں آپ نظر نہیں آتے بلکہ آپ کی لکھائی نظر آتی ہے۔ اگر لکھائی اچھی ہے تو پھر نمبر بھی اچھے آتے ہیں۔

۳-زیادہ صفحات

پیپر چیک کرنے والا ضرورت سے زیادہ صفحات پر جواب کو پسند نہیں کرتا۔ چونکہ وہ بھی ایک استاد ہوتا ہے، اس نے بچوں کو پڑھایا ہوتا ہے۔ اس کا بچے کی عمر سے زیادہ تجربہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو پتا ہوتا ہے کہ دیے گئے سوالوں کے جوابات کے لیے کتنے صفحات درکار ہیں۔ بچوں کی زیادہ صفحات کے استعمال کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ پیپر کی دونوں سائیڈوں پر بہت زیادہ جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ درمیان میں لکھنے والی جگہ پر بھی تھوڑا تھوڑا لکھا ہوتا ہے یا ایک لائن چھوڑ کر لکھا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر صفحے کے شروع میں جب جواب ختم ہو تو اگلے صفحے پر اگلے سوال کا جواب لکھا ہوتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ اگر پچاس فیصد سے زیادہ صفحہ استعمال ہو چکا ہو تو پھر چھوڑنا چاہیے، لیکن اگر اس سے کم استعمال ہوا ہو تو پھر نیا سوال اسی صفحے پر لکھنا چاہیے۔ پیپر چیک کرنے والا بچے کی صلاحیت کو دیکھتا ہے۔ اس نے وزن کے نمبر نہیں دینے ہوتے بلکہ جواب کیا دیا اس کے

نمبر دینے ہوتے ہیں۔

۴- تین گھنٹے میں خود کو ثابت کرنا

بچوں کو پیپر کرنے کے لیے تین گھنٹے اس لیے دیئے جاتے ہیں کہ وہ خود کو ثابت کریں کہ وہ لائق ہیں۔ جو بچے لائق ہوتے ہیں ان کی یہ سوچ ہوتی ہے کہ ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم لائق ہیں۔ جو بچے لائق نہیں ہوتے وہ صرف پیپر کو حل کرنے کی کوشش کرتے، گزارا کرتے ہیں۔ جبکہ پیپر چیک کرنے والا صرف ان بچوں کو ہی نمبر دیتا ہے جنھوں نے کچھ لکھا ہوتا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں کرتا بغیر کسی لکھنے والے کو نمبر دے دے اور بعد میں اس کا ضمیر ملامت کرے۔ جو بچہ تین گھنٹے میں خود کو ثابت کرتا ہے وہی اچھے نمبروں کا اہل بنتا ہے۔

۵- بے مقصد لکھنا

بعض بچوں کے پیپروں میں اس لیے بھی نمبر کم آتے ہیں کہ وہ بے مقصد لکھتے ہیں۔ جیسے سوال یہ ہو کہ نیوٹن کا پہلا قانون کیا ہے اور جواب میں نیوٹن کا پہلا قانون بتایا جائے، پھر دوسرا بتایا جائے، پھر، تیسرا اور پھر اس کے بعد اس کی زندگی کے احوال بھی لکھ دیئے جائیں۔ جو بچے ایسا کرتے ہیں ان کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ جتنا زیادہ لکھا جائے گا اتنے ہی زیادہ نمبر آئیں گے۔ پیپر چیک کرنے والا کبھی بھی ایسے طالب علم کو اچھا نہیں سمجھتا جو ضرورت سے زیادہ لکھتا

ہو۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ سوال کے مطابق جواب ہے یا نہیں۔ پیپر میں با مقصد لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ پورے سال کے دوران کلاس میں جتنے بھی ٹیسٹ ہوں ان میں جو سوال پوچھے جائیں صرف ان سوالوں کے جواب دینے کی مشق کی جائے۔

٦- ذہنی طور پر تیار ہونا

اچھے نمبر لینے کے لیے بچے کا ذہنی طور پر تیار ہونا بہت ضروری ہے۔ پیپر چیک کرنے والے کو وہی بچہ متاثر کرتا ہے جو ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے کہ مجھے اچھے نمبر لینے ہیں اور پھر وہ اس کی کوشش بھی کرتا ہے۔ جو بچے پیپر دینے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوتے ہیں وہ پہلے سے ہی اس کی مشق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی یہ اپروچ ہوتی ہے کہ ہمیں فائنل پیپرز میں کسی طرح کی تنگی اور مشکل کا سامنانہ کرنا پڑے۔

(اسکول کے ایک استاذ صاحب کی تحریر)

اس تحریر پر تبصرے یاسوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

معروضی (Objective) طریقہ امتحان

(خصوصی تحریر)

تخصص فی الفقہ میں داخلہ کیلئے انٹری ٹیسٹ کا طریقہ کار:

☆ داخلہ ٹیسٹ تحریری ہوگا۔
☆ سوالات معروضی طرز پر ہوں گے۔
☆ تمام سوالات درس نظامی کے نصاب میں موجود متعلقہ کتب سے ہوں گے۔
☆ کم از کم 50 نمبر حاصل کرنے والا کامیاب قرار پائے گا۔
☆ نمبروں کی تقسیم حسب ذیل ہے۔:

نمبر شار	مضامین	نمبروں کی تفصیل	نمبر شار	مضامین	نمبروں کی تفصیل
1	تفسیر و اصول تفسیر	15	2	حدیث و اصول حدیث	15
3	فقہ	30	4	اصول فقہ	20
5	صرف	10	6	نحو	10
کل نمبر --------100					

نوٹ
☆ راولپنڈی، لاہور، ملتان اور کراچی میں امتحانی سنٹر قائم کیے جائیں گے۔
☆ امیدوار اپنے قریبی سنٹر میں شرکت کرسکتا ہے۔

اس تصویر کی شق نمبر ۲ کو دیکھیے۔ تنظیم المدارس نے تخصص کے لیے ہونے والے داخلہ ٹیسٹ میں تمام سوالات معروضی (Objective) طرز پر لینے کا اعلان کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ مدارس میں طلبہ معروضی پرچے کے نام سے بھی واقف نہیں ہوتے تو امتحان کیسے دیں گے؟ حالانکہ دیکھا جائے تو اس طریقہ

امتحان کی سب سے زیادہ ضرورت مدارس کو ہی ہے جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔

بحمدہ تعالیٰ تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان گزشتہ کئی سال سے بہت تیزی کے ساتھ ترقی کی جانب گامزن ہے (اللھم انصر من نصر دین محمد ﷺ) آج تخصص کے لیے معروضی (Objective) امتحان کا اعلان ہوا ہے تو کل عالمیہ اور عالیہ کے لیے بھی ہو جائے گا۔ لہٰذا آنے والے وقت کا ادراک کریں اور اپنے ادارے میں معروضی (Objective) سوالات کو رفتہ رفتہ سوالیہ پرچے کا حصہ بنائیں ورنہ آپ کے طلبہ زمانے کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائیں گے۔

معروضی پرچے کے چند فوائد

۱- مدارس میں ایک تعداد ایسے طلبہ کی ہے جو لکھائی میں کمزور ہونے کی وجہ سے یاد ہونے کے باوجود اپنا مافی الضمیر بیان نہیں کر پاتے، ایسے طلبہ کے لیے معروضی (Objective) طریقہ امتحان کسی نعمت سے کم نہیں۔

۲- انشائیہ (Subjective) پرچے میں جزئیات پر سوال بنانا ممکن نہیں ہوتا جبکہ معروضی (Objective) پرچے میں سوالات ہوتے ہی جزئیات پر ہیں۔ اس لحاظ سے یہ طریقہ امتحان مدارس کے لیے نہایت مفید ہے۔ بلکہ یوں کہہ لیں کہ بنا ہی مدارس کے لیے ہے۔

۳- کم وقت میں زیادہ سوالات کا امتحان لیا جا سکتا ہے۔ اندازاً انشائیہ (Subjective) پرچے کا تین گھنٹے کا مواد معروضی (Objective)

پرچے کے آدھے گھنٹے میں پوچھا جا سکتا ہے۔ یوں بڑی کتب کے لیے بھی معروضی پرچہ نہایت مفید ثابت ہو گا۔

۴- مندرجہ بالا خوبیوں کی بنا پر معروضی (Objective) پرچہ ہفتہ وار یا ماہانہ کلاس ٹیسٹ کے لیے نہایت موزوں ہے۔ صرف آدھ پون گھنٹے کے پیریڈ میں گزشتہ ایک ماہ کی پڑھائی کا امتحان ہو سکتا ہے۔ نیز اس کلاس ٹیسٹ کے نمبر اگر امتحان میں شامل کر دیے جائیں تو طالب علم پورا سال پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۵- ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ طلبہ اس طریقہ امتحان کے عادی ہو گئے تو فوج اور این ٹی ایس جیسے بڑے اداروں کے امتحانات بھی بآسانی پاس کر سکتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ انشائیہ (Subjective) پرچے کا عادی معروضی (Objective) پرچہ حل نہیں کر سکتا (الا ماشاء اللہ)۔ اس کے برعکس معروضی (Objective) پرچے کا عادی انشائیہ (Subjective) پرچہ بھی نہایت آسانی سے حل کر سکتا ہے۔ یوں اگر آپ اپنے طلبہ کو معروضی (Objective) پرچے کا عادی بنا دیتے ہیں تو وہ دونوں طرز کے امتحانات میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

۶- ذہین طلبہ میں ایک تعداد ایسی بھی ہے جو اپنی سستی کے باعث صرف امتحان کی رات ہی کتاب کو ہاتھ لگاتے ہیں اور بقیہ پورا سال کلاس میں ادھر ادھر کی ہانکنے کے باوجود پاس ہو جاتے ہیں۔ (یہ انشائیہ (Subjective) پرچے کی

ایک خامی ہے)۔ ایسے طلبہ کا بہترین علاج معروضی (Objective) پرچہ ہے۔ اگر اسے درست طریقے سے اس کے اصولوں کے مطابق بنایا جائے تو پوری کتاب کو پڑھے بغیر پرچے میں کامیابی تقریباناممکن ہے۔

یعنی یہ طریقہ امتحان طلبہ کو پورا سال اور پورا نصاب پڑھنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

۷- پانچ سالہ اور دس سالہ پرچہ جات سے طلبہ کی جان چھوٹ جاتی ہے۔ کیونکہ یہ معروضی طریقہ امتحان میں کسی کام کے نہیں رہتے۔

۸- نقل کے امکان کو معروضی (Objective) طریقہ امتحان میں تقریباً صفر کیا جا سکتا ہے۔ (اس میں کچھ تفصیل ہے جو آنے والے مضامین میں بیان ہو گی، ان شاء اللہ تعالیٰ)

۹- انشائیہ (Subjective) پرچے میں اساتذہ کو نمبر دینے میں بہت پریشانی کا سامنا ہوتا ہے۔ ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو جائے۔ معروضی (Objective) طرز کے پرچے میں کسی کے ساتھ زیادتی ہونے کا کوئی ڈر نہیں۔ کیونکہ یا تو سوال درست ہو گا یا غلط، یا نمبر ملیں گے یا نہیں، تیسرا کوئی آپشن ہی نہیں ہے۔

مندرجہ بالا فوائد کے علاوہ بھی یہ طریقہ امتحان نہایت کامیاب ہے اور پوری دنیا میں استعمال ہو رہا ہے اس لیے گزارش ہے کہ اسے اپنانے میں دیر نہ کیجیے ان

شاءاللہ تعالیٰ فوائد کا مشاہدہ آپ اپنی آنکھوں سے کریں گے۔

معروضی پرچے کے "نقصانات"

یہ عنوان پڑھ کر یقیناً آپ چونک پڑے ہوں گے کہ فوائد گنواتے گنواتے نقصانات کہاں سے آگئے؟ تو جناب معروضی پرچے کا "نقصان" اساتذہ کو ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ پرچہ حل کرنے میں اتنا وقت نہیں لیتا جتنا بنانے میں۔ یوں کہہ لیں کہ حل کرنے میں طلبہ کی محنت اور وقت کم صرف ہوتا ہے اور پرچہ بنانے میں اساتذہ کی محنت اور وقت بہت زیادہ۔ اس لیے جس استاذ سے اس کے بارے میں بات کی جائے وہ آگے سے جواب دیتے ہیں "چھڈو جی کیہڑے چکر اچ پے گئے او؟"، یعنی دفعہ کرو کس چکر میں پڑ گئے ہیں؟

ایسے اساتذہ سے میری گزارش ہے کہ واقعی آپ کی بات درست ہے، لیکن یہ محنت صرف ایک سال کے لیے ہے اس کے بعد آپ کو پرچے بنانے ہیں نہیں پڑیں گے۔ یعنی اگر ایک سال آپ نے معروضی پرچوں کی دیگ پکالی تو بقیہ آنے والے سالوں میں اسے ہی کھاتے رہیں گے۔ البتہ تھوڑا بہت گرم ضرور کرنا پڑے گا۔ مطلب ہر مرتبہ کچھ ترمیم اضافہ ہوتا ہے نئے سرے سے سارا کام نہیں ہوتا۔

تو درحقیقت یہ "نقصان" نہیں فائدہ ہی ہے۔ ایک سال کی محنت بقیہ سالوں کا آرام۔ یوں اسے آپ دسواں فائدہ شمار کرسکتے ہیں۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

اتنے فوائد کے بعد یقینا آپ کے ذہن میں سوال اٹھے گا کہ معروضی (Objective) پرچہ بنے گا کیسے؟ تو جناب اس کے لیے آپ کو آنے والی اقساط کا انتظار کرنا ہو گا۔

ایک گزارش ہے کہ اگر کچھ مدرسین معروضی پرچہ جات بنانے پر فی سبیل اللہ کام کر سکیں تو اس پوسٹ کے کمنٹ میں بتا دیں (ساتھ کتب یا مضامین کا نام ضرور لکھیں جن میں آپ کو مہارت حاصل ہو)۔ ایک یا دو یا جس قدر کتب پر آپ کو مہارت ہو اپنے ذمے لے لیں۔ زیادہ نہیں دن کا صرف ایک آدھ گھنٹہ۔ یقین جانیں کہ آپ کا یہ کام درسِ نظامی کے شعبہ میں ایک انقلاب لا سکتا ہے۔ اور یقینا ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ کا باعث بھی ہو گا۔

البتہ اس بات کی گارنٹی میں آپ کو دیتا ہوں کہ آپ کی محنت صرف اور صرف درسِ نظامی کی ترقی کے لیے استعمال ہو گی۔ کسی فرد، تنظیم یا ادارے کی تشہیر یا مفاد کے لیے نہیں۔

(یہاں تک کی تحریر گزشتہ برس کی تھی۔ اس کے بعد کا حصہ بصورتِ اقساط گروپ میں شائع ہوا۔ اور مطالعہ میں آسانی کے لیے برقی کتاب کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔)

مشقی و امتحانی سوالات اور سرگرمیاں

وعدہ تو گزشتہ برس کا تھا لیکن نبھانے کا موقع ایک سال بعد کرونا وائرس کی

وجہ سے لگنے والی پابندیوں نے مہیا کیا۔ اگرچہ اس سلسلے کا ابتدائی کام گزشتہ برس ہی کر لیا تھا اور خیال تھا کہ ہفتے دس دن میں تکمیل ہو جائے گی لیکن کوئی نہ کوئی مصروفیت آڑے آتی رہی۔

چونکہ اس سلسلے کے اشارات گزشتہ برس طریقہ جدیدہ پڑھاتے ہوئے تحریر کیے تھے یہی وجہ ہے کہ مثال بیان کرتے ہوئے اکثر جگہ اسی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔

گزارش ہے کہ جب آپ اپنے ذہن سے ان طریقوں کو دوسری کتب پر منطبق کریں تو گروپ میں ضرور بانٹیں۔ اس عمل کی بدولت اللہ تعالی آپ کے علم میں ڈھیروں برکتیں عطا فرمائے گا کہ علم کی دولت بانٹنے سے ہی بڑھتی ہے۔

تو جناب اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتے ہیں۔ اولاً بصورتِ اقساط تھوڑا تھوڑا کر کے پیش کیا جائے گا۔ اختتام کے بعد تمام اقساط کو ایک فائل میں جمع کر دیا جائے گا۔

تعارف

اس عنوان کے تحت سبق سے پہلے، دوران اور بعد میں کرائی جانے والی کچھ مشقوں اور سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ جن کی مدد سے درس میں طلبہ کی نہ صرف دلچسپی بڑھتی ہے بلکہ سمجھنے میں بھی معاونت ہوتی ہے۔ نیز استاد کے لیے طلبہ کی بہتر جانچ بھی ممکن ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ جان سکتا ہے کہ طلبہ اس کے

درس کو کس حد تک سمجھے ہیں۔ نیز ان میں سے بیشتر کو امتحانی پرچوں میں شامل کر کے بھی بہت سے فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں جن کا بیان آگے ہو گا۔

ا

موجودہ کتبِ درسیہ میں اول تو مشقیں اور سرگرمیاں ہیں ہی نہیں اگر کسی نئی کتاب میں ہیں بھی تو محض سوال جواب، امتحانات میں بھی عموما صرف سوال جواب ہی دیے جاتے ہیں۔

محض سوال جواب کا ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بہت سے طلبہ پورا سال کلاس میں ادھر ادھر کی ہانکتے ہیں۔ امتحان سے چند روز قبل پانچ یا دس سالہ پرچہ جات سے تیاری کرتے ہیں اور بڑے آرام سے بیس پچیس نمبروں کے دو تین سوال حل کر کے پینتیس چالیس نمبر لے کر پاس بھی ہو جاتے ہیں۔

یہ طریقے ایسے طلبہ کا راستہ روکنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں جن کا مقصد پڑھنے سے زیادہ پرچہ پاس کرنا ہوتا ہے، جنہیں اپنی ذہانت اور حافظے پر غیر ضروری اعتماد ہوتا ہے۔ اور یہ اعتماد انہیں سکھاتا ہے کہ صرف ایک رات میں پڑھ کر بھی پرچہ پاس ہو سکتا ہے تو پورا سال پڑھنے کی کیا ضرورت؟

اگر سوالیہ پرچے کا انداز بدل دیا جائے تو طالب علم پورا سال کتاب پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پانچ، دس سال کے پرانے پرچے بے کار ہو جاتے ہیں۔

(البتہ یہ خیال رہے کہ پرچے کے اس انداز کو یکبارگی بزور حکم نافذ نہ کیا

جائے۔ بلکہ پہلے ہفتہ وار یا ماہانہ ٹیسٹ کے ذریعے طلبہ کو رفتہ رفتہ عادت ڈالی جائے۔اس کے بعد درجہ بدرجہ انہیں امتحانی پرچوں میں شامل کریں اور ہر سال مقدار بڑھاتے جائیں)

۲

انہی مشقوں اور سر گرمیوں کی مدد سے طلبہ کو سوچنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ جس سے مستقبل میں اظہار رائے کی جرأت، خود اعتمادی اور تصنیف و تالیف کی صلاحیت پیدا ہو گی۔

۳

سوالات کے مروجہ انداز میں جزئیات پر سوال بنانا ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن اس سلسلے میں بیان کیے جانے والے طریقوں کی بدولت جزئیات پر سوال بنانا ممکن ہو جاتا ہے۔یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مدارس میں انہیں رواج دینے کی اشد ضرورت ہے۔

۴

دس، بیس یا پچیس نمبر کے تفصیلی جوابات کو چیک کرنے کے بعد مناسب نمبر دینا استاد کے لیے کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ایک آدھ نمبر کی جزئیات پر مبنی سوالات بنائے جائیں تو یہ آزمائش یکسر ختم ہو جاتی ہے۔کیونکہ یا تو سوال صحیح ہو گا یا غلط، نمبر ملے گا یا نہیں، درمیانی رستہ کوئی نہیں۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے فوائد ہیں جن کے پیش نظر یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ نت نئے مشقی سوالات کے طریقوں کی جانب اساتذہ کی توجہ مبذول کرائی جائے اور ان کے فوائد سے آگاہ بھی کیا جائے۔ تاکہ انہیں فضول اور بے کار سمجھ کر ردنہ کیا جائے۔

۵

کل جدید لذیذ۔ ایک ہی انداز کی مشقیں اور سوالات طلبہ کے لیے اکتاہٹ کا باعث بنتے ہیں۔ اگر تدریس میں دلچسپی پیدا کرنی ہے تو ہر بات کو الگ ڈھنگ سے پیش کرنے کا ہنر سیکھنا لازم ہے۔

٦

ابتدائی تحاریر کا عمومی ہدف چھوٹی جماعتوں کے ایسے طلبہ ہوں گے جو لکھنا نہیں جانتے۔ نیز وہ طلبہ بھی ان میں شامل ہوں گے جو کسی بھی نئ زبان کو سیکھنا شروع کرتے ہیں اگرچہ کسی بھی عمر کے ہوں۔

اس کے بعد درجہ بدرجہ بڑی جماعتوں میں کرائی جانے والی مشقوں اور سرگرمیوں کی جانب بڑھیں گے۔

۷

اللہ تعالی نے چاہاتو یہ سلسلہ صرف اساتذہ کے لیے ہی نہیں بلکہ درسی کتب اور شروحات لکھنے والے مؤلفین و مصنفین کے لیے بھی مفید ثابت ہو گا۔ اور وہ

سرگرمیوں اور جانچ کے نت نئے انداز بھی سوچ سکیں گے۔

مطالعہ سے قبل چند ضروری امور

مشقی وامتحانی سوالات کے اس سلسلے کا مطالعہ کرتے ہوئے چند امور کو ہر وقت ملحوظ رکھنا لازم ہے۔

۱. سلسلے کو چار مراحل میں تقسیم کیا جائے گا۔ تاکہ طلبہ سے ان کے درجے اور صلاحیت کے مطابق امتحان لیا جاسکے۔ جو چیز ابھی سکھائی اور سمجھائی ہی نہیں گئی اس کا امتحان لینا "التکلیف مالا یطاق" کے تحت درست نہیں۔

۲. "پہلے مرحلے "کا ہدف وہ طلبہ ہوں گے جو ابھی لکھنا سیکھ رہے ہیں۔ اسی لیے اس مرحلے پر سوالات کو ایسے انداز میں ترتیب دیا جائے گا کہ طالبِ علم ایک لفظ لکھے بغیر محض نشانات اور لکیریں کھینچ کر جوابات دے گا۔ جیسا کہ تعارف میں عرض کیا تھا کہ وہ طلبہ جو کسی بھی نئی زبان کو سیکھ رہے ہیں اسی قسم میں شمار ہوں گے اگرچہ عمر کے کسی بھی حصے سے تعلق رکھتے ہوں۔ لہذا ان کے لیے بھی معمولی ردوبدل کے ساتھ یہی طریقہ استعمال ہو گا۔

۳. "دوسرے مرحلے "کا ہدف وہ طلبہ ہوں گے جو دیکھ کر لکھنا سیکھ چکے ہیں۔ لیکن املانویسی کی مشق مکمل نہ ہونے کی وجہ سے زبانی نہیں لکھ سکتے۔ اس لیے اس مرحلے پر سوالات کو ایسے انداز میں ترتیب دیا جائے گا کہ جواب دینے کے لیے طالبِ علم کو چند الفاظ سے زیادہ نہ لکھنے پڑیں۔ ہر سوال کے

سامنے جوابات بھی لکھے ہوں گے جن میں سے ایک درست اور باقی غلط ہوں گے۔ طالبِ علم ان میں سے درست جواب کا انتخاب کرے گا۔

۴. "تیسرے مرحلے "کا ہدف وہ طلبہ ہوں گے جو مکمل جملے لکھنے کے صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ اور املا نویسی کی مشق بھی کر چکے ہیں۔ لیکن فی الحال کتابی الفاظ سے ہٹ کر اپنا مافی الضمیر بیان نہیں کر سکتے۔

۵. "چوتھے مرحلے "کا ہدف وہ طلبہ ہوں گے جو روانی سے لکھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں اور کتابی الفاظ سے ہٹ کر کسی بھی مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

٦. یہ امر ہر جگہ ملحوظ رہے کہ سوال بناتے ہوئے اس کا صحیح وغلط جواب دونوں ضرور سوچ لیں۔ خصوصا ایمان وعقائد جیسے مسائل میں۔ مثلا
صحیح وغلط پر نشان لگانے کے تحت یہ جملہ دیا جائے "اللہ ایک ہے"۔ اب اگر یہاں کسی طالب علم نے غلط کا نشان لگا دیا تو اس کا مطلب آپ سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے سوال بنانے والے کے سامنے جواب کے صحیح وغلط تمام پہلو ہونا لازم ہے۔

۷. سوالات کے لیے ہمیشہ دو ٹوک جملوں کا انتخاب کرنا چاہیے جن میں کوئی دوسرا احتمال نہ ہو۔ ایسے جملوں کا انتخاب ہر گز نہ کیا جائے جن میں ایک سے زائد جوابات درست ہو سکیں۔ ایسے سوالات طلبہ کو تردد میں ڈال دیتے ہیں۔ مثلا

س: درست جواب کے سامنے ✓ اور غلط کے سامنے ✗ کا نشان لگائیے۔

١ هذا قلم سعيد ☐

٢ هذا قلم محمد ☐

(طریقہ جدیدہ ا سبق ٦)

کتاب کے لحاظ سے یقیناً ایک جملہ درست ہے اور دوسرا غلط۔ لیکن ترجمے کے لحاظ سے دونوں درست ہیں۔ ظاہر ہے طالب علم نے پوری کتاب تو حفظ کی نہیں اور نہ ہی یہاں حفظ کا امتحان مقصود۔ البتہ کسی قلم کے بارے میں کوئی حکایت وغیرہ ہوتی تو یہ سوال پوچھنا درست ہوتا۔

طریقہ جدید ا سبق ٦ کی روشنی میں اس سوال کو کچھ یوں ہونا چاہیے:

س: درست جملوں کے سامنے ✓ اور غلط کے سامنے ✗ کا نشان لگائیے۔

١ هذا قلم سعيد ☐

٢ هذه قلم سعيد ☐

(طریقہ جدیدہ ا، سبق ٦)

مختصر یہ کہ سوال بناتے وقت استاد کا ذہن ۱۰۰ فیصد واضح ہونا چاہیے کہ سبق میں کیا پڑھایا گیا تھا اور سوال سے کس صلاحیت (مثلاً حفظ، گرامر، عبارت، ترجمہ) کا امتحان مقصود ہے، نیز یہ کہ طالبِ علم اس کا کیا جواب لکھے گا۔

مثلا اوپر دیے جانے والے سوال کا مقصد یہ جاننا ہے کہ طالب ھذا اور ھذہ کے فرق کو سمجھا ہے یا نہیں۔ کیونکہ طریقہ جدیدہ کے چھٹے سبق میں طالبِ علم کو یہی فرق سمجھایا گیا تھا۔

۸. دی جانے والی مثالوں میں قلتِ وقت کی بناء پر اعراب صرف وہیں لگائے جائیں گے جہاں ضرورت ہو گی۔ البتہ ابتدائی درجات میں جب تک طلبہ صرف و نحو کا کچھ حصہ نہیں پڑھ لیتے مشقوں اور سوالیہ پرچوں میں اعراب کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔

مقاصد و فوائد

۱. الفاظ معانی:

الفاظ معانی اکثر کتب میں سبق کی تکمیل کے بعد مشق میں کرائے جاتے ہیں لیکن میری ناقص رائے ہے کہ سبق سے پہلے الفاظ معانی یاد کروانا مفید ثابت ہوتا ہے۔

یہ بھی کر سکتے ہیں کہ سبق سے پہلے الفاظ معانی زبانی یاد کرائے جائیں اور سبق کے بعد کاپی پر لکھوائے جائیں۔

بہر حال درسِ نظامی میں داخل ہوتے ہی طالبِ علم کے پاس اپنی ایک ذاتی لغت موجود ہونا لازم ہے، نیز ادب (جیسے طریقہ جدیدہ) کے پیریڈ میں کتاب کے ساتھ لغت بھی موجود ہو۔ جیسے ہی صرف کی کچھ گردانیں پڑھ کر طالبِ علم مادہ

پہچاننے کے قابل ہو جائے استاذ کی مدد سے کم از کم ایک لفظ روزانہ لغت سے تلاش کرے۔ رفتہ رفتہ اس عمل میں استاد اپنا کردار کم کر دے نیز الفاظ کی تعداد ایک سے بڑھا کر پانچ کر دی جائے۔

درجہ اولیٰ میں طریقہ جدیدہ کی تدریس کے دوران راقم کا یہ طریقہ تھا کہ اگلے روز جو سبق پڑھنا ہوتا اس کے تمام مشکل الفاظ کو نشان زد کروایا جاتا اور وہ تمام الفاظ طلبہ پر تقسیم کر دیے جاتے۔ مثلا بیس طلبہ اور بیس الفاظ ہوں تو ایک ایک سب کو بطور واجب المنزل (Homework) دے دیا جاتا۔ اگلے روز طالب علم لغت سے معنیٰ تلاش کر کے مطلوبہ جگہ پر نشان لگا کر آتا اور کلاس میں سب کے سامنے دیکھ کر بیان کرتا۔

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ عرصے کے بعد طلبہ خود ہی پورا سبق بغیر پڑھائے سنانے لگے تھے۔

ابتداء طلبہ کو لغت کا استعمال سکھانے میں تدریس کی رفتار کم ہو جاتی ہے لیکن اس کا فائدہ کچھ ماہ کے بعد ہوتا ہے جب طلبہ خود سے کچھ نہ کچھ ترجمہ کرنے لگتے ہیں۔

ایک مرتبہ لغت سے طالبِ علم کی دوستی ہو گئی تو مستقبل کی بہت سے منزلیں آسان ہو جائیں گی۔ استاد کی مدد کے بغیر ترجمہ کرنے سے طالبِ علم کا اعتما بڑھے گا، ذخیرہ الفاظ (Vocabulary) میں اضافہ ہو گا اور خصوصاً عبارت کی

تیاری میں مدد ملے گی، بلکہ یوں کہیں کہ لغت کے بغیر عبارت تیار ہی نہیں ہوتی۔

۲. واحد و جمع:

ان کی مشق سے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہو گا، اور مستقبل میں درست عبارت پڑھنے میں مدد ملے گی۔ جیسا کہ درست عربی گنتی کے لیے واحد کے ساتھ جمع کا علم ہونا بھی لازم ہے۔ خصوصاً جمع تکسیر میں طلبہ کو خاصی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ کہ اس کے بنانے کا کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں۔

ہر سبق سے مناسب تعداد میں الفاظ منتخب کر کے ان کی جمع، یا جمع ہوں تو واحد لکھوائی دی جائے۔ نیز اسے بھی اوپر بیان کردہ طریقے کے مطابق طلبہ کو بطورِ واجب المنزل (Homework) دیا جا سکتا ہے۔ تنثیہ میں چونکہ یہ معاملہ نہیں اس لیے اسے یہاں شمار نہیں کیا گیا۔

۳. مذکر و مؤنث:

ان کی مشق سے بھی ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہو گا، اور مستقبل میں درست عبارت پڑھنے میں مدد ملے گی۔ واحد جمع کی طرح عربی گنتی اور اسمائے اشارات وغیرہ کے درست استعمال کے لیے تذکیر و تانیث کا علم ہونا بھی لازم ہے۔ جیسے کہ طریقہ جدیدہ ۱، سبق ۵ میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جہاں طالبِ علم کو درست اسمِ اشارہ کے استعمال میں خاصی پریشانی ہوتی ہے۔ ایسے اسباق سے مذکر اور مؤنث کو الگ الگ کر کے فہرست بنائی جا سکتی ہے۔

۴. الفاظ متضاد/الفاظ مترادفات:

اس سے بھی ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے۔ ویسے بھی کہا جاتا ہے: الاشیاء تعرف باضدادہا۔ جس طرح کسی چیز کے تصور سے ذہن غیر محسوس طور پر اس کی ضد کی جانب جاتا ہے اسی طرح اس سے ملتی جلتی چیز کی جانب بھی جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے کتبِ منطق میں لازم بین کی بحث دیکھیے۔

متضاد اور مترادف کی مشق آگے چل کر تخلیقی تحریر (Creative Writing) میں معاون ثابت ہوتی ہے، نئ مثالیں سوچنے میں مدد ملتی ہے اور مستقبل میں عربی تکلم کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔

۵. کہانی، خط، درخواست، مضمون وغیرہ:

اگر ابتدائی درجات میں دو دو مختصر کہانیاں، خطوط، درخواستیں اور مضامین یاد کروا دیے جائیں تو مستقبل میں عربی تکلم و تحریر کی راہیں کھلنے کے قوی امکانات ہیں۔ دس جملے رٹا لگا کر لکھیں گے تو کل دو چار اپنی جانب سے بھی لکھنے لگیں گے۔ **خصوصاً درخواست یاد کروانے کے بعد طالبِ علم سے اردو میں درخواست وصول ہی نہ کی جائے۔ خواہی نخواہی ذہن عربی لکھنے کی جانب متوجہ ہوگا۔**

نیز مفتیانِ کرام اجازت دیں تو انٹرنیٹ سے ایسے عربی کارٹون اور کہانیاں حاصل کی جائیں جن پر کوئی شرعی کلام نہ ہو۔ میری تین سالہ بیٹی ان ہی کی مدد سے عربی کے اکادکا جملے بولنے لگی ہے حالانکہ ابھی اسکول جانا شروع نہیں کیا۔

۶. غلط صحیح اور خالی جگہ پر کرنا۔

معروضی طرز کی یہ دونوں مشقیں کثیر فوائد کی حامل ہیں مثلاً:

غلط صحیح کی مشق سے طلبہ میں تحریر کو توجہ سے پڑھنے اور جانچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ ان دونوں کی مدد سے جزئیات پر ایک ایک نمبر کے سوالات بنائے جاسکتے ہیں نیز امتحانات میں شامل کر کے پانچ، دس سالہ پرچہ جات کا رستہ بند کیا جا سکتا ہے (جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا) نتیجۃً طالبِ علم کتاب کو پڑھے سمجھے بغیر پرچہ پاس نہیں کر پائے گا۔

۷. تصنیفی و تحقیقی صلاحیتیں بیدار کرنے والی چند مشقیں۔

- تصویر دیکھ کر کہانی بنانا۔
- الفاظ سے جملے بنانا۔
- سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھنا۔
- مختصر کو مفصل لکھنا۔
- پکنک یا چھٹیوں کے بعد ان کے احوال لکھنا۔
- سبق یا کسی کردار کے بارے میں طلبہ کی تحریری رائے لینا۔
- علاماتِ ترقیم لگوانا۔
- مزید معلومات کے لیے لائبریری، دیگر علماء یا ماہرین کے پاس بھیجنا۔
- ہر سبق، باب یا مکمل کتاب کی تکمیل پر اس کا نقشہ بنوانا۔

- کتاب کی فہرست از سر نو مرتب کروانا۔ کتاب کا خلاصہ لکھوانا۔ مقدمہ لکھوانا۔

(ان سب کی تفصیل آئندہ بیان ہو گی)

یہاں تک چند اہم مشقوں کے فوائد و مقاصد بیان کیے جن میں طوالت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اب ہم سوال بنانے کے طریقہ کار کی جانب قدم بڑھائیں گے۔ نیز بقیہ مشقوں اور سرگرمیوں کے مقاصد و فوائد اسی وقت مختصراً بیان کر دیے جائیں گے۔

۱

نشان اور لکیریں لگانا / کالم ملانا

یہ طریقے عموماً چھوٹی جماعتوں میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ طالبِ علم روانی سے لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ سوالات کو ایسے انداز میں ترتیب دیا جاتا ہے کہ طالبِ علم ایک لفظ لکھے بغیر جواب دے سکے۔

۱.

سوال: مندرجہ ذیل عبارت میں اسم کے اوپر اور فعل کے نیچے ایک لکیر کھینچیں۔

أذهب مع صديقي إلى الحديقة، في الحديقة أشجار جميلة، وأثمار ناضجة. أمد يدي إلى غصن الشجرة وأقطف ثمرة واحدة... إلخ

طریقہ جدیدہ ۲، سبق ۱۳

یہاں ہم نے ایک لفظ لکھوائے بغیر یہ جانچ کی کہ طلبہ کو اسم فعل اور حرف کی پہچان ہے یا نہیں۔

.۲

سوال: مبالغہ کے صیغوں پر نشان لگائیں۔

فاروق۔ مامون۔ جاسوس۔ عاشور۔ جاموس۔

متفرق کتب

.۳

سوال: مندرجہ ذیل الفاظ کو معانی سے ملائیے:

رجل	بچہ
امرأة	گھڑی

طفل	تختہ سیاہ
ساعة	عورت
منضدة	دوات
سبورة	نقشہ
محفظة	عزت والا
خارطة	میز
دواة	مرد
شریف	جاننے والا
عالم	بستہ

دوسرا مقصد کم وقت میں ممکنہ طور پر زیادہ سے زیادہ مواد کا امتحان لینا بھی ہو سکتا ہے۔ مثلا ہفتہ وار یا ماہانہ ٹیسٹ کلاس میں پیریڈ کے دوران ہی لیا جاتا ہے۔ جس کے لیے تقریباً ۴۰ سے ۴۵ منٹ کا وقت ہوتا ہے۔ مروجہ طریقے سے سوال بنائیں تو شاید ایک سوال ہی بمشکل ہو گا، مثلاً

سوال: مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی لکھیے:

رَجل. امرأة. طفل. ساعة. منضدة. سبورة. محفظة. خارطة. دواة. شریف. عالم.

طریقہ جدیدہ ۱، سبق ۴

اب ذرا تصور کی آنکھ طالبِ علم کو یہ سوال حل کرتے ہوئے دیکھیے۔ پہلے وہ دو یا چار کالم بنانے کے لیے لائنیں لگائے گا، پھر ایک جانب یہی الفاظ اتارے گا جو سوال میں دیے گئے ہیں اس کے بعد معانی لکھے گا۔ آپ کے خیال میں کتنا وقت لگے گا۔ شاید ۱۵ منٹ۔ عموماً طلبہ زود نویس نہیں ہوتے، یاد ہونے کے باوجود لکھنے میں وقت لیں گے۔

لیکن اگر یہی سوال کالم ملانے کے طریقے سے ترتیب دیا جائے تو صرف دو منٹ میں سوال کا جواب لیا جا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ سوالات کا ڈیزائن بدلنے سے ۴۰ منٹ کے پیریڈ میں پورے ہفتے یا مہینے کی پڑھائی کا ٹیسٹ لیا جا سکتا ہے۔ کچھ مشکل تو یقیناً ہو گی لیکن روزانہ کی بنیاد پر محض پانچ منٹ کا ٹیسٹ بھی لیا جا سکتا ہے جس میں گزشتہ دن کے پڑھائے گئے سبق سے سوالات بنائے گئے ہوں۔

یاد رہے کہ الفاظ معانی کو محض بطورِ مثال ذکر کیا گیا ہے۔ حسبِ ضرورت اس سوال میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔ مثلاً

- الفاظ کو تصاویر سے ملانا۔
- واحد کو جمع سے ملانا۔
- مذکر کو مؤنث سے ملانا۔

- الفاظ کو متضاد سے ملانا۔
- الفاظ کو مترادفات سے ملانا۔
- مختصر سوالات کو جوابات سے ملانا۔
- نظم کا امتحان لینے کے لیے شعر کا ایک مصرعہ دوسرے سے ملانا۔
- کہانی کے مختلف حصوں کو ملانا۔
- بڑی جماعتوں میں تعریفات اور مسائل وغیرہ بھی اسی طریقے سے پوچھے جا سکتے ہیں۔

۲
غلط صحیح

اگر آپ اسے فضول اور بے کار سرگرمی سمجھ کر چھوڑ رہے ہیں تو رکیے! اور ایک مرتبہ اس کے فوائد کا مطالعہ ضرور کرلیں:

۱- توجہ سے مطالعہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

تیز چلنے والی گاڑیاں درمیان کے کئی چھوٹے اسٹیشن چھوڑ جاتی ہیں۔ برق رفتاری سے مطالعہ کرنے والے کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنی عادت سے مجبور ہو کر فن کی کتب بھی اخبار کی طرح پڑھتا ہے، کچھ یہاں سے دیکھ لیا اور کچھ وہاں سے، نتیجۃً جزئیات پر توجہ نہیں رہتی۔

پیچیدہ فنی کتب کا مطالعہ کرنے والے ایک عالمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبارت کو رک کر بغور پڑھے اور پوری طرح سمجھے بغیر ہر گز اگلی عبارت کی جانب نہ بڑھے۔ ایسے میں یہ مشق مطالعہ کی برق رفتار گاڑی کے لیے بریک کا کام دیتی ہے کیونکہ ہر دم ایکسیڈنٹ (یعنی غلطی) کا خطرہ رہتا ہے۔ یوں کہہ لیں کہ یہ مشق طلبہ کو بہترین پروف ریڈر بنا دے گی۔

۲- جزئیات پر سوالات بنانے کے لیے نہایت کار آمد ہے۔

۳- پانچ دس سالہ پرچہ جات کسی کام کے نہیں رہتے۔ یوں طالبِ علم لا محالہ کتاب پڑھنے اور پورا سال پڑھنے پر مجبور رہتا ہے۔

۴- تعارف میں ایک عنوان (**مطالعہ سے قبل چند ضروری امور**) میں نمبر ٦ کے تحت بیان کردہ امور کا لحاظ رکھنا یہاں لازم ہے۔ سوالات دو ٹوک ہوں اور ممکنہ جوابات کو بھی مد نظر رکھا جائے۔

طریقہ کار

۱. ابتدائی جماعتوں کے طلبہ جب تک لکھنا نہ سیکھ لیں صرف نشانات لگوا کر امتحان لیا جاسکتا ہے، مثلاً:

س: غلط صحیح کی نشاندہی کیجیے۔

- علم باكستان بلونه الأحمر ☐
- وهلاله أبيض ☐

- ونجمته أبيض ☐

طریقہ جدیدیہ ا، سبق ۱۶

پہلے سوال میں صرف معلومات کا امتحان ہے، کہ بچے کو پاکستان کے جھنڈے کا رنگ معلوم ہے یا نہیں۔ ایسے سوالات عموماً چھوٹی جماعتوں میں کیے جاتے ہیں۔

دوسرے اور تیسرے سوال میں معلومات کے ساتھ گرامر کا امتحان بھی ہے۔ یعنی یہ جاننا کہ طالبِ علم ابیض اور بیضاء کا فرق، نیز ہلال اور نجمہ کی تذکیر و تانیث کا فرق سمجھتا ہے یا نہیں۔ غور کریں تو طریقہ جدیدہ ا، سبق ۱۶ میں یہی تذکیر و تانیث سمجھانا مقصود ہے۔

۲. دوسرے مرحلے پر جب طلبہ کسی حد تک لکھنا سیکھ لیں تو اسی سوال کا انداز تبدیل کیا جا سکتا ہے، مثلاً

س: غلط کو درست کر کے لکھیے، درست کو یونہی چھوڑ دیں۔

- علم باکستان بلونه الأحمر.

____

- وهلاله أبيض.

____

- ونجمته أبيض.

طریقہ جدیدیہ ا، سبق ۱۶

۳. اعراب اور عبارت کا امتحان لینے کے لیے ایک نمونہ:

س: غلط حرکات واعراب درست کر کے عبارت دوبارہ لکھیے۔

فِيْ حَدِيُقَةُ الْحَيْوَانِ طَيُوْرٍ جَمِيْلَةٍ، ذَاتَ أَلْوَانٍ كَثِيْرَةً بَدِيْعَةً، وَمِنْهَا الْأَحْمَرِ وَالْأَخْضَرُ وَالْأَزْرَقَ وَالْأَصْفَرِ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدِ.

طریقہ جدیدیہ ا، سبق ۱۶

۴. صرف ونحو وغیرہ کی جزئیات کا امتحان لینے کے لیے ایک نمونہ (نشان لگوانے ہیں یا لکھوانا ہے؟ اس کا فیصلہ طلبہ کی صلاحیت کو دیکھ کر کیا جائے):

س: درج ذیل جملوں سے غلط کو درست کر کے لکھیے، اور درست کو یونہی چھوڑ دیں۔

- لم، فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے نصب دیتا ہے۔

- لن، فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے جزم دیتا ہے۔

- ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے۔

- کان کا اسم منصوب اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔

- ضَرَبَ زَیْدًا۔

- دَخَلَتْ زَیْدٌ۔

طریقہ جدیدیہ، متفرق اسباق

سوال نمبر تین اور پانچ کے باہمی تعلق پر غور کیجیے۔ اگر کوئی طالبِ علم "ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے" کو درست نشان لگائے اور "ضرب زیداً" کو بھی درست قرار دے، تو اس کا مطلب ہے یا تو اس نے اندازہ لگا کر سوال حل کیا ہے (توجہ سے پڑھا نہیں)، یا پھر اس نے یہ مسئلہ سمجھا ہی نہیں (اجراء نہیں کیا)۔

درحقیقت ان دو سوالات کے ذریعے ہم نے ایک مخصوص مسئلے کو ہدف بنا کر صلاحیت کی جانچ کی ہے۔ اس طرح طلبہ کو خوبیاں اور خامیاں نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ اور اسی بنیاد پر آئندہ کے لیے درسی منصوبہ بندی (Lesson Planning) میں ردوبدل کیا جا سکتا ہے۔

البتہ گرامر سے متعلق سوالات بنانے میں طلبہ کی صلاحیت ضرور مد نظر

رکھی جائے۔ اس کے لیے صرف، نحو، ادب اور ترجمہ قرآن وحدیث پڑھانے والے مدرسین کا آپس میں مسلسل رابطہ رکھنا لازم ہے کیونکہ یہ تمام مضامین ایک دوسرے سے جڑے ہیں۔ بعض اوقات کسی وجہ سے طلبہ صرف یا نحو میں پیچھے ہوتے ہیں اور ادب یا ترجمہ قرآن وحدیث میں آگے نکل جاتے ہیں۔ ایسے میں ادب یا ترجمہ پڑھاتے ہوئے ان مسائل کا اجراء کروانا مشکل ہوتا ہے جو ابھی تک طلبہ نے پڑھے ہی نہ ہوں، نیز امتحان لینا بھی مناسب نہیں۔ ممکن ہو تو یہ تمام مضامین ایک ہی مدرس کو دے دیے جائیں۔

۵. اب ہم گزشتہ سوالات کا انداز بدلیں گے۔ ہدف ایسے طلبہ ہوں گے جو صرف نحو کا کچھ نہ کچھ اجراء بھی کر چکے ہیں۔

س: درج ذیل جملوں سے غلط کو درست کر کے لکھیے اور غلطی کو نوعیت بھی لکھیے۔ البتہ درست کو یونہی چھوڑ دیں۔

- ضَرَبَ زَيْدًا۔

درست جملہ: ____________________

غلطی کی وضاحت: ____________________

- دَخَلَتْ زَيْدٌ۔

درست جملہ: ____________________

غلطی کی وضاحت: ____________________

متفرق اسباق

"غلطی کی وضاحت" کی قید لگانے سے اندازے (تکے) لگانے کا احتمال نہیں رہتا۔

٦. حفظ کا امتحان لینے کے لیے کسی کہانی کا انتخاب کر کے واقعات میں کچھ ردوبدل کر دیا جاتا ہے۔ یہ سوال کتاب پڑھے بغیر پانچ دس سالہ پرچوں کے سہارے پاس کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ البتہ غیر زبان میں اس کا امتحان لینے کے لیے طلبہ کی صلاحیت کو مد نظر رکھنا بھی لازم ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے کتاب سے چند کہانیاں زبانی یاد کرائی جائیں پھر اس طریقے سے امتحان لیا جائے۔ نیز غور کیجیے کہ اس میں الفاظ متضاد کا کردار اہم ہے۔

س: درج ذیل کہانی میں موجود واقعاتی اغلاط کو درست کر کے دوبارہ لکھیں۔

دخل لص في ليلة مظلمة دار امرأة غنية... الخ

طریقہ جدیدہ ۳، سبق ۲۹

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ طلبہ کے لیے یہ سوال مشکل ہوگا تو اسی مقصد کو طریقہ بدل کر پورا کیا جا سکتا ہے۔ یہاں جواب لینے کے لیے صرف نشانات لگوائے جائیں گے۔

طلبہ کی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے سوال میں ایسے چند جملے شامل کر دیے جائیں گے جو کہانی میں تھے ہی نہیں، اگر کہانی سے لیں گے تو واقعاتی تبدیلی کر

کے۔ مناسب ہو گا کہ یہاں درست (یعنی کہانی کے مطابق) جملوں کی تعداد ۵۰٪ سے زائد ہو۔

س: نشان لگا کر بتائیں کہ کون سا جملہ کہانی کے مطابق درست ہے اور کون سا غلط۔۔

- دخل لص في ليلة مظلمة ☐
- كان صاحب الدار مستيقظاً ☐
- ضحك صاحب الدار ضحكة عالية ☐
- وجد لص أشياء كثيرة في بيته ☐
- صاحب الدار رجل فقير ☐

طریقہ جدیدہ ۳، سبق ۲۹

7. پانچ دس سالہ پرچوں کا راستہ روکنے کے لیے ایک اور طریقہ بھی ہے۔ اس کے لیے کتاب سے کوئی سبق واقعاتی ترتیب بگاڑ کر طلبہ کو دیا جاتا ہے، اور طلبہ درست واقعاتی ترتیب کی نشاندہی کرتے ہیں۔

طلبہ لکھنے میں کمزور ہوں یا وقت کی بچت مقصود ہو تو واقعاتی ترتیب پر محض نمبر لگوائے جائیں یعنی جو واقعہ پہلے ہوا اس پر ایک، اس کے بعد والے پر دو، پھر تین، بصورتِ دیگر لکھنے کے لیے دیا جائے۔ بالترتیب دونوں سوالات کچھ یوں ہو سکتے ہیں:

س: درج ذیل کہانی کے واقعات پر ترتیب کے مطابق نمبر لگائیں (ایسی صورت میں نمبر لگانے کے لیے خانے دیے جائیں)۔

س: درج ذیل کہانی کے واقعات کی ترتیب درست کر کے دوبارہ لکھیں۔

- وأخذ يبحث في كل ناحية منها ليجد شيئًا يسرقه.
- وكان صاحب الدار مستيقظا وكان قد رأى اللص وأحس به.
- دخل لص في ليلة مظلمة دار رجل فقير.
- ولكنه بعد بحث طويل وعناء كبير لم يجد شيئًا.
- وصاح باللص قائلا: أيها الشقي المسكين! إني أبحث في هذه الدار في ضوء النهار الساطع فلا أجد شيئًا فكيف يمكن أن تجد فيها شيئًا في هذا الظلام الحالك.
- ولما تعب اللص وأعياه البحث ضحك صاحب الدار ضحكة عالية.

طریقہ جدیدہ ۳، سبق ۲۹

۳

خالی جگہ پر کریں

۱. اس طریقہ کار کی مدد سے بھی کم وقت میں زیادہ مواد کا امتحان لیا جاسکتا ہے۔

یوں کلاس میں ٹیسٹ لینے کے لیے یہ بھی ایک کارآمد طریقہ ہے۔

مثال کے طور پر اس سوال کو دیکھیے:

س: اپنا تعارف لکھیے۔

ج: میرا نام زید ہے۔ میرے والد کا نام بکر ہے۔ میری عمر پندرہ سال ہے۔ میں درسِ نظامی درجہ میں پڑھتا ہوں۔ میں ایک باعمل عالمِ دین بننا چاہتا ہوں۔

اس پیرا گراف میں تیس الفاظ ہیں۔ آپ کے خیال میں درجہ ثانیہ کے طالبِ علم نے یہ کتنی دیر میں لکھا ہو گا؟ کم از کم ڈیڑھ دو منٹ تو لگے ہوں گے۔

اب دیکھیے اسی سوال کا انداز بدلتے ہیں:

س: خالی جگہ پر کیجیے۔

ج: میرا نام ______ ہے۔ میرے والد کا نام ______ ہے۔ میری عمر ______ سال ہے۔ میں درسِ نظامی درجہ ______ میں پڑھتا ہوں۔ میں ____________ بننا چاہتا ہوں۔

وہی سوال اور وہی جواب۔ جہاں طالبِ علم کو تیس الفاظ لکھنا تھے صرف پانچ سات الفاظ کی مدد سے مقصد پورا ہو گیا۔ پہلے جس سوال کے جواب میں طالبِ علم نے دو منٹ لیے تھے یہاں آدھا منٹ بھی نہیں لگے گا۔ بقیہ ڈیڑھ منٹ میں طالبِ علم سے ایسے ہی تین سوالات مزید پوچھے جاسکتے ہیں۔

۲. طالبِ علم کو کتاب پڑھنے پر مجبور کر کے پانچ دس سالہ پرچوں کا رستہ روکا جا

سکتا ہے۔ اس کے لیے کسی ایسے سبق کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کی معلومات حفظ کروانا مقصود ہو۔ یہ کوئی کہانی بھی ہو سکتی ہے اور کسی اہم شخصیت یا جگہ کے بارے میں معلومات بھی۔

س: خالی جگہ پر کیجیے۔

ج: باکستان معناها ______ ويقصد بها ______ والمسلمين. وهي دولة إسلامية وإسمها الرسمي ______ إلخ.

المطالعة العربية، سبق ۱۳

ایسے سوالات کو کتاب پڑھے بغیر پانچ دس سالہ پرچوں کے سہارے حل کرنا طالبِ علم کے لیے نہایت مشکل ہے۔

معروضی پرچہ عموماً سوالیہ پرچے پر ہی حل کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو جواب کے لیے مناسب جگہ دینا ضروری ہے۔ جیسا کہ اسمها الرسمی کے بعد خالی جگہ بڑی بنائی گئی ہے کیونکہ یہاں جواب تین لفظوں میں لکھنا تھا۔

۳. جزئیات پر سوالات بنائے جاسکتے ہیں۔ مثلاً:

س: "و، لكن، أو، بل" کی مدد سے جملوں کو جوڑیں۔

ج: جاء محمد ____ سعيد. فسأل الأستاذ في أي صف تدرسان؟ الدرجة الثانية ____ الثالثة. قال محمد : أنا

أدرس في الدرجة الثانية و_____ سعيد يدرس في الثالثة. قال سعيد: يا أستاذي الكريم! لا _____ أنا أدرس في الدرجة الرابعة.

صلات الافعال اور ادوات الربط کی مشقوں سے موجودہ درسی کتب بھی خالی ہیں اور امتحانات میں بھی ان کے بارے میں کوئی سوال نہیں پوچھا جاتا۔ حالانکہ ان کے بغیر درست عربی بولنا یا لکھنا ممکن ہی نہیں۔ اگر کوشش کر کے مندرجہ بالا سوال کی طرز پر مشقیں ترتیب دی جائیں تو اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

۴

کثیر الانتخابی سوالات

مشقوں اور امتحانی سوالات کے لیے اس وقت کا مقبول ترین طریقہ ہے۔ این ٹی ایس اور فوج جیسے اعلی اداروں میں بھی تحریری امتحان اسی طریقے سے لیا جاتا ہے۔

اس میں ہر سوال کے سامنے تین، چار یا پانچ جوابات دیے جاتے ہیں (عموماً چار ہوتے ہیں)۔ طلبہ کو ان میں سے درست جواب کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً:

س: درست جواب کا انتخاب کیجیے۔
کلمے کی کتنی اقسام ہیں؟

○ تین۔ ○ پانچ۔ ○ چار۔ ○ دو۔

اسمائے ستہ کتنے ہیں؟

○ چار۔ ○ پانچ۔ ○ چھے۔ ○ آٹھ۔

ممکن ہے دیکھنے میں یہ نہایت آسان لگتا ہوں لیکن در حقیقت ایسا ہے نہیں۔ اگر وقت اور منفی نمبروں کی قیودات کے ساتھ اس طریقے پر سوالیہ پرچہ ترتیب دیا جائے تو محاورتاً نہیں بلکہ حقیقۃً پرچہ حل کرنے والے کو دماغ سے دھواں نکلتا محسوس ہوتا ہے۔

تعلیمی اداروں میں طلبہ عموماً انشائیہ پرچے کے عادی ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اگر کسی ادارے میں اس طرز کے معروضی امتحان سے واسطہ پڑ جائے تو پوزیشنیں لینے والے طلبہ بھی فیل ہو جاتے ہیں۔

"وقت کی قید" لگانے سے مراد ہے کہ سوالات کی تعداد اور پرچہ حل کرنے کا مقررہ دورانیہ ایسا ناپ تول کر رکھا جاتا ہے کہ ایک سوال کے لیے طالبِ علم کے پاس تقریباً ۵ سیکنڈ ہی بچتے ہیں (سوالات کی نوعیت کے پیشِ نظر کمی بیشی کی جا سکتی ہے)۔ انہی پانچ سیکنڈوں میں اسے سوال پڑھ کر درست جواب پر نشان بھی لگانا ہوتا ہے۔

"منفی نمبروں" سے مراد یہ ہے کہ غلط جواب پر ایک منفی نمبر ملے گا۔ مثلا ۱۰۰ میں سے ۸۰ نشانات درست اور ۲۰ غلط لگائے تو ۸۰ نہیں بلکہ ۶۰ نمبر ملیں

گے۔ اس قید کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ طالبِ علم تکے بازی سے پرچہ حل نہ کرے۔ درست جواب معلوم ہے تو نشان لگائے ورنہ چھوڑ دے۔

البتہ ان دو قیودات کے ساتھ پرچہ بنانے کے لیے خاصی مہارت کی ضرورت ہے۔ نیز گزشتہ سطور میں بیان کردہ ایک جملہ دوہرانا چاہوں گا کہ کسی بھی نئے نظام کو بیک جنبشِ قلم نافذ نہ کیا جائے۔ بلکہ رفتہ رفتہ معروضی طرز کے سوالات کی مقدار پرچے میں بڑھاتے جائیں۔ کلاس میں ہفت روزہ، پندرہ روزہ یا ماہانہ بنیادوں پر ٹیسٹ کا انعقاد کرنا معروضی طرزِ امتحان کے نفاذ کا ایک بہترین طریقہ ہو سکتا ہے۔

تجربہ کرنا چاہیں تو یہ سوال صرف ۵ سیکنڈ میں حل کر کے دیکھیں۔

س: درست جواب کا انتخاب کیجیے۔

۱. ان اعداد کا مجموعہ ۱۰۰۰ ہے۔

○ ۵+۱۰+۸۰+۹+۲۰+۲+۸+۴۔

○ ۲+۴+۶+۱+۰+۱۱+۸+۸+۱۰۔

○ ۷۵۰+۵۰۰+۱۰۰+۱۱۰+۲۵۰+۵۰۔

○ ۲۵۰+۱۰۰+۵۰+۵۰+۵۰+۵۰۰۔

پہلی مرتبہ دیکھنے میں اس سوال کے لیے پانچ سیکنڈ بہت کم لگتے ہیں۔ لیکن معروضی طرزِ امتحان کا عادی طالبِ عالم اس سوال کا جواب پانچ سیکنڈ سے پہلے بھی

دے سکتا ہے۔

کوئی بھی شخص انہیں حل کرنے کے لیے پہلے چاروں کا مجموعہ نکالے گا پھر جانے گا کہ چوتھا جواب درست ہے اس عمل میں دس پندرہ سیکنڈ تو لگ ہی جائیں گے، جبکہ ہمیں پانچ سیکنڈ کا وقت دیا گیا ہے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ درست جواب ڈھونڈنے کے لیے جمع کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ کیونکہ پہلے اور دوسرے جواب میں اتنے چھوٹے اعداد موجود ہیں کہ ان کا مجموعہ ۱۰۰۰ ہونا ممکن ہی نہیں، تو جمع کر کے پرکھنا فضول ہے، اور ہمارے پاس وقت بھی نہایت قلیل ہے۔ یونہی تیسرے جواب میں اتنے بڑے ہندسے موجود ہیں کہ ان کا مجموعہ لا محالہ ۱۰۰۰ سے زائد بنتا ہے لہذا اسے بھی جمع کرنے کی حاجت نہیں۔ اب رہ گیا نمبر ۴، اسے بھی جمع کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ بقیہ تین غلط ہو چکے تو یقیناً یہی درست ہے۔

مندرجہ بالا سوال کی منطق اگر سمجھ لی تو چلیے ایک اور سوال حل کر کے دیکھتے ہیں (وقت ۵ سیکنڈ)۔

س: درست جواب کا انتخاب کیجیے۔

۲. ان اعداد کا مجموعہ دس ہزار ہے۔

○ ۵+۱۰+۸۰+۹+۲۰+۲+۸+۴۔

○ ۵۰۰۰+۱۵۰۰+۲۰۰۰+۵۰۰+۷۵۰+۲۵۰۔

○ ۷۵۰+۵۰۰+۱۰۰+۱۱۰+۲۵۰+۵۰۔

○ ۲۵۰+۱۰۰+۵۰+۵۰+۵۰+۵۰۰۔

میرا خیال ہے یقیناً آپ نے پانچ سیکنڈ سے پہلے ہی جواب تلاش کر لیا ہو گا۔ کیونکہ ایک، تین اور چار میں اعداد اتنے چھوٹے ہیں کہ ان کا مجموعہ دس ہزار تک نہیں پہنچ سکتا۔ یقیناً دوسرا سوال ہی درست ہے۔ (کسی کو بھی جمع کرنے کی ضرورت نہیں)۔

ممکن ہے آپ بور ہو رہے ہوں لیکن کوشش کر کے ایک سوال اور حل کرنے کی کوشش کریں (وقت پانچ سیکنڈ)۔

س: درست جواب کا انتخاب کیجیے۔

۳. ان اعداد کا مجموعہ ۱۰۰۰ ہے۔

○ ۴۰۰+۵۰+۱۵۰+۲۰۰+۱۵۰۔

○ ۳۰۰+۲۰۰+۱۰۰+۵۰+۱۵۰+۲۰۰۔

○ ۲۵۰+۱۰۰+۵۰+۵۰+۵۰+۲۵۰+۲۵۰۔

○ ۲۵۰+۴۰۰+۱۰۰+۲۵۰+۵۰+۵۰۔

مجھے یقین ہے کہ پانچ سیکنڈ میں یہ سوال حل کرنا نہایت مشکل ہے۔ وجہ؟ وجہ یہ کہ دیے گئے جوابات اتنے قریب قریب تھے کہ ان کو فرداً فرداً جمع کیے بنا چارہ نہیں۔ اور پانچ سیکنڈ میں ان سب کو جمع کرنا ایک طالب علم کے لیے

ممکن نہیں۔

اس مشق سے عملاً یہ باور کرانا مقصود تھا کہ کثیر الانتخابی سوالات کے چاروں جوابات کا انتخاب نہایت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ یہ نہ سوچا جائے کہ جب تین جواب غلط ہی لکھنے ہیں تو کچھ بھی لکھ دیں۔ اس سوچ سے نہ صرف مقصود فوت ہو جائے گا بلکہ مطلوبہ اہداف کا حصول بھی مشکل ہو گا۔

نوٹ: ریاضی کے مندرجہ بالا تینوں سوالات سے جمع تفریق کی صلاحیت کا امتحان لینا مقصود نہیں تھا بلکہ مشاہدہ اور فیصلہ سازی کی جانچ مقصود تھی۔ نیز ان سوالات کی فکر موبائل کی ایک گیم سے لی گئی تھی۔

ذہنی صلاحیت کو بڑھانے کے لیے Play Store پر ایسی بہت سی گیمز موجود ہیں۔ ذہنی صلاحیت کو بڑھانے میں بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔ فضول قسم کی مار دھاڑ والی گیمز میں وقت برباد کرنے سے بہتر ہے کہ انہیں اختیار کیا جائے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ کچھ گیمز میں وہ سوالات بھی ملیں گے جو فوج جیسے اعلیٰ اداروں کے پرچوں میں پوچھے جاتے ہیں۔

Brain games, I.Q Booster جیسے الفاظ لکھ کر گوگل پلے اسٹور پر تلاش کریں ایک لمبی فہرست ایسی گیمز کی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کچھ ایسی ہی موبائل گیمز درسِ نظامی کے فنون پر بنانا #المدرس کے اہداف میں شامل ہے۔

نقل کا امکان ختم کیسے ہو گا؟

کثیر الانتخابی سوالات کی مدد سے نقل کا امکان تقریباً ختم کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس میں کچھ تفصیل ہے جو اس سلسلے کی آخری قسط میں بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پرچے بنانے اور چیک کرنے سے جان چھوٹ سکتی ہے۔

جی ہاں! کثیر الانتخابی سوالات اگر ایک مرتبہ محنت کر کے تیار کر لیے جائیں اور کچھ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی مدد بھی لے لی جائے تو کمپیوٹر خود ہی نہ صرف پرچے تیار کر کے دے سکتا ہے بلکہ چیک کر کے نتیجہ بھی بتائے گا۔

ذرا سوچیں! اعلیٰ اداروں میں جہاں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ بیک وقت امتحان دیتے ہیں، کون بیٹھ کر ایک ایک پرچے کو چیک کرتا ہو گا؟

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ بھی آخری قسط میں ہی بیان ہو گا۔

۵

سوال جواب

اس مرحلے پر ہم ان سرگرمیوں کی جانب قدم بڑھائیں گے جن میں طلبہ سے نشان لگوانے کے بجائے تحریری جواب لیا جائے گا۔

انشائیہ طرز کے طویل سوالات تو پہلے ہی ہمارے نظام کا حصہ ہیں اس لیے

یہاں ان سے بحث نہیں ہوگی۔ یہاں معروضی طرز کے مختصر سوالات پر بات کی جائے گی۔ نیز سوالات کو ایسے انداز میں ترتیب دیا جائے گا کہ ابتدائی درجات کے طلبہ محض ایک دو الفاظ لکھ کر جواب دے سکیں گے۔

سوال کے لیے زیادہ تر استعمال ہونے والے الفاظ (بلحاظ معانی) چھے ہیں: کیا؟ کون؟ کیوں؟ کیسے؟ کہاں؟ کب؟ انگریزی میں انہیں فائیو ڈبلیو اینڈ ون ایچ (5W and 1H) کہتے ہیں۔ اردو میں شش کاف کہہ لیں۔ دلچسپ موضوع ہے اور انٹرنیٹ پر اس پر مواد بھی موجود ہے، موقع ملے تو ضرور مطالعہ کیجیے۔

۱

ابتدائی درجات میں سوالات ترتیب دیتے ہوئے یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ جواب کے لیے طلبہ کو ایک دو الفاظ سے زیادہ نہ لکھنے پڑیں۔ نیز درس کے بعد طلبہ کو بھی مندرجہ بالا چھے سوالیہ الفاظ کی نہ صرف نشاندہی کروائی جاتی ہے بلکہ یہ بھی سمجھایا جاتا ہے کہ آپ کو پورے سوال کا رٹا نہیں لگانا، بلکہ سوال والا لفظ ہٹا کر مناسب جگہ پر جواب والا لفظ لکھنا ہیں۔ جواب کے بقیہ الفاظ سوال سے ہی لیے جائیں گے۔ مثلاً

س: هل الثمرة حلوة؟

ج: نعم، الثمرة حلوة؟

طریقہ جدیدہ ۲، سبق ۱۳

آپ نے غور کیا؟ سوال میں تین الفاظ تھے۔ طلبہ نے سوال سے سوالیہ لفظ ھل ہٹا کر نعم لگایا اور جواب بن گیا۔

اب کچھ بڑا سوال لے کر آتے ہیں۔

س: ما ألوان الطيور في حديقة الحيوان؟

ج: ألوان الطيور في حديقة الحيوان كثيرة بديعة.

طریقہ جدیدہ ۲، مشق ۱٦

(کتاب کے لحاظ سے اس جواب میں رنگوں کے نام بھی لکھے جاسکتے ہیں۔)

غور کیجیے! یہاں بھی سوال کا انداز ویسا ہی ہے۔ سوال سے سوالیہ لفظ یعنی "ما" ہٹا کر آخر میں جواب کے الفاظ "كثيرة بديعة" کا اضافہ کیا گیا تو سوال سے ہی جواب بن گیا۔

اگر مندرجہ طریقے کے بجائے طلبہ کو رٹا لگانے پر مجبور کیا گیا تو اس ایک سوال کے جواب کے لیے طلبہ کو سات الفاظ یاد کرنا ہوں گے۔ سوالیہ الفاظ کی نشاندہی کرانے کے بعد طلبہ کو صرف دو الفاظ یاد کرنا ہوں گے۔ بقیہ الفاظ وہ سوال سے ہی دیکھ کر اتار لیں گے۔ ایک سوال کے یاد کرنے میں پانچ الفاظ کی کمی معمولی بات نہیں۔ اگر اسی اوسط کو سو سوالات سے ضرب دیں تو رٹا سسٹم میں پرچہ یاد کرنے کے لیے طلبہ کو پانچ سو اضافی الفاظ یاد کرنا ہوں گے۔ لیکن اگر سوالیہ الفاظ کی پہچان کرانے کے بعد سوال سے ہی جواب بنانے کا طریقہ بتا دیا

جائے تو طلبہ کے ذہن پر بوجھ بھی کم ہوتا ہے اور بہت سا وقت بھی بچتا ہے۔

طریقہ جدیدہ کے جن اسباق کا حوالہ دیا ہے آس پاس کے تمام اسباق کی مشقوں کا جائزہ لے لیں آپ کو یہی اصول اکثر سوالات میں دکھائی دے گا۔ مصنف نے بھی اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ابتدائی اسباق میں معمولی تبدیلی کے بعد سوال سے ہی جواب بن جاتا ہے۔

۲

اب ہم ایک قدم آگے بڑھا کر سوالات ایسے انداز میں ترتیب دیں گے کہ طلبہ کو جواب دینے کے لیے کچھ زیادہ لکھنا ہو۔

نیز غور کیجیے گزشتہ مرحلے پر ہم نے کہیں بھی صیغوں یا ضمائر کا استعمال نہیں کیا تھا۔ کیوں؟

اس لیے کہ سوال اور جواب میں صیغوں اور ضمائر میں (عموماً) ردوبدل ہوتا ہے، اور ابتدائی درجات کے طلبہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

صیغوں اور ضمائر میں ردوبدل کے بارے میں کچھ تفصیل ہے:

- سوال میں اگر غائب (اسم، صیغہ یا ضمیر) ہو تو جواب لکھتے ہوئے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ مثالیں بالترتیب:

س: هل زيد عالم؟	ج: نعم زيد عالم؟

اس سوال میں غائب اسم "زید"، جواب میں بھی "زید" ہی رہا۔

س: هل يقرء القرآن؟ ج: نعم يقرء القرآن؟

اس سوال میں غائب صیغہ "یقرء"، جواب میں بھی "یقرء" ہی رہا۔

س: هل هو عالم؟ ج: نعم هو عالم؟

اس سوال میں "ھو" ضمیر غائب جواب میں بھی "ھو" ہی رہی۔ یعنی تینوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

- سوال میں اگر حاضر (صیغہ یا ضمیر) ہو تو جواب میں متکلم سے بدل جاتا ہے۔

مثالیں بالترتیب:

س: هل تقرء القرآن؟ ج: نعم أقرء القرآن؟

اس سوال میں حاضر صیغہ "تقرء"، جواب میں متکلم صیغہ "اقرء" ہو گیا۔

س: هل أنت عالم؟ ج: نعم أنا عالم؟

اس سوال میں ضمیر حاضر "انت" جواب میں ضمیر متکلم "انا" بن گئی۔

- سوال میں اگر متکلم (صیغہ یا ضمیر) ہو تو جواب میں حاضر سے بدل جاتا ہے۔

مثالیں بالترتیب:

س: هل أقرء القرآن؟ ج: نعم تقرء القرآن؟

اس سوال میں متکلم صیغہ "اقرء"، جواب میں حاضر صیغہ "تقرء" ہو گیا۔

س: هل أنا عالم؟ ج: نعم أنت عالم؟

دوسرے سوال میں ضمیر متکلم "انا" جواب میں ضمیر حاضر "انت" بن گئی۔

خلاصہ یہ کہ سوال میں غائب ہو تو جواب میں بھی غائب ہی رہے گا۔ البتہ حاضر اور متکلم سوال جواب میں ایک دوسرے سے بدل جاتے ہیں۔ یعنی سوال میں حاضر جواب میں متکلم، اور سوال میں متکلم جواب میں حاضر بن جاتا ہے۔

اس مرحلے پر اگر مندرجہ بالا تین نکات سمجھا دیے جائیں تو رفتہ رفتہ طلبہ خود سے مشقیں حل کرنے لگتے ہیں۔ بصورتِ دیگر ان کے پاس رٹا لگانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

نیز ان کا سمجھانا مشکل ہرگز نہیں ہے۔ صرف و نحو کے چند ابتدائی اسباق پڑھے ہوئے طلبہ بھی سمجھ لیتے ہیں۔ اعدادیہ اور اولیٰ کے طلبہ پر تجربہ کر چکا ہوں۔

اب آتے ہیں سوالات بنانے کی جانب۔ جیسا کہ عرض کر چکا کہ اس مرحلے پر ہدف ایسے طلبہ ہوں گے جو ابتدائی صرف و نحو پڑھ چکے ہوں گے۔ لہذا اب ہم سوالات کا انداز بدلیں گے اور غائب، حاضر و متکلم کے صیغے اور ضمائر بھی لائیں گے لیکن مندرجہ بالا تین نکات اچھی طرح سمجھانے کے بعد:

س: أين أذهب مع صديقي؟

ج: تذهب مع صديقك إلى الحديقة.

س: أين أضع الثمرة؟

ج: تضع الثمرة في فمك.

س: عمَّ نتكلم؟

ج: نتكلم عن الدراسة.

طریقہ جدیدہ ۲، سبق ۱۳

ارے! لیکن یہ کیا؟ پہلے دو سوال تو گزشتہ سطور میں بتائے گئے تینوں نکات کے مطابق ہیں لیکن تیسرے سوال کا متکلم کو حاضر کے صیغے سے بدلنا چاہیے تھا! ایسا کیوں نہیں ہوا؟

اس کا جواب شروع میں ہی دے دیا گیا تھا کہ ایسا عموماً ہوتا ہے۔ کچھ مقامات پر سیاق سباق کے اعتبار سے اس کے برخلاف ممکن ہے لیکن ابتدائی درجات کی کتب میں ایسے سوالات شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔

۳

اس کے بعد جب طلبہ خاصی حد تک لکھنا سیکھ لیتے ہیں، صرف و نحو کی کم از کم ایک ایک کتاب ختم کر لیتے ہیں اور الفاظ کا ذخیرہ بھی کسی حد تک ذہنوں میں جمع ہو جاتا ہے تو مدرس کو سوالات بنانے میں خاصی آزادی مل جاتی ہے۔ اس لیے اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے طریقہ جدیدہ حصہ ۳ کی مشقوں میں دیے گئے سوال جواب کا بغور جائزہ لے لیں۔ ممکن ہو تو العربیۃ بین یدیک انٹرنیٹ سے ڈاونلوڈ کریں اسباق اور مشقوں کا سبقًا سبقًا بغور مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو عربی بھی مضبوط ہو گی اور نت نئی مشقیں بنانے کے طریقے بھی

ہاتھ آئیں گے۔

٦

سوالات کی کھوج

سوال کو آدھا علم کہا جاتا ہے۔ گزشتہ تحریر میں ہم نے سوالات بنائے تھے تاکہ طلبہ ان کے جوابات لکھ سکیں۔ اب ہم جوابات لکھیں گے اور طلبہ ان کے پیچھے چھپا سوال کھوجیں گے۔

جی ہاں! درسِ نظامی کے طلبہ کے لیے یہ مشق نہایت ضروری ہے کیونکہ درجہ ثالثہ یا رابعہ سے اغراض پڑھانے کا آغاز ہوتا ہے اور جگہ جگہ سوالِ مقدر سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور یہ سوالِ مقدر پوری درسِ نظامی میں طلبہ کا ناطقہ بند کیے رکھتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ سوالِ مقدر ہے کیا؟ کیوں نکالا جاتا ہے؟ کیا اس کا کچھ فائدہ بھی ہے، یا یونہی بے کار میں طلبہ کا "قیمتی وقت" برباد کیا جاتا ہے؟ ان سب باتوں کا جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ درسِ نظامی کے نصاب اور اندازِ تدریس پر بہت سے بے تکے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اپنی جانب سے سوال کیسے نکال لیتے ہیں؟ اور اپنی فرض کی ہوئی عبارت کو مصنف کی مراد کیوں قرار دے دیتے ہیں؟

گزارش ہے کہ عبارت میں چھپا سوال کھوجنا اور مخاطب کے ذہن میں سوال پیدا کرنا ایک کمال کی صلاحیت ہے جس سے آج کے جدید دور میں بھی دنیا دار بھرپور فائدہ اٹھا کر لاکھوں کروڑوں روپے (ناجائز طریقوں سے) کما رہے ہیں۔
گزشتہ تحریر میں فائیو ڈبلیو اینڈ ون ایچ (5W and 1H) کا تذکرہ کیا تھا جن کا نام ہم نے اردو میں شش کاف رکھا تھا۔ یعنی "کیا؟ کون؟ کیوں؟ کیسے؟ کہاں؟ کب؟"۔

ان کا عملی استعمال سمجھانے کے لیے یوٹیوب کھول کر چند ویڈیو پر لکھے عنوانات بعینہ نقل کر رہا ہوں۔ آپ نے صرف یہ کرنا ہے کہ ایک ایک سطر رک رک کر پڑھیں گے اور ہر سطر کے بارے میں سوچیں گے کہ اس کے پڑھنے کے بعد مندرجہ بالا شش کاف میں سے کون سا سوال پیدا ہوا؟

- خدارا اپنے بچوں کو اس چیز سے بچائیں۔
- پڑھائی کے آسان طریقے جو بتائے نہیں جاتے۔
- یہ لوگ ہمیشہ دھوکا کھاتے ہیں۔
- (گوگل کا لوگو) آخر وہی ہوا جس کا پلان تھا۔
- چیلنج! ان سوالوں کے جواب کوئی نہیں دے سکتا۔

اب دیکھیے جیسے ہی کوئی شخص پہلی سطر پڑھے گا تو فوراً ذہن میں کیا سوال پیدا ہو گا، بچوں کو کس چیز سے بچائیں؟

دوسری سطر کا ہدف طلبہ ہیں۔ پڑھتے ہی ذہن میں سوال اٹھے گا، کون سے طریقے؟

باقی تین کا بھی یہی حال ہے۔ آپ خود تجزیہ کر سکتے ہیں۔

کاروائی یہ کی جاتی ہے کہ جملے سے سوالیہ لفظ کو حذف کر کے ایسے انداز میں ترتیب دیا جاتا ہے کہ پڑھنے والے کا ذہن فوراً اس کے جواب کی جستجو کرتا ہے اور وہ مجبور ہو کر ویڈیو پر کلک کر دیتا ہے۔ جس کے انہیں پیسے ملتے ہیں۔

ان عنوانات کے پڑھنے پر آپ کے ذہن میں جو سوال اٹھتا ہے یہ بھی ایک طرح کا "سوالِ مقدر" ہی ہے۔

یقیناً آپ حضرات مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ شرعاً یہ کام جائز نہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ درسی کتب کی جس تکنیک کو ہم فضول اور بے کار کہہ کر بدکتے ہیں انٹرنیٹ پر گھٹیا مواد نشر کرنے والے بھی اس کی اہمیت کو نہ صرف جانتے ہیں بلکہ اس سے دنیاوی مفاد بھی اٹھاتے ہیں۔

سوالِ مقدر کے عملی استعمال کا ایک واقعہ

کچھ عرصہ پہلے سوشل میڈیا پر ہی ایک اسکول ٹیچر سے ملاقات ہوئی۔ مطالعہ کے شوقین تھے اور بہت سی دینی کتب بھی پڑھ چکے تھے۔ لیکن فقہی کتب کے چند مسائل کو لے کر شدید پریشان تھے یا شاید کوئی ذہن خراب کر رہا تھا کہ دینی کتب میں ایسی گندی باتیں کیوں لکھی ہوتی ہیں؟ مثلاً ایک مسئلہ تھا کہ عورت اپنے

فرج میں یا مرد اپنی دبر میں انگلی ڈال لے تو روزہ فاسد نہیں ہو گا۔ ہاں اگر انگلی پانی یا تیل سے تر تھی تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ پانی یا تیل اندر پہنچ گیا۔ ان کی تعلیم اور پیشے کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں "سوالِ مقدر" نکالنے کا بتایا تب کہیں جا کر مطمئن ہوئے۔ آسانی سے اس لیے سمجھ گئے ہوں گے کہ تعلیم ان کا شعبہ تھا اور وہ کسی حد تک پہلے سے اس کے بارے میں جانتے تھے۔ اسکول کی کچھ معیاری کتب میں اس طرح کی سرگرمیاں میں نے بھی دیکھی ہیں۔

بہر حال ان سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

موجودہ فتاویٰ کی کتب میں پہلے سوال لکھا جاتا ہے، پھر سائل کا نام اور بعض اوقات پتہ بھی اور اس کے بعد جواب کی باری آتی ہے۔ پرانی کتب اٹھائیں تو ان میں سوال یا سائل کا نام نظر نہیں آتا۔ کیوں؟ کیا ان کے پاس سائل نہیں آتے تھے؟ اگر آتے تھے تو پھر مذکور کیوں نہیں؟

اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں: مثلاً

- اسلاف سائل کے انتظار میں نہیں بیٹھے رہتے تھے بلکہ بہت سے مسائل خود اپنے ذہن سے اخذ کر کے آنے والوں کے لیے مسئلہ لکھ جاتے تھے۔
- اسلاف کی عادت تھی کہ غیر مقصود کی جانب توجہ نہیں فرماتے تھے اور فتاویٰ کی کتب کا مطالعہ عموماً سوالات پڑھنے کے لیے نہیں کیا جاتا۔
- ہر ہر مسئلے کے ساتھ سوال لکھنے میں کثیر وقت صرف ہوتا ہے لہذا وقت

بچانے کے لیے صرف جواب لکھا جاتا تھا۔

- اس دور میں کاغذ آسانی سے اور اس قدر وافر دستیاب نہیں تھا۔ اگر سوال بھی لکھا جاتا تو آج جو کتاب دس جلدوں میں ملتی ہے وہ شاید پچاس جلدوں میں ملتی۔

اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن بہر حال فتاویٰ کی پرانی کتب میں سوال مذکور نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی نے سوال پوچھا ہی نہیں تھا۔

اس تمہید کے بعد انہیں مذکورہ بالا مسئلے کا "سوالِ مقدر" نکال کر دیا اور موجودہ کتبِ فتاویٰ کی طرز پر سوال کے نیچے جواب لکھ کر دیا۔ جو کچھ یوں تھا:

سوال: جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

گزارش ہے کہ مجھے کچھ عرصے سے بواسیر کی شکایت تھی۔ علاج کروا رہا ہوں اور کسی حد تک آرام بھی ہے۔ کل دوپہر مجھے محسوس ہوا کہ مرض پھر سے لوٹ آیا ہے۔ پریشان ہو کر روزے کی حالت میں ہی دبر میں انگلی داخل کر لی۔ بعد میں خیال آیا کہ روزے کی حالت میں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیا میرا روزہ ٹوٹ گیا؟ اگر ہاں تو قضا یا کفارے کا کیا طریقہ ہو گا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔

سائل

فلاں بن فلاں محلہ الف ب ج

الجواب بعون الملك العزيز العلام الوهاب

صورتِ مسئولہ میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ اگر انگلی پانی، تیل یا کسی دوائی سے تر ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مفتی صاحب کا نام

دار الافتاء کی مہر

اسی طرح کے دو تین اور مسائل جب موجودہ کتب کی طرز پر سوال جواب کے ساتھ لکھ انہیں دیے تب کہیں جاکر مطمئن ہوئے کہ واقعی ایسے مسائل کسی کے ساتھ بھی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے بیماری تو پھر بیماری ہے۔ ایسی پریشانی میں بندہ کسی مفتی سے نہیں پوچھے گا تو کس سے پوچھے گا؟ نیز مفتی صاحب اگر کتاب میں لکھ دیں گے تو بہت سے بعد والوں کا بھی بھلا ہو جائے گا۔

ممکن ہے ایسی ہی کسی علت کی بنا پر مفتیانِ کرام نے کتبِ فتاویٰ میں جوابات مع سوالات لکھنے کی رِیت ڈالی ہو۔

اس طرح کتبِ درسیہ میں مصنفین اعتراض یا سوال نقل کیے بغیر (مسئلہ) جواب لکھ جاتے ہیں۔ اور ایسا مختلف وجوہات کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ لیکن جب غور و فکر یا مراجعت کتب سے اس اعتراض کو کھوج لیا جاتا ہے تو اسی کو "سوال مقدر" کہتے ہیں۔

طلبہ سے سب سے بڑی شکایت

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ آپ کو مدارس کے طلبہ سے سب سے بڑی شکایت کیا ہے؟ تو میں جواب دوں گا کہ مدارس کے طلبہ سوال نہیں کرتے۔ یا یوں کہہ لیں کہ بہت کم کرتے ہیں۔ سبق سمجھ نہ بھی آئے تو یوں سر ہلاتے ہیں جیسے حفظ ہو گیا۔ اور اس شکایت کا برملا اظہار طلبہ سے اکثر بیشتر کرتا بھی رہتا ہوں۔

درسِ نظامی سے فراغت کے بعد رات میں ایک کلاس شروع کی تھی جس میں زیادہ تر طلبہ کاروباری، نوکری پیشہ یا کالج ویونیورسٹی کے طلبہ تھے۔ ان کا معاملہ بالکل برعکس تھا۔ کثرت کے ساتھ سوالات بھی کرتے تھے اور کوئی سبق سمجھ نہیں آتا تھا تو کھل کر کہتے تھے کہ سمجھ نہیں آیا۔

اس سرگرمی کا تجربہ تو ابھی تک میں نے بھی نہیں کیا لیکن عین ممکن ہے کہ عبارات میں چھپے سوالات کی کھوج لگوانے سے طلبہ کا اعتماد بحال ہو اور وہ سوالات کرنے لگیں۔

آمدم بر سرِ مطلب

بہر حال، اس قدر طویل تمہید اس لیے باندھی تھی کہ کسی عبارت سے سوال یا اعتراض کھوجنا بھی ایک اہم صلاحیت ہے۔ اور تحقیقی امور میں بہت سے مقامات پر معاون ثابت ہوتی ہے۔ خصوصاً درسِ نظامی کے طالبِ علم کو آگے چل کر

"سوالِ مقدر" سے لازماً واسطہ پڑے گا۔ نیز کل انہی طلبہ کو مدرس بن کر اپنے طلبہ کے لیے سوالات بھی بنانے ہوں گے تو بہتر ہے کہ ابتدائی کتب میں ہی اس کی کچھ نہ کچھ مشق کروادی جائے۔

طریقہ جدیدہ میں مجھے ایسی کوئی سرگرمی نہیں ملی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ طریقہ جدیدہ مبتدئین کے لیے لکھی گئی ہے۔ البتہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ العربیۃ بین یدیک میں ایسے سوالات دیکھے تھے لیکن اس کتاب کو پڑھائے ۸-۹ سال گزر چکے اور افسوس کہ تلاش بسیار کے باوجود وہ فائل دستیاب نہیں ہو سکی جس پر اس کے ملاحظات لکھے تھے۔

خیر ہم بطورِ نمونہ ایک ایسا ہی سوال بنا کر دیکھتے ہیں، بلکہ یوں کہیے کہ جواب بناتے ہیں سوال طلبہ سے لکھوائیں گے۔ طریقہ وہی رہے گا جو گزشتہ سوال جواب بنانے میں عرض کیا تھا۔ اولاً ایسے جملے ہوں گے جن کے لیے طلبہ کو محض ایک دو الفاظ میں ردوبدل ہی کرنا ہو۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ طلبہ کی صلاحیت کے مطابق اضافہ کرتے رہیں گے۔

البتہ یہ اصول ہر جگہ ملحوظ رہے کہ جدید طرز کے سوالات کو امتحان کا باقاعدہ حصہ بنانے سے پہلے کلاس میں ٹیسٹ کے ذریعے طلبہ کو مشق ضرور کرائی جائے۔

س: مندرجہ ذیل پیراپڑھیے اور کم از کم پانچ سوالات بنایئے۔

ج: سمع المسلمون النداء لصلاة الجمعة فتركوا أعمالهم

واسرعوا لإجابة الداعي... إلخ

س١: ____________________

س2: ____________________

س3: ____________________

س4: ____________________

س5: ____________________

طریقہ جدیدہ ٣، سبق ٣٦

٧

اِملانویسی

اگر آپ کوئی علمی و تحقیقی مضمون یا کتاب پڑھ رہے ہوں جس میں املا کی کثیر اغلاط جابجا دکھائی دیں تو صاحبِ تحریر کی شخصیت کا عکس آپ کے ذہن میں کیسا بنے گا؟ مثلاً "بالکل" کو "بلکل" یا "خواہش" کو "خاہش" لکھنا۔ ممکن ہے کہ مطبوعہ کتب میں ان اغلاط کو کمپوزر یا پروف ریڈر کے سر منڈھ دیا جائے لیکن سوشل میڈیا پر اپنے ہاتھوں لکھنے کے بعد یہ تاویل بھی کسی کام کی نہیں رہتی۔

خلاصہ یہ کہ ایک عالمِ دین جس کی معمولی سے معمولی حرکت کو بھی لوگ تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں، املانویسی کی مشق لازم ہے۔ خصوصاً جب آپ مصنف

یا مدرس بننا کے خواہش مند ہوں۔

اس پر پہلے بھی ایک تحریر لکھ چکا ہوں جس میں کچھ طلبہ کے جوابی پرچوں کی تصاویر بھی لگائی گئی تھیں۔ جو طلبہ اسکول کی کچھ کلاسیں پڑھ کر درسِ نظامی میں آئے تھے ان کی اغلاط نہ ہونے کے برابر تھیں کیونکہ وہاں املانویسی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ جبکہ دیگر طلبہ کی اردو عربی املا میں اغلاط کی بھرمار تھی۔ مثلاً "والحمد" کو "ولحمد"، "السلام" کو "اسلام" لکھنا۔ مجھے نہیں معلوم کہ درسِ نظامی کے دوران کسی جگہ املانویسی کی مشق کرائی جاتی ہو۔

بہر حال اب ہمیں ایسی سرگرمیوں کی جانب قدم بڑھانا ہے جس میں طلبہ سے مکمل جملے، پیرے اور اس کے بعد مضامین زبانی لکھوائے جائیں گے۔ تصنیفی صلاحیتوں کی بیداری کے لیے یہ سرگرمیاں پہلے قدم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن ان کا حقیقی فائدہ تبھی ممکن ہو گا جب طلبہ املانویسی کی مشق کر چکے ہوں گے۔

ابتدائی درجات میں املانویسی کا طریقہ یہ ہے کہ روزانہ چند مشکل الفاظ نشان زدہ کروائے جائیں اگلے روز استاذ بلند آواز سے وہ الفاظ جماعت میں پکارے گا اور طلبہ سن کر اپنی کاپیوں پر لکھیں گے۔ خصوصاً ایسے الفاظ جن کے تلفظ اور املا میں فرق ہوتا ہے۔ نیز وہ الفاظ بھی جن میں حروف کی تعداد پانچ یا زائد ہوتی ہے۔

الفاظ کی مشق کے بعد اگلے درجے میں چھوٹے چھوٹے جملوں کی املانویسی بھی کروائی جائے۔

عربی کے ساتھ اردو کی املا نویسی بھی ضروری ہے کیونکہ فراغت کے بعد یہی زبان ذریعہ اظہار بنتی ہے۔(البتہ جن علاقوں میں علماء کسی اور زبان میں تحریری یا تقریری اظہارِ خیال کرتے ہیں وہاں اسی زبان کو اختیار کیا جائے۔ اردو برصغیر کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا گیا ہے)۔

خوش نویسی

خوش نویسی یا خوش خطی مسلمانوں کا ورثہ ہے۔**ماہرین کے مطابق خوش نویسی سیکھنے سے ذہانت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔** لیکن افسوس اسے مشکل سمجھ کر ترک کر دیا گیا ہے۔ اور یہ سمجھ لیا گیا کہ کمپیوٹر کے دور میں اس کی ضرورت باقی نہ رہی۔ بہر حال خوش نویسی سیکھنے میں وقت ضرور لگتا ہے اور کسی حد تک مشکل بھی ہے لیکن ہمت کی جائے تو کیا نہیں ہو سکتا؟

اگر طلبہ کو چار بنیادی باتوں کی تربیت دے دی جائے تو بہت حد تک لکھائی بہتر ہو سکتی ہے۔ نیز اس کے لیے الگ سے کوئی پیریڈ لگانے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ املا نویسی اور کاپی لکھوانے کے دوران ہی خوش نویسی کی مشق کرائی جا سکتے ہیں۔ دو تین سال کی محنت سے لکھائی میں خاصا نکھار آ جاتا ہے۔

بقولِ شاعر:

گر تو می خواہی کہ باشی خوش نویس
می نویس و می نویس و می نویس

(اگر آپ خوش نویس بننا چاہتے ہیں تو لکھتے رہیں، لکھتے رہیں، لکھتے رہیں)۔

اور طلبہ کو خوش نویس بنانے کے لیے لکھواتے رہیں ، لکھواتے رہیں ، لکھواتے رہیں۔

خوش نویسی کے بنیادی اصول

۱. افقی لکیر لگانے کی مشق۔

ا۔ل۔م جیسے حروف بنانے میں مدد دیتی ہے۔یہ دو طرح کی ہوتی ہے:

اوپر سے نیچے

اور نیچے سے اوپر
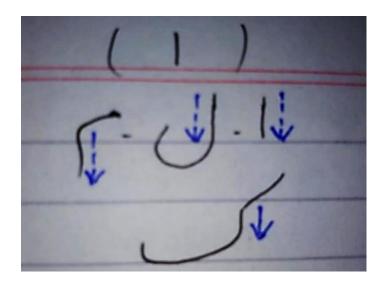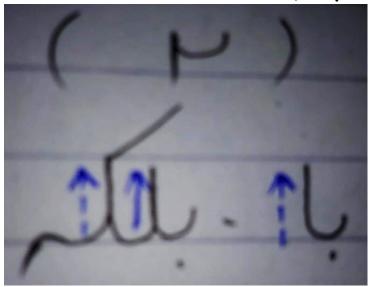
۲. عمودی لکیر لگانے کی مشق۔

یہ ب، ک، ے جیسے حروف بنانے میں مدد دیتی ہے۔ اور یہ بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔

دائیں سے بائیں
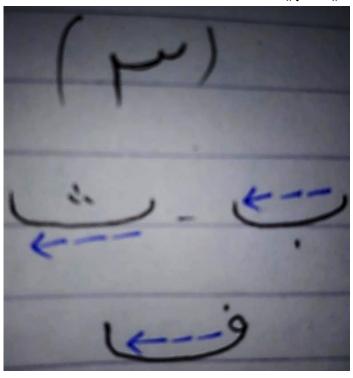
اور بائیں سے دائیں
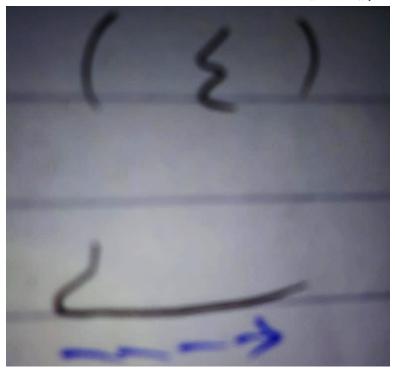
۳. دائرہ بنانے کی مشق۔

یہ ل،ن،ج،ع جیسے الفاظ بنانے میں مدد دیتا ہے۔اور یہ بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔

دائیں جانب سے شروع ہونے والا دائرہ
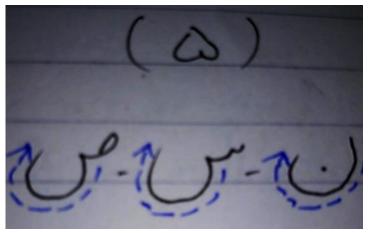
اور بائیں جانب سے شروع ہونے والا دائرہ

۴. الفاظ کے سر۔
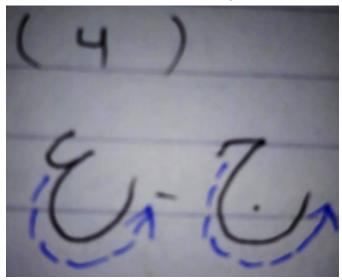
انھی چار بنیادی اصولوں کی مدد سے زیادہ تر حروف اور الفاظ تشکیل پاتے ہیں۔ دیکھیے ایک عملی مظاہرہ۔ غور کریں تو (نقطوں کے بغیر) اکثر حروف کی بنیادی شکلیں اس میں دکھائی دیں گی۔
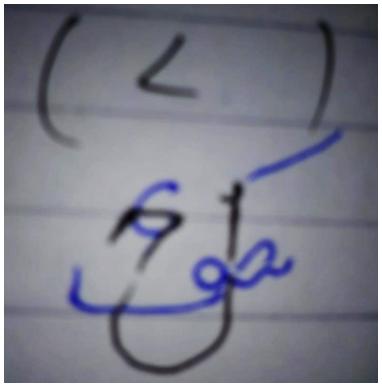
اب طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ طلبہ کو پہلا اصول سکھانے کے بعد باور کرا دیا جائے کہ آئندہ کاپی میں اس اصول کی سختی سے جانچ پڑتال ہو گی۔ اور افقی لائن

سیدھی نہ ہونے پر تمام الفاظ مٹا کر دوبارہ لکھوائے جائیں گے۔ ڈیڑھ دو ماہ میں جب ایک چیز بہتر ہو جائے تو دوسری کی جانب قدم بڑھایا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں اگر دو مہینے ایک اصول پر لگا دیے جائیں تو ایک سال طلبہ کو خوش نویسی کی چاروں بنیادی چیزیں سکھائی جاسکتی ہیں۔

نیز یوٹیوب پر خوش نویسی سے متعلق اتنی ویڈیوز موجود ہیں کہ ان کی مشق سے ماہر تو نہیں لیکن خوش خط ضرور بن سکتے ہیں۔ **فارغ پیریڈ کو بھی اس کام کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔** ان ویڈیوز کو کمپیوٹر میں محفوظ کر لیں اور خالی پیریڈ میں طلبہ کو سامنے بٹھا کر مشق کرنے پر لگا دیں۔ اللہ نے چاہا تو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو گا۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

۸

ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کیسے ہو گا؟

آئندہ درسی مشقوں اور سرگرمیوں کا ہدف طلبہ میں تصنیفی صلاحیتیں ابھارنا ہے۔ بطورِ مقدمہ ضروری ہے کہ طلبہ کے ذہن میں مناسب ذخیرۂ الفاظ (Vocabulary) موجود ہو۔

الفاظ کا ذخیرہ بڑھانے کے لیے ابتدائی اقساط میں بھی کچھ چیزیں پیش کی تھیں، مثلاً الفاظ معانی، الفاظ مترادف، الفاظ متضاد، واحد جمع اور مذکر مؤنث۔ ان کا طریقہ آسان اور معروف ہے اس لیے ان پر بحث نہیں کی گئی۔

ایک ضروری گزارش

چونکہ یہ سلسلہ درسِ نظامی کے لیے لکھا جارہا ہے لہٰذا مثالیں بھی درسی کتب سے ہی پیش کی جائیں گی اور عربی زبان کے بارے میں ہی بات ہوگی۔

لیکن ایک غیر زبان کو اس حد تک سیکھ لینا کہ اس میں تصنیف و تالیف ممکن ہو ایک دشوار اور وقت طلب کام ہے۔ نیز ہر ایک اس کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔

اس کے لیے میرا مشورہ ہے کہ درسی کتب کے ساتھ ہفتے میں دو تین دن طلبہ کی صلاحیت کے مطابق اردو کی کوئی معیاری کتاب پڑھائی جائے۔ معیاری کتب میں اس طرح کی مشقیں پہلے سے موجود ہوتی ہیں استاذ کو الگ سے محنت کی حاجت نہیں ہوتی۔

جب طلبہ اپنی زبان میں اظہارِ خیال سیکھ لیں گے تب ہی ایک غیر زبان میں تصنیف و تالیف کی باری آئے گی۔

اردو اور درسِ نظامی

(یہاں برصغیر کو مد نظر رکھتے ہوئے اردو لکھا گیا ہے۔ مراد وہ زبان ہے جو طلبہ روزمرہ گفتگو کے لیے استعمال کرتے ہیں، جس کے ذریعے مستقبل میں انہیں اظہارِ خیال کرنا ہوگا)۔

زبان وبیان کے بنیادی اصول وضوابط فطری ہوتے ہیں۔ اور دنیا کی تمام زبانوں کے بنیادی اصولوں میں کسی حد تک مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ اگر طلبہ اپنی زبان کی گرامر اور فصاحت وبلاغت پڑھتے ہیں تو عربی یا کسی بھی دوسری زبان کی گرامر اور فصاحت وبلاغت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

ایک مثال دیتا ہوں۔ طالبِ علمی کے زمانہ میں کچھ مسائل بہت پریشان کرتے تھے۔ صرف ونحو کی کوئی ڈیڑھ درجن سے زائد کتب ایسے ہی مسائل کی وجہ سے خریدی تھیں لیکن کہیں سے ان کا تسلی بخش جواب نہیں ملا۔

جیسے محکوم علیہ اور محکوم بہ۔ یاد تو کر لیے لیکن سمجھ بہت عرصے کے بعد آئی۔ کیونکہ اردو میں لفظِ حکم، حکم دینے کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ "محکوم" سے اردو بولنے والوں کے ذہن میں حکم دینے کا شبہ ہوتا ہے، کم از کم میرے ساتھ تو ایسا ہی تھا۔

کچھ عرصے بعد "محکوم علیہ اور محکوم بہ" کا درست ترجمہ اردو گرامر کی ایک کتاب سے ملا۔ انہوں نے لکھا تھا، "محکوم علیہ" وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں

بات کی جائے۔ اس دن معلوم ہوا کہ "حکم لگانے" کا مطلب ہوتا ہے کسی کے بارے میں بات کرنا۔ تب ادراک ہوا کہ اصل گڑبڑ کہاں تھیں۔ صرف و نحو کی جتنی کتب میں نے خریدی تھیں سب میں عربی الفاظ (محکوم علیہ) کا لفظی ترجمہ (جس پر حکم لگایا جائے) کیا گیا تھا۔

دوسری چیز تھی محذوف۔ یہ بھی ایک طویل عرصہ ذہن سے چپکی رہی کہ کسی لفظ کو محذوف کیونکر کیا جاتا ہے؟ ہمیں کیسے معلوم ہو گا کہاں پر کیا محذوف ہے؟

اس کا درست مفہوم جب سمجھ آیا جب اس کا انگریزی ترجمہ معلوم ہوا۔ انگریزی میں اسے Understood کہتے ہیں۔ یعنی سمجھی سمجھائی بات۔ ایسی بات جو سیاق وسباق یا کسی بھی وجہ سے بولنے سے پہلے ہی معلوم ہو تو عموماً دنیا کی کسی زبان میں اسے نہیں بولا جاتا۔ اسی کو محذوف کہتے ہیں۔

بہر حال خلاصہ یہ کہ اردو (اور دیگر زبانوں) میں بھی ان مسائل سے بحث ہوتی ہے جو ہم صرف و نحو، اور بلاغت کی درسی کتب میں پڑھتے ہیں۔ اگر طالبِ علم پہلے سے اپنی زبان کی گرامر اور ادب کا مطالعہ کر چکا ہو تو عربی ادب سمجھنے کے لیے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا۔ اگر اپنی زبان میں تحریری و تقریری اظہارِ خیال کی صلاحیت حاصل ہو گی تو عربی میں اظہارِ خیال کے رستے بھی آسان ہو جائیں گے۔

جیسا کہ کچھ عرصہ پہلے تک درسِ نظامی میں ابتداءً فارسی پڑھائی جاتی تھی کیونکہ اس وقت ان بلاد کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ اب فارسی کی جگہ اردو نے لے لی ہے تو اسی کو اختیار کیا جائے یا پھر اپنے اپنے علاقے کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے۔

بہرحال آئندہ مشقوں میں بات تو صرف عربی کے بارے میں ہی کریں گے لیکن عربی کے ساتھ طالبِ علم کی مادری یا علاقائی زبان بھی مراد ہو گی۔

ذخیرۂ الفاظ میں اضافے کے لیے چند کھیل

حسرت موہانی نے قیدِ بامشقت میں چکی چلانے کے دوران شاعری کی مشق کرتے ہوئے کہا تھا:

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اِک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

پہلے کے لوگ مشقت کے دوران مشقِ سخن کر لیتے تھے لیکن آج کے تن آسانی کے دور میں بہت مشکل ہے۔ لہٰذا ہم مشقت کے بجائے کھیل کے دوران طلبہ سے "مشقِ لغت" کروائیں گے۔

لغت کا استعمال جس قدر فائدہ مند ہے اسی قدر مبتدی طلبہ کے ذہن پر بوجھ بنتا ہے، خصوصاً عربی لغت۔ اور اگر صیغہ معلل ہو تو مشکل در مشکل سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلے اس کی تعلیل ڈھونڈیں، پھر مادہ ملے گا، پھر کہیں جا کر لغت کھولنے کی

باری آئے گی۔ شاید اسی وجہ سے طلبہ لغت سے کنی کتراتے ہیں۔ لیکن اگر ابتدائی دو تین درجات میں لغت کا استعمال لازماً قرار دے دیا جائے تو امید ہے کہ آئندہ درجات میں طلبہ سے اس شکایت میں خاطر خواہ کمی آئے گی کہ عبارت تیار کر کے نہیں آتے۔

بہر حال اس مشکل کام کو دلچسپ بنانے کے لیے چند کھیل کلاس میں کھلائے جائیں۔ طلبہ کی دلچسپی پیدا ہو گئی تو ہر وقت یہی کھیلتے نظر آئیں گے۔ تفریح بھی اور تعلیم بھی۔

۱

بیت بازی کی طرز پر استاذ صاحب ایک لفظ بولیں گے، اس لفظ کے آخری حرف سے کوئی طالبِ علم دوسرا لفظ بولے گا۔ یوں یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہے گا۔ جو طالب علم سب سے زیادہ الفاظ بتائے گا وہ فاتح قرار پائے گا۔ نہایت دلچسپ کھیل ہے۔ اور اسی کھیل کھیل میں غیر محسوس طریقے طلبہ نئے نئے الفاظ سیکھنے لگتے ہیں۔

مثلاً استاذ نے کہا، چٹان۔ آخری نون سے ناک، اس کے کاف سے کیلا۔۔۔

عربی میں مثال لے لیں:

استاذ نے کہا، کتف، اس کے فا سے فیل، اس کے لام سے لیل۔۔۔ علی ہذا القیاس۔

ابتداء لغت کے استعمال کی اجازت دے دی جائے، رفتہ رفتہ اسے محدود کر تے جائیں۔ مثلاً پابندی لگا دیں کہ دس سے زیادہ الفاظ لغت سے نہیں دیکھ سکتے، پھر پانچ کر دیں، پھر یکسر ختم کر دیں۔ بیت بازی کی طرح طلبہ کے گروپ بنا کر مقابلہ بھی کروایا جاسکتا ہے۔

۲

نام، جگہ، چیز، جانور۔ اس کھیل میں پانچ خانے بنائے جاتے ہیں۔ پھر کسی کاغذ پر تمام حروفِ تہجی لکھ لیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ایک طالبِ علم آنکھیں بند کر کے حروف پر انگلی رکھتا ہے جس حرف پر انگلی آئے گی اسی سے کھیل شروع ہو گا۔ مثلاً میم پر انگلی آئی۔ اب تمام طلبہ جلدی جلدی اس حرف سے ایک اسم، ایک جگہ کا نام، ایک چیز کا نام اور ایک جانور کا نام لکھیں گے۔ جو طالبِ علم سب سے پہلے لکھ لے گا وہ بلند آواز سے پکارے گا: توقف۔۔۔! توقف۔۔۔! لقد فعلت ذلک۔۔

ایک لفظ کے پانچ نمبر ہوں گے، اور پانچویں خانے میں مجموع (ٹوٹل) لکھا جائے گا۔ کھیل ختم ہونے کے بعد تمام طلبہ ایک دوسرے کے نمبر چیک کریں گے جس کے نمبر سب سے زیادہ ہوں گے وہ جیت جائے گا۔

اسم	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
مکان	مکۃ

شیٔ ماء

حیوان معز

مجموع ۲۰

کبھی کبھار استاذ صاحب چھٹی پر ہوں یا کسی کام کی وجہ سے کلاس سے اٹھ جائیں تو طلبہ کیا کرتے ہیں؟ ہنسی مذاق اور کھیل کود۔ فی زمانہ راتوں کو موبائل سے کھیلنے والے فوراً چادر تان کر کمرہ جماعت میں ہی لیٹ جاتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ایسے وقت میں طلبہ کو ایسے ہی کسی کھیل میں لگا دیا جائے۔

اس میں بھی ابتداء لغت کے استعمال کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ بعد میں رفتہ رفتہ پابندی لگادی جائے۔

یقیناً ایسے ہی کچھ کھیل آپ نے بھی بچپن میں کھیلے ہوں گے۔ اگر آپ بھی ایسا ہی کوئی کھیل جانتے ہیں تو براہ کرم کمنٹ میں طریقہ لکھیے۔ یا #المدرس گروپ میں لکھ کر بھیج دیجیے۔

(نوٹ: عموماً ان کھیلوں میں صرف اسماء کا استعمال ہوتا ہے)۔

۳

فرہنگِ آصفیہ اردو کی مشہور لغت ہے۔ راقم کے پاس عربی، فارسی، اردو اور انگلش کی متعدد لغات موجود ہیں۔ سب دماغ خشک کرنے والی ہیں لیکن جو لطف فرہنگ آصفیہ کا مطالعہ کرنے میں آتا ہے وہ کسی دوسری لغت میں نہیں ملا۔

کیونکہ اس میں جابجا الفاظ اور محاورات کا پسِ منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا کہ بندہ لغت نہیں کہانیوں کی کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔ لغت سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اسے بھی جامعہ کی لائبریری کی زینت بنایا جاسکتا ہے۔

ذخیرۂ الفاظ کے لیے ویڈیو گیم

موبائل فون اور سوشل میڈیا کے استعمال سے طلبہ کو روکنا ناممکن ہو چکا ہے۔ کم از کم مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے۔ تو کیوں نہ اس کو مثبت استعمال کی جانب پھیر دیا جائے۔ الٹی سیدھی ویڈیو گیم کھیلنے کے بجائے ایسی ویڈیو گیم اختیار کی جائے جس سے تعلیمی صلاحیتوں میں اضافہ ہو۔

پلے اسٹور پر کثیر تعداد میں ایسی گیمز رکھی ہیں۔ چند ایک جو میرے فون میں ہیں ان کے لیے فون کا اسکرین شاٹ ساتھ دے رہا ہوں باقی آپ تلاش کر سکتے ہیں۔ اوپر سے دائیں جانب سے آغاز کریں گے تو نسبتاً آسان گیم کو پہلے نمبر پر رکھا ہے پھر درجہ بدرجہ مشکل گیم کو بالترتیب رکھا گیا ہے۔

۹

الفاظ سے جملے بنانا

گزشتہ مشقوں میں نشانات کی مدد سے جانچ کی گئی۔ پھر ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے ایسے سوالات ترتیب دیے گئے جس میں طلبہ محض ایک دو الفاظ لکھ کر جواب دے سکیں۔

اس مرحلے پر ہم فرض کر چکے ہیں کہ طلبہ املانویسی کی مشق مکمل کر چکے ہیں نیز اپنے درجے کے مطابق صرف و نحو کے قواعد بھی حفظ ہوں گے اور مناسب الفاظ کا ذخیرہ بھی ذہن نشین ہو چکا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ آئندہ مشقوں کا ہدف طلبہ میں تصنیفی و تالیفی صلاحتیں بیدار کرنا ہے۔ الفاظ سے جملوں اور جملوں سے پیرے، اور پیرے سے مضامین لکھنے کا سفر طے ہو گا۔ جس طرح قطرہ قطرہ مل کر دیا بنتا ہے اسی طرح ایک لفظ بنیاد بنتا ہے ایک جملہ لکھنے کی، اور ایک جملہ ایک پیرا لکھنے کی بنیاد بنتا ہے، یونہی ایک پیرا ایک مضمون کی اور ایک مضمون ایک کتاب لکھنے کی بنیاد بنتا ہے۔

۱

ابتدائی درجات میں پہلے مرحلے پر اس کے لیے جدول کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس میں جملے بنانے کے لیے طلبہ تمام الفاظ دیکھ کر ہی لکھتے ہیں۔ مثلاً

س: ہر کالم سے مناسب الفاظ کا انتخاب کر کے کم از کم پانچ جملے بنائیے۔

هذا	عين	______
	اذن	______
	انف	______
	كتف	______
	فم	______
هذه	رجل	
	قدم	

طریقہ جدیدہ ۱، سبق ۵

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا کہ کوئی بھی سوال یا سرگرمی بنانے سے پہلے اس کے ہدف کا تعین کر لینا لازم ہے مندرجہ بالا سوال کا ہدف اس بات کی جانچ کرنا ہے کہ طلبہ نے "هذا" اور "هذه" کے فرق کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ جسم کے مختلف حصوں کی تذکیر و تانیث یاد کرلی ہے یا نہیں؟

صرف و نحو و دیگر فنون کے لیے بھی اس طرز پر مشقیں بنائی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

س: ہر کالم سے ایک ایک کلمے کا انتخاب جملے بنایئے اور اعراب لگا کر ترجمہ بھی کیجیے۔

لم	یضرب	زید
لن	تضرب	عائشة

متفرق

اس سوال سے اس بات کی جانچ مقصود ہے کہ طلبہ نے حروفِ جازمہ و ناصبہ کی وجہ سے مضارع میں ہونے والی اعراب کی تبدیلی کو سمجھا یا نہیں؟ مذکر اور مؤنث کے صیغوں کی پہچان بھی۔

۲

اب ہم طلبہ کو صرف ایک لفظ دیں گے اور جملہ بنانے کے لیے بقیہ الفاظ طلبہ خود لکھیں گے۔ زیادہ تر اس مشق کے لیے اسماء کا استعمال ہوتا ہے لیکن ضرورتاً افعال اور حروف بھی دیے جا سکتے ہیں۔ فیصلہ استاذ کو کرنا ہے کہ کس صلاحیت کا امتحان لینا مقصود ہے۔

س: مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی لکھیے اور جملوں میں استعمال کیجیے۔

الفاظ	معانی	جملے
سکین		

قماش		
خبز		
خشب		
مبلولة		

طریقہ جدیدہ ۲، سبق ۲۵

معانی لکھوانا یا نہ لکھوانا استاذ کی صوابدید پر ہے، یہاں صرف نمونے کے طور پر دیا گیا ہے۔

۱۰

کہانیاں، مضامین، درخواست اور خطوط لکھنا

جیسے جیسے طلبہ جملے لکھنے کی کچھ صلاحیت حاصل کر لیں تو ہر امتحان میں کم از کم ایک ایک دو نئی کہانیاں، ایک آدھ مختصر مضمون، درخواست لکھنا اور خط زبانی یاد کروادیا جائے اور امتحانی پرچے کا باقاعدہ حصہ بھی بنایا جائے۔

نیز جب طلبہ کو درخواست لکھنا آجائے تو عربی کے علاوہ درخواست وصول ہی نہ کی جائے۔

یہ چاروں طریقے معروف ہیں میرا نہیں خیال کہ ان پر زیادہ بات کرنے کی حاجت ہے۔

۱۱

خلاصہ لکھنا

یک سطري جملے بنانے کی مشق کے بعد مرحلہ آتا ہے پیرے لکھوانے کا۔
اس میں ہم سب سے پہلے اسباق کا خلاصہ لکھوائیں گے۔ لیکن پہلے طلبہ کو سمجھانا ہوگا کہ خلاصہ ہوتا کیا ہے اور بنتا کیسے ہے۔ نیز اس کی اہمیت کے پیشِ نظر کچھ تفصیل سے بات کی جائے گی۔

اس کا عملی طریقہ سمجھانے کے لیے کسی واقعے کا انتخاب کیا جاسکتا ہے جہاں بہت سے طلبہ موجود ہوں۔ مثال کے طور پر جامعہ کی بزمِ ادب۔

بزمِ ادب ختم ہونے کے بعد یا اگلے دن کلاس میں ہر طالب علم کو دو طرح کے کام کرنے کو کہا جائے۔ مثلاً زید کو کہا جائے کہ کل ہونے والی بزمِ ادب کی ایک ایک بات کاپی پر لکھ کر چیک کروائے، کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات مت چھوڑنا۔

اور بکر کو کہا جائے کہ اسی بزمِ ادب کی صرف اہم اہم باتیں کاپی پر لکھ کر دو۔
لگی بندھی روٹین سے ہٹ کر طلبہ کو کوئی کام کرنے کو دیا جائے تو خوشی خوشی تیار ہوتے ہیں۔ مشقی سوالات میں تنوع کا ایک مقصد طلبہ کی دلچسپی قائم رکھنا بھی ہوتا ہے۔

جب طلبہ لکھ کر لے آئیں تو دونوں کاپیوں کو کلاس کے سامنے رکھ کر سمجھا جا سکتا ہے کہ دیکھیں زید نے بزمِ ادب کی ایک ایک بات کو یاد کر کے لکھا اسے تفصیل کہتے ہیں۔ اور بکر نے صرف اہم باتوں کا ذکر کیا اسے خلاصہ کہتے ہیں۔

یہ مثال طلبہ کو فوراً سمجھ آئے گی کیونکہ عملی طور پر وہ اس بزم کا حصہ تھے۔

اس کے بعد کتاب سے کسی سبق کا انتخاب کر کے کہا جائے کہ اس کی اہم اہم باتوں پر نشان لگالیں۔ استاذ پہلے پہل اشارات کی مدد سے رہنمائی کرتا رہے۔ جب نشانات لگ جائیں تو ان جملوں کو الگ نکال کر لکھوالیا جائے۔ پھر سبق اور خلاصہ کا موازنہ کرایا کر بتایا جائے مثلاً سبق ۱۵ لائنوں پر مشتمل تھا اور ہم نے اس کا خلاصہ یعنی اہم اہم باتیں ۳ یا چار لائنوں میں بیان کر دی۔

اس مشق کے لیے کسی کہانی، تاریخی واقعے یا مشہور شخصیت یا جگہ کے بارے میں سبق کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ طلبہ خلاصے کے لیے جملے ابتداء سبق سے ہی لیں گے اور استاذ کی رہنمائی میں مناسب تبدیلی کرنے کے بعد کاپی پر لکھ لیں گے۔ رفتہ رفتہ اس کی بھی حاجت نہیں رہے گی۔

پہلے اردو زبان میں ایک مثال لیتے ہیں:

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک خوبصورت جنگل تھا جس میں بہت چرند پرند رہتے تھے۔ جنگل میں ایک ندی بھی بہتی تھی جس کا پانی نہایت صاف، ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ ایک دن شدید گرمی کے موسم میں جنگل کا ایک خرگوش جب بھاگتے

بھاگتے تھک گیا تو اسے شدید پیاس محسوس ہوئی اور وہ پانی پینے ندی پر گیا۔ ندی پر اس کی ملاقات ایک کچھوے سے ہوئی جو نہایت آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ خرگوش نے اس کا مذاق اڑایا تو کچھوے نے اسے دوڑ لگانے کا کہا۔ خرگوش کو اپنے تیز رفتاری پر بہت گھمنڈ تھا لہٰذا اس نے کچھوے کی بات مان لی۔ جنگل میں کچھ فاصلے پر موجود ایک درخت ہدف قرار پایا۔ آخر کار دونوں نے دوڑنا شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے خرگوش نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کچھوا آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ کچھ دور جا کر خرگوش نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کچھوے کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ وہ طنزیہ ہنسی ہنسا اور کہا، ہونہہ، مجھ سے مقابلہ کرنے چلا تھا۔ خرگوش نے دوبارہ دوڑنے کی تیاری پکڑی۔ دوڑتے دوڑتے ایک گھنے درخت کے نیچے سے گزرا تو اسے یہ جگہ شدید گرمی میں جنت کا ٹکڑا محسوس ہوئی۔ اس نے سوچا کہ حقیر کچھوا تو ابھی بہت دور ہو گا کیونکہ نہ اس گھنے درخت کے نیچے کچھ وقت گزار لوں۔ خرگوش اس درخت کے نیچے بیٹھا تو کچھ ہی دیر میں اسے نیند نے آلیا۔

ادھر کچھوا اپنی رفتار سے دھیرے دھیرے چلتا رہا لیکن رکا نہیں۔ کافی دیر کے بعد وہ ایک درخت کے پاس سے گزرا جس کے نیچے خرگوش مزے کی نیند سو رہا تھا۔ کچھوا خاموشی سے آگے چل دیا اور شام ڈھلنے سے کچھ پہلے ہدف تک پہنچ کر بیٹھ گیا۔ مسلسل چلنے کی وجہ سے اسے شدید تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن جیت کا احساس تھکن پر غالب تھا۔

ادھر خرگوش کی آنکھ کھلی تو شام ڈھلنے والی تھی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کچھوا کہیں دکھائی نہ دیا۔ اس نے حقارت سے گردن جھٹکی اور فراٹے بھرتے ہوئے اپنی راہ لی۔ لیکن یہ کیا! جیسے ہی وہ مقررہ درخت کے قریب پہنچا کچھوا وہاں پہلے سے موجود تھا۔ خرگوش کا شرمندگی کے مارے حال برا ہوگیا۔ اور آئندہ کے لیے اس نے غرور و تکبر سے توبہ کرلی۔

اب اسی کہانی کا خلاصہ بناتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک کچھوے اور خرگوش میں دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ خرگوش نے کچھ دور جاکر سوچا ابھی کچھوا بہت دور ہے کیوں نہ کچھ دیر آرام کرلوں۔ خرگوش سو گیا اور کچھوا آہستہ آہستہ چلتا رہا اور خرگوش سے پہلے مطلوبہ مقام تک پہنچ گیا۔

اوپر موجود کہانی میں پونے چار سو الفاظ ہیں۔ جبکہ خلاصے میں پورے پچاس بھی نہیں۔ دیکھا جائے تو کہانی میں اہم باتیں یہی تھیں جو خلاصے میں موجود ہیں باقی جملے میرے تخیل کی پیداوار ہیں۔ ہر شخص کے اعتبار سے یہ کم اور زیادہ ہو سکتے ہیں۔ کسی کو تفصیلاً بات کرنے کی عادت ہوتی ہے اور کسی کو مختصر۔ کسی کے پاس الفاظ اور خیالات کا وافر ذخیرہ موجود ہوتا ہے اور کسی کے پاس قلیل۔ ہر شخص اسی کے مطابق لکھتا اور بولتا ہے۔

اگر طلبہ کو مندرجہ بالا کہانی رٹا لگانے کے لیے کہیں تو انہیں ۴۰۰ الفاظ یاد کرنا ہوں، جبکہ خلاصہ یاد کرکے اپنے الفاظ میں بیان کرنے کو کہیں تو بہت سے

فوائد حاصل ہوں گے۔ جیسے ذہن پر بوجھ کم ہو گا، وقت کی بچت ہو گی اور تصنیفی صلاحیتیں بیدار ہوں گے۔

خلاصہ اور تفصیل میں وہی نسبت سمجھ لیں جو متن اور شرح میں ہوتی ہے۔ اسلاف نے کتب میں متن اور شرح کی جو تقسیم کی ہے اس کے پیچھے بھی یہی منطق کار فرما ہے۔ کیونکہ متن یاد کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے اس لیے اس میں نپے تلے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ کوئی اضافی لفظ اس لیے نہیں لایا جاتا کہ یاد کرنے والے کے ذہن پر الفاظ کی کثرت کا بوجھ نہ پڑے۔

خلاصہ یہ کہ خلاصہ مسائل کو یاد رکھنے کے کام آتا ہے اور تفصیل افہام و تفہیم کے لیے۔

مندرجہ بالا کہانی اور خلاصہ کا ایک مرتبہ پھر بغور جائزہ لیں۔ اگر خلاصے میں دیے گئے الفاظ کو باقی رکھتے ہوئے کہانی کے بقیہ جملوں کو بدل بھی دیا جائے تو بھی کہانی کے مفہوم پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اب آیئے طریقہ جدیدہ سے ایک سبق کو بطورِ مثال لے کر طلبہ کے ذہن کے مطابق خلاصہ بناتے ہیں۔

عطش غراب مرة، فوجد جرة و لكنه وجد فيه الماء قليلاً. فرأى حصى كثيرة وألقاها في الجرة حتى ارتفع الماء. فشرب الماء وطار.

طریقہ جدیدہ ۳، سبق ۳۰

یہ کہانی کتاب میں ۷۵ سے زائد الفاظ پر مشتمل ہے۔ جبکہ اوپر موجود عبارت صرف ۲۲ الفاظ ہیں۔ اور کہانی کی تمام اہم باتیں بھی بیان کر دی گئیں۔ مندرجہ بالا کہانی طلبہ کو یاد کرنے کے لیے دی جائے تو ذہن پر ۷۵ الفاظ کا بوجھ پڑے گا۔ لیکن اگر خلاصہ یاد کر لیا جائے تو محض ۲۲ الفاظ یاد کرنے ہوں گے۔[1]

نیز ۲۲ میں سے ۳ یا ۴ الفاظ اپنی جانب سے لکھے ہیں بقیہ تمام الفاظ اور جملے سبق سے بعینہٖ نقل کر دیے ہیں۔ یعنی خلاصہ لکھنا اتنا بھی مشکل کام نہیں جتنا کہ بظاہر لگتا ہے۔ دو چار اسباق کی مشق اچھے طریقے سے کروادی جائے تو امید کی جا

---

[1] کثرت الفاظ سے ذہن پر پڑنے والے بوجھ کا اندازہ لگانا ہو تو موجودہ انٹرنیٹ کی مثال لے لیں۔ جیسے کوئی بھی ویب سائٹ ایک مخصوص حد سے بڑی فائل اپلوڈ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ فیس بک، ٹویٹر وغیرہ ہر جگہ پیغام ایک مخصوص حد سے زیادہ الفاظ میں لکھنے کی اجازت نہیں، کیوں؟ کیونکہ اس سے ان کے سرور پر غیر ضروری اضافی بوجھ پڑتا ہے۔ جس طرح بڑی فائل اپلوڈ یا ڈاونلوڈ ہونے میں زیادہ وقت لیتی ہے اسی طرح انسان کا ذہن ڈیٹا (یعنی الفاظ) کی کثرت سے متاثر ہوتا ہے۔

ان جملوں کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔ اعتراض کافیہ وغیرہ جیسی کتابوں پر ہوتا ہے کہ اگر وہ اس قدر اختصار کے بجائے چار چھ الفاظ زیادہ لکھ دیتے تو کیا قباحت تھی؟ تو جناب قباحت یہ تھی کہ اگر ہر سطر میں چار چھے اضافی الفاظ لکھے جاتے تو وہی صورتِ حال پیدا ہوتی جو اوپر موجود کہانی میں ہوئی تھی۔ یاد کرنے میں دشواری ہوتی اور سرور (یعنی آپ کے ذہن) پر اضافی بوجھ پڑتا۔ نیز اس حساب کو درسِ نظامی کے جملہ متون سے ضرب دے لیں، کہ اگر درسِ نظامی کے تمام متون یاد کرنے ہوں تو ذہن پر کس قدر اضافی بوجھ آئے گا؟

سکتی ہے کہ طلبہ خود سے بھی خلاصہ لکھنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

البتہ اشعار یا نظموں کا خلاصہ لکھنا ابتدائی درجات کے طلبہ کے لیے مشکل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسے اس وقت تک کے لیے چھوڑ دیا جائے جب تک طلبہ خود سے مکمل پیرے لکھنے کے قابل نہیں ہو جاتے۔

خلاصہ لکھنا آ جائے تو امتحانات کی تیاری میں بھی مدد ملتی ہے۔ خصوصاً اگر مطولات پڑھتے ہوئے طلبہ ہر سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کرتے رہیں تو امتحان کی تیاری بالکل حلوہ ثابت ہوتی ہے۔ کاپی پر (نقشے اور) خلاصے لکھے ہوں تو چند گھنٹوں میں گویا کہ پوری کتاب پر نظر دوڑانا ممکن ہو سکتا ہے۔ ورنہ جب طلبہ پطرس بخاری کی طرح امتحان سے کچھ روز پہلے کتب کے صفحات امتحانات کے بقیہ دنوں پر تقسیم کرتے ہیں تو جواب ساڑھے پانچ سو صفحات یومیہ آتا ہے۔

۱۲

تصویر دِکھا کر کہانی لکھوانا

اگر آپ سمجھ رہے ہیں کہ تصویر دیکھ کر کہانی بنانا کوئی بہت ہی مشکل کام ہے تو آغاز میں ہی اس غلط فہمی کو دور کر لیں۔ تین چار سال کے بچے کو بھی کوئی دلچسپ تصویر دکھا کر پوچھا جائے کہ اس میں کیا ہو رہا ہے تو کچھ نہ کچھ جواب ضرور دے گا۔ اس بچے کا یہی جواب تصویر دیکھ کر کہانی بنانے کا آغاز ہے۔

کہانیاں سننا، سنانا اور لکھنا لکھوانا ایک مثبت سرگرمی ہے اور ہمارے بزرگوں کا طریقہ بھی۔ مولانا رومی اور شیخ سعدی کے نام اور کام سے کون واقف نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو اور ان کے اخلاص اور سوز سے ہمیں بھی حصہ عطا ہو۔ پہلے کے بزرگ گھر میں ہی بچوں کو مختلف کہانیاں اور نظمیں سنا کر بیک وقت تفریح اور تربیت مہیا کرتے تھے۔ افسوس کہ ٹی وی اور موبائل جیسی ایجادات نے ہم سے ہماری یہ خوبصورت روایت چھین لیں۔

ابتداءً کمرہ جماعت میں استاد کی مدد سے کہانی بنائی جائے۔ ہمت بندھائی جائے تو رفتہ رفتہ طلبہ خود ہی الٹی سیدھی کہانی لکھنے لگیں گے۔ اور کل کی کس کو خبر؟ یہی الٹی سیدھی کہانیاں لکھنے والے بچے ایک دن منجھے ہوئے مصنف بھی بن سکتے ہیں۔

کیا ہی اچھا ہو اگر ہر جامعہ اپنا ماہنامہ، یا سہ ماہی مجلہ وغیرہ جاری کر دے جس میں طلبہ سے ہی مضامین اور کہانیاں وغیرہ لکھوائی جائیں اور انہی سے کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ وغیرہ کا کام لیا جائے۔

ضروری نہیں کہ چھپائی کا کشٹ بھی اٹھایا جائے۔ پی ڈی ایف کا دور ہے آپ اپنا مجلہ پی ڈی ایف کی شکل میں بھی شائع کر سکتے ہیں۔

۱۳

طلبہ کی ذات اور مشاہدات سے متعلق لکھوانا

ہر شخص اپنے بارے میں بات کرنا پسند کرتا ہے۔ میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا، میں فلاں جگہ گیا اور فلاں چیز دیکھی وغیرہ۔ بچے بھی اپنے بارے میں، اپنے گھر، اپنے کپڑوں، کھلونوں، والدین اور ہر اس چیز کے بارے میں بات کرنا پسند کرتے ہیں جو انہیں اچھی لگتی ہے۔ اور اس معاملے میں بڑے بھی بچوں سے پیچھے نہیں رہتے۔ فیس بک اٹھا کر دیکھ لیں، گھر میں بننے والے کھانے، نئے فون کی خریداری یا کسی جگہ کی سیر ہر ایک ان باتوں کو بڑے جوش و خروش سے بیان کرتا ہے۔

انسان کی اس نفسیات کا فائدہ اٹھا کر مثبت استعمال کی جانب پھیر دینا چاہیے۔

مثلاً

چھٹیاں ختم ہونے کے بعد طلبہ سے کلاس میں باری باری پوچھا جائے کہ آپ نے یہ چھٹیاں کیسے گزاریں؟ کہاں کہاں گئے؟ کیا کیا دیکھا؟ کس کس سے ملے؟

یقیناً طلبہ ان سوالات کے جوابات بڑے جوش و خروش سے دیں گے۔ اس کے بعد انہیں کام دیا جاسکتا ہے کہ اپنی چھٹیوں کے جو احوال آپ نے زبانی بتائے ہیں انہیں سلیقے کے ساتھ کسی کاغذ پر لکھ کر چیک کروائیں۔

یونہی پکنک، عید تہوار یا جامعہ کے سالانہ پروگرام وغیرہ کے بعد بھی یہی سرگرمی کرائی جاسکتی ہے۔

طلبہ سے ان کی پسند ناپسند، شوق اور مشغلوں کے بارے میں بھی لکھوایا جا سکتا ہے۔ مثلاً لڑکے کرکٹ یا فٹ بال شوق سے کھیلتے ہیں تو ان سے کسی میچ کا حال لکھوایا جاسکتا ہے۔ لڑکیاں گڑیا کے ساتھ بڑے شوق سے کھیلتی ہیں۔ ان سے گڑیا کے بارے میں لکھوایا جاسکتا ہے۔ غرض کہ ان گنت موضوعات ہوسکتے ہیں جن میں طلبہ کی دلچسپی محسوس کریں اسی کو ہدف بنالیں مقصد صرف یہ ہے کہ طلبہ اپنے محسوسات ومشاہدات اپنے الفاظ میں بیان کرنا سیکھ لیں۔

نیز اس کے لیے الگ سے پیریڈ یا وقت مخصوص کرنے کی حاجت بھی نہیں۔ فراغت کے مختلف اوقات کو اس کام کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۱۴

مزید معلومات کی تلاش کروانا

کتاب میں موجود کسی اہم عنوان کے بارے میں مزید معلومات کی تلاش کا ہدف دیا جائے۔ یہ معلومات جامعہ کی لائبریری، متعلقہ شعبے کے ماہرین سے ملاقات یا انٹرنیٹ وغیرہ سے لی جاسکتی ہیں۔

ڈیجیٹل لائبریری

ممکن ہے اس پر یہ اعتراض اٹھے کہ بہت سی جامعات میں لائبریری موجود ہی نہیں ہوتی، یا نہایت مختصر ہوتی ہے۔ بیشتر جامعات کے پاس اس قدر سرمایہ بھی نہیں ہوتا کہ مہنگی کتب خرید کر لائبریری قائم کی جاسکے۔ ایسے میں مختلف موضوعات پر مواد کی تلاش آسان کام نہیں۔

یقیناً بہت سے حضرات اس سے اتفاق نہیں کریں گے لیکن برقی کتب (پی ڈی ایف) کے اس دور میں چند ہزار روپے خرچ کر کے جامعہ میں ایک ڈیجیٹل لائبریری کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ حسبِ ضرورت چند کمپیوٹر، ایک یا دو ٹیرا باٹ کی ہارڈ ڈسک، اور نیٹ ورکنگ کے لیے ڈیوائس اور تار۔ نیٹ ورکنگ سے ہر کمپیوٹر میں الگ الگ بڑی ہارڈ ڈسک لگانے کا خرچہ بھی بچ جاتا ہے۔

انٹرنیٹ سے تقریباً ہر موضوع پر کتب مل جاتی ہیں اور آپ کی لائبریری تیار۔ اگرچہ برقی کتاب، مطبوعہ کتاب کا متبادل ہرگز نہیں ہو سکتی لیکن غریب طلبہ کے لیے مجبوری کی صورت میں یہ کسی نعمت سے کم نہیں۔

۱۵

دار الافتاء کی سیر

جن جامعات میں دار الافتاء موجود ہے اس سے طلبہ کو بھی مستفید کرنا

چاہیے۔ نور الایضاح کے فوراً بعد طلبہ کو دار الافتاء کا رستہ دکھایا جائے۔ درجے کے مطابق ابتداء حوالہ جات کی تلاش وغیرہ میں مفتی صاحب کی معاونت کریں، اردو کتب سے مسائل کے جوابات تلاش کرائے جائیں۔ فوقانی درجات میں اردو کتب پر پابندی لگادی جائے۔ یوں اگر طلبہ ہفتے میں کم از کم ایک فتویٰ بھی لکھ لیتے ہیں تو فراغت تک ڈیڑھ دو سو فتاویٰ لکھ چکے ہوں گے۔ اور ان فتاویٰ کے لکھنے میں کتب سے مراجعت کے ہزارہا فقہی مسائل بھی نظر سے گزریں گے۔

نیز اس کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے۔ جو مسائل بندہ خود تحقیق و جستجو کر کے کتب سے نکالتا ہے ان پر عمل کرنے اور کرانے کا جذبہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جس مسئلے پر خود فتویٰ لکھا ہو اسی پر خود کا عمل نہ ہو تو عوام کی جانب سے طعن و تشنیع کا خوف بھی اس مسئلے پر عمل کرواتا ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سرگرمی سے علم کے ساتھ عمل میں بھی بہتری آئے گی۔

بہت سے طلبہ زمانہ طالبِ علمی سے ہی امامت، خطابت، مؤذنی یا مساجد کی خدمت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ اور ان فرائض کی انجام دہی کے دوران عوام الناس کی جانب سے سوالات کا سامنا بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا ابتداءً اخلاقیات، نماز، درست قراءت، روزہ، زکوٰۃ اور حج و عمرہ سے متعلق مسائل تلاش کروائے جائیں۔ اللہ نے چاہا تو اس عمل سے طلبہ کے اعتماد میں اضافہ ہو گا، آگے بڑھنے کی لگن پیدا ہو گی، مزید مطالعہ کا شوق پیدا ہو گا۔ غرض فائدہ ہی فائدہ ہے نقصان

کوئی نہیں۔

۱۶

کسی خاص مسئلے کی اہمیت کیسے اجاگر کی جائے؟

اس لنک پر ایک ویڈیو موجود ہے جو کچھ عرصہ پہلے بھی #المدرس میں شائع ہو چکی ہے۔

facebook.com/yousufjamalqadri/videos/237918143877224
2

اس ویڈیو میں ایک استانی بچوں کو یہ سکھا رہی ہے کہ گناہ کرنے سے دل کس طرح سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور استغفار کرنے سے وہ سیاہی کس طرح دھل جاتی ہے۔
ویڈیو میں جس بات کی جانب آپ کی توجہ مرکوز کروانا مقصود ہے وہ ہے بچوں کا جوش و خروش۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس مسئلے کو مروجہ خطابی انداز میں بیان کر دیا جاتا تو کیا طلبہ کے جوش و خروش کا یہی عالم ہوتا؟ مروجہ خطابی انداز کے مقابل ویڈیو میں دکھائی جانے والی سرگرمی کو رکھیے اور دونوں سے حاصل ہونے والے نتائج پر غور کیجیے۔

یقیناً مروجہ خطابی انداز کے مقابل مناسب سرگرمی کروانا کسی بھی بات کو ذہنوں میں راسخ کرانے کے لیے نہایت کارآمد ہے۔

یہی بات سمجھانا اس تحریر کا مقصد ہے۔ کہ درس میں موجود کسی بھی بات کو نمایاں کر کے ذہنوں میں راسخ کروانا مقصود ہو تو اس کے لیے ہر مرتبہ کسی اچھوتی سرگرمی کا انتخاب کریں۔ وگرنہ سبق میں موجود درجنوں الفاظ کی بِھیڑ میں ذہن اس مسئلے کی خصوصی اہمیت کی جانب متوجہ نہیں ہو گا۔ معلم کا کام ہے کہ اس کام کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے وہ اہم مسئلہ نہ صرف نمایاں ہو کر طلبہ کے سامنے آئے بلکہ کچھ عرصہ تک ان کے ذہنوں میں گردش بھی کرتا رہے۔ سمجھنے کے لیے اسی ویڈیو کے عنوان (استغفار) کی مثال ہی لے لیتے ہیں۔

رنگ بھرنا

خوشخط کر کے کاپی میں لکھنا

چارٹ بنا کر کمرہ جماعت میں لگانا

رنگ کس کو اچھے نہیں لگتے؟ کسی جملے یا تصویر میں رنگ بھرنا ایک مفید سرگرمی ہے۔ جیسے ہم کمپیوٹر یا موبائل کی اسکرین کو بہت دیر تک دیکھتے رہیں تو نظریں ہٹانے کے بعد بھی کچھ وقت تک اسکرین آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔

س: درج ذیل الفاظ کو خوش خط کر کے ایک بڑے چارٹ پر لکھیے اور رنگ بھر کر کمرہ جماعت میں کسی نمایاں جگہ پر آویزاں کیجیے۔

بظاہر معمولی دکھائی دینے والی یہ سرگرمی کسی طالبِ علم کو استغفار کا عادی بھی بنا سکتی ہے۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو یقیناً استاد کی محنت وصول ہو جائے گی اور اس کے لیے صدقہ جاریہ کا باعث بھی ہو گا۔

ایسی مشقوں کے لیے دینی کتب میں بہت کچھ موجود ہوتا ہے۔ کوئی آیت، حدیث، کسی کہانی کا نتیجہ، کوئی اہم شخصیت یا کردار، اقوالِ زریں یا حکمت بھرے اشعار وغیرہ۔

بزمِ ادب میں تقریر یا بحث ومباحثے کا اہتمام کروانا

اس کام کے لیے بزمِ ادب کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ گزشتہ برس ہمارے ادارے جامعہ فیضانِ اولیاء میں ایک ایسی ہی سرگرمی "یوم المانجو" کے عنوان سے منعقد کروائی تھی۔ تفصیلاً #المدرس میں شائع بھی کی تھی۔ گروپ میں تلاش کر کے اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ بزمِ ادب میں کرائی جانے والی اس سرگرمی کا

ہدف تھا" ٹافیوں، پاپڑ اور باہر کی دیگر گندی اشیاء کھانے کے نقصانات، اور پھلوں کے فوائد سے طلبہ کو آگاہ کرنا"۔

قلن کی تعلیل پر بحث کا ایک واقعہ

پنج گنج اور علم الصیغہ میں قلن کی تعلیل کچھ فرق کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ پنج گنج پڑھاتے ہوئے استادِ محترم علامہ اسحاق صاحب حفظہ اللہ تعالی نے دونوں تعلیلیں بیان کرنے کے بعد طلبہ سے الگ الگ رائے لی کہ آپ کو کس کی تعلیل سمجھ میں آئی؟ جواباً کچھ طلبہ نے کہا، پنج گنج اور کچھ نے علم الصیغہ۔

استاذ صاحب نے فرمایا اپنے اپنے دلائل بیان کیجیے۔ بس پھر کیا تھا، کمرہ جماعت میں بحث چھڑ گئی۔ ہر ایک اپنے اپنے دلائل دینے لگا اور استاذ صاحب مسکرا مسکرا کر محض ہوں ہاں میں سر ہلاتے رہے، گویا کہ مقصد پورا ہو گیا۔

اس روز پڑھائی کا سارا وقت اسی بحث کی نذر ہو گیا لیکن فائدہ یہ ہوا کہ برسوں پہلے ہونے والی وہ بحث آج میں ذہن میں تازہ ہے گویا کہ کل کا واقعہ ہو۔ تعلیلات تو سینکڑوں کلمات کی پڑھی تھیں لیکن "قلن" کی تعلیل ہی ذہن سے کیوں چپکی ہوئی ہے؟ یقیناً گزشتہ معروضات کی روشنی میں اس "کیوں" کا جواب آپ جان چکے ہوں گے۔

عملی مظاہرہ (Practical) کروانا

انشاء العربیۃ میں وہ کہانی تو آپ نے پڑھی ہی ہوگی جس میں ایک شخص تیراکی سکھانے والی کتاب خریدتا ہے۔ اور گھر میں چٹائی یا چارپائی پر تیراکی کی مشقیں کرتا ہے۔ لیکن جب عملی طور پر دریا میں چھلانگ لگاتا ہے تو خوب ڈبکیاں کھانے کے بعد سمجھ آتی ہے کہ محض پڑھ لینے (Theory) اور عملی طور پر کرنے (Practical) میں کس قدر فرق ہے؟

عمل سے متعلق اسباق کا پریکٹیکل نہ کرایا جائے تو کچھ ایسی ہی حالت طلبہ کی بھی ہوتی ہے۔ کئی کئی سال کتبِ فقہ پڑھ لینے کے باوجود عملی طور پر امام بننا، یا غسلِ میت وکفن دفن وغیرہ کی ذمہ داری نبھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

نقشے اور ماڈل کی مدد سے سمجھانا

مثال کے طور پر حج وعمرہ کے مسائل پڑھنے اور یاد کرنے کے باوجود جب تک عملی طور ان کی سعادت نہ ملے تشنگی باقی رہ جاتی ہے۔ ایسے میں یہ مسائل اگر نقشے اور ماڈل وغیرہ کی مدد سے پڑھائے جائیں تو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ آسکتے ہیں۔ نیز یہ ماڈل اور نقشے بھی طلبہ سے بنوائے جاسکتے ہیں۔ بڑا کام ہو تو ایک سے زائد طلبہ مل کر سرانجام دے سکتے ہیں۔

سوشل میڈیا پر تبلیغ کے لیے مواد تیار کروانا

موبائل اور سوشل میڈیا سے طلبہ کو روکنا قریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ ایسے میں بہتر ہو گا کہ انہیں اس کے مثبت استعمال کی جانب پھیر دیا جائے۔ دورانِ درس اگر کوئی ایسا مسئلہ آئے جس پر طلبہ کی خصوصی توجہ کروانا مقصود ہو تو اس پر ایک پوسٹ لکھوا کر طلبہ سے ہی سوشل میڈیا پر شائع کرائی جائے۔ یقیناً اس پر کچھ لوگ اپنی رائے کا اظہار کریں گے تو سوال جواب کے اس عمل سے علم میں مزید اضافہ ہو گا۔

ڈرامہ بنوانا

مجھے نہیں معلوم مفتیانِ کرام اس کی اجازت دیں گے یا نہیں لیکن بہر حال یہ عمل کسی بھی چیز کی اہمیت کو اجاگر کروانے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس پر تفصیل سے کسی اور وقت میں معروضات پیش کروں گا۔

طلبہ سے ان کی رائے جاننا

کسی سبق میں مختلف کردار ہوں، یا کوئی ایسا واقعہ ہو جس کا دوسرا پہلو بھی ممکن ہو تو طلبہ سے اس کے بارے میں تحریری رائے لی جائے۔ مثلاً گزشتہ صفحات میں کچھوے اور خرگوش کی کہانی بیان ہوئی تھی۔ اس پر یہ سوال بنایا جا سکتا ہے۔

س: کہانی میں آپ کو کچھوے کا کردار اچھا لگا یا خرگوش کا؟ بہر دو صورت وجہ بھی تحریر کریں۔

طریقہ جدیدہ ۳، سبق ۲۱ میں ایک کہانی ہے "الذئب والکرکی"، اسی طرح کا سوال اس کہانی پر بھی بن سکتا ہے۔

یونہی طریقہ جدیدہ ۳، سبق ۲۷ میں ایک بچے کے پیسے جمع کر کے ترقی کرنے کی کہانی ہے۔ یہاں کچھ اس طرح کے سوالات بن سکتے ہیں۔

س: آپ کو روزانہ کتنا جیب خرچ ملتا ہے؟

س: آپ ان پیسوں کا کیا کرتے ہیں؟

س: کیا آپ نے کبھی پیسے جمع کیے؟ اگر ہاں تو کس مقصد کے لیے؟

س: بچت کرنا اچھا ہے یا فضول خرچی کرنا؟ بہر دو صورت وجہ بھی لکھیں۔

س: قرآن کی ایک آیت ہے جس میں فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے کیا آپ کو یاد ہے؟

باہم گفت وشنید کا موقع دیں

طلبہ کی رائے لینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر طالبِ علم کسی دوسرے سے سوال کرے اور اس کے جوابات نام کے ساتھ اپنی کاپی پر لکھے۔ مثال کے لیے فضول خرچی سے متعلق مذکورہ بالا سوالوں کا انداز بدل کر دیکھتے

ہیں۔

س: درج ذیل سوالات پر اپنی رائے دیجیے اور اپنے ایک ساتھی سے بھی رائے لے کر اس کے نام کے ساتھ اپنی کاپی میں لکھیے۔

۱: آپ کو روزانہ کتنا جیب خرچ ملتا ہے؟

آپ کا جواب: ________________________________

زید کا جواب: ________________________________

اسی طرح بقیہ سوالات بھی۔

یاد رہے کہ کوئی بھی سرگرمی اٹل نہیں ہوتی۔ نہ کتاب مقصد ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی سرگرمی، ان چیزوں کا اصل مقصد ہوتا ہے اہداف کا حصول۔ حالات کے مطابق سرگرمی کے ہدف کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب تبدیلی کی جائے۔

مثال کے طور پر اسکول کے طلبہ کو مساجد اور علماء سے منسلک کرنے کو ہدف بنا کر راقم نے یہ سرگرمی کچھ یوں ترتیب دی تھی:

س: قریبی مسجد کے امام صاحب سے ملاقات کر کے درج ذیل سوالات کے جوابات تلاش کیجیے۔

۱: قرآن و حدیث میں فضول خرچی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسجد کا نام و پتہ: ________________________________

امام صاحب کا نام: ________________________________

امام صاحب کے جواب کا خلاصہ:

____

____

مشکلات کا حل پوچھنا

طلبہ کی رائے لینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی سبق میں کوئی مشکل بیان ہو تو سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر آپ کے ساتھ ایسا ہو تو آپ کیا کرتے؟ مثلاً طریقہ جدیدہ ۳، سبق ۲۹ میں بیان کی گئی کہانی میں ایک شخص کے گھر میں چور گھس آتا ہے۔اس کہانی پر ایک سوال بنا کر طلبہ کی رائے لیتے ہیں۔

س: اگر آپ کے گھر میں چور گھس آئے تو کیا کریں گے؟

یقیناً ایسی صورتِ حال میں طلبہ بے تکے جواب بھی دیں گے لیکن معلم کا کام ہے کہ باتوں باتوں میں انہیں معقول جواب تک لے آئے۔ مثلاً پولیس کو فون کریں گے وغیرہ۔

اس طرح کا سوال اسباق یا کتاب کے بارے میں بھی کیا جا سکتا ہے، مثلاً:

س: یہ سبق آپ کو کیسا لگا؟ وجہ بیان کیجیے۔

(کتاب ختم ہونے کے بعد)

س: کتاب میں سے کوئی پانچ اسباق کا نام لکھیے جو آپ کو پسند آئے ہوں۔ نیز

پسندیدگی کی وجہ بھی تحریر کیجیے۔

ایسی سرگرمیوں کے تمام پہلوؤں کا مقصد ہے طلبہ کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ بول اور لکھ کر اپنا مافی الضمیر بیان کریں۔ اور ان سرگرمیوں سے کمرہ جماعت میں گم صم بیٹھے طلبہ بھی متحرک ہونے لگتے ہیں۔

اگر استاد محسوس کرے تو چند منٹ کے لیے کمرہ جماعت سے باہر چلا جائے لیکن کچھ ایسا انتظام ہو کہ طلبہ مقصد سے ہٹنے نہ پائیں۔ مثلاً گفت وشنید کا نتیجہ کاپی پر لکھیں اور استاد واپس آکر چیک کرے۔

سوچنے پر مجبور کریں

طلبہ کی بعض کمزوریوں پر جب اساتذہ کی جانب سے سختی کی جاتی ہے تو عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ انہیں یہ سختی کھلنے لگتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلبہ کو کیسے احساس دلایا جائے کہ یہ سختی ان کے مفاد میں ہے۔ اسی فکر کو ہدف بنا بطورِ مثال ایک سرگرمی بناتے ہیں:

س: اگر آپ ایک استاذ ہوتے تو کیا کرتے جبکہ۔۔۔

۱- آپ کا ایک طالبِ علم روزانہ تاخیر سے آتا ہے۔

۲- آپ کا ایک طالبِ علم روزانہ سبق یاد نہیں کرتا۔

۳- آپ کا ایک طالبِ علم بلاوجہ چھٹیاں کرتا ہے۔

طلبہ کے مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے بہت سے سوالات بن سکتے ہیں۔
ان سوالات کا فائدہ یہ ہوگا کہ طلبہ اپنے آپ کو استاذ کی جگہ رکھ کر سوچیں گے۔
یوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کی جاسکتی ہے کہ انہیں اپنے غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ اور غلطی کا احساس ہونا ہی اس کے حل کی جانب پہلا قدم ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ یہ صرف ایک مثال ہے۔ اگر کوئی طالبِ علم اچھا بچہ ہو تو اس کے درجے، قابلیت اور دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا ہی سوال نامہ تیار کیا جا سکتا ہے؟

مثلاً ہم فرض کر لیتے ہیں کہ دورہ حدیث کا ایک طالبِ علم پڑھائی میں بہت اچھا ہے اور سیاست میں دلچسپی بھی رکھتا ہے تو اسے کے لیے سوالات کچھ یوں ہو سکتے ہیں۔

س: آپ کیا کرتے اگر آپ۔۔۔
۱- جامعہ کے ناظم ہوتے۔
۲- ایک لیڈر ہوتے۔
۳- اپنے ملک کے سربراہ ہوتے۔

ممکن ہے کہ اس تحریر میں بیان کی جانے والے بعض سرگرمیاں بادیٔ النظر میں فضول اور بے مقصد دکھائی دیں (جیسے رنگ بھرنا وغیرہ)۔ لیکن ایسا ہے نہیں۔ فطری طور پر کوئی بھی چیز جس قدر زیادہ وقت آنکھوں کے سامنے موجود

رہتی ہے ذہن میں اس کا نقش اسی قدر گہرا ہو جاتا ہے اور ایک لمبے عرصے کے لیے ذہن اسے محفوظ بھی کر لیتا ہے۔ ان پیچھے یہی نفسیات کار فرما ہے۔

۱۶

علاماتِ ترقیم لگوانا

انسان کا لہجہ اس کے جملوں کا مفہوم بدل دیتا ہے، مثلاً:

- زید کراچی گیا تھا

یہ ایک جملہ ہے اور ظاہر کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو زید کے کراچی جانے کے بارے میں خبر دی جارہی ہے۔ لیکن اسے مختلف لہجوں میں بولا جائے تو ہر لہجے کے ساتھ اس میں نیا معنیٰ پیدا ہو جائے گا۔ مثلاً

- سوالیہ لہجے میں بول کر دیکھیے۔ اب یہی جملہ ایک نیا معنیٰ دیا گا۔ مطلب ہو گا کہ زید کے کراچی جانے کے بارے میں پوچھا جارہا ہے۔
- اسی جملے کو استہزائیہ (مذاق اڑانے والے) انداز میں میں بول کر دیکھیے۔ مطلب ہو گا کہ مخاطب کو زید کے کراچی جانے کی خبر سن کر حیرت ہوئی اور وہ مذاق اڑا رہا ہے کہ زید کراچی کیسے جا سکتا ہے؟

بولتے ہوئے لہجہ معانی کو ظاہر کر دیتا ہے لیکن یہی جملہ تحریر کی صورت میں نقل کیا جائے تو قاری کو کیسے معلوم ہو گا کہ متکلم نے کس لہجے میں بولا تھا؟ ایسے

مقاصد کے لیے علاماتِ ترقیم کا سہارا لیا جاتا ہے۔

کوئی مصنف جس قدر چاہے اچھے الفاظ اور جملوں کا چناؤ کر لے لیکن علاماتِ ترقیم موجود نہ ہوں تو تحریر کا سارا حسن گہنا کر رہ جاتا ہے۔ خصوصاً تحقیقی مضامین لکھنے والے ایک عالمِ دین کے لیے ان کا جاننا فرض کے درجے میں سمجھ لیں۔ ورنہ قاری کچھ کا کچھ سمجھ سکتا ہے۔ اس کے لیے مشہور مثال دی جاتی ہے:

روکو، مت جانے دو۔

روکو مت، جانے دو۔

غور کیجیے کہ ایک فاصلہ (Comma) ادھر ادھر ہو جانے سے جملوں کا مفہوم یکسر الٹ کر رہ گیا۔

علاماتِ ترقیم کو امتحان کا حصہ بنانے سے پہلے مشہور علاماتِ کے نام اور استعمال سے طلبہ کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ بہتر ہو گا کہ ایک چارٹ بنا کر کلاس میں آویزاں کیا جائے۔

خوش نویسی کی طرح علاماتِ ترقیم کے اضافی نمبر بھی پرچے میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔

۱۷

مقررہ عنوان پر قائم رہنا

اگر آپ تحریر کی خشکی سے اکتانے لگے ہیں تو چلیں آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں:

کہتے ہیں کہ ایک طالبِ علم کو صرف ایک ہی مضمون یاد تھا، "میرا بہترین دوست"۔ استاد اسے جس عنوان پر مضمون لکھنے کو کہتے وہ دو چار جملوں کے بعد گھما پھرا "میرا بہترین دوست" لکھ آتا۔ مثلاً ایک دن استاد نے اسے ریل گاڑی پر مضمون لکھنے کو کہا تو کچھ یوں تھا:

ریل گاڑی ایک تیز رفتار سواری ہے جس میں ایک ہی وقت میں بہت سے افراد سوار ہو سکتے ہیں۔ ایک دن ہم بھی اپنے ننھیال جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن گئے تو وہاں مجھے "میرا بہترین دوست" زید مل گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آگے کیا لکھا ہو گا آپ سمجھ سکتے ہیں۔

استاد صاحب اس کی اس عادت سے بہت تنگ تھے۔ ایک دن انہوں نے ہوائی جہاز پر مضمون لکھنے کو کہا اور سختی سے تنبیہ کی کہ اس جہاز کے اندر تمہارا بہترین دوست زید ہر گز نہیں ہونا چاہیے۔

اب جو مضمون لکھا گیا وہ کچھ یوں تھا:

ہوائی جہاز ایک تیز ترین سواری ہے۔ اس کے ذریعے ہم دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر سکتے ہیں۔ ایک دن اسلام آباد جانے کے لیے میں اپنے ابو کے ساتھ ہوائی جہاز میں سوار ہو۔ جہاز چلنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ اچانک میں نے جہاز کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو "میرا بہترین دوست" زید کھڑا تھا۔۔۔۔ اس کے بعد میرا بہترین دوست شروع ہو گیا۔

ایسی صورتِ حال کا سامنا یقیناً آپ نے بھی کیا ہو گا۔ جیسا کہ بعض پیشہ ور مقررین چند ایک رٹی رٹائی تقریریں ہی گھما پھرا کر ہر جلسے میں سناتے رہتے ہیں۔

بہر حال اس تمہید کا مقصد ہے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ جب طالبِ علم کچھ لکھنے لگے تو مقررہ موضوع سے باہر نہ نکلنے پائے۔ یا چند مطلوبہ پہلوؤں پر لازماً روشنی ڈالے۔

اس کا طریقہ کچھ یوں ہو سکتا ہے کہ ابتدائی درجات میں مضمون نویسی کے لیے سرخیاں (ذیلی عنوانات) پہلے سے لکھ کر دے دیے جائیں۔

بطورِ مثال کسی شخصیت پر مضمون لکھوانے کے لیے ایک فرضی خاکہ بناتے ہیں:

نام: ____________________

نسب: ____________________

مقامِ پیدائش: ____________________

تاریخ پیدائش: ____________________

ابتدائی تعلیم: ____________________

دینی تعلیم: ____________________

تصانیف: ____________________

دینی خدمات: ____________________

زندگی کا کوئی ایک اہم واقعہ: ____________________

____

اولاد: ____________________

مقامِ وفات: ____________________

تاریخ وفات: ____________________

اگر یہی سوال سادہ طریقے سے دے دیا جائے کہ فلاں شخصیت پر مضمون لکھیں، تو ممکن ہے طلبہ لکھتے ہوئے بہت سی اہم باتیں چھوڑ دیتے۔ جبکہ مقصود ان تمام اہم باتوں کا احاطہ کروانا تھا۔

مروجہ انشائیہ طرز کے سوالیہ پرچے میں کسی سوال کے ایک سے زائد اجزاء بھی اسی لیے بنائے جاتے ہیں تاکہ طلبہ کو موضوع کے کسی مخصوص پہلو پر لکھنے کا پابند کیا جاسکتے۔

بعض سوالیہ پرچوں میں سوالات کے اجزاء ایسے بھی دیکھے ہیں کہ ایک جز

میں مشرق سے متعلق سوال ہوتا ہے اور دوسرے میں مغرب سے متعلق۔ یہ درست نہیں۔ الگ الگ موضوعات کے سوالات کو ایک ہی سوال کے اجزاء بنانے کے بجائے مستقل سوالات بنانا چاہیے۔

۱۸

تخلیقی تحریر (Creative Writing)

مندرجہ بالا سرگرمیوں کا بنیادی ہدف طلبہ میں تخلیقی تحریر کا ملکہ پیدا کرنا ہے۔ اور یہ ایک آدھ سال میں ممکن نہیں۔ اس کے لیے جملہ اساتذہ کو مل کر ایک ہی سمت میں محنت کرنا ہوگی۔

کمپیوٹر کے اس دور میں اگر کوئی شخص کسی کی چرائی ہوئی تحریر کو اپنا کہہ کر پیش کرتا ہے تو ذرا سی دیر میں اس کا بھانڈا پھوٹ سکتا ہے۔ کمپیوٹر ایک ایک جملے کی نشاندہی کرتا ہے کہ کون سا جملہ کس جگہ سے کاپی کیا گیا ہے۔ ایسے میں تخلیقی تحاریر لکھنے والوں کی مارکیٹ میں بہت مانگ ہے۔ اچھا اور منفرد لکھنے والوں کی قلت ہے اس وجہ سے ایسے لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ بھاری معاوضے پر لیا جاتا ہے۔

تصنیف و تالیف کے لیے دیگر ضروری لوازمات پہلے سے درسی کتب میں موجود ہیں۔ اگر درسِ نظامی کے طلبہ کو مندرجہ بالا مشقوں اور سرگرمیوں کی بھٹی سے گزار دیا جائے تو امید ہے کہ کندن بن کر نکلیں گے۔ اور روزگار کے سلسلے

میں کسی کے محتاج بھی نہیں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں کسی کافر کی محنت بھی رائیگاں نہیں فرماتا، تو دین کے سپاہیوں کی محنت کیونکر برباد ہو گی؟ ان شاء اللہ اس کا پھل دونوں جہانوں میں ملے گا۔

۱۹

ہفتہ وار یاماہانہ ٹیسٹ کے فوائد

گزشتہ صفحات میں بارہا گزارش کی گئی کہ معروضی طرز کے سوالات کو بزورِ حکم نافذ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ابتداءً ہفتہ وار یاماہانہ ٹیسٹ کے ذریعے طلبہ کو اس کا عادی بنایا جائے۔ ہفتہ وار ٹیسٹ مدارس کے طلبہ کے لیے ایک نئی چیز ہو سکتی ہے اور ممکن ہے اس کے نفاذ میں مشکل بھی پیش آئے۔

اس کا ایک حل یہ ہو سکتا ہے کہ سالانہ امتحانات میں وہی سوالات دیے جائیں جو ہفتہ وار ٹیسٹ میں پوچھے گئے تھے۔ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر سوالات پہلے ہی طلبہ کو معلوم ہوں تو پھر پرچہ لینے کا فائدہ؟

جواب یہ ہے کہ سال میں تقریباً چالیس ہفتے پڑھائی ہوتی ہے۔ ہر ہفتے کے ٹیسٹ میں اگر ۳۰معروضی سوالات بھی ہوں تو سال بھر میں ۱۲۰۰ سوالات بنتے ہیں۔ اور ان ۱۲۰۰ سوالات کے ذریعے کتاب کے تمام اہم مقامات کا احاطہ کیا

جا سکتا ہے۔ ان کی تیاری کا مطلب ہے پوری کتاب کی تیاری۔ اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

نیز کامیابی کے نمبروں میں اضافہ کر دیا جائے اور ہفتہ وار ٹیسٹ کے نمبروں کی کچھ فیصد سالانہ امتحانات میں شامل کر دی جائے۔

۳۳ کے بجائے (مثلاً) پچاس نمبر کامیابی کے لیے مقرر کیے جائیں۔

(مثلاً) ۱۰ نمبر سال بھر میں دیے گئے ہفتہ وار ٹیسٹ کی اوسط سے لیے جائیں۔ اور (مثلاً) سات نمبر اس مضمون کی کاپی (ذاتی نوٹس) لکھنے کے۔

کیا ہفتہ وار ٹیسٹ سے اساتذہ پر اضافی بوجھ آن پڑے گا؟

یقیناً ہفتہ وار ٹیسٹ سے اساتذہ پر اضافی بوجھ آن پڑے گا۔ ہر ہفتے پرچے بنانا اور چیک کرنا آسان کام نہیں۔ جبکہ مدارس میں اساتذہ کی تنخواہیں اس قدر قلیل ہوتی ہیں کہ اکثر اساتذہ ایک سے زائد ملازمت اختیار کیے ہوتے ہیں۔ لیکن ہفتہ وار ٹیسٹ کے فوائد بے شمار ہیں لہٰذا اسے ترک کرنے کے بجائے حل نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرے خیال میں اس مسئلے کے دو حل ہو سکتے ہیں:

۱. ایک مرتبہ محنت کر کے معروضی طرز کے سوالات ترتیب دے لیے جائیں اور انہی کی مدد سے ہفتہ وار ٹیسٹ منعقد کیا جائے۔

ظاہر ہے اس کام میں وقت لگے گا۔ تو جب تک معروضی سوالات تیار نہ ہوں

ہفتہ وار ٹیسٹ کو جاری رکھنے کا دوسرا حل بھی ہے۔

۲. طلبہ سے ہی پیپر بنوائیں اور طلبہ ہی چیک کریں۔ اس پر ایک مستقل تحریر #المدرس میں "اختبر نفسک" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔ یعنی اپنا امتحان خود لینا۔ اولاً طلبہ کو پرچہ بنانے کا طریقہ سمجھا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد طلبہ کتاب کھول کر سوالیہ پرچہ بناتے ہیں اور کتاب بند کر کے اسی پرچے کو حل کرتے ہیں۔ پھر کتاب کھول کر چیک کرتے ہیں اور خود ہی نمبر لگا کر اپنے آپ کو فیل پاس بھی کرتے ہیں۔ **انسان ساری دنیا سے فراڈ کر سکتا ہے لیکن اپنے آپ سے کبھی نہیں۔**

اس کو یوں بھی کر سکتے ہیں کہ زید اور بکر الگ الگ سوالیہ پرچہ بنا کر آپس میں ایک دوسرے سے تبادلہ کر لیں۔ زید، بکر کا بنایا ہوا پرچہ حل کرے گا اور بکر، زید کا۔ حل کرنے کے بعد دونوں ایک دوسرے کا پرچہ چیک کر کے غلطیاں اور نمبر بھی لگائیں گے۔

اس طریقہ کار سے استاذ کا وقت بھی بچ جاتا ہے اور ہفتہ وار ٹیسٹ کے فوائد بھی کسی حد تک حاصل ہو جاتے ہیں۔ البتہ ایسی صورت میں ہفتہ وار ٹیسٹ کے نمبر امتحانات میں شامل نہیں کیے جاتے۔

نیز یہ بھی خیال رہے کہ یہ کام مشکل ہرگز نہیں ہے۔ راقم نے اعدادیہ اور اولیٰ کے بچوں سے بھی اس طریقے سے ٹیسٹ لیے ہیں۔ استاذ کو صرف نگرانی اور

رہنمائی کرنا ہوتی ہے بقیہ کام طلبہ خود ہی سر انجام دے لیتے ہیں۔

۲۰

نقل کا امکان صفر کیسے ممکن ہے؟

الحمد للہ! مدارس اسلامیہ میں نقل کا رجحان نہ ہونے کے برابر ہے۔ پھر بھی اس بارے میں جان لینا لازم ہے۔ ایک تو معلومات اور دوسرا یہ کہ اعلیٰ اداروں یا مقابلے کے امتحانات میں پرچے اسی طرز پر بنائے جاتے ہیں۔ اگر مدارس میں اس طریقے کو رائج کر دیا جائے تو آنے والے وقت میں طلبہ کسی بھی قسم کے امتحان کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

نقل کا امکان ختم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل چار اقدامات کرنے ہوں گے:

۱. **پرچہ کثیر الانتخابی سوالات (M.C.Qs) کی مدد سے بنایا جائے۔** اس پر تفصیلاً بات ہو چکی۔

۲. **وقت کی حد بندی کی جائے۔** مثلاً ۱۰۰ سوالات کے لیے ۳۰منٹ۔ یوں طالبِ علم کے پاس ہر سوال پر سوچنے اور نشان لگانے کے لیے پندرہ سے بیس سیکنڈ ہوں گے۔ اور اتنے قلیل وقت میں ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہو گی کسی دوسرے کو بتانے کو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳. **سوالات کی ترتیب ہر پرچے میں مختلف۔** کمپیوٹر کی مدد سے سوالات کی

ترتیب ہر پرچے میں مختلف رکھی جاتی ہے، البتہ سوالات وہی رہتے ہیں۔ گویا کہ ہر طالبِ علم کے پاس الگ الگ سوالیہ پرچہ پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک طالبِ علم کے پاس جو سوال ۱ نمبر پر ہے، وہ کسی کے پاس ۲۳ویں نمبر پر ہو گا، کسی کے پاس ۷۹ نمبر پر ہو گا تو کسی کے پاس ۱۰۰ویں نمبر پر۔ علی ہذا القیاس۔ یوں نقل کرنا یا کرانا تقریباً نا ممکن ہو کر رہ جاتا ہے۔

۴. **منفی نمبر۔** کثیر الانتخابی سوالات کے جہاں کثیر فوائد ہیں وہیں ایک کمزوری بھی ہے۔ وہ یہ کہ طلبہ تکے لگا کر بھی کچھ نہ کچھ درست جوابات پر نشان لگا ہی دیتے ہیں۔ اس مسئلے کا حل ہے منفی نمبر دینا۔ درست نشان لگانے پر ایک نمبر ملے گا، اور غلط نشان لگانے پر ایک نمبر منفی ہو جائے گا۔ فرض کریں ایک طالبِ علم نے ۸۰ سوالات پر درست نشان لگائے اور ۲۰ پر غلط تو اسے ۸۰ نہیں ۶۰ نمبر ملیں گے۔ البتہ اگر اس نے ۲۰ جوابات پر نشان لگائے ہی نہیں تو ۸۰ نمبر ہی ملیں گے۔

کیا معروضی پرچہ جات سے اساتذہ پر اضافی بوجھ آن پڑے گا؟

آخر میں ایک وہم کا ازالہ ضروری ہے۔ گزشتہ صفحات کے مطالعہ کے بعد اگر آپ سمجھتے ہیں کہ معروضی طریقہ امتحان سے اساتذہ پر اضافی بوجھ آن پڑے گا تو یہ درست نہیں۔

یہ بات درست ہے کہ مروجہ انشائیہ پرچہ بنانا بہت آسان ہے نیز وقت بھی

کم لگتا ہے۔ جبکہ معروضی طرز کا پرچہ بنانا مشکل اور وقت طلب کام ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ انشائیہ پرچے پر ہر مرتبہ نئے سرے سے محنت ہوتی ہے۔ جبکہ معروضی سوالات ایک مرتبہ بنا لیے جائیں تو انہی کو معمولی رد وبدل کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

انشائیہ پرچے بنانا اور چیک کرنا مشین کے لیے مشکل ہے۔ جبکہ معروضی طرز کے سوالات کے لیے محض چند ماہ کی محنت سے کمپیوٹر سافٹ ویئر تیار کیا جا سکتا ہے۔ جس میں ایک مرتبہ سوالات فیڈ کیے جائیں گے۔ اس کے بعد کمپیوٹر خود ہی پرچے بنائے گا، خود چیک کرے اور خود ہی نتیجہ بھی بنا کر دے گا۔

گویا ہفتہ وار ٹیسٹ ہو یا سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ امتحانات، پرچے بنانے اور چیک کرنے کی حاجت ہی نہیں رہے گی۔

نتیجہ کے لیے کئی کئی دن انتظار بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ ادھر امتحان دیں اور ادھر نتیجہ لے کر گھر جائیں۔

اگر کوئی دینی ادارہ ایسا سافٹ ویئر بنوا کر فی سبیل اللہ مہیا کرے تو تمام مدارس اسلامیہ اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اور یہ کام تمام شرکاء کے لیے صدقہ جاریہ بھی ہو گا۔ اگر اسے آزاد مصدر (Open Source) رکھا جائے تو ایسی صورت میں سافٹ ویئر کی تیاری کے لیے راقم اپنی خدمات بلا معاوضہ فراہم کرنے کے لیے تیار ہے۔ إن أجري إلا على الله.

نوٹ: اس برقی کتاب میں تحریر کردہ تمام مواد بحمد اللہ میری ذاتی کاوش ہے، کہیں سے نقل نہیں کیا گیا۔ اور میری جانب سے ہر مسلمان کو ہر طرح کے استعمال کی اجازت ہے۔ البتہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ میرا کام عموماً صوتی تحریر (Voice Typing) کی مدد چلتے پھرتے موبائل فون پر ہوتا ہے۔ بعد میں کمپیوٹر پر ترمیم واضافہ کیا جاتا ہے۔ نیز کسی دوسرے فرد سے پروف ریڈنگ کا اہتمام بھی ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے اغلاط کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اگر آپ کو اس کام سے کچھ فائدہ ہو تو اپنی نیک دعاؤں میں مجھے ضرور یاد کیجیے گا۔

محمد یوسف جمال قادری

۹ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

علماء و مدرسین کے معاشی مسائل اور ممکنہ حل

چھان مارے ہیں فلسفے سارے
دال روٹی ہی سب پہ بھاری ہے

فی زمانہ ایک عام آدمی قابلیت وذہانت کو معاشی ترقی سے ناپتا ہے۔ آپ کتنے ہی قابل اور ذہین وفطین کیوں نہ ہوں اگر معاشی طور پر کمزور ہیں تو عوام کی نظر میں نکمے ہیں۔

اس یونٹ میں مدرسین کو درپیش معاشی مسائل پر بات چیت ہوگی۔ نیز ایسے کاموں کی تلاش کی جائے گی جن کے ساتھ تدریس جاری رکھنا ممکن ہو۔ خاکم بدہن لیکن حالات بتارہے ہیں کہ مخلص مدرسین کو ملنے والے چند ہزار بھی آنے والے وقتوں میں شاید نہ ملیں۔

✧✧✧✧✧

علمائے کرام، طلباء اور
مدارس و جامعات اہلسنت کی
خود کفالت اور معاشی استحکام کے لیے ایک تجویز

دور حاضر میں اہلسنت و جماعت کے علماء، طلباء اور مدارس و جامعات کو جن مسائل کا سامنا ہے ان میں سے ایک بہت بڑا مسئلہ معاشی کسمپرسی ہے

مدارس و جامعات کے مہتمم حضرات اساتذہ کی تنخواہوں،

بجلی گیس کے بل، اور لنگر وغیرہ اخراجات کو پورا کرنے کے لیے پریشان رہتے ہیں

دوسری طرف مدرسین درس نظامی کی تنخواہیں اس قدر کم ہیں کہ ان کا گزر بسر بھی مشکل سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت کم علماء فارغ التحصیل ہونے کے بعد تدریس کی طرف آتے ہیں

اس کے علاوہ مشاہدے میں آیا ہے کہ جامعات کے طلباء کی ایک بڑی تعداد درس نظامی مکمل نہیں کر پاتی دوران درس نظامی ہی تعلیم چھوڑ کر کوئی اور کام شروع کر دیتے ہیں درس نظامی مکمل کیے بغیر جانے والے طلبہ میں سے اکثر معاشی مسائل کے باعث جامعات چھوڑ کر جاتے ہیں

ہمارے جامعات کو نہ تو سرکاری سرپرستی حاصل ہے نہ فارن فنڈنگ ملتی ہے

اور نہ ہی اہلسنت وجماعت کے مخیر حضرات اس طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں

سنی عوام میں بھی جامعات ومدارس پر خرچ کرنے اور علمائے کرام کی مالی خدمت کا رجحان بہت کم ہے

ان حالات کے پیش نظر سنیت کا درد اور فروغ علم دین کی تڑپ رکھنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ کوئی ایسا طریقہ تلاش کریں جس کی مدد سے مدارس و جامعات اہلسنت اور علمائے کرام کو خود کفیل کیا جاسکے

اس معاملے پر غور کرنے کے بعد ایک تجویز ذہن میں آئی ہے اگر مدارس و جامعات کے مہتمم حضرات اس پر غور فرمائیں تو شاید کسی حد تک جامعات و مدارس بھی خود کفیل ہو جائیں اور علمائے کرام بھی معاشی طور پر مضبوط ہو جائیں

ٹائپنگ، کمپوزنگ اور گرافکس ڈیزائننگ کی ٹریننگ

روزانہ صرف ایک گھنٹہ

اس مقصد کے لیے ٹائپنگ کمپوزنگ اور گرافکس ڈیزائننگ کا ماہر مستقل استاد رکھا جاسکتا ہے

ادارے میں ایک کمرہ بطورِ کمپیوٹر لیب مختص کر دیا جائے اس میں ۲۰ کمپیوٹرز رکھ کر وہاں باری باری ایک ایک گھنٹے کے لیے ہر درجے کے طلبہ کو سکھایا جائے

مثلاً

درجہ اولی ۰۹:۰۰____۱۰:۰۰

درجہ ثانیہ ۱۰:۰۰____۱۱:۰۰

اسی طرح۔۔۔۔۔۔

پہلے دو سال طلبہ کو ٹائپنگ کمپوزنگ وغیرہ سکھائی جائے

جب طلبہ ٹائپنگ سپیڈ بن جائے

تو تیسرے اور چوتھے درجے میں گرافکس ڈیزائننگ سکھائی جائے

فوائد

1 ہر ضلع سے تقریباً ۵ سے ۱۰ الوکل روزنامے شائع ہوتے ہیں

ان اخبارات کی کمپوزنگ کے لیے اخبار والوں نے ۲ سے ۳ ٹائپسٹ رکھے ہوتے ہیں جو رات کے وقت تقریباً ۳ گھنٹے کام کرکے ۱۰۰۰۰ سے ۲۰۰۰۰ روپے ماہانہ کماتے ہیں

2 اسی طرح ضلع سے درجنوں ماہنامے شائع ہوتے ان رسالوں کے ایڈیٹرز کو بھی کمپوزنگ کے ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے

3 دینی محافل کے اشتہارات کی کمپوزنگ کا بہت زیادہ کام ہوتا ہے جو لوگ مختلف گرافک ڈیزائنرز سے کرواتے ہیں یہ انکی آمدن کا ایک بڑا ذریعہ ہے

اگر مدارس میں طلباء کو اسکی تربیت دی جائے تو وہ دوران تعلیم بھی اور بعد فراغت بھی بہت کم وقت دے کر اچھی آمدن حاصل کرسکتے ہیں

4شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے دعوت نامے ڈیزائن کر کے اچھی آمدن ہو سکتی ہے

مدارس دینیہ مختلف روزناموں ہفت روزہ اور ماہنامہ رسائل کی انتظامیہ کے ساتھ معاہدہ کر کے زیر تعلیم طلبہ سے روزانہ گھنٹہ دو گھنٹے کمپوزنگ کروا کر جامعہ کے لیے خود کفالت نظام شروع کر سکتے ہیں

اس پراجیکٹ کی سب سے بڑی خوبی

طلبہ میں صحافتی خوبیاں پیدا ہوں گی اگر وہ اکابر علمائے اہلسنت کی طرز پر سنی صحافت کو فروغ دینا چاہیں تو اپنی مدد آپ کے تحت بآسانی اپنا مجلہ جاری کر سکیں گے

طلبہ میں تدوین کتب کی صلاحیت پیدا ہو گی اور اس سے تصنیف و اشاعت کے میدان میں اہلسنت کی ترقی ہو گی

بعد از فراغت کسی مسجد کمیٹی کے محتاج نہیں رہیں گے کیونکہ بہت سے علماء کرام کی صلاحیتیں مساجد انتظامیہ کی پابندیوں کے باعث منجمد ہو جاتی ہیں

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

رمضان کی چھٹیاں اور میری سی وی (CV)

ضروری نوٹ:

تحدیثِ نعمت اور دو ماہ کی چھٹیاں بے کار گزارنے والوں کے لیے بطور ترغیب یہ پوسٹ لکھی ہے۔ اگر ہم وقت ضائع کرنا بند کر دیں تو ہمارے معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ کوشش کریں کہ پوسٹ کو آخر تک مکمل پڑھ لیں۔

زمانہ طالب علمی سے ہی رمضان المبارک کی ان چھٹیوں سے راقم بہت فائدہ اٹھاتا آیا ہے۔ چونکہ روزانہ کئی گھنٹے فراغت کے میسر ہوتے تھے اس لیے اس وقت کو استعمال کرتے ہوئے درجہ ثانیہ میں ہی کمپیوٹر کی تربیت کے لیے ایک انسٹیٹیوٹ میں داخلہ لے لیا۔ ہارڈویئر اور گرافکس کے دو کورس کرنے کے بعد کمپوزنگ اور ہلکی پھلکی گرافکس کا کام اسی دور میں شروع کر دیا تھا۔ درسِ نظامی سے فراغت کے وقت عالمیہ کی سند کے ساتھ ساتھ میرے پاس کمپیوٹر گرافکس کا کئی سالہ تجربہ بھی تھا۔ اسی دوران خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مجھے گلے کی تکلیف ہوئی آواز بند ہو گئی جس کی وجہ سے مسجد سے امامت بھی چھوٹ گئی تقریر یا تدریس کوئی بھی ایسا کام نہیں کر سکتا تھا جس میں آواز کا استعمال ہو۔ یعنی ایک طرح سے مسجد اور مدرسے سے تعلق ختم ہو کر رہ گیا۔ ایسے میں رمضان المبارک کی چھٹیوں میں کئے ہوئے مختلف کمپیوٹر کورسز اور کئی سالہ تجربہ میرے کام آئے اور بزرگوں کی اس بات کا احساس ہوا کہ

جس کے ہاتھ میں ہنر ہو وہ کبھی بھوکا نہیں رہتا

گلے کی تکلیف مکمل دور ہونے میں تین چار سال گزر گئے۔ اگر میں نے بھی رمضان المبارک کی وہ چھٹیاں بے گزاری ہوتیں تو شاید بھیک مانگنے تک نوبت پہنچ جاتی (العیاذ باللہ)

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے: کہ بندہ اس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک طالب علم رہتا ہے۔ یعنی سیکھنے کا عمل کبھی ختم نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے رمضان المبارک کی چھٹیوں میں مختلف کورس کرنے کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، گزشتہ رمضان المبارک میں ٹوڈی اینیمیشن یوٹیوب سے سکھا تھا اور اس سال چھٹیوں میں اس کام میں مزید مہارت حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے رمضان المبارک کی چھٹیاں میری سی وی (CV) میں ایک نئے سافٹ وئیر کا اضافہ کرتی ہیں اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ میرے پاس اس وقت ایک متاثر کن سی وی (CV) ہے جس پر اتنا کچھ درج ہے کہ ایک صفحے پر پورا نہیں آتا۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا تھا کہ پوسٹ بطورِ ترغیب لکھی گئی ہے تاکہ وہ ممبران جن کے ساتھ معاشی مسائل ہیں رمضان المبارک کی ان چھٹیوں سے فائدہ اٹھائیں اور کوئی کورس کرلیں یا ہنر سیکھ لیں۔

اس رمضان میں بھی راقم کی روٹین یہ ہے کہ صبح ٦ سے ١٢ ڈیوٹی، ١٢ تا ظہر

آرام۔ ظہر تا مغرب پھر کام، مغرب تا عشاء آرام اور عشاء وتراویح کے بعد نیند۔ یعنی تمام تر مصروفیات کے ساتھ گیارہ گھنٹے کام کرنے میں گزر رہے ہیں۔

اور اگر ہم اسلاف کی زندگی پر نظر ڈالیں تو یہی سبق ملتا ہے مثلا امام خصاف اور امام قدوری وغیرہ، جنہوں نے اپنے ہنر سے گزر اوقات کی اور اپنے فن کے امام بھی ٹھہرے۔

اردو میں امام خصاف اور امام قدوری کا لفظی ترجمہ کیا ہوگا؟ یقینا امام موچی یا امام کمہار ہی کہیں گے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں امام برگر والا، امام کباڑیہ یا امام ڈاکٹر یا انجینئر کیوں نہیں ہو سکتا؟ (ہنسی یا طنز کے بغیر غور کریں گے تو ان الفاظ کی گہرائی سمجھ آئے گی) یقینا ممکن ہے لیکن اسلاف میں اور ہم میں صرف محنت اور سوچ کا فرق ہے۔ وہ محنت کے قائل تھے اور ہم دوسروں کی جانب سے "نگاہ کرم" کے منتظر رہتے ہیں۔

میں نے بھی کمپیوٹر کے ٹریننگ سے پہلے کئی طرح کے کاموں میں ہاتھ ڈالا تھا، مثلا فیضان مدینہ میں اجتماع کے باہر کپڑا بچھا کر مسواک، ٹوپی، تسبیح اور خوشبو وغیرہ کا اسٹال بھی کچھ عرصہ لگایا۔ بطور پینٹر رنگ وروغن کیا، دکانوں کے بورڈ اور بینر وغیرہ لکھے۔ ایک دو ہفتے فروٹ منڈی میں قدم جمانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ قرضہ لے کر اپنا کام بھی شروع کیا جس میں اگرچہ نقصان ہوا لیکن اس نقصان سے زندگی گزارنے کا ہنر سیکھ لیا۔ آخر کار تان کمپیوٹر گرافکس پر

آکر ٹوٹی کیونکہ یہ کام محدود جگہ اور سرمائے میں ہو سکتا تھا۔ نیز پڑھائی، تدریس اور امامت کے ساتھ جاری رہ سکتا ہے۔ چند ہزار روپے کا کمپیوٹر اپنے کمرے میں رکھ کر کام شروع کریں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ محنت اور ایمانداری ہر کام کا بنیادی جز ہے۔ (لیکن اس کام میں کچھ مسائل بھی ہیں جن پر آئندہ پوسٹوں میں بحث ہو گی)

ایک مسجد کے امام صاحب اور ذاتی کاروبار

لاہور سے تعلق رکھنے والے فیس بک کے میرے ایک دوست امام مسجد ہیں۔ ایک دن وہی روایتی شکایتیں کر رہے تھے کہ لوگ ائمہ کی قدر نہیں کرتے اور انہیں وظیفہ کم دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

راقم نے ان کی روٹین پوچھی کہ دن کے چوبیس گھنٹے کیسے گزارتے ہیں تو جواب کچھ یوں آیا: فجر کے بعد ظہر تک سونا، ظہر کے بعد فراغت، عصر کے بعد فراغت، مغرب کے بعد ایک درس کی مصروفیت، عشاء کے بعد پوری فراغت، اور یہ تمام فراغت بے کار میں فیس بک کی نظر ہو رہی تھی۔ جب فراغت کے اس دورانیے کا حساب لگایا تو تقریباً آدھا دن (۱۲ گھنٹے روزانہ) بے کار گزار رہے تھے۔ راقم نے انہیں اپنے کراچی کے ایک دوست کے کاروبار کا بتایا جو امام مسجد ہیں اور کراچی سے کچھ اشیاء خرید کر اپنے گاؤں میں دکانداروں کو بھجواتے ہیں۔

بات ان کی سمجھ میں آگئی۔ فیس بک چھوڑ دی، نیند کا وقت تبدیل ہو گیا۔

رات کو سونا اور فجر سے ظہر کے وقفے میں کام شروع کر دیا۔ ابتداء تو مشکل ہوئی لیکن اس بات کو ڈھائی سال گزر گئے ہیں اب وہ اتنے مصروف ہیں کہ مہینے میں ایک آدھ بار ہی فیس بک پر دکھائی دیتے ہیں۔ امامت بھی جاری ہے اور فجر سے ظہر اور ظہر سے عصر کی نمازوں کے درمیانی وقفے میں کاروبار بھی۔

ایک امام صاحب کے بارے میں سنا تھا کہ وہ انہی دو نمازوں کے درمیانی وقفے میں رکشہ چلاتے تھے۔ غرض کچھ بھی کریں لیکن فارغ مت بیٹھیں۔ کام نہیں آتا تو سیکھنا شروع کریں۔ رکشہ چلانا ہی سیکھ لیں۔ کچھ تو کریں۔

مذکورہ بالا امام صاحب کی طرح فارغ وقت گزارنے والے اپنے وقت کا اسی طرح محاسبہ کریں اور ایک ایک منٹ کا حساب رکھیں کہ کہاں ضائع ہو رہا ہے؟ اگر یہ حساب روزانہ ہماری زندگی کا حصہ بن جائے تو کوئی بھی یہ کہتا دکھائی نہیں دے گا کہ لوگ قدر نہیں کرتے یا معقول وظیفہ نہیں دیتے۔

یاد رکھیے

رمضان المبارک آرام کرنے اور کھانے پینے کا نہیں بلکہ تھکنے اور بھوکے رہنے کا مہینہ ہے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

علماء کو کاروباری ہونا چاہیے

* آج جب بھی کوئی عالم دین کاروبار کا سوچتا ہے تو کوئی اسے دین کے منافی قرار دیتا ہے "اگر یہی کرنا تھا تو مدارس میں کیوں رہے *؟؟"

* اور اگر ہمت کر کے کوئی پہلا قدم اٹھا بھی لے تو ہم عصر یہ طعنہ دے کر خون جلاتے ہیں "تدریس کے لئے قبولیت شرط ہے قابلیت نہیں، اللہ نے قبول نہیں کیا انتہائی افسوس" *

* اگر تاریخ اسلام پہ نگاہ دوڑائی جائے تو کاروبار کی شروعات اسلام کی شروعات سے ہی نظر آتی ہے *۔

* پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں پال کر فروخت کیں، حضرت ابو بکر نے کپڑا، حضرت عمر نے اونٹ، حضرت عثمان نے چمڑا اور حضرت علی نے خَود اور زرہیں فروخت کر کے اپنے گھر کے کچن کو سہارا دیا* ۔۔ *حضرت عبدالرحمان بن عوف نے کھجوروں سے، حضرت ابو عبیدہ نے پتھروں سے، حضرت سعد نے لکڑی کے برادے سے، حضرت امیر معاویہ نے اون سے، حضرت سلمان فارسی نے کھجور کی چھال سے، حضرت مقداد نے مشکیزوں سے * * اور حضرت بلال نے جنگل کی لکڑیوں سے اپنے گھر کی کفالت کا فریضہ سرانجام دیا* ۔۔ * امام غزالی کتابت کرتے، اسحاق بن رہوے برتن بناتے، حضرت امام بخاری ٹوپیاں بناتے،، امام مسلم خوشبو بیچتے، امام نسائی بکریوں کے بچے فروخت

کرتے، ابن ماجہ رکاب اور لگامیں مہیا فرماتے رہے *۔ * امام قدوری نے مٹی کے برتنوں کا، امام بخاری کے استاد حسن بن ربیع نے کوفی بوریوں کا کاروبار سنبھالا *۔

* حضرت امام احمد ابن خالد قرطبی نے جبہ فروش کی *، * حضرت امام ابن جوزی نے تانبا بیچا، حافظ الحدیث ابن رومیہ نے دوائیاں، حضرت ابو یعقوب لغوی نے چوبی لٹھا، حضرت محمد ابن سلیمان نے گھوڑے اور مشہور و معروف بزرگ سری سقطی نے ٹین ڈبے بیچ کر اپنی معیشت کو مضبوط کیا*

* محترم علماء کرام *! * مدرسہ میں پڑھانا، مسجد میں امامت کروانا یا تصنیف و تالیف میں مشغول ہونا اچھی بات ہے لیکن ہمارے اکابرین نے انہی کاموں کے ساتھ ساتھ کاروبار بھی کیا ہے تاریخ اٹھا کر دیکھئے۔ دور نبوت سے لے کر دور صحابہ تک، تابعین سے آئمہ کرام اور مجتہدین تک سبھی لوگ کاروبار سے وابستہ رہے *۔ * لیکن افسوس ہم ذریعہ معاش کے لئے کچھ سوچنا بھی توکل کے برعکس سمجھتے ہیں *

* ہمارے محترم استاد فرمایا کرتے تھے صوفی محلے کی ایک مسجد پر نظر نہیں رکھنی نہ ہی امام کے مرنے کا انتظار کرنا ہے بلکہ محلے کی پچاس دکانوں پر نظر رکھنی ہے. یعنی ان کی اس بات کا مقصد تھا کہ علماء اپنے آپ کو صرف مسجد و مدرسہ تک جام کر کے نہ رکھیں بلکہ دین کے اور میدان بھی ہیں. وہاں جا کر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر خدمات سرانجام دیں * ویسے بھی علماء کرام ماشاء اللہ کثیر تعداد

میں فراغت حاصل کررہے ہیں لیکن ہنر مندی سے بلکل نا آشنا ہیں. *

* شیخ سعدی شیرازی کا قول ہے اپنی اولاوں کو ہنر سیکھاؤ لوگ تمھارے پیچھے چلیں گے. لیکن افسوس آج ہنر سیکھنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے *

* اگر آج ہمارے اندر حافظ اور قاری اور مولانا کی سند کے ساتھ کوئی ہنر ہوتا تو آج ہم ان پڑھ جاہل مسجد کے صدر اور کمیٹی کی جی حضوری کی ضرورت نہیں کرنی پڑتی اگر ہمارے پاس ہنر ہوتا تو وہ ہماری غلامی کرتا ہم نہیں آج ہم غلامی اسلئے کررہے ہیں اگر امامت چھوٹ جائے تو کیا کریں گے مدرسہ چھوٹا تو کیا کریں گے بس یہی ہماری کمزوری ہے اگر ہنر ہوتا تو جاہل سب ہمارا پیر پکڑتے امامت کی بھیک مانگتے نماز پڑھنا فرض ہے نا کہ پڑھانا تم بھی کاروبار کرتے ہو ہم بھی کرتے ہیں لاؤ امام کہاں سے لاتے ہو ہر دوسرے تیسرے سال امام نہیں بدلتا امام کو نکالنے کے لیے ہزاروں دفعہ سوچنا پڑتا آج سے ہی فیصلہ کریں کی ہم کچھ ہنر اپنے پاس رکھیں ۸و۱۰ ہزار میں کیا ہوگا اگر اپنا کاروبار ہوگا خدا کے سوا کسی کی غلامی نہیں کرنی پڑے گی *(منقول)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے
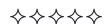
علماء اور کاروبار

سوشل میڈیا پر بہت سے ایسے گروپ موجود ہیں جہاں کاروباری حضرات جمع ہیں اور اپنے تجربات بانٹتے ہیں ایک دوسرے کے مسائل سن کر ان کا حل بتاتے ہیں۔ بعض کاروبار بہت قلیل سرمائے سے شروع کیے جاسکتے ہیں اور آمدن بھی خوب ہوتی ہے میرا مشورہ ہے کہ روزگار کے حوالے سے پریشان ممبران سوشل میڈیا پر وقت ضائع کرنے کے بجائے ایسے کسی گروپ سے کسی بھی "حلال "کام کا آئیڈیا لے لیں اور اللہ کے بھروسے پر شروع کر دیں۔

اس حوالے سے ٹیلیگرام کا ایک گروپ ملا ہے جس کا لنک یہاں شیئر کر رہا ہوں یہاں اکثر علماء کرام ہیں اس لیے خطرہ نہیں کہ کسی ناجائز کام کا مشورہ کوئی دے گا۔ ٹیلی گرام کے گروپ کا لنک یہ ہے:

https://t.me/joinchat/BeVDoEEwLqsiNzI006bP6g

نوٹ:

اس پوسٹ کے نوٹیفیکیشن آن کر لیں اس کے کمنٹس میں بھی کچھ مفید مضامین بھیجے جاتے رہیں گے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

امام قصائی

(خصوصی تحریر)

(امسال کھالوں کے ریٹ میں ہونے والی شدید کمی کے نتیجے میں مدارس کو پہنچنے والے نقصان پر ایک مکالمہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے مولانا صاحب کو انہی کے گاڑھے انداز میں سلام کیا تو وہ چونک کر پیچھے مڑے اور پھر پہچان کر مجھ سے عید ملتے ہوئے سلام کا جواب دیا

لیجیے مولانا آٹھ عدد کھالیں گاڑی سے اتروالیں دو بیل میرے تھے اور بقیہ رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے وصول کی ہیں۔

سیٹھ صاحب، آپ فون کر دیتے مدرسے سے کوئی آکر لے لیتا۔

مولانا نے میری بے تکلفی کا روکھا سا مختصر جواب دیا۔

بس جناب یہ آپ کی سحر بیانی کا اثر ہے کہ ہم آپ کے پاس کھنچے چلے آتے ہیں۔ آج عید کی نماز میں آپ نے خود فرمایا تھا کہ کسی کا انتظار کیے بغیر خود ہی قربانی کی کھال مدرسے پہنچائیں۔

جزاک اللہ۔

مولانا نے ایک بار پھر اسی لہجے جواب دیا تو میں نے پوچھ ہی لیا:

مولانا، خیریت تو ہے؟ ہر وقت ہنسنے مسکرانے والا عید کے دن اداس!

میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور مولانا کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

نہیں نہیں کچھ خاص نہیں، بس ویسے ہی ذرا۔۔۔ پریشانی میں ان سے جملہ بھی پورا نہ ہو سکا۔

مولانا، اگر کوئی پرائیویٹ بات نہیں تو بتادیں، میں مدد نہ بھی کر سکا تو کم از کم آپ کے دل کا بوجھ تو ہلکا ہو ہی جائے گا۔

مولانا کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے، پھر دھیمی آواز میں بولنے لگے:

وقار صاحب۔۔۔ قربانی کی کھالوں سے مدرسے کو اچھا خاصا سہارا لگ جاتا تھا، گزشتہ سال بھی ریٹ کم ہونے کی وجہ سے ہمارا ادارہ مقروض ہو گیا تھا۔۔۔

انہوں نے مجھے پہلی مرتبہ نام سے مخاطب کیا اور پانی کی بوتل اٹھا کر گلاس میں انڈیلنے لگے تو مجھے ان کی پریشانی کی شدت کا احساس ہوا۔ دو دو گھنٹے بغیر رکے تقریر کرنے والا ایک جملے کے بعد ہی پانی کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

اس سال کھالوں کا ریٹ بہت کم ہے، ابھی تو پچھلا قرض بھی نہیں اترا۔ بس یہی فکر ذہن کو کھائے جارہی ہے کہ آگے کیا ہو گا؟

انہوں نے بات مکمل کی اور پانی پی کر گلاس ایک جانب رکھ دیا۔

ہمم۔ بات تو واقعی پریشان ہونے والی ہے۔

کچھ دیر کے لیے میں بھی سوچ میں پڑ گیا۔

میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں ان کی پریشانی ایک چیک دے کر دور کر

سکتا تھا، لیکن کب تک؟ اس لیے میں نے انہیں مچھلی دینے کے بجائے مچھلی پکڑنے پر لگانے کا فیصلہ کیا۔

مولانا، نہایت معذرت کے ساتھ اگر آپ برا نہ مانیں تو کچھ عرض کروں؟

جی فرمائیے، انہوں نے ایک اور مختصر جواب دیا۔

ہر تقریر میں الفاظ کا جادو جگانے والے کو آج بولنے کے لیے الفاظ میسر نہ تھے۔

مولانا ایک بار پھر معذرت، الفاظ کچھ سخت ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ گنتی کے چند لوگوں کو چھوڑ کر ہمارا مولوی طبقہ انتہائی سست، نکما اور بے عمل ہو چکا ہے۔ یہ طبقہ اچھے کام کا کریڈٹ تو بڑے فخر کے ساتھ لیتا ہے لیکن اپنی کمی اور کوتاہی کا اعتراف کبھی نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ دوسروں پر الزام دھر کے جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ میرے خیال میں تو آپ حضرات کے بیشتر مسائل آپ ہی لوگوں کی اپنی سستی اور نااہلی کی وجہ سے ہیں۔ آپ اپنے مسائل کا حل خود تلاش کرنے کے بجائے اوروں کی جانب سے نظرِ کرم کے منتظر رہتے ہیں۔

کیا مطلب؟ اس بات کا اس مسئلے سے کیا تعلق؟

ان کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ہلکا سا غصہ بھی شامل تھا۔ کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے مولانا سے اس انداز میں بات کی تھی۔

دیکھیں ناراض نہ ہوں مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ نے کچھ ماہ پہلے اپنی ایک

تقریر میں بتایا تھا کہ پہلے کے علماء تحصیلِ علم کے ساتھ کاروبار بھی کرتے تھے۔ مجھے سب تو یاد نہیں لیکن امامِ اعظم (رحمہ اللہ تعالی) کا نام ضرور یاد ہے کہ ان کا کپڑے کا کارخانہ تھا۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے سیٹھ بھی تھے۔۔۔

اور ہاں امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے متعلق بھی تو آپ ہی نے بتایا تھا کہ وہ بھی مختلف کاموں میں اپنا پیسہ انویسٹ کیا کرتے تھے۔

بلکہ ایک دو اور بھی یاد آرہے ہیں۔۔۔ ایک تو شاید۔۔۔ برتن بناتے تھے اور ۔۔۔ دوسرے جوتے۔

جی، وہ امام قدوری (رحمہ اللہ تعالی) اور امام خصاف (رحمہ اللہ تعالی) تھے۔ مولانا نے سر ہلاتے ہوئے یاد کرایا۔

بالکل، اور حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی (رحمہ اللہ تعالی) کا تفصیلی تذکرہ بھی آپ ہی نے فرمایا تھا کہ وہ خود بھی بہت بڑے بزنس مین تھے اور ان کے مدرسے میں دینی تعلیم کے ساتھ ہنر بھی سکھایا جاتا تھا۔

مجھے مولانا کی پرانی تقریر کا ایک اور حصہ یاد آیا تو جھٹ سے کہہ دیا۔

ٹھیک ہے لیکن میں سمجھ نہیں سکا کہ آپ میری تقریر مجھے ہی سنانے پر کیوں تلے ہیں؟

مولانا صاحب الجھن زدہ لہجے میں بولے۔

میں بتاتا ہوں، لیکن مجھے آپ کی تقریر کا ایک اور حصہ یاد آگیا پہلے وہ سن لیں، آپ نے فرمایا تھا کہ امام قدوری کا ترجمہ موجودہ دور کے لحاظ سے بنتا ہے امام کمہار، اور امام خصاف کا ترجمہ بنتا ہے امام موچی، اس پر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جس طرح اس دور میں امام کمہار یا امام موچی ہو سکتے تھے تو اس دور میں امام کباڑیہ، امام بر گر والا، امام انجینئر، ڈاکٹر وغیرہ کچھ اور بھی تو ہو سکتا ہے۔

جی سیٹھ صاحب مجھے یاد ہے، اور میری اس تقریر کا مقصد تھا کہ عالمِ دین ہوتے ہوئے کام کاج کرنے میں کوئی برائی نہیں، صرف ائمہ کرام ہی نہیں بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی مختلف کام کاج یا کاروبار سے ہی اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔

لیکن میں ابھی بھی آپ کی بات نہیں سمجھ سکا، آپ میری پریشانی میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔

مولانا معذرت چاہتا ہوں، صرف ایک سوال اور، جس طرح آپ نے فرمایا کہ امام کباڑیہ یا امام بر گر والا ہونے میں کوئی برائی نہیں تو امام قصائی ہونے میں کیا برائی ہے؟

تو میں نے کب کہا کہ برائی ہے؟

مولانا صاحب کے لہجے میں غصہ بڑھنے لگا تو میں نے گفتگو کو انجام تک پہنچانے کا ارادہ کر لیا۔

دیکھیں مولانا، آج سے تقریباً پندرہ دن پہلے آپ سے مارکیٹ میں ملاقات ہوئی تھی جب آپ دو ہفتے بعد آنے والی عید کے لیے انگیٹھی، سیخیں اور کوئلہ وغیرہ خرید رہے تھے، اس وقت آپ نے مذاق مذاق میں بڑے کام کی بات کی تھی کہ انسان کو ہمیشہ آنے والے وقت کی منصوبہ بندی پہلے سے تیار رکھنی چاہیے۔

اگر کھانے کی منصوبہ بندی دو ہفتے پہلے ہو سکتی ہے تو اتنے بڑے نقصان سے بچنے کی منصوبہ بندی ایک سال پہلے کیوں نہیں؟

اس بار مولانا صاحب نے مجھے نہیں ٹوکا، خاموشی سے صرف سر ہلا دیا۔

ان کی خاموشی دیکھ کر میں نے پھر بولنا شروع کیا۔

جب آپ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ علماء کے کام کاج کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں تو میرا سوال ہے کہ کیا آپ کے ادارے میں چند افراد بھی ایسے نہیں جو "امام قصائی" بننے پر تیار ہوں، علمی خدمات کے ساتھ اس کام کو بھی جاری رکھ سکیں؟

کیا ہمارے پاس چند ایسے ادارے بھی نہیں جو مالی لحاظ سے مضبوط ہوں، اور پورا سال اس کام سے وابستہ رہ سکیں؟

یقیناً ہیں، افراد بھی اور مالی لحاظ سے مضبوط ادارے بھی۔

مولانا صاحب نے سر ہلاتے ہوئے ایک اور مختصر جملہ کہا۔

بس میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کے پاس سرمایہ بھی ہے، جگہ بھی ہے اور افرادی قوت بھی، کمی ہے تو صرف آپس کے اتفاق اور پلاننگ کی۔

تو آپ کے خیال میں یہ اتنے بڑے بڑے ادارے ہم بغیر پلاننگ کے چلا رہے ہیں؟

مولانا کا لہجہ طنز سے بھرپور تھا، شاید میری بات بری لگی تھی۔

معذرت چاہتا ہوں، میرا یہ مقصد نہیں تھا، مجھ سے الفاظ کے انتخاب میں غلطی ہو گئی، "طویل المیعاد منصوبہ بندی " (Long Term Planning) کہنا چاہتا تھا۔

وجہ یہ کہ آپ حضرات ہمیشہ فوری فائدے کو دیکھتے ہیں، جبکہ بڑے کاموں کے لیے بڑی منصوبہ بندی کرنا ہوتی ہے، پھر کہیں جا کر ان کا نتیجہ نکلتا ہے۔ ابھی تو آپ صرف کھالوں کے ریٹ کو رو رہے ہیں حالات جس طرف جا رہے ہیں ہو سکتا ہے کل آپ کے کھالیں جمع کرنے پر ہی پابندی لگ جائے، نہ بھی لگی تو کمی ضرور آجائے گی۔ اور یہی حال دیگر عطیات کو بھی ہو گا۔

بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر چند بڑے ادارے اپنی جگہ اور پیسے کو استعمال کرتے ہوئے کھالوں کو لمبے عرصے کے لیے محفوظ کرنے کا انتظام کر لیں تو وقتِ مناسب پر انہیں فروخت کیا جا سکتا ہے۔ تھوڑا سا پیسہ اور محنت نہ صرف بڑے نقصان سے بچا لیں گے بلکہ کئی گنا منافع بھی وصول ہو گا۔

ہمم۔۔۔انہوں نے ایک لمبا سانس خارج کیا، اور گویا ہوئے:

آپ کی بات درست ہے، لیکن بڑے اداروں کی حد تک۔ ہمارے پاس اتنا سرمایہ نہیں، چند لاکھ کی کھالوں کے لیے اتنا بڑا اسیٹ اپ بہت مشکل ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ اس سے کوئی زیادہ فائدہ ہو گا۔ پورے سال میں صرف تین دن ہمارے پاس کھالیں جمع ہوتی ہیں۔

اب کی بار مولانا صاحب نے کئی جملے بولے تو میں سمجھ گیا کہ ان کا ذہن پریشانی کے حصار سے نکل کر سوچنے لگا ہے۔

مولانا آپ نے میری گفتگو کے کچھ حصے نظر انداز کر دیے۔ میں نے دو چیزوں کا ذکر کیا تھا، آپس کا اتفاق اور طویل المیعاد منصوبہ بندی۔

اب میری بات ذرا توجہ سے سنیں

جس طرح آپ کا ادارہ ہے ایسے بہت سے چھوٹے ادارے اس شہر میں اور بھی ہیں۔ آپ سب یا اکثر آپس میں اتفاق کر لیں تو اس میں سب کا فائدہ ہو جائے گا۔

برابر کا خرچ اور محنت کریں اور برابر کا فائدہ اٹھائیں۔

بات تو آپ کی درست ہے لیکن شاید سب ادارے اس پر متفق نہ ہوں۔ آپس میں اختلافات اتنے ہیں کہ یہ کام بہت مشکل ہو گا۔

مولانا، آپ کی سحر بیانی کس دن کام آئے گی؟ ایک اجلاس بلا کر مناسب

انداز میں مسئلہ سامنے رکھیں جب سب کو فائدہ نظر آئے گا تو راضی ہو جائیں گے۔ رہے اختلافات تو وہ کہاں نہیں ہوتے۔ ہم کاروباری لوگوں کی بھی آپس میں ہزاروں دشمنیاں چلتی رہتی ہیں لیکن جب مفاد ہوتا ہے تو سب اکھٹے بیٹھ جاتے ہیں۔

آپ کوشش تو کریں، پہلے سے کیوں ناکامی فرض کر رہے ہیں۔

ہممممم۔ مولانا نے ایک اور لمبا سانس خارج کیا اور کہنے لگے:

آپ کے بات درست ہے کوشش ضرور کرنی چاہیے۔۔ اور اگر کوئی بھی راضی نہ ہوا تو میرے پاس شہر سے باہر ایک جگہ ہے۔ وہاں آنے والے کئی سال تک مدرسہ بننے کا امکان نہیں اسے استعمال کروں گا۔ بلکہ وہاں اتنی گنجائش ہے کہ ہم کچھ معاوضہ کے عوض کئی اداروں کا مال وہاں رکھ سکتے ہیں۔

بلکہ ایک اور چیز میرے ذہن میں آرہی ہے۔۔۔

مولانا نے خلاء میں نظریں جما کر سوچنے لگے۔

میرے کچھ شاگرد ہیں جو علمی لحاظ سے زیادہ قابل نہیں اور بیروزگار بھی ہیں انہیں اس کام میں لگایا جا سکتا ہے۔

اور اگر وہ مستقل طور پر اس کام سے وابستہ ہو گئے تو ان کے روزگار کے ساتھ مدرسے کا یہ کاروبار پورے سال چلایا جا سکتا ہے۔۔۔

یہ مولانا صاحب کا اخلاص تھا کہ وہ اسے مدرسے کا کاروبار ہی کہہ رہے تھے۔

شاید اسی اخلاص نے ان کی باتوں میں اثر پیدا کیا تھا۔

مثلاً اگر پندرہ بیس شاگرد مختلف علاقوں میں دکانیں کھول لیں اور ہر دکان پر روزانہ دو جانور ذبح ہوں تو تیس چالیس کھالیں روزانہ تو اپنی ہی ہو جائیں گی۔ اس سے مدرسے کو اچھا خاصا سہارا لگ جائے گا اور ایک بے کار جگہ بھی کام میں آ جائے گی۔

مولانا بولنے پر آئے تو بولتے چلے گئے۔

میں سمجھ گیا کہ اب انہوں نے پریشانی کا طوق اتار پھینکا ہے۔

اب آپ نے خالصتاً کاروباری انداز میں سوچا ہے۔ اس پر مجھے آپ کی ایک اور تقریر یاد آ گئی غالباً آپ نے امام شافعی (رحمہ اللہ تعالی) کا فرمان سنایا تھا کہ پریشانیاں اور مصیبتیں پتھروں کی مانند ہوتی ہیں، کم ہمت لوگ ان کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتے ہیں اور ہمت والے انہی پتھروں پہ چڑھ کر بلندی پر فائز ہو جاتے ہیں۔

اس بار مولانا ہمیشہ کی طرح کھل کر مسکرائے اور کہنے لگے: سیٹھ صاحب، آپ نے میری ساری تقریریں رٹ رکھی ہیں؟

جواباً میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا:

مولانا آپ کی بات پر ایک اور چیز میرے ذہن میں آئی، مارکیٹ کی ڈیمانڈ اور لوگوں کی نفسیات کو سمجھیں، اللہ کا شکر ہے ابھی بھی مسلمان حلال کی فکر

کرتے ہیں، خصوصاً گوشت کے معاملے میں، حتی کہ حرام کمانے والا بھی حلال گوشت کو ہی ترجیح دیتا ہے اور مرغی بھی اپنے سامنے اونچی تکبیر سے ذبح کرواتا ہے۔

نفع نقصان تو رب کے ہاتھ میں ہے لیکن سوچیں کہ اگر آپ کی دکان پر بورڈ لگا ہو کہ فلاں مدرسے کے عالم دین اپنے ہاتھ سے شرعی طریقے کے مطابق ذبح کرتے ہیں، اور آپ کی دکان ہر نماز کے وقت بند بھی ہو جاتی ہو تو میں اپنے کاروباری تجربے کی روشنی میں لکھ کر دے سکتا ہوں کہ آپ کی دکان کبھی خسارے میں نہیں جائے گی۔

آپ چاہیں تو اپنی دکان کے گوشت کا برانڈ بھی بنا سکتے ہیں۔ دوسرے شہروں میں بھی اس کی شاخیں کھولی جا سکتی ہیں۔

بلکہ گوشت ہی کیا عوام تو ہر چیز میں ملاوٹ سے تنگ ہیں اگر آپ جیسے نیک اور ایماندار طبقہ فوڈ بزنس میں آجائے گا تو لوگوں کو حلال اور خالص کھانے کو ملے گا اور آپ حضرات کے مالی مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔

بس بس سیٹھ صاحب آپ بہت آگے نکل گئے ہمیں مدرسہ بھی چلانا ہے، کچھ بھی ہو اسے نہیں چھوڑ سکتے، یہی ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے۔

میں ہرگز نہیں کہہ رہا کہ آپ مدرسہ چھوڑ دیں۔ آپ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دونوں کام کنٹرول کر سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ کو اپنے ہاتھوں سے کام

کرنا ہے، آپ کو صرف کنٹرول سنبھالنا ہے کام تو دوسرے لوگ کریں گے۔

اور اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ کروڑوں روپے کی ضرورت ہوگی تو یہ ذہن سے نکال دیں۔ تقریباً ۵ لاکھ سے چھوٹا موٹا سیٹ اپ لگایا جا سکتا ہے۔

میرے ایک دوست کا یہی کاروبار ہے، زیادہ تفصیل تو نہیں جانتا لیکن اتنا معلوم ہے کہ صفائی ستھرائی کے بعد یہی چمڑا فٹ کے حساب سے بکتا ہے لیکن سمجھنے میں آسانی کے لیے ہم وزن سے حساب لگاتے ہیں۔ سال کے مختلف ایام میں اس کا ریٹ بڑھ کر ۱۲۰۰ روپے فی کلو تک بھی چلا جاتا ہے۔

ایک کھال ۲۰ کلو کی فرض کر لیں۔ صفائی اور رنگائی وغیرہ کے بعد ۱۰ کلو سمجھ لیں۔

اور ایک چمڑے پر آنے والے اخراجات ۱۵۰۰ لگا لیں، مثلا نمک، مختلف کیمیکل، گندھک، تیزاب، پانی، مزدوری، صفائی، رنگائی اور سیکیورٹی وغیرہ۔ یہ سب تقریبا دو ماہ کی محنت ہے۔ فی کلو پر منافع کا حساب آپ خود لگا لیں۔

اور چمڑا تو پھر بھی بہت سستا ہے لیکن لیدر پروڈکٹس کی قیمتیں آسمان چھو رہی ہیں یوں سمجھ لیں کہ یہ لوگ چمڑے سے مختلف اشیاء تیار کر کے ۲۰۰ فیصد تک منافع کما رہے ہیں۔

کاروبار کے معاملے میں جیسی معاونت و مشورہ چاہیں گے میں ہر وقت حاضر ہوں۔ آپ اللہ کا نام لے کر شروع کریں۔ ضرورت ہوئی تو میں آپ کو اپنے

دوست سے بھی ملوادوں گا۔

ٹھیک ہے سیٹھ صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ، اللہ تعالی آپ کو اس کی بہترین جزاعطا فرمائے میں عید کے فوراًبعد علماء کا اجلاس بلا کر اس آئیڈیے پر کام شروع کرتا ہوں۔ اللہ کے مہمانوں کے لیے جہاں اتنے پاپڑ بیلتے ہیں ایک یہ بھی سہی۔

مولانا کا لہجہ ان کے پختہ عزم کی گواہی دے رہا تھا۔ میں نے اپنا کام کر دیا تھا اس لیے اجازت لے کر چلا آیا۔

اللہ کے مہمانوں کی اس ادنی خدمت سے ملنے والے خوشی عید کی خوشی پر بھاری محسوس ہو رہی تھی۔

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

اس یونٹ کے مقصد کو بیان کرنے کے لیے نثر نہیں بلکہ ڈاکٹر اقبال کے ایک شعر کا سہارا لوں گا، کہ

ع۔ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

چند تصاویر

مطالعہ کرنے یا سوشل میڈیا استعمال کرنے کے دوران کچھ نہ کچھ ایسا مواد مل جاتا ہے جسے طلبہ میں جذبہ بیدار کرنے اور محنت کا شوق پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

عادت ہے کہ ایسا مواد اپنے پاس محفوظ کر لیتا ہوں اور وقتاً فوقتاً طلبہ کو دکھا کر محنت کرنے کی ترغیب اور پڑھائی کے دوران آن پڑنے والی مشکلات سے نمٹنے کا حوصلہ دلاتا ہوں۔ کیونکہ یہ کام ایک دو دن میں ممکن نہیں بلکہ مسلسل محنت کا طلبگار ہے

جو پتھر پہ پانی پڑے مستقل
تو ممکن ہے گھس جائے پتھر کی سل

ذیل میں ایسی ہی کچھ تصاویر اور ایک ویڈیو شیئر کر رہا ہوں جو چند روز قبل وقفے وقفے سے طلباء کو دکھائیں۔

ایک ننھے طالبِ علم کی خودداری پر ویڈیو دیکھیے

https://www.facebook.com/yousufjamalqadri/videos/2273056399384747

شاب عراقي يبيع مناديل في الطرق ليعين اسرته وبنفس الوقت يقوم بمراجعة دروسه أثناء العمل 📚 فتحيه لهذا الشاب
علق بما يحلو لك❤️❤️❤️ اذا اعجبك المنظر
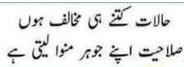
اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

کیا ایک عالم دین کو انگلش سیکھنی چاہیے؟

زندگی کے ہر ہر موڑ پر کام آنے والا ایک نسخہ لاجواب

ایک ہفتہ قبل گروپ میں انگلش سیکھنے کے بارے میں ایک سوال کیا گیا تھا کہ کیا ایک عالم دین کو انگلش سیکھنی چاہیے؟

دراصل یہ سوال چند روز پہلے کلاس میں ایک طالبِ علم نے کیا تھا، راقم نے اپنی محدود علمی استعداد کے مطابق اس کا تفصیلی جواب دیا تھا، وہی جواب یہاں پیشِ خدمت ہے۔

اس جواب سے پہلے ایک ایسا واقعہ پڑھنے کی زحمت اٹھانی ہوگی جو صرف اس سوال کا جواب مہیا نہیں کرتا بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ یوں ایک تیر سے کئی شکار ہو جائیں گے۔

واقعہ کچھ یوں ہے:

استاد صاحب نے کلاس میں داخل ہوتے ہوئے اپنے طالب علموں پر نظر ڈالی اور کہا: آج میں تمہیں زندگی کا نہایت اہم سبق سکھانے جارہا ہوں۔

وہ اپنے ہمراہ کانچ کی ایک بڑی برنی یعنی جار (JAR) لائے تھے، انہوں نے اس جار کو میز پر رکھا اور اپنے بیگ سے ٹیبل ٹینس کی گیندیں نکال کر اس برنی میں ڈالنے لگے۔ اور تب تک ڈالتے رہے جب تک اس برنی میں ایک بھی گیند کی جگہ باقی نہ رہی۔

استاد صاحب نے طالب علموں سے پوچھا: کیا برنی پوری بھر گئی ہے؟

جی ہاں، طالب علموں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

پھر استاد صاحب نے بیگ سے چھوٹے چھوٹے کنکر نکال کر اس برنی میں بھرنے شروع کر دیے، وہ دھیرے دھیرے برنی کو ہلاتے بھی جارہے تھے۔ کافی سارے کنکر برنی میں گیندوں کے درمیان خالی جگہ میں سما گئے۔

استاد صاحب نے پھر سوال کیا: کیا اب برنی بھر گئی ہے۔

طالب علموں نے ایک بار پھر "ہاں" کہا۔

اب استاد صاحب نے بیگ سے ایک تھیلی نکالی اور اس میں سے ریت نکال کر دھیرے دھیرے اس برنی میں ڈالنی شروع کر دی، وہ ریت بھی اس برنی میں گیندوں اور بجری کے درمیان معمولی جگہ میں بیٹھ گئی۔

یہ دیکھ کر طلباء اپنی نادانی پر ہنسنے لگے۔

استاد صاحب نے ایک بار پھر سوال کیا: کیا اب یہ برنی پوری بھر گئی ہے ناں؟

جی! اب تو پوری بھر گئی ہے سر، سب ہی نے ایک آواز میں کہا۔

استاد نے بیگ کے اندر سے جوس کے دو ڈبے نکال کر جوس اس برنی میں ڈالا، جوس بھی ریت کے بیچ تھوڑی سی جگہ میں جذب ہو گیا۔ اب استاد صاحب نے سمجھانا شروع کیا۔

" 1- اس کانچ کی برنی کو تم لوگ اپنی زندگی سمجھو،

-2 گیندوں کی مثال ایسے ہے جیسے تمہاری زندگی کے اہم ترین اور فوری (Urgent) کام ہیں جن کو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً نماز باجماعت میں چند منٹ باقی ہیں یا کچھ ہی دیر بعد کسی سے ملاقات طے ہے یا (خدانخواستہ) کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہو وغیرہ۔

-3 چھوٹے کنکروں کو تم اہم کام کہہ سکتے ہو جن کا کرنا فوری طور پر ضروری نہیں ہوتا۔ مثلاً کل کے اسباق کی تیاری، کسی کام کی منصوبہ بندی، ورزش وغیرہ۔

-4 ریت کو تم غیر اہم کام سمجھ مثلاً ای میل چیک کرنا یا کسی کو فون کرنا ہے وغیرہ۔

-5 جوس کو تم غیر ضروری مصروفیات کی مثال سمجھ سکتے ہو۔ مثلاً کسی کے ساتھ گھومنے جانا ہے، سوشل میڈیا استعمال کرنا ہے وغیرہ۔

اگر تم نے کانچ کی برنی (زندگی) میں سب سے پہلے ریت (غیر اہم کام) بھری ہوتی تو ٹیبل ٹینس کی گیندوں (اہم ترین اور فوری کام) اور کنکر (اہم کام) کے لیے جگہ ہی نہیں بچتی۔

یا صرف کنکر (اہم کام) بھر دیے ہوتے تو گیند (اہم ترین اور فوری کام) نہیں بھر پاتے، ریت (غیر اہم کام) ضرور آسکتی تھی۔

بالکل یہی فارمولا زندگی کے ہر کام میں لاگو کرنا شروع کر دیں چند ہی روز میں دنیا بدل کر رہ جائے گی۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے جائزہ لو کہ وہ کام اوپر

دی گئی چار اقسام میں سے کون سے قسم میں آتا ہے اور اس کے بعد کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرو۔ اگر تم فضول اور لایعنی چیزوں کے پیچھے پڑے رہو گے اور اپنی زندگی اسی کے چکر میں ختم کردو گے تو تمہارے پاس اہم باتوں کے لیے وقت نہیں رہے گا۔

ایک کامیاب اور پرسکون زندگی گزارنے کے لیے یہ اہم سبق ہے۔ اب یہ تم خود طے کرلو کہ تمہیں اپنی کانچ کی برنی (زندگی) کس طرح بھرنی ہے۔

طالب علم بڑے غور سے استاد صاحب کی باتیں سن رہے تھے، اچانک ایک طالب علم نے پوچھا: جناب! لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ جوس کے دو ڈبے کیا ہیں؟

استاد صاحب مسکرائے اور بولے: میں سوچ ہی رہا تھا کہ ابھی تک کسی نے یہ سوال کیوں نہیں کیا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں ہم کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں اور کس قدر ہی کامیابیاں کیوں نہ سمیٹ رہے ہوں لیکن اپنے گھر والوں، دوستوں کے ساتھ تعلق کی مٹھاس کی گنجائش ہمیشہ رکھنی چاہیے۔

میرے خیال میں آپ نے سوال کا جواب کھوج لیا ہوگا!

جی ہاں، بالکل درست۔

انگلش سیکھنے کو بھی اوپر دیے گئے فارمولے کے مطابق پرکھنا چاہیے اور پھر فیصلہ کرنا چاہیے۔ درسِ نظامی کے طلباء کے لیے اہم ترین اور فوری کام عربی پر

مہارت حاصل کرنا ہے، اگر اس وقت کو کہیں اور صرف کر دیا تو پھر یہ اہم ترین اور فوری کام رہ جائے گا۔ لہٰذا ضرور سیکھیں لیکن

اے رضاؔ ہر کام کا اِک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

	فوری/ ہنگامی Urgent	غیر ہنگامی
اہم Important	Q1 بحران، ہنگامی حالات انتہائی اہم نوعیت کے مسائل مقررہ وقت کے پروجیکٹ آخری منٹ کی تیاریاں	Q2 پلاننگ، تیاری تعلقات، نئے مواقع ٹریننگ، ورزش، صحت، اور تفریح
غیر اہم	Q3 رکاوٹیں، دوران کام فون کالز، ملاقاتی، کچھ میٹنگز، ای میل، رپورٹس چیک کرنا	Q4 غیر اہم معمولی معاملات غیر ضروری مصروفیات میسجنگ، انٹرنیٹ، ٹی وی وقت ضائع کرنے والے عناصر

فن تدریس سے متعلق ایک اہم نکتہ:

اس واقعے میں تدریس سے متعلق ایک اہم نکتہ بھی پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ کسی مسئلہ کو سمجھانے کے لیے کسی سرگرمی (Activity) کا انتخاب کرنا اس مسئلے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے اور وہ مسئلہ دیر تک ذہن میں تازہ رہتا ہے۔

ایک منٹ کے لیے تصور کیجیے کہ اگر یہ پروفیسر بوتل، گیند، کنکر، ریت اور جوس کے جھنجھٹ میں پڑنے کے بجائے محض زبانی طور پر اس بات کو سمجھاتا تو

کتنے فیصد رزلٹ نکلتا؟ جواب ہو گا شاید کچھ ذہین طلباء تو سمجھ لیتے لیکن اوسط یا کمزور ذہن والوں کے پلے یہ بات نہ پڑتی۔

اسے آپ درسِ نظامی کی تدریس میں بھی استعمال کر سکتے ہیں مثلا فقہ پڑھاتے ہوئے اگر وضو کا سبق ہے تو تمام طلباء کو وضو خانے پر لے جائیں پہلے خود وضو کر کے عملا طریقہ سمجھائیں پھر چند طلباء سے کروائیں۔ یونہی نماز، حتی کہ بیع وشراء ودیگر معاملات کو پڑھاتے ہوئے بھی اختیار کیا جا سکتا ہے مثلا ایک طالب علم فرضی طور پر دکاندار بنے اور دوسرا گاہک بن کر اس کے پاس جائے پھر اس بیع کے بارے میں طلباء سے رائے لی جائے کیا شرعا اس بیع کا کیا حکم ہے وغیرہ۔

ایک اور گزارش:

اس واقعے کی ویڈیو یوٹیوب پر موجود ہے، (یہاں کلک کیجیے) جسے ایک انگریز پروفیسر نے بیان کیا گیا ہے۔ راقم نے کئی Motivational Trainers کو سنا اور خود بھی کئی کلاسز لیں، میرا ماننا ہے کہ ان کی بتائی ہوئی اکثر باتیں ہمارے دین میں کسی نہ کسی پہلو سے موجود ہوتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ جن باتوں کو ہمیں بیان کرنا چاہیے تھا انہیں غیر مسلم جدیدیت کا مرچ مسالہ لگا کر بیان کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے جدیدیت سے متاثر مسلمان دین سے دور ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ ہمارا ہی سرمایہ ہے۔

اپنے کاموں کو ترتیب دینے کا یہ طریقہ ہمارا دین ہمیں ۱۴۰۰ سال پہلے بتا چکا

ہے۔ حیرت زدہ مت ہوں، کیا آپ نے فرض، واجب، سنت، اور مستحب کا فرق نہیں پڑھا؟ یقیناً پڑھا ہو گا، تو مجھے بتایئے اگر آپ کے پاس وقت قلیل ہوں تو ان چاروں میں سے کون سا کام سب سے پہلے کریں گے؟ یقینا فرض۔ تو اسی کو فوری اور اہم ترین کام کہ گیا ہے جسے پروفیسر نے گیندوں کی مثال سے بیان کیا۔ علی ہذا القیاس اس کے بعد واجب کو کنکر کی مثال سے بیان کیا گیا، سنت کو ریت اور مستحب کو جوس کی مثال سے بیان کیا گیا۔

اس گزارش کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ واقعہ ایک مرتبہ پھر پڑھیں آپ یقیناً میری تائید کریں گے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھوں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

لمحۂ فکریہ!!

موبائل اور انٹرنیٹ کے کثرتِ استعمال نے علماء اور طلبہ کو کام چور اور کاہل بنادیا ہے.

اب نہ وہ ذوق مطالعہ رہانہ کتب بینی کی پہلے جیسی طلب اور چاہت.

وہ ہمارے اسلاف تھے کہ ایک ایک کتاب کے حصول کے لیے میلوں خاک چھانتے، شہر گاؤں سب ایک کر دیتے

اور تب تک انہیں چین نہ ملتا جب تک اپنی مطلوبہ کتاب حاصل نہ کر لیتے

اور اس کے مطالعہ سے اپنی علمی پیاس بجھانہ لیتے.

علم و عمل کا پہاڑ ہونے کے باوجود ان مخلص ہستیوں میں نہ تو کسی قسم کا غرور تھانہ خود نمائی کا کوئی جذبہ تھا،

تواضع کا یہ عالم کہ کبھی اپنے علم کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا.

بڑے بڑے محدثین کو دیکھا گیا کہ اپنے اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کر رہے ہیں،

ان کے سامنے ادب واحترام کا مجسمہ بنے ہوئے ہیں.

یہ وہ اساطین علم وادب تھے کہ جنہوں نے پڑھنے لکھنے کو ہی زندگی کا مقصد بنا لیا.

تاریخ میں جتنے بھی نامور محدثین، مفسرین، فقہاء، صاحبان زبان وادب کے

تذکرے ملتے ہیں ذرا ان کی زندگیوں کا جائزہ لیجیے

مطالعہ ان کی زندگی کا لازمی عنصر اور کتابیں ان کا اوڑھنا بچھونا تھیں.

اب ہر چیز ڈیجیٹل ہو چکی ہے.

کتابیں بھی اور انہیں پڑھنے والے بھی، انسان بھی اور اس کا علم و استحضار بھی. اب ساری لگن، تڑپ، تشنگی ان الکٹرانک ڈیوائسز کے لیے وقف ہو کر رہ گئیں. اب چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی متون کے حافظ نہیں ملتے.

البتہ "مکتبہ شاملہ" سے سرچ کر کے مطلوبہ حدیث نکال کر فخر سے اپنے علم کی ڈفلی بجانے والے ٹٹ پونجیے ہر گلی چوراہے پر تھوک کے بھاؤ مل جائیں گے.

اب جلدی کوئی یہ کہنے والا نہیں ملتا کہ میں نے فلاں کتاب پڑھی ہے.

البتہ فخر سے یہ کہنے والے ضرور مل جاتے ہیں کہ میرے موبائل میں فلاں کتاب بھی ہے.

میرے لیپ ٹاپ میں فلاں سافٹویئر بھی ہے.

شب بیداریاں اب بھی ہو رہی ہیں لیکن کتب بینی کے لیے نہیں

بلکہ لایعنی قسم کی چیٹنگ اور بے مقصد اور لاحاصل مناظرہ بازیوں کے لیے ہو رہی ہیں.

ایک طرف ہمارے وہ اسلاف تھے کہ جو اپنے علمی کاموں کے لیے وقت کی قلت کا رونا رویا کرتے تھے،

اس کے بعد بھی امت کو ڈھیر سارا علمی ورثہ دے کر گئے،

دوسری طرف ہم ہیں کہ ہمارے پاس وقت کی اتنی افراط اور بہتات ہے کہ ہم دن رات لایعنی چیزوں میں "ٹائم پاس" کرتے رہتے ہیں.

تکبر و تعلی کا عالم یہ ہے کہ کوئی شخص خود کو علامہ دوراں اور مفتی زماں سے کم کہلانے پر راضی نہیں ہے.

علم کی ایسی بے سر و سامانی، مطالعے سے ایسا تنفر، علماء خیر کا ایسا قحط، کاغذی شیروں کی ایسی غراہٹ صدیوں سے نہیں دیکھی گئی.

اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے. اور عوام کی کیا بات کی جائے وہ تو رسمی طور پر بھی اسلام کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔

میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں، بلکہ اعتراف حقیقت اور احساس ذمہ داری بیدار کرنا ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں باعمل اور باکردار زندگی گزارنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

واللہ الموفق والمعین۔۔۔۔۔۔۔! (منقول. مع تصرف)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

کل کا ویٹر آج کا مفتی

اگرچہ دوران عالم کورس درس نظامی اس کا ایک بھائی اسے کتب لے دیا کرتا تھا مگر چونکہ اس کی عادت تھی کہ دوران درس نظامی جو بھی بک پڑھائی جاتی وہ اس کی ایک یا دو شروحات عربی کی مکمل پڑھتا، بعض کتب کی شروحات بہت مہنگی ہوتی جیسے فتح القدیر و بنایہ وغیرہ۔

اور بھائی چونکہ سیلری پیشہ تھا اس قدر افورڈ نا کر سکے یہ جان کر وہ طالبعلم نے ایک ہوٹل والے سے معاہدہ کیا ہوا تھا کہ میں پابندی سے کام نہیں کروں گا مجھے جب کتاب کی حاجت پڑے گی تو جتنے کی کتاب ہو گی اس حساب سے کام کروں گا اور جب کتاب لینے برابر اجرت ہو جائے گی تو کام موقوف کر دوں گا۔

ہوٹل کا مالک یا مینجر جو بھی تھا وہ مان گیا۔

اس طرح جب بھی اسے کتاب کی حاجت ہوتی چھٹی کے دن و کلاس کے بعد وہ کچھ گھنٹے ہوٹل کے ٹیبل پر کھانا کھانے والوں کے سامنا کھانا رکھتا، چائے رکھتا، اور زیادہ تر اس کی ڈیوٹی ٹیبل کی صفائی ہوتی۔

اور یہ کام ایسا خفیہ تھا کہ کسی استاد و کلاس فیلو حتی کہ بھائی کو بھی معلوم نا تھا۔

اسی طرح کبھی کبھار کسی سے قرض لیتا اور امیر اہل سنت بانئ دعوت اسلامی کے رسائل کراچی کی گاڑیوں میں بیچ کر قرض واپس کرتا و جو بچت ہوتی اس کی بکس لیتا۔

اور الحمد اللہ وہ سٹوڈنٹ پوزیشن ہولڈر تھا۔

اور آج دنیا اسے مفتی محمد اظہر مدنی بانی فیضان شریعت فاونڈیشن لاہور کے نام سے جانتی ہے۔

یادرہے کہ مقصود کے حصول میں دشوار گزار گاٹیاں آتی ہیں۔

ان کا مقابلہ کیجئے، ڈٹے رہیں، اور جب بھی ہمت ٹوٹنے لگے اپنے مقصد کو یاد کیجئے۔

اخلاص

مستقل مزاجی

دیانتداری

ان تین کا دامن تھام لیں۔

ایک دن منزل قدموں میں ہو گی۔

مفتی محمد اظہر مدنی

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

فن گفتگو / فن تحریر علماء کی میراث ہے

کچھ سال پہلے راقم بطور گرافکس ڈیزائنر بزنس پروموشن نامی ایک کاروباری اخبار سے منسلک رہ چکا ہے۔ اخبار کے ایڈیٹر صاحب نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی بی۔اے جرنلزم (صحافت) کی

کچھ کتب پڑھنے کے لیے دیں (جن میں سے دو کی تصاویر ساتھ منسلک ہیں)

یہ کتب پڑھ کر احساس ہوا کہ یہ سارا علم تو ہمارا ہی سرمایہ ہے۔

اسی ادارے میں بہت سی ایسی باتوں کا مشاہدہ بھی کیا جو ہم درسِ نظامی میں پڑھتے پڑھاتے رہے۔ مثلاً الفاظ کا انتخاب، کون سا لفظ لکھنے سے قاری پر کیا تاثر پڑے گا وغیرہ، درسِ نظامی میں جسے ہم " اغراض "سے تعبیر کرتے ہیں۔

صحافی بھی بعض متنازعہ خبروں پر اسی طرح بحث کرتے ہیں جس طرح ہم درسِ نظامی کی کتب پر۔ مثلا یہ لفظ کیوں لائے؟ اس کے بجائے دوسرا لفظ لکھا دیا جائے تو کیا فائدہ یا نقصان ہو گا؟ وغیرہ۔

صحافی اخبار اور اپنی کھال بچاتے ہوئے ہر وہ بات لکھ دیتے ہیں جسے عام انداز میں اگر بولا جائے تو اس کا انجام اخبار اور صحافی دونوں کے لیے شاید اچھا نہ ہو۔

اس تمہید کے دو مقاصد ہیں:

-1 صحافت، وکالت اور قضاء یہ تینوں علماء کے شعبے ہیں۔ منطق، فلسفہ اور ادب کا ذوق رکھنے والا عالم دین ان شعبہ جات میں کالج اور یونیورسٹی سے پڑھے ہوئے طلبہ کو پچھاڑ سکتا ہے۔ درسِ نظامی

کے ساتھ ان شعبہ جات میں کچھ طلبہ کو کوشش کرنی چاہیے۔ مثلا فاضل عربی کے بعد آپ ایل ایل بی (وکالت) میں داخلہ لے سکتے ہیں۔

-2 الفاظ کے انتخاب اور تحریر و گفتگو کا یہ فن ہم پوری درسِ نظامی میں پڑھتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ ہماری تحریر اور تقریر عموماً مخالف کو براہِ راست چوٹ کر جاتی ہے جس کی وجہ سے

مثبت بات کا نتیجہ بھی منفی نکلتا ہے۔ حالانکہ بات کو ایک سے زائد پیرائے میں بیان کرنے کا انداز ہم نے درسِ نظامی میں ہی پڑھا ہوتا ہے صرف پریکٹیکل کی کمی ہوتی ہے۔ اگر عملی طور پر ہم تحریر

اور گفتگو (تقریر / بحث ومباحثہ) کا فن سیکھ لیں تو تبلیغ دین کا فریضہ کہیں بہتر انداز میں سر انجام دے سکتے ہیں۔ نیز روزگار کے سلسلے میں بھی یہ فن بہت معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

اب ایک مثال پیشِ خدمت ہے کہ ایک ہی مفہوم کو کس طرح مختلف انداز میں بیان کیا جاسکتا ہے:

آپ نے درسِ نظامی میں یقیناً مقاماتِ حریری تو پڑھی ہی ہو گی، یہاں ایک عبارت نمبر لگا کر نقل کی گئی ہے۔ ذرا غور کریں تو پہلے آٹھ جملوں میں ایک مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ

"اگر کوئی میرے ساتھ برا سلوک بھی کرے تب بھی میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں"

اور بعد کے اکیس جملوں میں بھی ایک ہی مفہوم موجود ہے اور وہ یہ کہ

"جو میرے ساتھ اچھا یا برا سلوک کرتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہوں"

لیکن کمال یہ دیکھیے کہ ایک مفہوم کو مسلسل آٹھ مرتبہ اور دوسرے کو مسلسل اکیس مرتبہ بیان کیا گیا اور ہر مرتبہ نئے الفاظ، نئی تشبیہات اور نئے استعارات استعمال کیے گئے۔ کیا ہم ایسی کوشش کر سکتے ہیں؟ عربی نہیں اپنی مادری زبان میں، میرا خیال ہے فی الحال نہیں، کیونکہ نہ تو ہمارے پاس الفاظ کا وافر

ذخیرہ ہے اور نہ ہی تشبیہات واستعارات پیدا کرنے والی زرخیز سوچ۔ یہ صلاحیت مسلسل مطالعہ اور محنت کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

لیجیے! مقاماتِ حریری سے ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے۔ کلام کے دیگر محاسن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مندرجہ بالا دو نکات پر بھی توجہ کی جائے تو یہ اقتباس ادبی ذوق رکھنے والوں کو دھمال ڈالنے پر مجبور کر سکتا ہے:

پہلے مفہوم کے آٹھ جملے

-1فقال ارعی الجار ولو جار

)تو اس نے کہا میں اپنے پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت کرتا ہوں اگرچہ وہ ظلم کریں۔

-2وابذل الوصال لمن صال

)اور میں اپنی محبت اس شخص پر بھی خرچ کرتا ہوں جو مجھ پر حملہ آور ہو(

-3واحتمل الخلیط ولو ابدی التخلیط

)اور میں دوستوں کو برداشت کرتا ہوں اگرچہ وہ تکالیف دیں(

-4واود الحمیم ولو جرعنی الحمیم

)اور میں دوستوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ وہ مجھے کھولتے ہوئے پانی کا گھونٹ ہی پلائیں(

-5والین مقالی للقالی

)اور میں دشمن سے بھی نرم بات کرتا ہوں(

6-وادیم تسالی عن السالی

)اور میں ہمیشہ اس شخص کی بھی خبر گیری کرتا ہوں جو میری پروا نہیں کرتا
)

7-ولا اتظلم حین اظلم

)اور جس وقت مجھ پر ظلم کیا جاتا ہے تو میں اس کی شکایت نہیں کرتا(

8-ولا انقم ولو لدغنی الارقم

)اور میں بدلا نہیں لیتا اگرچہ مجھے چتکبرا سانپ ڈس لے(

دوسرے مفہوم کے اکیس جملے

1-ولا اسم العاتی بمراعاتی

)میں اپنی شفقت و مہربانی کا نشان متکبر پر نہیں لگاتا(

2-ولا اصافی من یابی انصافی

)اور میں اس شخص کے لیے اپنی دوستی کو خالص نہیں کرتا جو میرے انصاف کا انکار کرے(

3-ولا اواخی من یلغی الاواخی

)اور میں اس شخص کو بھائی نہیں بناتا جو اسبابِ محبت کو کاٹ دے(

4-ولا امالی من یخیب امالی

)اور میں ایسے کی مدد نہیں کرتا جو میری امیدوں پر پانی پھیر دے(

5-ولا ابالی بمن صوم حبالی

)اور میں اس شخص کی پروانہیں کرتا جو میری رسی کو کاٹ ڈالے(

-6ولا اداری من جہل مقداری

)اور میں اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا جو میرے مرتبہ اور مقام سے جاہل ہو(

-7ولا اعطی زمامی من یحفر ذمامی

)اور میں اس شخص کو اپنی لگام نہیں دیتا ہوں جو میرے عہد وپیمان کی خلاف ورزی کرے(

-8ولا ابذل ودادی لاضدادی

)اور میں اپنی محبت دشمنوں پر خرچ نہیں کرتا(

-9ولا ادع ایعادی للمعادی

)اور میں اپنے دشمنوں کو دھمکی دینے کا عمل نہیں چھوڑتا(

-10ولا اغرس الایادی فی ارض الاعادی

)اور میں دشمنوں کی سرزمین میں نعمتوں کے درخت نہیں اگاتا(

-11ولا اسمح بمواساتی لمن یفرح بمسا اتی

)اور میں اپنی ہمدردی کی سخاوت اس پر نہیں کرتا جو میری برائیوں پر خوش ہو(

-12ولا اری التفاتی من یشمت بوفاتی

)اور میں اس شخص کی طرف توجہ کرنے کو مناسب نہیں سمجھتا جو میری

موت پر خوش ہو(

-13ولا اخص بجبائی الا احبائی

)اور میں اپنے دوستوں کے سوا کسی اور کو اپنے تحائف کے ساتھ خاص نہیں نہیں کرتا(

-14ولا استطب لدائی غیر اودائی

)اور میں اپنی بیماری کا علاج صرف اپنے پیاروں سے ہی طلب کرتا ہوں(

-15ولا املک خلتی من لا یسد خلتی

)اور میں اپنی دوستی کا مالک اس شخص کو نہیں بناتا جو میری ضرورت پوری نہ کرے(

-16ولا اصفی نیتی لمن یتمنی منیتی

)اور میں اپنی نیت کو صاف نہیں کرتا اس شخص کے لیے جو میری موت کی تمنا کرے(

-17ولا اخلص دعائی لمن لا یفعم وعائی

)میں اس شخص کے لیے خلوص دل سے دعا نہیں کرتا جو میرے برتن کو نہ بھرے(

-18ولا افرع ثنائی علی من یفرع انائی

)اور میں اس شخص کے لیے اپنی تعریف نہیں بہاتا جو میرے برتن کو خالی رکھے(

19-ومن حكم بان ابذل وتحزن والين وتخشن

)اور کون ہے وہ شخص جس نے اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ میں خرچ کرتا رہوں اور تو جمع کرتا رہے؟ اور اس بات کا کہ میں نرمی کرتا رہوں اور تو سختی کرتا رہے(

20-واذوب وتجمد واذكو وتخمد

)اور اس بات کا کہ میں پگھلتا رہوں اور تو جمارہے اور اس بات کا کہ میں بھڑکتا رہوں اور تو بجھا رہے(

21-لا والله ! بل نتوازن فى المقال وزن المثقال

)نہیں، اللہ کی قسم! بلکہ ہم گفتگو کرنے میں مثقال کے وزن کی طرح وزن کریں گے(

یعنی جو ہمارے ساتھ اچھی یا بری گفتگو کرے گا ہم بھی اس کے ساتھ ویسی ہی گفتگو کریں گے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

یہ تھے ہمارے اسلاف

نابینا حافظ صاحب

وہ ۱۹۲۷ میں ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔

ابھی دو سال کی عمر ہی کو پہنچے تھے کہ میعادی بخار کی وجہ سے بصارت کی نعمت سے محروم ہو گئے۔

والدہ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

دو بیٹوں کی وفات کے صدمہ جھیلنے کے بعد بڑی منتوں مرادوں سے یہ بیٹا ملا تھا اور اسے بڑھاپے کا سہارا سمجھا تھا لیکن یہ کیا ہو گیا؟؟؟

اب یہ کیا سہارا بنے گا اسے تو خود ساری زندگی سہارے کی ضرورت ہو گی۔

اپنے اکلوتے بھائی کی اس معذوری پر بہنوں کی آنکھوں سے بھی سیل اشک رواں ہو گیا۔

ماں سے یہ صدمہ کیسے برداشت ہوتا...

یہ طبیب، وہ طبیب

یہ مزار، وہ مزار

یہ عامل، وہ عامل

یہ پیر، وہ پیر

ہر جگہ

جہاں سنا

مقدر آزمایا

لیکن مقصود و مطلوب حاصل نہ ہو سکا.

ایک دن ایک سید زادہ گاؤں میں آتا ہے

ماں اس کو مسیحا یقین کر لیتی ہے اور

اپنے لخت جگر کو کلیجہ سے لگائے اس سید زادے کے پاس پہنچ جاتی ہے۔

روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔

پردے کے پیچھے آہیں بھر بھر کر رونے والی ماں سے اس سید زادے نے پوچھا کیوں روتی ہو؟؟؟؟؟؟؟

اپنے آنچل سے آنسو کو صاف کرتے ہوئے دُکھیاری ماں اپنی داستانِ الم سنانے کے لیے لب کشا ہوئی اور کہا:

اے سیدہ زھرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے لخت جگر! میرے دو لعل تھے. یکے بعد دیگرے دونوں کو موت نے اپنی آغوش میں لے لیا۔

بڑی منتوں مرادوں کے بعد اللہ پاک نے اس نور نظر سے نوازا لیکن خدا کو شاید کچھ اور ہی منظور ہے کہ یہ آنکھوں سے نابینا ہو چکا ہے. یہ کہہ کر ماں پھر رونے لگ جاتی ہے۔

پردے کے پیچھے سے وہ سید زادے دکھیاری ماں کو دلاسہ دیتے ہوئے کہنے

لگے:

مائی! صبر کر، اگر تو نے صبر کیا تو یاد رکھ!!

، * ایک دن آئے گا کہ لوگ تیرے اس بچے کے ہاتھ چوما کریں گے، یہ آگے ہو گا اور لوگ اس کے پیچھے ہاتھ باندھے یوں گے۔ *

اس بشارت نے رب کی رضا پر راضی رہنے کی ہمت بندھائی اور ماں اپنے نونہال کو لے کر واپس گھر واپس آگئی۔

شب و رزو گزرتے رہے اور یہ نابینا بچہ بڑا ہوتا گیا، حتی کہ گیارہ سال کی عمر میں اس بچے کو وہ سعادت نصیب ہو گئی جو کئی انکھیاروں کو نصیب نہیں ہوتی ۔۔۔

* جی ہاں بصارت سے محروم یہ بچہ اللہ پاک کی لاریب کتاب کو سینے میں محفوظ کر کے حافظ قران بن جاتا ہے۔ *

اس جسمانی معذور بچے نے ہمت نہ ہاری اور قران مجید کا دور مکمل کرنے کے بعد اپنے ہی گاؤں میں * خیر کم من تعلم القران وعلمہ * کی فضیلت کے حصول کے لیے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد قریبی گاؤں کے ایک مدرسے میں معلم کی ضرورت ہوئی. آپ کو بطور معلم قران بھیج دیا گیا۔

اور ۱۹۵۰ کا وہ دن بھی آیا کہ محدث اعظم پاکستان اڈا مرید والا کے پاس سے گزرے تو مولانا عبدالغفور صاحب سے فرمایا: گاؤں والے مدرسہ سے بچوں کو

یہاں لاکر رکھو، یہ جگہ مجھے پسند ہے۔

ولی کامل کی فرمائش پر گاؤں کا مدرسہ اور معلم حافظ صاحب اپنے تلامذہ کے ساتھ لبیک کہتے ہوئے اڈامرید آباد آ پہنچے۔

* تعلیم و تعلم کا سلسلہ چل نکلا۔ اور حافظ صاحب کا ۲۰ روپے ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا۔ *

آزمائشوں کا سفر شاید ابھی باقی تھا

کہ جو صاحب تنخواہ دیتے تھے اس نے کچھ عرصہ بعد کسی کے ذریعہ حافظ صاحب کو پیغام بھیجا کہ حافظ صاحب مدرسہ سے چلے جائیں ہم سے تنخواہ ادا نہیں ہوتی۔

یہ خبر سن کر حافظ صاحب افکار کے بحر ذخار میں ڈوب گئے۔

ایک طرف فکر معاش تھی تو دوسری طرف ان بچوں کا مستقبل تھا جو حفظ کی راہ پر گام زن تھے

کسب معاش کے بغیر گزارہ نہیں تھا اور تکمیل حفظ قرآن کا خواب آنکھوں میں سجائے شب وروز محنت کرنے والے ان ہونہاروں کو بھی بیچ راہ اپنے سے جدا کرنا گوارانہ تھا۔

کسب معاش کی فکر ارادوں کو متزلزل کرتی اور اپنی روحانی اولاد کے مستقبل کو سنوارنے کی فکر ہمت بندھاتی۔

آخر کار حافظ صاحب نے دل پر جبر کر کے فیصلہ کر ہی لیا کہ روز گار کی قربانی تو قبول ہے لیکن اللہ و رسول کے ان مہمانوں کو بیچ راہ چھوڑ دینا قبول نہیں ہے۔ *

کیونکہ * الامور بمقاصدھا، * کچھ چیزیں مقصودِ اصلی ہوتی ہیں اور کچھ ضمنا حاصل ہوتی ہیں۔

قران پاک کے عَلَم کو بلند کرنا ان کا مقصودِ اصلی تھا اور کسب معاش تو ضمنا تھا۔

ولہذا مقصود اصلی پر نگاہیں مرکوز رہیں اور حافظ صاحب نے برملا اعلان کیا:

* میں بغیر تنخواہ لئے قرآن مجید پڑھاؤں گا۔ *

یہ سن کر انکھیاروں کی گردنیں بھی جھک گئیں، اور حافظ صاحب کا اخلاص و للّٰہیت روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔

حافظ صاحب کی داستان صبر و استقامت اور فی سبیل اللہ تعلیمی سلسلے کو جاری وساری رکھنے کی خبر جب قریب کے گاؤں کے خطیب صاحب کو پہنچی تو بڑے متاثر ہوئے۔

* انہوں نے حافظ صاحب کو پیش کش کی کہ آپ اپنے شاگردانِ رشید کے ہمراہ میرے پاس آجائیں۔ میرے پاس آکر طلباء کو حفظ و ناظرہ پڑھایئے میں آپ کو پندرہ روپے ماہوار تنخواہ دوں گا۔ *

ولہذا حافظ صاحب نے اپنے روحانی بیٹوں کے ہمراہ قریبی گاؤں میں ڈیرے ڈال دیے... کچھ عرصہ یوں ہی گزرا لیکن دل کو اطمینان نہ آیا۔

آخر کار حافظ جی نے عزم بالجزم باندھا اور پھر اڈا مرید والا میں آ گئے۔

* جامعہ غوثیہ سلطانیہ کی جگہ ایک مسجد کچی اینٹوں اور سرکنڈوں سے بنی ہوئی تھی، باقی سب جنگل تھا۔ *

طلباء اور استاد، دن رات اسی کچی مسجد میں ہی رہتے تھے۔ صبح شام قریبی گاؤں سے کھانا آجاتا۔

* درس و تدریس سے فارغ ہو کر رات کو استاد وطلبہ اسی مسجد میں سو رہتے۔ *

ایک دن خیال آیا کہ کب تک مسجد میں سوتے رہیں گے، رہائش کے لیے کمروں کا بندوبست کرنا چاہیے۔

لیکن کمرے بنانے کے لیے اینٹیں کہاں سے آئیں گی ؟؟اتنی رقم کون دے گا؟؟

اور حافظ صاحب نے اب کی بار بھی ایک ایسے کام کا قصد کیا جو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر غیبی امداد کے منتظر افراد کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

* ہوا یہ کہ بصارت کی نعمت سے محروم اس حافظِ قران نے طلبہ کو ساتھ لے کر اپنے ہاتھوں سے کچی اینٹیں بنانا شروع کر دیں۔ *

لوگ ہنستے، مذاق اڑاتے کہ یہ نابینا کیا اینٹیں تھاپے گا!!!

لیکن اس مرد مجاہد نے ہمت نہ ہاری اور رفتہ رفتہ کام کرتے رہے حتی کہ جب

دس ہزار اینٹیں ہو گئیں تو رہائش کے لیے الگ سے ایک کمرہ بنالیا۔

کچی اینٹوں اور سرکنڈوں سے بنی ہوئی مسجد کے اس مدرسہ نے ترقی کی منازل طے کرنا شروع کیں حتی کہ حافظ صاحب کی للّٰہیت وخلوص نے اس جگہ کو بارونق بنادیا، اور یہاں باقاعدہ عالیشان مذہبی جلسے ہونے لگے۔

ایک اللہ کی بندی نے اپنے لواحقین سے کہا کہ میرے جہیز کی رقم اڈا مریدوالا کی مسجد پر خرچ کی جائے. چنانچہ اس رقم سے کچی مسجد کو شہید کرکے پکی اینٹوں سے مسجد کی تعمیر ہوئی۔

حافظ صاحب نے ۲۰ سال کی شب وروز کی محنت سے مدرسہ کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔

اپنے ہاتھوں سے لگائے ہوئے اس باغ کی آپ جہدِ مسلسل سے آبیاری کرتے رہے۔

حتی کہ مدرسہ کے تمام کمرے پختہ تعمیر کیے گئے بلکہ ایک وقت میں طلبہ کی ساتھ کچی مسجد میں سونے والے اس ملت کے محسن نے اساتذہ کی رہائش کے لیے الگ سے کمرے تعمیر کروائے۔

حافظ صاحب نے نابینا ہونے کے باوجود دین کا ایسا کام کیا کہ آنکھ والے بھی دیکھ کر رشک کیا کرتے۔

اور ایک وقت آیا کہ کچی مسجد سے شروع ہونے والا یہ مدرسہ جامعہ غوثیہ

سلطانیہ کے نام سے پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے دمکنے لگا۔

کچھ عرصے کے بعد آپ نے اس مدرسہ کو خیر آباد کہہ دیا۔ اور پیر محل چلے گئے۔

مرید والا کے لوگوں کے اصرار پر آپ ایک بار پھر واپس پلٹے، علاقہ کے ایک صاحب ثروت نے مدرسہ بنانے کے لیے ۱۲ مرلے زمین حاضر کر دی، حافظ صاحب نے ۱۹ مرلے مزید زمین خرید کر جامعہ چراغیہ کنزالعلوم کی تعمیر کا آغاز کیا.

علاقہ کے لوگ تو پہلے ہی سے آپ سے مانوس تھے حسبِ سابق امداد کرنے لگے. حافظ صاحب نے بہترین نقشہ سے دو منزلہ مدرسہ اور اس کے ساتھ دو منزلہ مسجد کی تعمیر کی۔

لاکھ مصروفیات کے باوجو حافظ صاحب طلبہ کو خود پڑھاتے، حتی کہ جامعہ چراغیہ علاقہ کا مثالی مدرسہ بن گیا۔

حافظ صاحب سے کسب فیض کرنے والے تشنگانِ علم ملک کے بلکہ دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور ایک دن وہ بھی آیا کہ اپنے ہاتھوں سے مدرسہ کی اینٹیں تھاپنے والے یہ حافظ صاحب اپنے ایک شاگرد کی فرمائش پر برطانیہ تشریف لے گئے اور وہاں نماز تراویح میں قران پاک سنایا۔

اور اس سید زادے کی بشارت کو بھی لوگوں نے اپنی آنکھون سے دیکھا کہ

لوگ حافظ صاحب کے ہاتھ چومتے اور ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے ہو جاتے۔

)ماخوذ از: روشن ستارے، ۳۱۷(

حافظ نور احمد صاحب کی صبر و استقامت کے ساتھ جہد مسلسل کی یہ داستان ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے کہ

بقدر الکد تکتسب المعالی

و من طلب العلی سہر اللیالی

)بقدرِ کوشش و جستجو رتبے حاصل ہوتے ہیں۔

جو کسی مرتبہ کا طالب ہو تو اسے راتیں جاگنا پڑتی ہیں۔(

من جد وجد

)جس نے کوشش کی وہ کامیاب ہوا(

حالات کا شکوہ کر کے بیٹھ جانا کمال نہیں، کمال تو یہ ہے کہ حالات کا مقابلہ کر کے کچھ کرنے کی سعی کی جائے۔

آج مدارس کی زبوں حالی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ارباب دولت کا تعاون مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے۔

مانا کہ مدارس کی خستہ حالی کی یہی وجہ ہوگی لیکن کبھی سوچا کہ اربابِ دولت کی روگردانی کی کیا وجہ ہے؟؟؟

* شاید یہ کہ جب سے ارباب مدارس نے غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا تو ارباب

دولت نے بھی منہ موڑ لیا*

عزم مصمم اور جہد مسلسل ہو تو بصارت سے محروم شخص بھی کچی مسجد سے اٹھ کر اللہ پاک کے فضل و کرم سے دو عالیشان مدارس نہ صرف بناتا ہے بلکہ ضرب المثل بنا کر چلا تا ہے۔

اور جب عزم مصمم وجہد مسلسل کی جگہ لا ابالی پن و ذاتی مفاد آ جائے تو بنے بنائے عالیشان مدارس کے ہرے بھرے گلستان بھی تباہ برباد ہو جاتے ہیں۔

* فآہ وآہ ثم آہ *

* ایک بات ہے سوچیے گا ضرور 🤔🤔🤔 *

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مھارات التواصل–ابلاغ کی صلاحیتیں

بات سمجھانے کی صلاحیت کو بہتر بنائیں

"گزشتہ دس سال میں آپ کتنے اساتذہ سے پڑھ چکے ہیں؟" یہ وہ سوال تھا جو یونیورسٹی کے طالب علموں سے تب ہی پوچھنا پڑتا ہے جب اس موضوع کو سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔

دس منٹ کی بحث کے بعد سب اس بات پر متفق ہوئے کہ گزشتہ دس سال میں تقریباً ۱۰۰ کے قریب استاد انہیں ملے ہیں، ان میں سے کچھ سکول، کالج اور کچھ یونیورسٹی میں ان کو پڑھا چکے تھے۔ اگلا سوال تھا کہ "ان سو میں سے کتنے ایسے ٹیچرز ہیں جن کی آپ کو مکمل سمجھ آئی یا جن کو آپ بہترین ٹیچر مانتے ہیں۔" پھر دس سے پندرہ منٹ کی بحث اور غور و فکر کے بعد تمام طالب علم اس بات پر متفق ہوگئے کہ دو یا تین ٹیچرز ایسے تھے جن کو ہم بہترین استاد مان سکتے ہیں۔ تیسرا سوال تھا کہ "آخر ان دو یا تین ٹیچرز کی کون سی بنیادی خوبی یا صفت تھی جس کی وجہ سے آپ ان کو بہترین ٹیچر مانتے ہیں؟" جواب فوراً مل گیا کہ دراصل ان ٹیچرز کو اپنی بات سمجھانا آتی تھی۔ اور یہ جواب یعنی اپنی بات سمجھانا (کمیونیکیشن سکل) ہمارا آج کا موضوع ہے۔ آپ سکول و کالج یا یونیورسٹی کے طالب علم ہیں، کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ہمارے بے شمار ایسے ٹیچرز اور پروفیسر جن کے پاس اعلیٰ ڈگری ہے اور وہ باہر سے بھی تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں لیکن ان کو اپنی بات

سمجھانا نہیں آتی جبکہ ہمیں بعض اوقات عام سے ٹیوشن سنٹر اور اکیڈمی میں کم تعلیم یافتہ ٹیچر کی زیادہ سمجھ آرہی ہوتی ہے کیوں...؟

دراصل بات سمجھانا اور ابلاغ ایک صلاحیت ہے اور یہ صلاحیت ہر کسی میں موجود نہیں ہوتی۔ اس صلاحیت کا علم اور تعلیم یا ڈگری کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ بڑے بڑے پی ایچ ڈی اس صلاحیت کے بغیر کلاسوں میں کرتب کرتے نظر آتے ہیں اور کتنے ہی کم تعلیم یافتہ دیہاتی گائوں میں بوہڑ کے درخت کے نیچے شام کے وقت گفتگو کی محفل سجائے بیٹھے نظر آتے ہیں۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا بات سمجھانے کی صلاحیت صرف جملوں اور لفظوں پر منحصر ہوتی ہے؟ جواب ہے بالکل نہیں بلکہ لفظوں اور جملوں کو کردار صرف ۷ فیصد ہے۔ ۵۶ فیصد انحصار جسم کی حرکات و سکنات پر ہے اور ۳۷ فیصد آواز کے اتار چڑھائو پر۔ اب یہ حقائق سامنے رکھیے تو آپ کو خود بخود پتا چل جاتا ہے کہ کئی ٹیچرز اور لوگوں کی بات کیوں سمجھ نہیں آتی۔

ساتھ ہی ساتھ یہ المیہ بھی سامنے آجاتا ہے کہ جب ہمارے ملک میں ٹیچر کو بھرتی کیا جارہا ہوتا ہے تو ان کی تعلیم اور علم کی جانچ تو ہو جاتی ہے لیکن ان کو جس کام کے لیے تعینات کیا جارہا ہے یعنی "پڑھانا" اور بات سمجھانا۔ اس صلاحیت کو چیک نہیں کیا جاتا۔ یاد رکھیے قدرت نے جب ایک ٹیلنٹ کسی کو نہ دیا ہو تو اس کے لیے کام بوجھ بن جاتا ہے اور اگر وہ ٹیلنٹ کسی میں موجود ہو تو اسے اپنا کام بھی

کام نہیں لگتا بلکہ وہ کام کو کھیل کی طرح انجوائے کرتا ہے۔ آج ہم آپ کو ایسے ۵ نسخے بتائیں گے جن سے آپ کی ابلاغ کی صلاحیت بڑھے گی۔ یاد رکھیے ابلاغ صرف ٹیچرز کی ہی ضروری نہیں بلکہ عام شخص کو بھی اپنی بات سمجھانا آنی چاہیے۔ اگر آپ میں بات سمجھانے کی خوبی موجود نہیں پھر بھی تھوڑی سی کوشش سے آپ اپنے ابلاغ کے معیار بہتر کر سکتے ہیں۔

1-دنیا میں کسی بھی فن کو سیکھنے کا سب سے آسان طریقہ "ماڈلنگ" یا کاپی کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کسی کو اپنا رول ماڈل مان لیتے ہیں اور پھر اسی کے طریقے کو استعمال میں لاتے ہوئے ہنر مند بن جاتے ہیں۔ آپ ایک لسٹ بنائیں اور ان تمام لوگوں کے نام لکھ لیں جن کی بات چیت کرنے کے انداز کو آپ پسند کرتے ہیں، لازمی نہیں کہ وہ ٹیچر ہی ہوں۔ اس لسٹ میں آپ کے دوست، فیملی ممبرز اور مذہبی سکالرز بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ لسٹ بنانے کے بعد ہر نام کے سامنے وہ خاص انداز لکھیے جس سے وہ اپنی بات کو آسانی سے سمجھا لیتے ہیں۔ ممکن ہے ان کی آواز میں کشش ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے چہرے کے تاثرات سے لوگ سمجھ جاتے ہوں۔ آپ وہ تمام تکنیکوں کو استعمال کریں۔

2-اگر آپ موویز، ڈرامہ اور ٹی وی دیکھتے ہیں تو آپ کیلئے ابلاغ سیکھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ کیوں کہ یہ سب لوگ جو ہمیں فلم، ڈرامہ یا ٹی وی پر نظر آتے ہیں، ابلاغ کی صلاحیت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ ایک کردار بغیر کچھ بولے ہی سب

کچھ کہہ رہا ہوتا ہے۔ نفرت، محبت اور جذبات کا اظہار چہرے کے تاثرات اور باڈی لینگوتج سے کیا جارہا ہوتا ہے۔ آپ اگر بغور ان کا مشاہدہ کریں گے تو حیران ہو جائیں گے کہ اگر ان کی آواز نہ بھی سنی جائے تو بھی مکمل کہانی اور بات سمجھی جاسکتی ہے۔

3- جب لوگ بات چیت کر رہے ہوں تو ان کے چہرے کے تاثرات اور جسم کی حرکات کو غور سے دیکھیں آپ کو بہت سی باتیں سمجھ آنا شروع ہو جائیں گی، جو وہ بول نہیں رہے لیکن ان کے چہرے کے تاثرات اور باڈی لینگوتج بتارہی ہے۔ جب آپ ابلاغ کی صلاحیت کو سمجھ کر لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو فطری طور پر آپ ابلاغ کو بہتر کرنے کا بھی سوچنے لگتے ہیں۔ آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ امریکہ میں ان لوگوں پر دس سال ریسرچ ہوئی جو لوگوں کو ملتے ہی ان کادل کا حال بتا دیتے ہیں یا پھر ان کے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرسکتے ہیں۔ یہ تمام لوگ دعویٰ رکھتے تھے کہ ان کے پاس کوئی موکل ہے یا روحانی صلاحیت ہے جبکہ ریسرچ نے ثابت کر دیا کہ یہ ان کا وہم ہے جو یقین کی شکل اختیار کرچکا ہے کہ ان کے پاس کوئی روحانی طاقت ہے دراصل ان کے چہرے کے تاثرات پڑھنے اور باڈی لینگوتج کو مفہوم دینے کی صلاحیت ملی ہوئی ہے اور وہ اس کو کام میں لاکر لوگوں کے مستقبل کا حال بیان کر دیتے ہیں۔

4- کہا جاتا ہے کہ ابلاغ کا سب سے پہلا اظہار آنکھوں سے ہوتا ہے، اسی

لئے اگر کوئی شخص کسی معاملے یا فرد میں دلچسپی لیتا ہے تو غیر ارادی طور پر وہ بار بار اس طرف دیکھنے لگ جاتا ہے۔ آنکھیں اگر کہیں متوجہ نہ ہوں تو یہ لا تعلقی کا اظہار ہوتا ہے۔ آنکھیں جھکی ہوئی ہوں تو یہ شرمندگی یا ادب کو ظاہر کرتی ہے۔ چور کی آنکھ سو آنکھوں میں شناخت کی جاسکتی ہے۔ محبت اور نفرت کا اظہار بھی آنکھوں سے ہوتا ہے۔ آپ دوسروں کی آنکھوں کو ضرور پڑھا کریں۔ آپ یہ جان کر شائد حیران ہوں گے کہ دنیا میں جتنی بھی شاعری محبت اور رومانس کے حوالے سے لکھی گئی ہے اس میں ۷۰ فیصد شاعری میں محبوب کی آنکھوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ روحانیت میں آنکھوں کو روح کی کھڑکی بھی کہا گیا ہے۔یعنی آپ کے اندر موجود روح آنکھوں کے راستے باہر جھانکتی ہے۔

5-یاد رکھیے ہم ان صلاحیت کو بڑھا (Improve) نہیں کرسکتے جس کو مونیٹر (Moniter) اور میژر (Measure) نہ کریں۔ آپ اپنی بات چیت کو ریکارڈ کرکے سنیں یا پھر ویڈیو بنا کر اپنی گفتگو کو سنیں، آپ کو اس میں کئی خامیاں نظر آئیں گی۔ ان خامیوں پر ایک ایک کرکے کام کریں۔ کچھ عرصے بعد وہ خامیاں دور ہوجائیں گی اور آپ کی بات کرنے اور بات سمجھانے کی صلاحیت بہتر ہوجائے گی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کبھی کبھار شیشے میں خود کو دیکھتے ہوئے بات چیت کریں۔ بظاہر یہ ایک احمقانہ حرکت معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے آپ کو اپنے چہرے کے تاثرات کا پتہ چلے گا۔ اور آپ ان کو درست کرسکیں گے۔ تیسرا

طریقہ یہ ہے کہ اپنے دوست احباب کی ڈیوٹی لگادیں کہ وہ آپ کے ابلاغ چہرے کے تاثرات، الفاظ کی ادائیگی اور تلفظ کو چیک کریں۔

یہ کبھی مت بھولیے کہ محنت اور پریکٹس کا کوئی نعم البدل ہے۔ میں شعبہ تدریس سے وابستہ ہوں اب تک ہزاروں لیکچرز اور سیمینارز ڈیلور کرچکا ہوں لیکن ان کو ڈیلور کرنے سے پہلے ہزاروں لیکچرز سن بھی چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی کسی بھی معاملے میں سنجیدگی ہی آپ کو باکمال بناتی ہے۔ اگر آپ اپنی ابلاغ کی صلاحیت بہتر بنانے میں سنجیدہ نہیں ہیں تو آپ کیلئے مذکورہ بالا آسان ٹپس کو فالو کرنا بھی مشکل ہو گا لیکن اگر آپ سنجیدہ ہیں تو آپ آج ہی دنیا کے بہترین ابلاغ کی صلاحیت کے ساتھ پیدا ہونے والے لوگوں کی ویڈیو ڈائون لوڈ کرکے ان سے مستفید ہورہے ہوں گے۔

قاسم علی شاہ

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مشتری ہوشیار باش۔۔۔!

مدارس اسلامیہ میں رمضان المبارک کی سالانہ تعطیلات قریب ہیں۔ ان تعطیلات میں بہت سے محنتی طلبہ اپنا وقت ضائع ہونے سے بچانے کے لیے مختلف علمی دورے، کورس یا ڈپلوما کرتے ہیں۔ اس گروپ میں بھی بارہا ان تعطیلات سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

اگر آپ بھی ایسا ہی کچھ کرنے جا رہے ہیں تو یہ تحریر آپ کے لیے ہے۔

ڈیجیٹل لٹیرے

پچھلے کچھ سالوں میں ڈیجیٹل کورسز کے نام پر جس طرح مدارس کے طلباء کو سکول کالج کے سٹوڈنٹ اور عام عوام کو لوٹا گیا اس پر صرف رویا اور افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

کچھ نامی گرامی ادارے جن کے بڑے شہروں میں باقاعدہ آفس ہیں وہ اس لوٹ مار کو بھی بڑے انداز سے کر رہے ہیں کہ وہ اپنے کورسز کے اشتہارات بھی باہر سے بنواتے ہیں اور بڑی بڑی رقمیں لے کر تھیوری پڑھا کر اِدھر اُدھر کی ہانک کر سکل کا سرٹیفکیٹ تھما کر چلتا کر دیتے ہیں, ان ادراوں کا صرف پیسے کمانے کا مشن ہے باقی نہ تو ان کو خود کام آتا ہے اور نہ ہی کسی ڈیجیٹل سکل سے کما رہے ہیں۔

دھوکہ اور جھوٹ بکواس پر مبنی ان کورسز کے نام پر پیسے کمانے کا دھندا کرنے والے ان اداروں کی دیکھا دیکھی کچھ شاطر اور باتوں کے تیز لوگوں نے بھی آن لائن کورسز شروع کیئے۔

کیوں کہ اس طرح چلاکی اور فراڈ سے پیسے بٹورنا بہت آسان ہے۔ایک محنتی پروفیشنل بندہ اپنی محنت اور ایمانداری سے پورے مہینے میں جتنا کماتا ہے فراڈی اور چلاک بندہ اپنی باتوں سے,مبالغہ آرائی سے بھرے اشتہارات, مستبقل کے دعووں اور بڑی بڑی باتیں چھوڑ کر ایک دن میں اس سے بھی زیادہ کما لیتا ہے, ایک دو نہیں بیسیوں مثالیں ہمارے آس پاس ہیں۔

یوٹیوب سے فری میں سیکھ کر آگے سکھانا شروع کر دیتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو بندہ کورس کرواتا ہے کورس ختم ہونے کے بعد اسی بیچ میں سے دو تین بندے وہی کورس لانچ کر دیتے ہیں۔

بڑے بڑے اشتہارات, بے سروپا دعوے, لالچ اور مستقبل کے سنہرے خواب دکھا کر دینی مدارس کے طلباء و طالبات, سکول و کالج کے نوجوانوں اور عام لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ان کورسز کے نام پر خوب لوٹ لیتے ہیں۔

کئی لوگ اشتہار لگاتے ہیں کہ ہم سے فلاں کورس کریں سکل سیکھیں اور لاکھوں روپے کمائیں ان بندوں سے پوچھا جائے کہ آپ نے اس سکل سے ابھی تک کتنے پیسے کمائے۔یقین جانیں ۹۹ فیصد آج کل کے آن لائن کورسز کروانے

والوں نے ابھی تک ایک روپیہ نہیں کمایا ہوتا۔

افسوس اس بات پر ہے کہ لوگ بتانے, سمجھانے کے باوجود بھی نہیں سمجھتے اس موضوع پر بول بول کر تھک گیا، لکھ لکھ کر بس ہو گئی کہ

اللہ کے لئے اپنے وقت اور رقم کی قدر کریں, اپنے اور اپنے والدین کے پیسوں کو یوں برباد مت کریں۔

جہاں بھی آن لائن کورس کا اشتہار دیکھیں اس بندے سے فوراً سوال کریں کہ آپ نے اس ہنر سے کتنا کمایا سب دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔

پاکستانی عوام کو بیوقوف بنانا نہایت آسان ہے بس مستقبل کے سنہرے خواب دکھاؤ, زیادہ کمائی کا لالچ دو لوگ فوراً جال میں پھنس جاتے ہیں۔

ہر سال دینی مدارس کی چھٹیوں میں بہت سارے موسمی استاد سامنے آتے ہیں جن کے اشتہارات میں اتنی زیادہ مبالغہ آرائی جھوٹ اور بکواس ہوتی ہے کہ اللہ کی پناہ, ان کے کورس کے اشتہار دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتنے پانی میں ہیں۔

اللہ کے بندو یاد رکھو! دنیا کی کوئی سکل بھی ایسی نہیں جو پروفیشنل لیول پر چند دنوں میں سیکھی جاسکے, تجربات سے ثابت کے کہ کوئی بھی سکل پروفیشنل لیول پر سیکھنے کے لئے کم سے کم ۴ ماہ سے ٦ ماہ کا عرصہ درکار ہے۔ کوئی بندہ چند دنوں میں سب کچھ سکھانے کا دعوی کرے تو فوراً سمجھ جائیں کہ یہ سراسر فراڈ اور بکواس ہے۔

اس طرح کے کورسز سے مستفیض کوئی ایک بندہ سامنے آئے جس نے ۱۵، ۱۰ دن کا کورس کر کے مارکیٹ یا آن لائن سے کمایا ہو؟ کوئی ایک بندہ سامنے آئے یا ایسے کسی مہان بندے کو پیش کریں جس نے ایک دو ہفتوں میں ہی کوئی سکل سیکھی ہو اور کمانے بھی لگ گیا ہو۔

میں اس بات پر دعویٰ کر سکتا ہوں کہ ایسا کوئی بندہ نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ سکل سیکھ کر اس پر بھرپور مہارت, پریکٹس اور گرفت حاصل کرنے کے بعد جب مارکیٹ میں سکل اور مہارت خود بولتی ہے تو پھر کلائنٹس کی لائنیں لگ جاتیں ہیں اور انکم ہوتی ہے۔

یوں ہی نہیں کہ اشتہاروں اور فراڈیوں کی باتوں میں آکر اپنا وقت اور پیسہ برباد کریں اور پھر روتے پھریں کہ ہم نے تو سیکھ کر بھی ابھی تک کچھ نہیں کمایا۔

حال یہ ہے کہ مثال کے طور پر جو بندہ گرافکس کے کسی سوفٹ وئیر کے ٹولز اور مینو پڑھ لیتا ہے، چند ڈبے اور لکیریں بنانا سیکھ جاتا ہے وہ بھی اپنے نام کے ساتھ گرافکس ڈیزائنر لکھنا شروع کر دیتا ہے اور اپنا تعارف گرافکس ڈیزائنر کے طور پر کروانا شروع کر دیتا ہے۔

کچھ ٹمپلیٹی جگاڑو بندے مختلف ویب سائٹوں اور مقامات سے بنے بنائے ٹمپلیٹ ڈیزائنوں پر اپنی فنکاریاں کر کے خود کو کریڈٹ دیتے ہیں اور گردن اونچی کر کے خود کو گرافکس ڈیزائنر کہلواتے ہیں۔

یاد رکھیں ڈیزائنر وہ ہے جو کریٹیو یعنی تخلیقی ہو اپنی مہارت سے اپنے ڈیزائن بنائے۔ ٹمپلیٹ چوروں کو پروفیشنلی دنیا میں ڈیزائنر نہیں کہتے بلکہ ڈیزائن تھیف کہا جاتا ہے اور فارن کلائنٹ ایسے ڈیزائن منہ پر واپس دے مارتے ہیں کیوں کہ وہ کلائنٹ اس طرح کے ٹمپلیٹ اور جگاڑ بازار سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔

اس لئے میری عاجزانہ اور برادرانہ گزارش ہے کہ کوئی بھی سکل سیکھیں وہ ماہر تجربہ کار اور پروفیشنل بندے سے پاس بیٹھ کر سیکھیں، کام کرنے کا طریقہ، مارکیٹ کے اصول، برینڈنگ، ٹرینڈنگ، فری لانسنگ کے داؤ پیچ اور ٹپس اینڈ ٹرکس سیکھیں وہ پروفیشنل بندہ جس نے آن لائن کمایا ہو, جس بندے سے سیکھنے لگیں پہلے اس سے تحقیق کریں کہ آپ نے اس سکل سے خود کتنا کمایا ہے باقاعدہ تحقیق کریں۔

آن لائن یا آف لائن کوئی بھی اشتہار دیکھیں سب سے پہلے اس سکھانے والے سے سوال کریں کہ آپ مجھے جو سکل سکھائیں گے آپ کا دعویٰ ہے کہ اس سکل کو سیکھ کر میں اس سے کماؤں گا پہلے آپ بتائیں کہ آپ نے اس سکل سے ابھی تک کتنا کمایا ہے؟

اس کی تحقیق کریں, اس کا ہنر آزمائیں اگر دل مطمئن ہو کہ یہ استاد واقعی ماہر تجربہ کار ہے اس نے اس ہنر سے کمایا ہے اور کمانے کا ہنر جانتا ہے تو بے غم ہو کر اس استاد کی خدمت کریں اس کو راضی کریں کہ وہ آپ کو اپنا ہنر منتقل کر دے۔

یقیناً زندگی سنور جائے گی۔

اللہ کے لئے اپنی رقم اور وقت کو یوں کسی کی باتوں، چلاکیوں اور اشتہارات کی نذر نہ کریں کیوں کہ آپ کا وقت اور رقم بہت قیمتی ہے۔

اور اس طرح کے استادوں اور فراڈیوں سے گزارش ہے کہ اللہ کے لئے رحم کریں

دینی مدارس کے طلباء اور طالبات سکول کالج کے سٹوڈنٹ اور عام غریب نوجوان کس طرح رقم کا بندوبست کرتے ہیں، آپ کے جھوٹے بکواس اور مبالغہ سے بھرے نعروں اور دعوؤں سے متاثر ہو کر غریب طلباء ادھار اور قرض لے کر آپ سے کورسز کرتے ہیں کہ مستقبل سنور جائے گا آپ لوگ کتنی آسانی سے ان کی رقموں پر ڈاکہ مار لیتے ہیں۔ اللہ کا واسطہ ہے اتنی چالاکیاں ہوشاریاں اور مبالغہ آرائیاں کر کے لوگوں کی معصومیت سے ناجائز فائدہ مت اٹھائیں۔ اللہ کی پکڑ اور آزمائش یقیناً بہت سخت ہے اور یاد رکھیں دھوکے فراڈ کی رقم کبھی ہضم نہیں ہوتی۔

نوٹ۔ میری باتیں سخت اور کڑوی ضروری ہوتی ہیں مگر اس میں ہمدردی اور بھلائی ہوتی ہے۔ حامد حسن

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ لکھنا شروع کریں

اکثر طلبہ مضمون لکھنا چاہتے ہیں، یا کسی تصنیف و تالیف کا ارادہ کرتے ہیں، لیکن شروع کرنے سے پہلے ہی ہمت ہار جاتے ہیں، ہمت کی کمزوری بہت بڑی بیماری ہے، اس میں ہمارے بعض فارغین بھی مبتلا ہیں، اس پست ہمتی نے کتنی صلاحیتوں کا خون کر دیا ہے، اور نتیجتاً ہم بہت سی علمی، فکری وادبی تخلیقات سے محروم ہو گئے ہیں۔

ان طلبہ و علماء کا عذر یہ ہے کہ جب وہ لکھنا چاہتے ہیں تو ان کے ذہن میں یہ وسوسہ شدت اختیار کر جاتا ہے کہ وہ جو کچھ لکھیں گے وہ معیار سے پست ہو گا، اور وہ تحریر کسی کی نگاہ سے گزرنے کے قابل نہیں ہو گی، اس لئے انہیں قلم اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی، اور اگر وہ کسی وقت لکھنے کے قریب آتے بھی ہیں تو پست حوصلگی انہیں پیچھے ڈھکیل دیتی ھے، وہ سوچتے ہیں کہ جب تک خیالات بالکل واضح اور مرتب نہ ہوں، زبان فصیح و بلیغ نہ ہو، اور اسلوب مؤثر اور سحر آفریں نہ ہو اس وقت تک وہ مضمون نگاری نہیں کر سکتے اور نہ ہی تصنیف و تالیف کی وادی کو گزرگاہ بنا سکتے ہیں۔

یہ شرط ایسی ہے جس کا پورا ہونا قریب بہ محال ہے، اس ناممکن الحصول شرط نے حسرتوں کو ان کے سینوں میں دفن کر دیا ہے، اور تمناؤوں کا گلا گھونٹ دیا

ہے، جب انہیں بزدلی کا طعنہ دیا جاتا ہے، یا ان کے عذر لنگ پر عار دلائی جاتی ہے، تو سوال کرتے ہیں کہ پھر ہم کیا کریں؟ ہماری خطا کیا ہے؟ ہمارے وسوسوں اور خواطر کا کیا علاج ہے؟

ان سے عرض ہے کہ آپ دو باتیں اچھی طرح سمجھ لیں:

ایک یہ کہ آپ کے خیالات جب تک قید تحریر میں نہیں آتے اس وقت تک آپ کو بالکل اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی حقیقت کیا ہے، فکر وزبان کا گہرا ربط ہے، زبان سے فکر میں ارتقاء ہوتا ہے اور زبان ہی سے فکر کی اصلاح ہوتی ہے، اور فکر سے زبان میں جان پیدا ہوتی ہے، لکھنے سے تصورات وادراکات واضح ہوتے ہیں، اور ان میں پختگی پیدا ہوتی ہے، لکھنے سے افسانے افسانے بنتے ہیں، اور کہانی کہانی بنتی ہے، آپ جب لکھیں گے تو آپ کو اپنے افکار کی کمزوریوں کا علم ہو گا، دلائل کی خامیاں سامنے آئیں گی، افسانے اور کہانی کے تسلسل میں خلا نظر آئے گا، بے ربطی عیاں ہو گی، اور یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ جس طرح ان خامیوں کے ساتھ یہ تحریر دوسروں کے سامنے پیش نہیں کی جاسکتی، اسی طرح ان خامیوں کے ساتھ ان افکار کو اپنے پاس رکھنا خطرناک ہے، اور ان سے آپ کے صحیح افکار وخیالات کو نقصان پہنچے گا۔

دوسرے یہ اچھی طرح ذہن نشیں کرلیں کہ جب بھی آپ کچھ لکھیں گے وہ ناقص ہو گا اور ناقابل اشاعت، افکار مبہم ہوں گے اور دلائل غیر مرتب، زبان

واسلوب میں بے شمار خامیاں ہوں گی، یہ آپ کا پہلا مسودہ ہے، پہلا مسودہ یقینا خراب ہوگا، پہلے مسودہ کا مطلب یہی ہوتا ہے۔

اگر آپ یہ سمجھ گئے کہ آپ جو کچھ پہلی بار لکھیں گے وہ غیر مکمل ہوگا اور نا قابل اشاعت، تو آپ کو یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ قابل اشاعت مضمون یا تصنیف تک پہنچنے کے لئے پہلا مسودہ ضروری ہے،، اور آب کو پہلا مسودہ یا ابتدائی خاکہ ہر حال میں لکھنا ہے، اور یہ یقین کرکے لکھنا ہے کہ وہ خراب ہوگا، اس کے بعد آپ کو نظر ثانی کرنی ہوگی، اور بار بار ردو بدل کرنا ہوگا، بعد کے سارے مرحلوں کا انحصار اس پہلے مرحلہ پر ہے، مضمون یا تالیف کے قابل اشاعت ہونے تک آپ کا پہلا مسودہ کچھ کا کچھ ہو چکا ہوگا، اور آپ کی تحریر ایک نیا "اسم" بن چکی ہوگی۔

اس لئے جو کچھ ذہن میں آئے اور جس ترتیب سے آئے اسے ضرور لکھیں، زبان کتنی ہی کمزور ہو، ہمت نہ ہاریں، آپ کا یہ پہلا قدم مرحلۂ کمال تک پہنچنا آسان کردے گا، اس کو یوں سمجھیں کہ آپ کو کہیں کا سفر کرنا ہے تو آپ کا پہلا قدم منزل نہیں ہوگا، لیکن منزل تک پہنچنے کے لئے بیحد ضروری۔

جب یہ بات صاف ہے کہ پہلا مسودہ بہر حال خراب ہوگا، تو لکھتے وقت اس کے اصلاح کی کوشش نہ کریں، بلکہ جس طرح آسانی سے مضمون ذہن میں آئے اسے تحریر میں لائیں، آپ یہ سمجھ لیں کہ اس پر آپ کے علاوہ کسی کی نظر

نہیں پڑے گی، لہذا شرم محسوس کرنے کی ضرورت نہیں، دوسرا مسودہ پہلے سے بہتر ہوگا، اور تیسرا اس سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ، مضمون یا کتاب کے قابل اشاعت ہونے تک پتہ نہیں کتنے مسودے تیار کرنے ہوں گے اور کتنے کاغذ سیاہ کرکے ردی کی ٹوکری میں ڈالنے ہوں گے۔

خلاصہ: اچھی تحریر کی بنیاد پہلے خراب مسودے پر ہے۔

آپ کے حوصلہ اور جہد مسلسل نے آپ کو مضمون نگار اور صاحب کتاب بنادیا، مبارک ہو کہ آپ کے افکار عدم کی یخ بستہ وادیوں سے طویل سفر کرکے ایک نئی شناخت لیکر اور نئے آن وبان اور نئی شان سے ظاہر ہوئے ہیں، ان کی خانہ بدوشیوں کا اجاڑ موسم گزر چکا ہے، اور خزاں کا عفریت مر چکا ہے، اب وہ نسیم ونکہت کے آبشار ہیں، اور قافلۂ رنگ وبو کی حسین بہار۔

#منقول_تحریر

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے
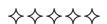
پیش قدمی اور ردِ عمل

(Proaction and Reaction)

درسِ نظامی اور تخصص فی الفقہ کی تکمیل کرنے والے طلبہ کے نام ایک اہم تحریر جس میں آپ پڑھیں گے:

- دین و دنیا کے ہر شعبے میں کامیابی کا نسخہ۔
- مستقبل میں سوشل میڈیا پر کام کرنے کے خواہش مند طلبہ کے لیے چند مفید نکات۔
- دار الافتاء میں سوالات کی کمی کا حل۔
- ایک مفتی بن کر آپ اپنی زندگی میں ہزاروں فتاوی کیسے لکھ سکتے ہیں؟

اور بہت کچھ۔۔۔

جامعہ کا وسیع و عریض صحن عوام الناس سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ آج یہاں تعلیمی سال کے اختتام پر درسِ نظامی اور تخصص فی الفقہ سے فراغت پانے والے طلبہ کی دستار فضیلت تھی۔ طلبہ کے ساتھ ان کے عزیز و اقارب کے چہرے بھی خوشی سے جگمگا رہے تھے۔ سالوں کی کڑی محنت کا پھل آج وصول ہونا تھا۔

اچانک مائیک سے مہمان خصوصی کو خطاب کے لیے دعوت پیش کی گئی تو پنڈال سے نعروں کی صدا بلند ہونے لگی۔ آج کی تقریب کی اہمیت کے پیش نظر شہر کے ایک جید مفتی صاحب کو خصوصی خطاب کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ مفتی

صاحب اپنی مسند پر جلوہ افروز ہوئے تو پنڈال میں یکدم خاموشی چھا گئی۔

مختصر خطبے کے بعد انہوں نے جامعہ کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا اور اساتذہ وطلبہ کے علم و عمل میں برکت کے لیے دعا کی۔

پنڈال میں چھائی خاموشی بتارہی تھی کہ عوام ان کی تقریر سننے کے لیے کس قدر بے تاب بیٹھے ہیں۔

مفتی صاحب نے حاضرین محفل کی جانب روئے سخن پھیرا اور گویا ہوئے:

ا

آج میرا ارادہ لمبی چوڑی تقریر کرنے کا نہیں بلکہ آج مختصر سی تقریر کے بعد طلبہ کا امتحان ہو گا کہ وہ میری تقریر پر کتنے اور کیسے سوالات قائم کرتے ہیں، چاہیں تو عوام بھی اس میں شرکت کر سکتے ہیں۔ اس لیے میرے گزارش ہے کہ ویڈیو بنانے والے حضرات موبائل چھوڑ کر ڈائری سنبھال لیں تو بہتر ہو گا۔

مفتی صاحب نے بڑی خوب صورتی سے ویڈیو بنانے والوں کی توجہ اپنی جانب موڑ لی۔

چونکہ درسِ نظامی اور تخصص کی تکمیل کرنے والے طلبہ آج سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کرنے جارہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک دین کے کسی نہ کسی محاذ پر اپنے فرائض ادا کرے گا۔ اس لیے مناسب ہو گا کہ آج انہیں کامیابی کا ایک ایسا نسخہ دیا جائے جو دین و دنیا کے ہر شعبے کے لیے کفایت کرے۔

مفتی صاحب نے تمہیدی کلمات ادا کیے تو ہر ایک ہمہ تن گوش ہو کر ان کی جانب دیکھنے لگا۔

آج میں آپ کو پیش قدمی اور ردِ عمل کا فرق سمجھاؤں گا۔ پیش قدمی کو انگریزی میں پرو ایکشن (Proaction) اور ردِ عمل کو رِی ایکشن (Reaction) کہتے ہیں۔

پیش قدمی کرنے والے کو پرو ایکٹِو (Proactive) اور ردِ عمل دینے والے کو رِی ایکٹِو (Reactive) کہتے ہیں۔

ان الفاظ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں، بہتر ہے کہ ڈائری میں بھی نوٹ کریں کیونکہ تقریر کا آئندہ حصہ انہی الفاظ کے گرد گھومتا رہے گا۔

مفتی صاحب نے توجہ دلائی تو کچھ طلبہ نے اسے ڈائری میں لکھ لیا اور بہت سے دیگر افراد موبائل پر ہی نوٹس لینے لگے۔

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ رِی ایکٹِو شخص دوسروں کی جانب سے عمل کا منتظر رہتا ہے۔ جب مقابل عمل کرتا ہے تو یہ جواباً حرکت میں آتا ہے ورنہ نہیں۔

اس کے برعکس پرو ایکٹِو شخص کسی دوسرے کی جانب دیکھے بغیر خود سے آگے بڑھ کر کام کرتا ہے۔

آپ دنیا کے کسی بھی شعبے کا جائزہ لے لیں ہر جگہ پرو ایکٹِو افراد ہی کامیاب دکھائی دیں گے اور رِی ایکٹِو ناکام، یا کم از کم دوسروں سے پیچھے ضرور رہ جاتے

ہیں۔

یہ فارمولا صرف ایک فرد کے لیے نہیں ہے بلکہ اداروں، تنظیموں اور قوموں کے لیے بھی ہے۔ جو ادارہ، تنظیم یا قوم پرو ایکٹِو ہے وہ دنیا میں دوسروں سے آگے ہے۔ جب تک مسلمان پرو ایکٹِو رہے دنیا میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ آج کا مسلمان اسی لیے ہر جگہ مار کھا رہا ہے کہ وہ رِی ایکٹِو ہو کر رہ گیا ہے، اور وہ بھی محض زبانی کلامی۔

اس لیے میری آپ تمام طلبہ سے گزارش ہے کہ آپ کسی بھی شعبے میں قدم رکھیں کامیابی چاہتے ہیں تو ہر دم پرو ایکٹِو رہیں، رِی ایکٹِو بننے کی کوشش ہر گز نہ کریں ورنہ آپ ناکام رہ جائیں گے۔

طالب علم، مدرس، ناظم، امام، مبلغ، مفتی یا کسی تنظیم یا کسی ادارے کے سربراہ جہاں کہیں جس منصب پر جائیں کسی کے دھکا لگائے بغیر آگے بڑھ کر کام کرتے رہیں۔ کسی کام کے لیے کبھی یہ نہ کہ یہ میرا کام نہیں، اور یاد رکھیں کہ۔۔۔

۲

جی بیٹا، آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں؟ ایک طالب علم کے ہاتھ بلند کرنے پر مفتی صاحب نے پوچھا۔

جی جناب، بحمد اللہ تعالیٰ میں نے تخصص فی الفقہ کی تکمیل کر لی ہے اس لیے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں ایک پرو ایکٹِو مفتی کیسے بن سکتا ہوں؟

اس طالب علم نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔

ماشاء اللہ، اچھا ہوا آپ خود ہی سوال جواب کی جانب آ گئے۔

تو جناب، اگر آپ دار الافتاء میں بیٹھ کر سائلین کے منتظر رہیں گے، اور جب تک کوئی سائل نہ آئے آپ کا قلم حرکت میں نہیں آئے گا تو آپ ایک رِی ایکٹِو مفتی بن کر رہ جائیں گے۔

ہاں اگر آپ سائل کا انتظار کیے بغیر خود آگے بڑھ کر اپنے اور آئندہ زمانے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے فتوی لکھتے رہیں گے تو آپ ایک پرو ایکٹِو مفتی بن جائیں گے۔

۳

مفتی صاحب نے جواب دیا تو وہ طالب علم دوبارہ کھڑا ہو گیا اور بولا:

جناب ذرا وضاحت فرمایئے، چلتے پھرتے سوالات کس طرح مل سکتے ہیں؟ کوئی مثال۔۔۔؟

بالکل، ایک مثال نہیں درجنوں مل جائیں گی میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک چیل مرے ہوئے چوہے کو پنجوں میں دبائے اڑ رہی ہے۔ اڑتے اڑتے وہ چوہا چیل کے پنجوں سے چھوٹا اور ایک کنویں میں جا گرا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی نے اس معمولی سے

واقعہ کی بنیاد پر مرے ہوئے جانور کے کنویں سے نکلنے کے مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالی سے اختلاف فرمایا، جبکہ اس کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو۔

سوچیے! ایسا کوئی واقعہ آج کے دور میں ہمارے سامنے ہوتا تو ہم کیا کرتے؟ جھٹ کیمرہ نکال کر ویڈیو بناتے اور سوشل میڈیا پر اپلوڈ کرتے، یا شاید کوئی اہمیت نہ دیتے۔

لیکن ان نفوسِ قدسیہ کے اذہان پر ہر وقت اپنا مقصد غالب رہتا تھا۔ کہیں بھی ہوتے، کچھ بھی کرتے یا دیکھتے اس میں دینی پہلو تلاش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

میرا خیال ہے آپ کی تشفی ہو چکی ہو گی کہ چلتے پھرتے استفتاء کہاں سے دستیاب ہوں گے۔ اگر آپ کے ذہن پر بھی ہر وقت اپنا کام یعنی افتاء سوار ہو گا تو آپ کو بھی کسی سائل کی ضرورت نہیں رہے گی اور یوں دن بھر میں سینکڑوں استفتاء چلتے پھرتے آپ کو مل سکتے ہیں۔

اس لیے میری گزارش ہے کہ اگر آپ پرو ایکٹِو مفتی بننا چاہتے ہیں تو دار الافتاء کی عمارت میں بند ہو کر سائلین کا انتظار نہ کریں بلکہ خود آگے بڑھ کر عوام کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے سوالات کا کھوج لگائیں۔

۴

مفتی صاحب نے جواب دیا تو ایک اور طالب علم نے سوال کے لیے مائیک

لے لیا اور کہنے لگا:

جناب آپ کی باتیں سمجھ تو آرہی ہیں لیکن نئی اصطلاحات کے ساتھ ذہن قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا، کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اسلاف بھی پرو ایکٹِو تھے؟

یقیناً، ہمارے اسلاف پرو ایکٹِو ہی تھے۔ سوچیے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی کے پاس کون زبانی یا تحریری سوال لے کر گیا تھا؟ جو حکایت میں نے ابھی بیان کی ہے اس کے بعد میرا نہیں خیال کہ اس سوال کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی آپ کی تسلی کے لیے مزید وضاحت کیے دیتا ہوں۔

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارے اسلاف ہر شعبے میں پرو ایکٹِو تھے۔ وہ عوام کی جانب سے سوالات کا انتظار کیے بغیر خود آگے بڑھ کر ان کی ضرورت کا صرف احساس ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اسے پورا بھی کرتے تھے۔ انہوں نے صرف اپنے دور کے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لیے باقاعدہ کام بھی کیا۔ صرف فتاوی ہی نہیں بلکہ اصول بھی مرتب فرمائے۔ انہی بزرگوں کی محنت سے آج صدیوں بعد بھی مسلمان فیض یاب ہو رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ آج جدید دور میں پیش آمدہ مسائل کے لیے صدیوں پرانی کتب کنگھالیں تو کوئی نہ کوئی اصول یا جزیہ نکل ہی آتا ہے۔

اور دوسرا ثبوت ہزارہا صفحات پر پھیلی کتبِ فتاوی میں مذکور لاکھوں دینی مسائل ہیں۔ کتبِ فتاوی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کثیر مسائل ایسے ہیں جو کسی کے سوال کا جواب نہیں بلکہ خود ان بزرگوں کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں۔

۵

دین سے دوری کے اس دور میں آج کا سائل اپنے مسائل لے کر دارالافتاء کا رخ کم ہی کرتا ہے۔

سوچیے، بار بار سوچیے، کیا سائل کے انتظار میں لاکھوں شرعی مسائل وقت کی گرد تلے دب کر نہیں رہ جاتے؟

اسلاف کی سنت پر عمل کرتے ہوئے آپ خود سوال کیوں نہیں کھوجتے؟

سوال کو آدھا علم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سوال کے بعد ہی انسان کے ذہن میں جواب جاننے کی جستجو پیدا ہوتی ہے۔

٦

مفتی صاحب نے جواب دیا تو درسِ نظامی کے ایک طالب علم نے سوال کے لئے مائیک سنبھال لیا اور کہنے لگا:

جناب میں نے ابھی درسِ نظامی مکمل کی ہے اور آگے تخصص فی الفقہ کا ارادہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں گزشتہ چار سال سے جامعہ کے

دارالافتاء میں مفتی صاحب کی معاونت بھی کرتا ہوں۔ میرا سوال یہ ہے کہ اگر ہم خود سے سوال کھوج لیں اور اس کا جواب بھی لکھ لیں، لیکن وہ جواب پہنچائیں گے کس کے پاس جب کوئی سائل ہی نہیں ہوگا تو جواب کس کو دیں گے؟

ماشاءاللہ، ماشاءاللہ جناب آپ تو پہلے سے پرو ایکٹِو طالب علم ہیں۔ اللہ تعالی آپ کے علم میں برکت عطا فرمائے۔ آپ نے بالکل درست وقت میں دار الا فتاء میں قدم رکھا۔ میں بھی طلبہ سے یہی کہتا ہوں کہ دارالافتاء میں بیٹھنے کے لئے تخصص فی الفقہ انتظار نہ کیا کریں بلکہ درجہ ثالثہ یارابعہ سے ہی دار الافتاء میں آنا جانا شروع کریں۔ ابتداءً مفتی صاحب کی معاونت کریں، کتابیں نکال کر دیں، عبارات تلاش کریں اور رفتہ رفتہ ہفتے میں کم از کم ایک فتوی خود بھی لکھیں۔ یوں آپ درسِ نظامی کی تکمیل تک سینکڑوں فتاوی کی مشق کر چکے ہوں گے اور تخصص فی الفقہ کے دوران آپ کو زیادہ مشکل پیش نہیں آئے گی۔

اب آتا ہوں آپ کے سوال کی جانب۔۔۔۔

جو سوالات آپ خود سے تلاش کریں گے ان کے جوابات کے لیے آپ فتاوی کی کتب چھاپ سکتے ہیں، مختلف رسائل وجرائد میں مضامین کی صورت میں ارسال کر سکتے ہیں، اپنے رسائل اور کتابچے شائع کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ سوشل میڈیا کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اس کے لیے بہت زیادہ وسائل کی ضرورت بھی نہیں۔

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ سوشل میڈیا کے اس دور میں ایک پروایکٹِو مفتی بہت بڑا کام کر سکتا ہے۔ صرف جدید ذہن کی نفسیات کو جاننے اور سمجھنے کی حاجت ہے۔

۷

مفتی صاحب کے جواب پر وہی طالب دوبارہ گویا ہوا:

جناب سوشل میڈیا کا استعمال تو ہم پہلے سے کر رہے ہیں لیکن صورت حال خاصی مایوس کن ہے، عوام کی دلچسپی دکھائی نہیں دیتی۔

ہمم۔۔۔ آپ کی بات درست ہے کئی سال قبل جب میں نے سوشل میڈیا پر کام شروع کیا تھا تو مجھے بھی کچھ ایسی ہی صورتحال کا سامنا ہوا تھا لیکن اب ایسا نہیں، کیوں؟ اس کی وجوہات آپ کو تفصیلاً عرض کرتا ہوں۔

کاغذ اور قلم سنبھال لیں، سوشل میڈیا پر کام کرنے کے لئے چند نکات اپنے تجربات کی روشنی میں آپ کے گوش گزار کرتا ہوں اگر انہیں مدنظر رکھ کر کام کریں گے تو ان شاءاللہ کم وقت میں عمدہ نتائج برآمد ہوں گے۔

مفتی صاحب نے کہا تو طلبہ ایک بار پھر نوٹس لینے کیے لیے مستعد ہو گئے۔

میری ناقص رائے میں کچھ چیزوں کی کمی ہے اگر انہیں پورا کر لیا جائے تو یہ شکایت دور ہو سکتی ہے۔

درسِ نظامی یا تخصص کے بعد طلبہ عموماً اساتذہ سے تعلق توڑ لیتے ہیں۔ شاید

ذہن کے کسی گوشے میں یہ سوچ دبی ہوتی ہے کہ درسِ نظامی یا تخصص کے بعد پڑھائی ختم ہو گئی، اب مزید کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی سوچ کے تحت مزید سیکھنے کی جستجو نہیں کرتے، کوئی نئی کتاب نہیں پڑھتے، کوئی نیا کورس نہیں کرتے۔ یہ درست نہیں، وقتاً فوقتاً اساتذہ سے رہنمائی ومشورہ لیتے رہنا چاہیے۔ نیز اپنے شعبے سے متعلق نئے کورس بھی کرتے کرواتے رہنا چاہیے۔ سیکھنے سکھانے کے عمل کی کوئی عمر نہیں یہ مرتے دم تک جاری رہتا ہے۔

ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: لا یزال المرء عالماً ما طلب العلم، فإن ظنّ أنہ قد علم فقد جھل.

اسی طرح ایک اور بزرگ کا قول بھی ہے کہ وہ شخص ہلاکت میں ہے جس کے دو دن علم میں برابر ہوں۔ مراد یہ کہ مثلاً آج کسی شخص کو سو چیزوں کا علم ہے تو کل اسے کم از کم ۱۰۱ اور پرسوں ۱۰۲ کا علم ہونا چاہیے۔ یعنی روزانہ کچھ نہ کچھ نیا سیکھ کر اپنے علم میں اضافہ کرتے رہنا چاہیے۔

(#المدرس گروپ میں ایک تحریر موجود ہے "رمضان المبارک کی چھٹیاں اور میری سی وی" تلاش کر کے مطالعہ کیجیے)

جس زبان میں آپ کو اظہارِ خیال کرنا ہے اس کا ادب سیکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ (علمِ) ادب یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ایک بات کو کتنے مختلف طریقوں سے کسی کے ذہن میں اتار سکتے ہیں۔ ایک اچھا ادیب ذہنوں کو متاثر کرنے کا فن

جانتا ہے۔ آج معاشرے میں فحاشی، بدمذہبی اور الحاد پھیلنے کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے علمِ ادب سے ناتا توڑ لیا۔ یقین نہ آئے تو آپ سروے کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

(اس پر کچھ عرصہ پہلے #المدرس گروپ میں ایک تحریر بھی لکھی تھی "فن تحریر / فن گفتگو علماء کی میراث ہے" آپ تلاش کر سکتے ہیں)

کیا آپ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی ایسی شخصیت دکھا سکتے ہیں جس نے پُر اثر تصانیف بطور یادگار چھوڑی ہوں اور علمِ ادب سے بالکل کوری ہو؟

میرا خیال ہے نہیں دکھا سکتے۔ اسلام تو کیا دنیا بھر کی تاریخ میں ایسی کوئی شخصیت نہیں ملے گی۔

پھر مان لیجیے کہ ایک ایسا عالمِ دین جس کی تحریر و تقریر دلوں پر اپنا دیرپا اثر چھوڑتی ہو علمِ ادب سے کورا نہیں ہو سکتا۔

منطق اور فلسفہ یہ وہ دو ہتھیار ہیں جن کو علوم کا ایٹم بم کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ ان کا حصول بھی ایٹم بم کی طرح دشوار ہے لیکن فوائد وہی جانتا ہے جس کے پاس یہ موجود ہوں۔ اسلام دشمن قوتیں آج بھی انہی علوم کی مدد سے فکری یلغار کر رہی ہیں اور ہم انہیں بے کار اور فرسودہ سمجھ کر چھوڑتے جا رہے ہیں۔ ان علوم کو عملی زندگی میں استعمال کرنے کی مشق کرنا بہت ضروری ہے۔

گروپ (ادارہ) بنا کر کام کریں۔

ایسے افراد صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں جن کی ذات میں اللہ تعالی کثیر علوم جمع فرما دیتا ہے۔ بندہ اپنی خوبیوں کے ساتھ کمزوریوں کا ادراک واعتراف کرنا سیکھ لے تو جان لیتا ہے کہ ایک ایک اور دو گیارہ ہوتے ہیں۔

نیز اس وقت باطل ادارے بنا کر کام کر رہا ہے۔ ادارے کا مقابلہ فرد کے لیے کرنا نہایت مشکل ہے۔

نیز فرد کا کام اس کے دنیا سے جاتے ہی ختم ہو جاتا ہے جبکہ ادارے افراد کے آنے جانے سے ختم نہیں ہوتے، بشرطیکہ ون مین شو(One man show)نہ ہو۔

جدید ذہن کو سمجھے بغیر ان کے درمیان کام کرنا مشکل ہے۔ اس کے لیے میرا مشورہ ہے کہ سوشل میڈیا پر وقت ضائع کرنے کے بجائے یوٹیوب سے سوفٹ اسکلز(Soft skills)پر ویڈیوز دیکھیں اور اچھی طرح سمجھیں۔ اردو(اور ہندی) میں اس پر کافی مواد موجود ہے۔ نیز مدارس کے ناظمین و مہتممین کے لیے تو اسے فرضِ عین کے درجے میں سمجھ لیں۔

خیال رہے کہ سوفٹ اسکلز کوئی بہت بڑا ہوا نہیں آسان زبان میں آپ اسے موجودہ نظام کا تصوف کہہ سکتے ہیں۔ درسِ نظامی خصوصاً تخصص سے فارغ التحصیل شخص کے لیے زیادہ مشکل نہیں۔ ایک مفتی صاحب کہا کرتے تھے کہ تخصص فی الفقہ لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔ تو جناب اگر آپ نے تخصص فی

الفقہ کے چنے چبا لیے تو آپ سوفٹ اسکلز بھی سیکھ سکتے ہیں۔

سوشل میڈیا یا انٹرنیٹ پر کام کرنا ہے تو ڈیجیٹل مارکیٹنگ سے متعلق چند مزید کورس بہت ضروری ہیں جیسے سوشل میڈیا اور سرچ انجن مارکیٹنگ، سوشل میڈیا اور سرچ انجن آپٹیمائزیشن وغیرہ۔ ورنہ آپ کی محنت کا خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ ہوگا۔ یہ بھی زیادہ مشکل نہیں صرف سال چھ مہینے کی محنت ہے۔ خود وقت نہ نکال سکیں تو کچھ شاگردوں کو تیار کریں، یا رضاکار (Volunteer) تلاش کر لیں یا جیب اجازت دے تو کسی کو تنخواہ پر رکھ لیں۔ کیونکہ گوگل، یوٹیوب اور فیس بک وغیرہ ایک مشین کی طرح کام کرتے ہیں جو اس مشین کا جتنا زیادہ ماہر ہے وہ اتنا ہی انٹرنیٹ پر کامیاب ہے۔

یوں سمجھ لیں کہ اس وقت اگر آپ ۸۰ روپے کی محنت کر کے ۲۰ روپے کا نتیجہ حاصل کر رہے ہیں تو اس کورس کے بعد انٹرنیٹ پر ۲۰ روپے کی محنت کر کے ۸۰ روپے کا نتیجہ حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اسے ۸۰/ ۲۰ کا قانون (Eighty Twenty Rule) کہتے ہیں۔

جدید ذہنوں کے مطابق گفتگو کرنا سیکھیں۔ منفی اور سخت انداز کو چھوڑ کر مثبت، نرم اور دھیما انداز گفتگو اپنائیں۔ خیال رہے کہ میں جوشیلی تقریر کو برا نہیں کہہ رہا، عند الضرورت اس میں بھی حرج نہیں بلکہ پرجوش تقریر احادیث سے ثابت ہے۔

فرض کیجیے آپ ایک ہوٹل چلارہے ہیں تو آپ کو مختلف گاہکوں کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا ہوگا کسی کو دال چاہیے ہوگی تو کسی کو سبزی اور گوشت پسند کرتا ہوگا۔ یونہی عوام الناس میں کوئی تحریر پسند کرتا ہے، کوئی ویڈیو دیکھنا، کوئی ٹاک شو دیکھنا چاہتا ہے، کوئی کتاب پڑھنا تو کوئی کہانی پڑھنا۔

اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ہر قدیم وجدید طریقہ استعمال کریں۔ سب کو اپنی ذاتی پسند کا ایک ہی کھانا کھلانے کے بجائے ہر ایک کو اس کی پسند کے مطابق پیش کریں گے تو ہی رغبت ہوگی۔ اس میں اگرچہ وقت زیادہ صرف ہوگا اور کسی حد تک سرمایہ بھی لیکن اگر آپ ہمت کریں گے تو اللہ تعالیٰ خود بخود راستے آسان فرما دے گا۔

سوشل میڈیا پر کام کرنے والے اکثر ساتھی شکایت کرتے ہیں کہ عوام کی دلچسپی نہیں میں ان سے یہی کہتا ہوں کہ یوٹیوب پر کئی موٹیویشنل ٹیچرز مل جائیں گے، انہیں سنیں، اور تجزیہ کریں کہ ان کی اکثر باتیں ایک عالمِ دین بہت اچھے طریقے سے کر سکتا ہے۔ پھر کیا وجہ کہ آپ کی ویڈیو پر چند سو دیکھنے والے اور ادھر لاکھوں میں؟

آپ کو اپنے علم پر جدید انداز کی پالش کرنے کی حاجت ہے۔ یہ ایک باقاعدہ فن ہے اور محنت کے بغیر ہاتھ نہیں آتا۔

اس پر مزید بھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن تقریر طویل ہورہی ہے اس لیے

اختتام کی جانب بڑھتے ہیں۔

اللہ نے چاہا تو مندرجہ بالا امور پر توجہ دینے سے جدید ذہن آپ کی جانب متوجہ ہو گا اور آپ کے پاس سوالات آنا شروع ہوں گے۔

بقیہ کمی آپ اسلاف کے سنت پر عمل کرتے ہوئے خود سے سوالات کھوج کر پوری کر سکتے ہیں۔ خود سائل بنیں اور خود ہی مجیب، جواب لکھ کر اساتذہ کر دکھائیں اور سوشل میڈیا پر شائع کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پاس محفوظ کر لیں۔ ایک سال کے بعد جب آپ کے فتاوی کی پوری جلد تیار ہو جائے گی اس وقت یہ محفوظ شدہ مواد آپ کے کام آئے گا۔

۸

خیال رہے کہ خود سے سوالات بنانا بظاہر مشکل کام دکھائی دیتا ہے لیکن درحقیقت ہے نہیں۔

مفتی صاحب کے ارشادات طلبہ تیزی کے ساتھ لوٹ کر رہے تھے۔

بس جناب، ایک آخری گزارش ہے۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو عرض کروں۔

تخصص فی الفقہ کا ایک اور طالب علم کھڑا ہو کر بولا۔

جی بالکل، مجھے طلبہ کے سوالات پر خوشی ہوتی ہے۔ سوال کا مطلب ہے کہ آپ کسی دوسرے کی سوچ کے پیچھے آنکھیں بند کر کے بھاگنے کے بجائے اپنا ذہن استعمال کر رہے ہیں۔

مفتی صاحب نے ہمت بندھائی تو وہی طالب علم گویا ہوا:

جناب میری گزارش ہے کہ آپ چند سوالات بطور نمونہ بنا کر دکھایئے تاکہ ہم طریقہ کار سے بخوبی واقف ہو جائیں۔

بالکل میں تیار ہوں، آپ کسی چیز کا نام لیجیے ہم اس پر فرضی سوالات قائم کریں گے، اور آپ دیکھیں گے کہ انہی فرضی سوالات میں سے بہت سے معاشرے کی ضرورت کے بھی نکل آئیں گے۔

جناب سبزی پر کچھ سوالات بنا کر دکھایئے۔

اس طالب نے کہا تو مفتی صاحب مسکراتے ہوئے گویا ہوئے:

لگتا ہے جامعہ میں آپ کو سبزیاں زیادہ کھلائی جاتی ہے۔

مفتی صاحب نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ بات آگے بڑھائی، لیجیے جناب سبزیوں پر چند سوالات۔۔۔۔

ایک کسان بیج، دوائیاں اور کھاد وغیرہ کس طرح خریدتا ہے، اس عمل میں سود وغیرہ غیر شرعی معاملات تو نہیں؟

سوشل میڈیا پر ہر طبقے کی طرح کسانوں کے گروپ بھی موجود ہیں اس لیے گھبرائیں نہیں تحقیق کے لیے کھیتوں کے دھکے نہیں کھانے ہوں گے۔

ہائبرڈ(Hybrid) بیج کیا ہے اور شرعاً اس کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ مستقبل میں انسان کو اس سے کیا خطرات لاحق ہو سکتے ہیں؟

موجودہ دور میں کھیتوں کو کن کن ذرائع سے پانی سے دیا جاتا ہے، ہر ایک کا شرعی حکم و متعلقہ مسائل، مثلا کس صورت میں عشر ہو گا کس میں نہیں، وغیرہ۔

پانی کی چوری کا شرعی حکم؟

اس پر کسان اعتراض کر سکتے ہیں کہ اکثر شہری بھی تو بل ادا کیے بغیر پانی استعمال کرتے ہیں۔ لیجیے! سوال سے ایک نیا سوال نکل آیا۔

بلکہ تیسرا سوال بھی ذہن میں آیا، وہ یہ کہ ایک مرتبہ استاذ صاحب نے دوران درس بتایا تھا کہ مفتی وقار الدین صاحب رحمہ اللہ تعالی واٹر پمپ (کراچی) کے علاقے میں رہائش پذیر ہوئے تو بعض افراد نے استفسار کیا کہ حضرت وہاں جنگل میں کیوں رہائش اختیار کر لی؟ (اس دور میں وہاں اتنی آبادی نہ تھی) آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہاں موٹر سے کھینچے بغیر پانی آتا ہے۔

کیونکہ حکومت کی جانب سے لائن پر موٹر لگانے کی قانوناً اجازت نہیں۔ پانی کا دباؤ اتنا آتا ہے کہ اگر کوئی بھی لائن پر موٹر نہ لگائے تو پانچویں منزل تک پانی بآسانی چڑھ جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے لالچ میں موٹر لگائی تو شہر میں سب لوگوں کو لگانا پڑیں، نہ لگائیں تو موٹر والے گھر زائد پانی کھینچ لیتے ہیں حتی کہ اب اس کے بغیر پانی نہیں آتا۔ اس میں ڈر ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو جائے، ہم کسی اور کے حصے کا پانی استعمال نہ کر لیں۔

اللہ تعالی ان پر رحم فرمائے اور ان کے صدقے ہمیں بھی ان جیسا تقوی اور

احتیاط نصیب فرمائے۔

سوال یقیناً آپ سمجھ چکے ہوں گے۔ پانی والے موضوع کو آگے بڑھائیں گے تو درجن بھر سوالات اور سامنے آجائیں گے اس لیے واپس سبزی منڈی چلتے ہیں۔

مفتی صاحب نے مسکراتے ہوئے اگلا سوال بتایا۔

سبزی تیار ہونے کے بعد منڈی تک پہنچنے سے پہلے ہی کچھ لوگ کسان سے راستے میں فصل خرید لیتے ہیں، ان کے کاروبار کا شرعی حکم کیا ہو گا؟

بعض آڑھتی فصل تیار ہونے سے پہلے فصل کا سودا کر لیتے ہیں، کیا شرعی حکم ہو گا؟

منڈی والے کسان سے معمولی قیمت پر خرید کر ذخیرہ کرتے ہیں اور کئی گنا منافع پر بیچتے ہیں، کیا حکم ہو گا؟

کچی یا باسی سبزیوں کو رنگدار پانی میں دھو کر عمدہ مال ظاہر کر کے بیچا جاتا ہے، کیا حکم ہو گا؟

کیمیکل کے ٹیکے لگا کر سبزیوں اور پھلوں کو وقت سے پہلے پکایا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسانوں میں نت نئی بیماریاں جنم لے رہی ہیں، کیا حکم ہو گا؟

بعض فصلوں (جیسے گنا) کے نرخ حکومت کی جانب زبردستی سے مقرر کیے جاتے ہیں۔ کئی کسان مناسب نرخ نہ ملنے پر کھیت کو آگ لگا دیتے ہیں، فریقین

کے فعل کا شرعی حکم؟

آپ نے دیکھا، سوچنے بیٹھے تو ذرا سی دیر میں سبزی سے دس سوالات (استفتاء)بر آمد ہو گئے۔

در حقیقت آپ کے ہاتھ میں پکڑا موبائل، سامنے رکھا کمپیوٹر، سڑک پر دوڑتی گاڑیاں اور میڈیا پر لمحہ بہ لمحہ بدلتی خبریں غرض ہر ہر چیز ہر لمحہ آپ یعنی ایک پرو ایکِٹو مفتی کو پکار رہی ہے کہ میرے اندر بہت سے سوال چھپے ہیں، آؤ! ان کا کھوج لگا کر اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کی شرعی ضرورت کو پورا کرو۔

اسلاف نے اس پکار کو سنا اور لبیک کہا تو آج لاکھوں شرعی مسائل سے کتب فقہ لبریز ہیں۔

اگر آپ سائلین کے منتظر رہیں گے تو سال بھر میں چند سو فتاوی کے سوا کچھ زیادہ کام نہیں کر سکیں گے۔ ان میں سے بھی اکثر کے جوابات کسی حد تک پرانی کتب سے ہی بعینہٖ مل جاتے ہیں۔ اور آج کل دار الافتاء میں زیادہ تر طلاق اور وراثت کے ملتے جلتے مسائل ہی پوچھے جاتے ہیں۔ تحقیق طلب فتاوی کی تعداد نہایت کم ہوتی ہے۔

اب فرض کر لیں کہ آپ نے چالیس سال افتاء کا کام کیا، اس حساب سے آپ کتنے تحقیقی فتاوی لکھ سکیں گے؟ شاید چند سو۔۔۔

لیکن اگر آپ پرو ایکِٹو مفتی بن جائیں گے تو نہ صرف موجودہ نسل کو بہت

کچھ دے سکتے ہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے بھی قابل قدر دینی سرمایہ چھوڑ کر رضائے الٰہی کے حقدار بن سکتے ہیں۔۔۔

مزید کسی کا کوئی سوال۔۔۔؟

مفتی صاحب نے مجمعے پر نظر دوڑاتے ہوئے اختتامی کلمات کہنا شروع کر دیے۔

طلبہ کے چہروں سے جھلکتا عزم بتا رہا تھا کہ وہ آئندہ زندگی کے لیے پروایکٹِو رہنے کی نیت کر چکے ہیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

مارش میلو نظریہ (Marshmallow Theory) اور درسِ نظامی

ا

استاد نے کلاس کے سب بچوں کو ایک خوب صورت ٹافی دی اور پھر ایک عجیب بات کہی: ”سنو بچو! آپ سب نے دس منٹ تک اپنی ٹافی نہیں کھانی۔“
یہ کہہ کہ وہ کلاس روم سے نکل گئے۔

چند لمحوں کے لیے کلاس میں خاموشی چھا گئی، ہر بچہ اپنے سامنے پڑی ٹافی کو بے تابی سے دیکھ رہا تھا اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ان کے لیے خود کو روکنا مشکل ہو رہا تھا۔

دس منٹ پورے ہوئے اور استاد نے آ کر کمرہ جماعت کا جائزہ لیا۔ پوری کلاس میں سات بچے ایسے تھے، جن کی ٹافیاں جوں کی توں تھیں، جب کہ باقی تمام

بچے ٹافی کھا کر اس کے رنگ اور ذائقے پر تبصرہ کر رہے تھے۔ استاد نے خاموشی سے ان سات بچوں کے نام اپنی ڈائری میں نوٹ کیے اور پڑھانا شروع کر دیا۔

اس استاد کا نام پروفیسر والٹر مشال تھا.

کچھ عرصے کے بعد پروفیسر نے اپنی وہی ڈائری کھولی اور ان سات بچوں کے بارے میں تحقیق شروع کی جنھوں نے صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹافی نہیں کھائی تھی۔ کافی جدوجہد کے بعد ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ اپنی زندگی میں کامیابی کے کئی زینے طے کر چکے ہیں اور ان کا شمار کامیاب افراد میں ہوتا ہے۔

پروفیسر والٹر نے اپنی کلاس کے باقی طلبہ کا بھی جائزہ لیا جن سے دس منٹ بھی صبر نہ ہو سکا تھا اور انہوں نے ٹافی کھالی تھی، معلوم ہوا کہ ان کی اکثریت ایک عام سی زندگی گزار رہی تھی۔ جب کہ کچھ افراد ایسے بھی تھے جنھیں سخت معاشی اور معاشرتی حالات کا سامنا تھا۔

سالوں پر محیط اس طویل اور صبر آزما تحقیق کا نتیجہ پروفیسر والٹر نے ایک جملے میں نکالا اور وہ یہ تھا:

"جو انسان دس منٹ تک صبر نہیں کر سکتا، وہ زندگی میں ترقی نہیں کر سکتا۔"

اس تحقیق کو دنیا بھر میں پذیرائی ملی اور اس کا نام مارش میلو نظریہ (Marshmallow Theory) پڑ گیا، کیوں کہ پروفیسر والٹر نے بچوں کو جو ٹافی دی تھی، اس کا نام "مارش میلو" تھا. یہ فوم کی طرح نرم ہوتی ہے۔ اس

نظریے کے مطابق دنیا کے کامیاب ترین افراد میں اور بہت ساری خوبیوں کے ایک ساتھ ایک اہم ترین خوبی "صبر" کی بھی پائی جاتی ہے، کیوں کہ یہ خوبی انسان کی قوتِ برداشت کو بڑھاتی ہے، جس کی بدولت انسان سخت حالات میں بھی مایوس نہیں ہوتا اور یوں وہ ایک غیر معمولی شخصیت بن جاتا ہے۔

۲

پروفیسر والٹر کے اس تجربے سے ایک اور سبق ملتا ہے کہ تدریسی تجربات کے نتائج کے لیے بعض اوقات سالوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ بچوں پر کیے گئے تجربے کا نتیجہ اس وقت بر آمد ہوا جب وہ جوان ہو کر عملی زندگی میں شامل ہو چکے تھے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تدریس جیسا صبر آزما کام کوئی نہیں۔ یوں تو صبر زندگی کے ہر موڑ پر کام آتا ہے لیکن ایک **کامیاب مدرس** بننے کے لیے اپنے اندر صبر و برداشت کا مادہ پیدا کرنا ازحد ضروری ہے۔

۳

مارش میلو نظریہ کے مطابق مجھے کہنے دیجیے کہ **"جو بندہ آٹھ دس سال صبر کے ساتھ پڑھائی نہیں کر سکتا وہ قوم کی رہنمائی بھی نہیں کر سکتا۔"**

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے لیے یہاں کلک کیجیے

وقت

اخلاقیات کے ایک استاد نے طلباء سے پوچھا!

اگر تمہارے پاس ۸۶،۴۰۰ روپے ہوں اور کوئی لٹیرا ان میں سے ۱۰ روپے چھین کر بھاگ جائے تو تم کیا کروگے؟

کیا تم اُس کے پیچھے بھاگ کر اپنی لوٹی ہوئی ۱۰ روپے کی رقم واپس حاصل کرنے کی کوشش کروگے

یا پھر اپنے باقی کے بچے ہوئے ۸۶،۳۹۰روپے کو حفاظت سے لیکر اپنے راستے پر چلتے رہوگے؟

کلاس روم میں موجود اکثریت نے کہا کہ ہم ۱۰ روپے کی حقیر رقم کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے باقی کے پیسوں کو حفاظت سے لیکر اپنے راستے پر چلتے رہیں گے۔

استاد نے کہا: تمھارا بیان اور مشاہدہ درست نہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ زیادہ تر لوگ اُن ۱۰ روپے کو واپس لینے کے چکر میں ڈاکو کا پیچھا کرتے ہیں اور نتیجے کے طور پر اپنے باقی کے بچے ہوئے ۸۶،۳۹۰روپے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

طلباء نے حیرت سے استاد کو دیکھتے ہوئے کہا: سر، یہ ناممکن ہے، ایسا کون کرتا ہے؟

استاد نے کہا!

یہ ۸۶،۴۰۰ اصل میں ہمارے ایک دن کے سیکنڈز ہیں۔

کسی ۱۰ سیکنڈز کی بات کو لیکر، یا کسی ۱۰ سیکنڈز کی ناراضگی اور غصے کو بنیاد بنا کر ہم باقی کا سارا دن سوچنے، جلنے اور کُڑھنے میں گزار کر اپنا باقی کا سارا دن برباد کرتے ہیں یہ والے ۱۰ سیکنڈز ہمارے باقی بچے ہوئے ۸۶،۳۹۰ سیکنڈز کو بھی کھا کر برباد کر دیتے ہیں۔

اللہ پاک ہمیں روزانہ وقت اور دنیا میں رہنے کی مہلت عطا کرتے ہیں جن پر اللہ کے ساتھ ساتھ ہمارے خاندان، بیوی بچوں، دوستوں اور بہت لوگوں کا حق ہے۔

باتوں کو نظر انداز کرنا سیکھیئے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کا کوئی وقتی اشتعال، ناراضگی آپ سے آپ کے سارے دن کی طاقت چھین کر لے جائے۔

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

صحافت در حقیقت علماء کا شعبہ ہے۔ منطق، فلسفہ اور ادب کا ذوق رکھنے والا عالم اس شعبے میں معمولی محنت سے کالج ویونیورسٹی کے طلبہ کو مات دے سکتا ہے۔

یہ اشتہار دیکھیے:

کیا آپ صحافت میں ڈگری حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیائے صحافت میں پریکٹس بھی کرنا چاہتے ہیں؟ تو ابھی CEJ کے ایم ایس جرنلزم پروگرام کیلیے اپلائی کریں

اشتہار کا لنک

ONLINEADMISSION.IBA.EDU.PK
Online Admission System - IBA Karachi

الوحدة ٩ • تعمير ذات (self-development)
صحافت علماء کا شعبہ ہے

عرض الوحدة

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

نظام المدارس

اس یونٹ میں مدارس کے انتظامی امور سے متعلق بات چیت ہو گی۔

دینی مدارس، سماج اور ریاست

خورشید احمد ندیم

دینی مدارس کے سماجی کردار اور ان میں دی جانے والی تعلیم کے بارے میں حکومت اور معاشرہ دونوں تذبذب اور تشکیک میں مبتلا ہیں۔ اربابِ اقتدار ایک ہی سانس میں ان کی معاشرتی خدمات کی تعریف کرتے اور ساتھ ہی ان کی چار دیواری سے "دہشت گرد" برآمد کرتے ہیں۔ معاشرے کے صاحبانِ وسائل اور عام افراد، دونوں ان اداروں کے سماجی رویے کے شاکی ہیں لیکن ساتھ ہی مذہبی معاملات میں ان مدارس کے فارغ التحصیل اہلِ علم کی آرا کو مستند خیال کرتے اور اس حوالے سے ان ہی کی طرف رجوع کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس طرح وہ ان کے وجود کو اپنی دینی ضرورت سمجھتے ہوئے ان کی آبادی اور توسیع کے لیے وسائل فراہم کرتے ہیں۔

تذبذب اور تشکیک پر مبنی کسی پالیسی اور رائے کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ اس بنا پر اس معاملے میں کسی فیصلہ کن اقدام سے پہلے معاشرتی اور حکومتی سطح پر ذہنی یک سوئی ضروری ہے۔ اس تذبذب اور تشکیک کا یہ نتیجہ ہے کہ حکومت کے فیصلے نیم دلانہ ہیں جن میں استمرار ہے نہ تیقن۔ چنانچہ اگر اصلاح کے نام پر کوئی قدم اٹھتا ہے تو وہ بھی ایک نیا ابہام پیدا کرتا ہے۔

اس وقت ہمیں اس معاملے کو صرف دینی حوالے ہی سے نہیں، سماجی اعتبار

سے بھی سمجھنا ہے کیونکہ دینی مدارس کا وجود ہمارے معاشرتی ماحول پر بعض غیر معمولی اثرات مرتب کر رہا ہے۔ اس باب میں چند امور اگر بطور مقدمہ پیشِ نظر رہیں تو مسئلے کی تفہیم آسان ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر:

دینی تعلیم ہماری معاشرتی ضرورت ہے۔ کوئی ایسا معاشرہ جس کی کم و بیش ستانوے فی صد آبادی مسلمان ہو، وہ اپنے دینی تشخص کے معاملے میں بے پروا نہیں ہو سکتا۔ ہر مسلمان گھرانہ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ اس کے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت ہو تاکہ وہ ایک مسلمان کی زندگی گزار سکیں۔

تعلیمی نظام میں دینی و غیر دینی کی تقسیم مسلمان معاشرے کے لیے ہمیشہ ایک اجنبی تصور رہا ہے۔ تخصّص (Specialization) تو بلاشبہ ہوتا تھا، لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ اپنی بنیاد کے اعتبار سے بعض تعلیمی ادارے دینی ہوں اور بعض غیر دینی۔ یہ معلوم ہے کہ ہمارے ہاں اس کا آغاز اس وقت ہوا جب انگریز یہاں کے حکمران بنے اور انھوں نے ریاستی سطح پر تعلیم کے ایسے نظام کو فروغ دیا جس میں مسلمانوں کی مذہبی ضروریات کو نظر انداز کیا گیا تھا۔ مسلمان معاشرے کی اس ضرورت کو پورا کرنے اور دینی ورثے کی حفاظت کے لیے بعض اہلِ خیر نے جو اہتمام کیا، اس کا نتیجہ یہ دینی مدارس ہیں۔ ایسی کاوشوں کے نتیجے میں ہندوستان کا مسلمان معاشرہ زندہ رہا اگرچہ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہو گیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہونا یہ چاہیے تھا کہ تعلیم کی اس دوئی کا خاتمہ کر دیا جاتا

تاکہ ایک قوم بننے کا عمل سہل ہو جاتا اور ہمارا اجتماعی وجود یوں ٹکڑوں میں تقسیم نہ ہوتا۔ بہ وجوہ ایسا نہیں ہو سکا۔ ریاست کی سطح پر جب اس اہم ضرورت کو نظر انداز کیا گیا تو حسبِ سابق معاشرے نے اس نظامِ تعلیم کی سرپرستی جاری رکھی۔ اس طرح دینی مدارس ایک متبادل نظامِ تعلیم کے طور پر نہ صرف موجود رہے بلکہ پھلتے پھولتے رہے۔

مدارس کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوا تو بلا مبالغہ لاکھوں افراد مختلف حوالوں سے ان سے وابستہ ہو گئے۔ سماجیات کے عمومی اصولوں کے تحت ان کی حیثیت ایک "طبقے" کی ہو گئی اور پھر فطری نتیجے کے طور پر طبقاتی مفاد وجود میں آ گیا۔ اب ایک طرف کچھ لوگوں نے یہ ذمہ داری سنبھالی کہ وہ اس طبقاتی مفاد کا دفاع کریں گے اور دوسری طرف وہ گروہ سامنے آئے جنھوں نے مدارس کی اس اجتماعی قوت سے اپنے دنیاوی اور مادی مفادات کی آبیاری کی۔ یہ گروہ ریاست اور سیاسی علما تھے۔

ریاست نے جس طرح ان مدارس کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا، اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں لیکن "جہاد افغانستان" "طالبان" اور "جہادِ کشمیر" شاید اس کے سب سے بڑے مظاہر ہیں۔ یہ استعمال درست تھا یا غلط، یہ سوال اس تجزیے سے براہ راست متعلق نہیں، یہاں اس پہلو کو بطور امرِ واقعہ بیان کرنا مقصود ہے کہ کس طرح ریاست نے اپنے مقاصد کے لیے اس اجتماعی قوت سے

فائدہ اٹھایا۔ افغانستان میں سوویت یونین کی آمد کے بعد جو جنگ ہوئی، وہ گوریلا جنگ تھی ۔ اس میں تربیت یافتہ فوج کے ساتھ ، گوریلا کارروائیوں کے لیے "مجاہدین" کی ضرورت بھی تھی۔ پاکستانی ریاست کے اس اقدام کو مغربی دنیا کی بھرپور حمایت حاصل تھی کیونکہ مغرب اس معرکے میں سوویت یونین کی فیصلہ کن شکست کا آرزومند تھا۔ بعد میں میں جب پاکستان نے افغانستان میں ایک "پاکستان حامی(Pro-Pakistan)" حکومت کا خواب دیکھا تو "طالبان" کو میدان میں اتارا گیا۔ کشمیر کا معاملہ یہ تھا کہ بعض بین الاقوامی پابندیوں اور بھارت کے ساتھ دوطرفہ معاہدوں کے باعث، ریاست کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ علانیہ کوئی اقدام کرے۔ ریاست نے اس کے لیے جو متبادل پالیسی بنائی، اس میں قرعہِ فال پھر مدارس کے نام نکلا۔

سیاسی علمانے ان مدارس کو اپنے حلقہ انتخاب کی حیثیت دے دی۔ سیاست کے لیے عصبیت ناگزیر ہے۔ اس وقت میدانِ سیاست میں جو لوگ بروئے کار ہیں، وہ کسی نہ کسی عصبیت پر کھڑے ہیں۔ یہ عصبیت حلقہ انتخاب سے لے کر قومی سطح تک پھیلی ہوئی ہے۔ کہیں یہ برادری ہے، کہیں لسانی شناخت ہے، کہیں علاقائیت ہے اور کہیں نسلی وابستگی۔ گروہی مفاد بھی ایک سیاسی عصبیت ہے، جیسے سرمایہ داری یا جاگیر دار طبقے کی نمایندگی۔ جو "علما" سیاسی مقاصد رکھتے تھے، ان کے پاس اس نوعیت کی عصبیت موجود نہیں تھی۔ انھوں نے ان مدارس کی

مذہبی عصبیت کو اپنی سیاسی بنیاد بنالیا اور اس میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔ یہ کامیابی ان معنوں میں نہیں ہے کہ وہ اپنے علانیہ یا تحریری منشور کے مطابق ریاست کا نظام دے پائے بلکہ سیاسی معنوں میں ہے۔ یعنی وہ اقتدار کی حریفانہ کشمکش میں ایک مؤثر فریق کے طور پر سامنے آئے اور "حصہ بطورِ جثہ" لینے میں کامیاب ہوئے۔

بعض اہل علم نے کوشش کی کہ وہ اپنے مدارس کو سیاسی علما کی دسترس سے محفوظ رکھ سکیں اور اپنا کردار حسبِ سابق ادا کرتے رہیں۔ یہ کردار روایتی دینی علم کا دفاع اور معاشرے کی دینی ضروریات کے لیے افراد کی فراہمی ہے۔ تاہم یہ ادارے اب انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔

دینی مدارس کا نصاب جوہری طور پر مسلکی و گروہی ضروریات کے پیشِ نظر مرتب کیا گیا ہے۔ یہاں سے فارغ التحصیل علما معاشرے میں کسی خاص مسلک کے مبلغ کے طور پر سرگرم رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مساجد مسلکی اور فقہی بنیادوں پر منقسم ہیں۔

اس وقت دینی مدارس کی تعلیم اور ماحول سے معاشرے میں تقسیم کا عمل بہت گہرا ہو گیا ہے۔ ایک دینی مدرسے کا فارغ التحصیل یا طالب علم اپنے ظاہر، بود و باش، اطوار و عادات، معاشرتی رویے اور مشاغل کے اعتبار سے سماج کے دیگر طبقات سے یکسر مختلف دکھائی دیتا ہے۔ دینی مدارس کی اس روایت،

سماجی کردار اور پاکستانی معاشرے کی دینی ضروریات کو پیشِ نظر رکھیں تو چند باتیں واضح ہوتی ہیں:

ریاست اور سیاسی علما کے ہاتھوں دینی مدارس کے سوء استعمال کے بعد اب معاشرہ ان کے بارے میں ابہام اور تشکیک میں مبتلا ہے، تاہم وہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ معاشرے کی دینی ضروریات متقاضی ہیں کہ یہ نظام باقی رہے۔

معاشرے کی دینی ضروریات، اس وقت تین طرح کی ہیں۔

۱۔ بچوں کے لیے روزمرہ کی دینی تعلیم۔

۲۔ نکاح و طلاق، ولادت و موت، حضانت ووراثت جیسے مسائل میں دینی احکام سے آگاہی و تکمیل۔

۳۔ مساجد کا انتظام وانصرام۔

معاشرہ دینی مدارس کے کردار سے مطمئن نہیں، لیکن اس کے پاس اپنی دینی ضروریات کی تکمیل کے لیے کوئی متبادل انتظام نہیں ہے۔ وہ بادلِ نخواستہ اسے قبول کیے ہوئے ہے۔ ریاست اس بات سے بڑی حد تک آگاہ ہو چکی کہ دینی مدارس کے باب میں اس سے ایک مجرمانہ غلطی سرزد ہوئی ہے اور اب اس حکمتِ عملی پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ تاہم یہ مدارس چونکہ اب ایک سماجی طبقہ ہے جس سے لوگوں کے مفادات وابستہ ہو گئے ہیں۔ اس لیے اس طبقے کی طرف سے کسی ردِ عمل کے خوف سے ،وہ دینی مدارس کے بارے میں کوئی فیصلہ کن قدم

اٹھانے سے گریزاں ہے۔ وہ دینی مدارس کی تنظیموں کو حیلوں بہانوں سے قائل کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن ساتھ ہی ان کی ناراضی کا خوف بھی اس کا دامن گیر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب اس صورتِ حال سے کیسے نمٹا جائے؟ ریاست اور معاشرہ اس تذبذب اور تشکیک سے کیسے باہر نکلیں؟

ہمارے نزدیک اس کا ایک طویل المدتی حل ہے اور ایک قلیل المدتی۔

ا۔ طویل المدتی حل کے لیے چند اقدامات ناگزیر ہیں۔

دوئی پر مبنی اس نظام کو یکسر ختم کر دیا جائے۔ ملک میں ایک ہی نصابِ تعلیم ہو جو بارہ سال کی ابتدائی تعلیم پر مبنی ہو۔ اس میں جس طرح سماجی اور طبیعی علوم ایک خاص سطح تک سکھا دیے جاتے ہیں، اسی طرح دینی علوم کی بھی تدریس کی جائے۔

میڈیکل کالجز اور انجینئرنگ یونیورسٹیز کی طرز پر اعلیٰ دینی تعلیم کے ادارے قائم کیے جائیں تاکہ بارہ سال کی بنیادی تعلیم کے بعد جس طرح ڈاکٹر اور انجینئر تیار ہوتے ہیں، اس طرح لوگ دین کے عالم بھی بنیں۔

آج جس طرح حکومت ماہرین کی مدد سے جامعات اور پیشہ ورانہ تعلیم کا نصاب بناتی ہے، جو سارے ملک میں رائج ہوتا ہے، اسی طرح دینی علوم کے ماہرین کی معاونت سے دین کی اعلیٰ تعلیم کے لیے بھی نصاب بنائے، جو ظاہر ہے، کسی خاص مسلک یا فقہ پر مبنی نہ ہو، بلکہ قرآن وسنت کی بنیاد پر ہماری دینی روایت

کا احاطہ کرتا ہو۔ اس سے فرقہ وارانہ تلخی بڑی حد تک کم ہو جائے گی۔

نجی سطح پر بھی اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت ہونی چاہیے، تاہم ان پر نصاب اور تعلیمی ماحول کے حوالے سے وہ تمام پابندیاں عائد ہونی چاہییں جن کا التزام اس وقت نجی جامعات یا سماجی و طبیعی علوم کے اداروں کے لیے ضروری ہے۔

عالمِ اسلام کے تمام ممالک کی طرح مساجد کا اہتمام و انصرام ریاست اپنی تحویل میں لے لے۔ مسجد کے قیام سے لے کر امام و خطیب کی تعیناتی تک، تمام امور حکومتی سرپرستی میں طے کیے جائیں۔ نجی سطح پر مسجد کے قیام اور امام کی تعیناتی جیسے معاملات پر مکمل پابندی ہونی چاہیے۔

اگر ریاست چاہے تو پانچ سال کی منصوبہ بندی سے اس نظام کو فروغ دے سکتی ہے۔ اس ضمن میں پہلا مرحلہ یہ ہو گا کہ رائے عامہ اور معاشرتی طبقات کو اعتماد میں لیا جائے۔ اس مقصد کے لیے لازم ہے کہ معاشرے کے سنجیدہ رائے ساز طبقات، جو اس ضرورت کو محسوس کرتے ہیں، وہ عامۃ الناس کو قائل کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ دوسری طرف اس حوالے سے حکومتی سطح پر ہونے والی ہر پیش رفت پارلیمنٹ کی معرفت کی جائے، اسے عوامی نمایندوں کو تائید حاصل ہونی چاہیے۔

۲۔ چونکہ اس وقت ملک میں مدارس کا ایک مؤثر نظام موجود ہے، اس لیے

اس کو نظر انداز کر کے یا اعتماد میں لیے بغیر کوئی اقدام نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے سرِ دست بعض فوری اقدامات کی بھی ضرورت ہے۔ اسے ہم قلیل المدتی منصوبہ قرار دیتے ہیں۔

اس وقت دینی مدارس کے حوالے سے کوئی قدم اٹھاتے وقت ان کی پانچ نمایندہ تنظیموں کو اعتماد میں لیا جائے۔

مساجد چونکہ اس وقت مسلکی بنیاد پر قائم ہیں، اس لیے یہ اہتمام کیا جائے کہ ہر مسلک کی مسجد میں متعلقہ وفاق (تعلیمی بورڈ) کی طرف سے امام اور خطیب تعینات ہو۔ اگر وہ مذہبی حوالے سے کسی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرے تو متعلقہ وفاق اس کا ذمہ دار ہو اور چاہے تو اس کو بدل دے۔

فوری طور پر کسی مسجد کی تعمیر کے لیے حکومتی اجازت لازم قرار دے دی جائے۔

دینی مدارس کے اب تک فارغ التحصیل تمام افراد کے لیے مختصر دورانیے، مثلاً تین ماہ کے، کورسز ترتیب دیے جائیں۔ ان میں سماجی و طبیعی علوم کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم دی جائے اور اس کمی کو ممکن حد تک دور کرنے کی سعی کی جائے، جو اس وقت دینی اداروں کے نصاب اور تعلیمی ماحول میں موجود ہے۔ ان کورسز میں شرکت کو سرکاری ملازمتوں وغیرہ کے لیے لازمی قرار دیا جائے۔ یہ کورسز مختلف جامعات یا وزارتِ تعلیم کے تحت منظم کیے جا

سکتے ہیں۔اس کے علاوہ سرکاری وغیر سرکاری علمی و تحقیقی اداروں کو یہ ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے۔کورسز کی کامیاب تکمیل پر حکومت اس کی سند جاری کرے۔

ہماری حکومتیں وقتاً فوقتاً بعض اقدامات اٹھاتی رہی ہیں جن کا تعلق مدارس کے تعلیمی ماحول کو بہتر بنانے سے ہے۔مثال کے طور پر کمپیوٹر کی تعلیم کے لیے حکومت نے ایک موقع پر مدارس کو اساتذہ اور کمپیوٹر کی فراہمی کا اعلان کیا۔اس طرح کے اقدامات کو مزید مؤثر بنایا جائے۔

حکومت اس کا اہتمام کرے کہ عالمِ اسلام کے دیگر ممالک میں قائم دینی تعلیمی اداروں کے ساتھ ان مدارس کے طلبہ و اساتذہ کا مؤثر رابطہ قائم ہو تا کہ وہ اس سے آگاہ ہوں کہ معاصر اسلامی دنیا میں دینی تعلیم و تحقیق کا کام کس نہج پر آگے بڑھ رہا ہے۔

اس نوعیت کا ربط و ضبط عام تعلیم کے ملکی اداروں کے ساتھ بھی بڑھایا جائے۔ اساتذہ اور طلبہ ایک دوسرے کے ساتھ ملیں تا کہ فاصلوں میں کمی آئے۔مدارس کے مختلف بورڈز کے طلبہ کے مابین بھی اس طرح کا تعلق قائم ہونا چاہیے۔

آج مدارس میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کے سماجی کردار سے مطمئن نہیں۔وہ ان کے نصاب اور تعلیمی ماحول، دونوں کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کو تلاش کیا جائے اور انہیں اس حوالے سے فعال بنایا جائے۔

ذرائع ابلاغ اس بات میں بہت مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ سول سوسائٹی اور میڈیا، مل کر دینی تعلیم کے نظام کو بہتر بنانے میں اپنا کردار کریں۔

جس طرح عمومی تعلیم کے اداروں کو روایتی سیاست دانوں سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے، اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ دینی مدارس کو سیاسی علما سے بچایا جائے۔ حکومت، ان مدارس کے ذمہ داران اور معاشرے کے دیگر طبقات کو، جو ان مدارس کو وسائل مہیا کرتے ہیں، مل کر اس بارے میں کوئی حکمت عملی ترتیب دینا ہو گی۔ صاحبانِ وسائل انھی اداروں کی معاونت کریں جو دینی تعلیم کے لیے خاص ہوں اور حکومت، پارلیمنٹ کی مدد سے ایسے اقدامات کرے جو تعلیم کے تمام دینی و عمومی اداروں کو مذہبی و غیر مذہبی سیاست دانوں سے محفوظ رکھ سکیں۔

قلیل المدتی منصوبہ کسی گھمبیر مسئلے کا پائیدار حل نہیں ہوتا، زیادہ نقصان سے بچنے کی ایک وقتی تدبیر ہوتی ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا اجتماعی دینی تشخص برقرار رہے اور ہم مذہب کے سوءِ استعمال کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکیں تو لازم ہے کہ طویل المدتی منصوبہ بنا کر اس مسئلے سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کی جائے۔ دینی مدرسوں کے ذمہ داران کو بھی بہت سنجیدگی کے ساتھ سوچنا ہو گا کہ ہر معاشرے میں دین تک رسائی بالعموم اہلِ مذہب کی معرفت ہوتی ہے۔ اگر اس کو پیش کرنے والے اس کی حفاظت نہ کریں اور انسانی

خواہشات کا گرد و غبار اسے اپنی لپیٹ میں لے لے تو مذہب کا حسن گہنا جاتا ہے۔یہ واقعہ یورپ میں پیش آچکا۔ پاکستان میں یہ آواز تیز تر ہو رہی ہے کہ ریاست و اجتماعیت کو مذہبی اثرات سے محفوظ بنایا جائے۔اس کے لیے تمام دلائل اہلِ مذہب کے رویے سے لیے جاتے ہیں۔ قرآن و سنت کی تعلیمات میں ہمیشہ کی طرح آج بھی یہ کشش موجود ہے کہ اگر انھیں صحیح صورت میں لوگوں کے سامنے رکھا جائے تو وہ اس کی طرف دوڑے چلے آئیں۔اہلِ مذہب کو سوچنا ہو گا کہ اگر وہ مذہب کی طرف پیش قدمی میں رکاوٹ بنیں گے تو اللہ کے حضور میں، خدشہ ہے کہ انہیں سخت جواب دہی کا سامنا کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یومِ آخرت کی رسوائی سے محفوظ رکھے۔ آمین!

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

✧✧✧✧✧

میرا ایک سوال

کوئی جواب دینا پسند کرے گا؟

مدارس کا انتظام ٹھیک کرنا چاہیے ہے یا اسکول کالج کا؟؟

کراچی میں میٹرک کے امتحانات جاری ہیں جبکہ آج سے ملک بھر میں تنظیم المدارس کے امتحانات کا بھی آغاز ہو گیا ہے تنظیم المدارس کے دو امتحانی مراکز دیکھنے کا اتفاق ہوا جہاں نہ پولیس نہ رینجرز نہ ویجلنس ٹیموں کے چھاپے نہ نقل

کرانے والوں کا جم غفیر بلکہ فرش پر بیٹھ کر قال اللہ و قال الرسول کی تعلیم حاصل کرنے والے بوریا نشین اپنے اساتذہ کا احترام اور وقار رکھتے ہوئے اپنا اپنا پیپر حل کر رہے ہیں یہ وہ واضح فرق ہے جو دونوں تعلیمی سلسلوں کے درمیان نظر آرہا ہے کیا کوئی غیر جانبدار میڈیا ان دونوں امتحانات کے واضح فرق کو دنیا کے سامنے رکھے گا تاکہ ان دانشوروں کے منہ بند ہو سکیں جو صبح شام مدارس کو قومی دھارے میں شامل کر کے اس کی بربادی چاہتے ہیں حکومت اپنے زیر انتظام اربوں روپے کے اخراجات سے چلنے والے ادارے تو درست نہیں کر سکتی وہ مدارس کا نظام خاک چلائیں گے لہذا ان بوریا نشینوں کو ان کے حال پر رہنے دیا جائے اور اپنے اداروں کے حال پر توجہ دی جائے کیا کوئی میڈیا یہ دونوں مناظر ایک ساتھ عوام کے سامنے رکھے گا؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

ایک ادنی سا
طالب علم

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

دینی فضلا کی ایک اہم کمزوری:

ایک عمومی خیال یہ ہے کہ علما اور اہلِ فتویٰ کے فکری رویّوں میں اگر خامیاں ہیں تو اس کی واحد وجہ حالاتِ زمانہ اور اس کے تقاضوں سے ناواقف ہونا ہے، لہذا مسئلے کا سیدھا سادا حل یہ ہے کہ مولویوں کو انگلش اور کمپیوٹر سکھا دو، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ درست ہے ایک عالم کے لیے اپنے زمانے سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے لیکن نہ تو زمانے سے ناواقفیت اکیلی مسائل یا کمزوریوں کی وجہ ہے نا ہی محض کمپیوٹر اور انگریزی کے کورسز کرا دینے سے بندہ زمانے کے تقاضوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے مسئلے کے بہت سے متنوع پہلو ہیں۔ میری نظر میں مدارس کے فضلا میں پائی جانے والی ایک بہت بڑی کمی خود ان کا اپنی تراث سے ناواقف ہونا ہے۔ عصری جامعات کے شعبہ ہائے علوم اسلامیہ میں تو عموما کتبِ ثرات کو سمجھنے کی سرے سے صلاحیت ہی پیدا نہیں ہوتی، مدارس میں کتاب فہمی کی صلاحیت تو ایک حد تک پیدا ہو جاتی ہے لیکن ایک تو اس صلاحیت میں بھی متعدد نقائص رہ جاتے ہیں، دوسرے چند درسی یا افتا میں استعمال ہونے والی کتابوں کے علاوہ بحیثیت مجموعی اپنی تراث سے واقفیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، اس لیے اس کی طرف مراجعت کا کوئی جذبہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر آپ سروے کریں تو سالہا سال سے افتا کی خدمات انجام دینے والوں میں آپ کو کئی ایسے مل جائیں گے جنھوں نے امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی یا دوسری،

تیسری چوتھی صدی ہجری کے مصنفین کی کتابوں کو شاید کبھی کبھار ہی ہاتھ لگایا ہوگا۔ میں نے ایک دفعہ دورہ حدیث کے طلبہ سے پوچھا کہ آپ میں سے کون ہیں جنھوں نے اسماء الرجال کی کسی کتاب کو محض ہاتھ لگا کر دیکھا ہو، شاید ہی ایک آدھ کھڑا ہوا ہو۔ اگر یہ پوچھ لیتا کہ بتایئے کہ "سر کف سر بلند" کون ہیں تو شاید کلاس کا ایک ایک طالب علم پوری پوری تقریر اس پر کرنے کے لیے تیار ہوتا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ سائنس پڑھانے سے رویوں میں توسع پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ عملاً شاید معاملہ برعکس ہو، اس لیے کہ سائنس تو بتاتی ہی یہ ہے کہ کسی سوال کا صحیح جواب دوٹوک ریاضیاتی انداز میں ایک اور حتمی ہوتا ہے۔ جبکہ دینی علوم کی اساس ہی اس بات پر ہوتی ہے کہ ایک ہی معاملے پر غور کرنے والے ہو سکتا ہے اسے مختلف زاویوں سے دیکھ رہے ہوں اور ان کے نتائجِ فکر بھی مختلف ہوں۔

کسی دینی مسئلے کی درست تفہیم بھی تبھی ممکن ہے جبکہ نہ صرف متعلقہ نصوص و آثار سامنے ہوں بلکہ غور کرنے والے کے سامنے ہو کہ چودہ سو سال میں یہ مسئلہ کن کن مراحل سے گزرا اور کون کون سے استدلالات اور اندازہائے استدلال اس سے منسلک رہے۔ اسے معلوم ہوتا کہ سلف کے درمیان بحث ومباحثے اور استدلال کا انداز کیا ہوتا تھا، یعنی ہمارے قدیم علما کی ریسرچ میتھاڈولوجی کیا ہوتی تھی نہ صرف یہ کہ چند متون کے ذریعے ان سے واقف ہو بلکہ ان کی بحثوں میں اسے بار بار دیکھ کر، برت کر ذوق آشنا بھی ہو چکا ہو۔ میری

عرصے سے یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ اپنے طلبہ اور فضلا کو جب تک تراث کی تفصیلی، گہری اور براہِ راست واقفیت عطا نہیں کی جائے گی اور اس کے لیے منظم طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا بہت سے مسئلے جوں کے توں رہیں گے، بالخصوص ایک خاص قسم کی سطحیت سے وہ بالاتر نہیں ہو سکیں گے۔ اگر اپنے فضلا کو جدید فتنوں کے مقابلے کے قابل بنانا ہے تب بھی ان کے اندر تراث سے عملی لگاؤ پیدا کرنا ہو گا، اس سے علم میں ایک خاص قسم کی وسعت بھی پیدا ہوتی ہے اور تعمق بھی۔

مسئلہ مگر یہ ہے کہ جو جدید قسم کے مدرسا ریفارمز والے لوگ ہیں انہیں اس طرح کوئی بات سمجھانا ہی مشکل ہو گا، ان کی سوئی تو اس پر اٹکی ہوتی ہے کہ مولویوں کو کمپیوٹر سکھادو، انگریزی سکھادو، کاروبار کرنا سکھا دو، چھوٹی موٹی ملازمتوں کے خواب دکھا دو، باہمی برداشت اور رواداری پر انہیں لیکچر دے دو (میں بھی ان چیزوں کا مخالف نہیں ہوں، لیکن مسئلے کا اصل حل یہ نہیں ہے) دوسری طرف جو قدیم کے نمائندے کہلاتے ہیں انہیں تراث کے ساتھ اتنا زیادہ جوڑ اس لیے وارا نہیں کھاتا کہ ان میں سے بہت سوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان جیسے چند زندہ افراد ہی کو سلفِ صالحین کا متبادل سمجھ کر ان کا دامن تھام لیا جائے، یا وہ واقعی دیانت داری سے سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ اپنے فضلا کو "فتنوں" سے بچانے کا واحد راستہ یہی ہے۔

شروع ہی سے میرے ذہن میں اس ضرورت کا احساس رہا ہے، اور جہاں موقع ملا تھوڑا بہت کچھ قدم اٹھانے کی بھی کوشش کی، لیکن وہ الگ موضوع ہے، اس تحریر کا مقصد محض اس ضرورت کی طرف توجہ دلانا ہے، مجھے امید ہے کہ زیادہ عرصے تک یہ صدا رائیگاں نہیں جائے گی۔

(اقتباس)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

بدل رہی ہے مدرسوں کی امیج

مولوی بن رہے ہیں آئی اے ایس افسر، ڈاکٹر اور انجینئر

تحریر: غوث سیوانی، نئی دہلی

مدرسہ میں پڑھ کو کوئی آئی اے ایس افسر کیسے بن سکتا ہے؟ ایک حافظ قرآن، ڈاکٹر کیسے بن سکتا ہے؟ مولوی انجینئرینگ کی پڑھائی کیسے کر سکتا ہے؟ اس قسم کے سوال اب بے کار ہو چکے ہیں کیوں کہ اب مدرسے صرف عالم دین ہی نہیں پیدا کر رہے ہیں بلکہ سرکاری افسر، ڈاکٹر، انجینئر، سائنٹسٹ اور دوسرے شعبوں کے ماہرین بھی پیدا کر رہے ہیں۔ آج تک کسی کالج نے عالم دین پیدا نہیں کیا، کسی یونیورسٹی نے حافظ قرآن نہیں فارغ کیا، کسی عصری اسکول سے پڑھ کر کوئی مفسر یا محدث نہیں بنا مگر یہ حیرت انگیز حقیقت ہے کہ مدرسے جن کا مقصد وجود ہی دینی تعلیم ہے اور جہاں اسلام کی تعلیم پر زور دیا جاتا ہے آج مختلف شعبوں کے ماہرین پیدا کر رہے ہیں۔ اس کی ایک مثال تو حال میں دیکھنے کو ملی جب مولانا حافظ شاہد رضا مصباحی نے سول سروسیز کے مشکل ترین امتحان میں کام یابی پائی۔ حالاں کہ اس میدان میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ اس سے پہلے بھی کئی فارغین مدارس یوپی ایس سی، JEE,NET,NEET اور کچھ دوسرے امتحانات نکال چکے ہیں۔ چند سال قبل مولانا وسیم الرحمٰن قاسمی نے بھی سول سروسیز کا امتحان پاس کیا تھا اور چرچا میں آئے تھے۔ اس طرح اب تک کئی علما و حفاظ محنت

کرکے ڈاکٹر، انجینئر، لکچرر اور مختلف شعبوں کے ماہر بن چکے ہیں۔ UPSC اور نیٹ کے نتائج میں، مدرسوں کے طلبہ کا جگہ بنانا کم بڑی بات نہیں ہے کیوں کہ یہ دوسرے طلبہ کے لیے ایک مثال ہے اور پوری ملت کے لیے امید کی کرن۔

مدرسے سے یو پی ایس سی تک

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مدرسوں میں وہی بچے پڑھنے جاتے ہیں جو بے حد غریب خاندان سے آتے ہیں۔ یہ بچے اگر مدرسوں میں نہ جائیں تو ان کا بچپن کہیں اور برباد ہوجائے اور ہمیشہ کے لیے جہالت کے 'بلیک ہول' میں گم ہوجائیں۔ چند بچے لور مڈل کلاس کے بھی ہوتے ہیں۔ حالیہ ایام میں سول سروسیز میں اپنی جگہ بناکر سرخیوں میں آنے والے شاہد رضا خان کی کہانی بھی کچھ ایسی ہے جن کے والدین نے مالی دشواریوں کے سبب انہیں ایک نجی اسکول سے نکال کر مدرسہ میں داخل کردیا تھا۔ تاہم، گزشتہ UPSC کے نتائج میں، انہوں نے ۷۵۱ واں مقام پایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مدرسوں میں پڑھنے والے اسٹوڈنٹس بہت کچھ کرسکتے ہیں۔ دہلی کے جے این یو سے پی ایچ ڈی کررہے، مولانا شاہد رضا خان کا کہنا ہے کہ میرے بھائی دانتوں کے ڈاکٹر ہیں۔ جب میں ۱۷ سال کا تھا تب ہی انہوں نے مجھے سول سروسیز میں جانے کے لئے حوصلہ افزائی کی تھی۔ جب میں جنرل نالج کی کوئی کتاب پڑھتا تھا تو میرے ساتھی کہتے تھے کہ میں سلیبس کے علاوہ کچھ پڑھ رہا ہوں۔ واضح ہو کہ وہ قصبہ مبارک پور، اعظم

گڑھ واقع دینی ادارے الجامعۃ الاشرفیہ سے فارغ التحصیل ہیں۔ مولانا شاہد رضا کا کہنا ہے کہ کسی مدرسہ، مسجد یا مذہب کو قدامت پسند نہیں ہونا چاہئے۔ مذہب ہمیں انسانیت کی خدمت کرنے کی تعلیم دیتا ہے، میں وہی کروں گا۔ غور طلب پہلو یہ بھی ہے کہ چند سال قبل مولانا ڈاکٹر وسیم الرحمٰن قاسمی نے بھی یو پی ایس سی کا امتحان پاس کیا تھا۔ وہ ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی سے بی یو ایم ایس کرنے کے بعد سول سروسیز کے امتحانات میں کامیاب ہوئے تھے۔ فی الحال وہ انکم ٹیکس کمشنر کی حیثیت سے آندھرا پردیش میں کام کر رہے ہیں۔

سول سروسیز کی تیاری کے مراکز

حالیہ دنوں میں، اتر پردیش سمیت بہت سی ریاستوں میں، مدرسوں نے اپنے تعلیمی نصاب میں اہم تبدیلیاں کی ہیں۔ ان کے علاوہ، بہت سے غیر سرکاری ادارے بھی ابھرے ہیں، جو ڈاکٹر، انجنیئر، آئی اے ایس وغیرہ بننے کے خواہش مند مسلم طلباء کی نہ صرف حوصلہ افزائی کرتے ہیں بلکہ اس میں تعاون بھی کرتے ہیں۔ ایسے ہی اداروں میں دہلی کا زکوٰۃ فاونڈیشن ہے۔ ہمدرد یونیورسٹی کا ہمدرد اسٹڈی سرکل بھی اس میدان میں کام کرتا ہے نیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نے بھی سول سروسیز کے لیے تیاری شروع کرائی ہے۔ انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر نے بھی گزشتہ دنوں اعلان کیا تھا کہ وہ مسلم بچوں کو یو پی ایس سی کے لیے تیار کرے گا۔ علاوہ ازیں کچھ دوسرے کوچنگ سنٹرس بھی ہیں جو موٹی فیس لے کر تیاری

کراتے ہیں۔

زکوٰۃ فاؤنڈیشن کے بانی ڈاکٹر سید ظفر محمود کا کہنا ہے کہ وہ ہر سال ۶۵ اسٹوڈنٹس کا سول سروسیز کی کوچنگ کے لیے اڈمیشن لیتے ہیں۔ ان میں سے، ۵-۶ طلبہ مدرسوں کے پڑھے ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا، میں ان کی صلاحیت میں کوئی کمی نہیں دیکھتا۔ ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ ایک امتحان کے ذریعے کیا جاتا ہے، یہ واضح ہے کہ ان کی سطح بھی عام طلبا کی طرح ہے۔

جہاں حافظ قرآن بنتے ہیں ڈاکٹر

بیدر، کرناٹک کا شاہین گروپ گزشتہ کچھ برسوں سے ایک نیا تجربہ کر رہا ہے۔ یہاں اسٹوڈنٹس کو حافظ بنانے کے ساتھ ساتھ NEET اور دوسرے مسابقتی امتحان کے لیے بھی تیار کیا جاتا ہے۔ ادارہ کا "حفظ القرآن پلس کورس" انقلابی ثابت ہو رہا ہے اور اب اسے کل ہند سطح پر پھیلایا جا رہا ہے۔ اس کورس کے ذریعے طلبہ وطالبات کو دینی اور عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ NEET اور دوسرے امتحانات کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ گزشتہ دنوں ۲۱ طلبہ وطالبات نے امتیازی نمبروں سے کام یابی حاصل کی اور ایم بی بی ایس میں داخلہ لیا۔ جن حافظ طلبا و طالبات نے NEET میں جگہ بنائی، ان کی رینک یوں ہیں: حافظ وحید عبداللہ ۳۲۹۵، حافظ قرۃ العین ۶۴۴۷، حافظ ثاقب احمد ۶۳۵۱۱، حافظہ اٰیۃ اللہ فاتحہ ۱۵۲۷۰، حافظ فواز احمد خان ۱۷۶۸۱، حافظہ شوافاطمہ خانم ۲۸۴۴۳، حافظہ

ام الودود ۹۴۸۷۱، حافظ ابوذر مجتہدی ۱۰۶۸۷۸، حافظ ولی الرحمن ۱۲۷۱۵۴،حافظ ابو لیث مجددی ۱۳۷۵۲۰، حافظ فاروق ۲۶۶۹۳۵ اور حافظ محمد عبداللہ سلیمانی ۲۷۹۹۱۲۔

گورکھ پور کے رہنے والے حافظ عبد اللہ نے ۱۵ سال کی عمر میں شاہین گروپ جوائن کیا تھا۔ یہاں سے پڑھنے کے بعد، انہوں نے NEET کا امتحان دیا اور ۵۷۹ نمبر حاصل کیا۔ اب وہ AMU سے میڈیکل کی پڑھائی کر رہے ہیں۔ انہیں کی طرح، ایک اور مدرسے کی طالبہ حافظہ رابعہ باسرین نے بھی شاہین گروپ کے تحت تعلیم پائی اور اب وہ بنگلور میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کر رہی ہیں۔ شاہین ادارہ جات بیدر کے کورس سے استفادہ کر اسٹوڈنٹس صرف ڈاکٹر ہی نہیں بنے ہیں بلکہ انجینئرنگ اور دوسرے پیشہ ورانہ کورسز میں بھی داخل ہوئے ہیں۔ اس ادارے کے ۳۲ مراکز چل رہے ہیں۔ ادارہ پہلے امتحان وانٹرویو کے ذریعے حفاظ کو منتخب کرتا ہے اور پھر تین یا چار سال کی تیاری سے انھیں اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ میڈیکل، انجنیئرنگ، مینجمنٹ جیسے دیگر پروفیشنل کورسوں میں داخلہ لے سکیں یا ریاستی اور مرکزی سطح کے مسابقتی امتحانات میں حصہ لے سکیں۔ ادارہ کے ذمہ داروں کی طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پانچ سال کی مدت میں ۱۲ ریاستوں کے ۲۰۰ سے زائد حفاظ اس کے کورس سے استفادہ کر چکے ہیں۔ متعدد حفاظ، سرکاری میڈیکل کالجوں، انجنیئرنگ کالجوں اور دیگر پروفیشنل

کورسوں کے سرکاری کالجوں میں بھی مسابقتی امتحان کے ذریعہ داخلہ لے چکے ہیں۔

کرناٹک کی حکومت نے شاہین گروپ کو سال ۲۰۱۳ میں "راج اتسو" ایوارڈ بھی دیا تھا۔ بہر حال اس راستے پر چلنے کی مزید کچھ ادارے کوشش کر رہے ہیں۔

سیوان (بہار) کے رہنے والے علی زاد جو کہ تعلیم کے میدان میں "مشن تعلیم" کے ساتھ کام کرتے ہیں، عن قریب ایک ایسا ہی پروگرام لانچ کرنے کی تیاری میں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ علم قرآن کی بدولت اللہ تعالی حافظوں کا سینہ علم کے لیے کھول دیتا ہے۔وہ اس پروگرام کا آغاز اپنے گاؤں لکڑی درگاہ کے مدرسے سے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مدرسے کے باہر الگ پہچان

اس میں شک نہیں کہ بیش تر مدرسوں کا نصاب عصری تقاضوں سے آج بھی ہم آہنگ نہیں ہے، باجود اس کے فارغین مدارس کی مدرسوں میں ایسی تربیت ہو جاتی ہے کہ وہ محنت ومشقت کر کے دوسرے شعبوں میں بھی اپنے لئے جگہ بنالیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر ریحان ملک فلاحی جو کہ مولانا آزاد نیشنل اوپن یونیورسٹی حیدر آباد میں سوشیالوجی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، اعظم گڑھ کے معروف ادارے جامعۃ الفلاح بلریا گنج سے فارغ ہیں۔ صلاح الدین فلاحی ایک اکنومسٹ ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر پی ایچ ڈی کر رکھا ہے اور فی الحال اس

سے متعلق ایک سرکاری پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں۔ وہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج سے فارغ ہیں ، اسی مدرسے کے ایک دوسرے فارغ شفیق الرحمٰن غازی بھی معاشیات کے میدان میں کام کر رہے ہیں۔ محمد یحیٰ، مہاراشٹر کی ایک فائننس کمپنی میں اچھے عہدے پر ہیں۔ وہ بھی اسی مدرسے سے فاضل ہیں۔ ان کے والد مولانا اسماعیل فلاحی یہاں ایک مدت تک درس وتدریس سے جڑے رہے ہیں۔ ابو بکر سباق فلاحی، جنھوں نے پہلے ماس میڈیا کی پڑھائی کی، پھر ایم ایس ڈبلیو کیا مگر پیشہ انہوں نے وکالت کا اختیار کیا اور اب دہلی میں ایک کام یاب وکیل ہیں۔ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی اصلاحی، علی گڑھ مسلم نیورسٹی میں ہسٹری پڑھاتے ہوئے ریٹائرڈ ہوئے۔ ان کی تعلیم جامعۃ الاصلاح اعظم گڑھ میں ہوئی ہے۔ دہلی مائناریٹی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر ظفر الاسلام ایک انگلش اخبار ''ملی گزٹ'' کے ایڈیٹر ہیں، ان کی تعلیم بھی مدرسے سے ہوئی ہے۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ان لوگوں کے علاوہ بھی بڑی تعداد میں ایسے فارغین مدارس موجود ہیں جو مختلف شعبوں میں کام کررہے ہیں۔ مدرسوں کے بچے چوں کہ ابتدا سے اردو، عربی اور فارسی سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ انگلش سیکھ کر بہترن ٹرانسلیٹر بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک جلیس نصیری (کشن گنج بہار) شامل ہیں جو مدرسہ پس منظر کے ہیں اور ٹرانسلیشن کے میدان میں اپنے نمایاں کام کے لیے جانے جاتے ہیں۔ مدرسے کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بہت سے طلبہ

گریجویشن کرتے ہیں اور ٹرانسلیشن وغیرہ میں بہتر کارکردگی کے سبب نیشنل اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں آسانی سے جاب پالیتے ہیں اور اچھی سیلری پاتے ہیں۔

بیش تر مدرسوں کے نصاب عصری تقاضوں کے مطابق نہیں ہیں۔ البتہ جماعت اسلامی ہند کے مدارس اس معاملے میں دوسرے مدرسوں سے مختلف ہیں۔ اس کا فائدہ یہاں کے طلبہ وطالبات کو مل رہاہے۔ اگر مدارس اپنے نصاب میں دینیات کے ساتھ ساتھ پروفیشنل علوم کو بھی شامل کریں تو بڑا بدلاؤ آ سکتا ہے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

میری رائے کے مطابق وجہ یہ ہے کہ مدارس میں درس نظامی کا نصاب درجہ اولیٰ سے شروع ہوتا ہے جو اسکول کی نویں کلاس کے برابر ہے۔ اس درجے کی کتب کو "کما حقہ" سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتا ہو، قرآن پڑھ چکا ہو، کچھ نہ کچھ ریاضی اور معلومات عامہ کا علم بھی رکھتا ہو، کم از کم عمر بارہ سے چودہ سال ہو وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ درجہ اولیٰ نویں کلاس ہے مدارس میں نیچے کی آٹھ کلاسیں موجود ہی نہیں جس کی وجہ سے اہل مدارس بھی اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے پر مجبور ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آٹھ سال اسکول کی رنگینیوں میں رہنے والا مولوی کا بچہ بھی

مدرسے کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہوتا اور اسکول کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے، الا ما شاء اللہ معدودے چند بچوں کے جنہیں اچھا ماحول میسر آجائے۔

آٹھ سال تک بچوں کو اسکول کی گود میں پھینکنے کے بعد کوئی عقلمند امید نہیں رکھ سکتا ہے کہ وہی بچے مدرسے میں لوٹ آئے گے۔

لہذا اگر ہمیں اس مسئلے پر قابو پانا ہے تو نیچے کی آٹھ کلاسیں بھی مدرسے میں ہی بنانی ہوں گی۔ یعنی درسِ نظامی کا نصاب سولہ سالہ ہو جائے گا۔ جہاں بچہ چار سال کی عمر میں آئے گا اور بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گا۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مدارس میں نیا تعلیمی سال شروع ہونے کو ہے۔ طلبہ کو مدارس میں داخلے کی رغبت دلانے کے لیے اس طرح کی کوئی اسکیم بنائی جا سکتی ہے

اپنی اپنی تجاویز سے آگاہ کریں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

منتظم کیسا ہونا چاہیے ؟

چینی کہاوت ہے:

"مچھلی ہمیشہ اپنے سر سے گلنا شروع ہوتی ہے"

ریاست ہو یا کوئی ادارہ، حتی کہ ایک گھر کا زوال بھی اس کے سربراہ کے ذہنی زوال سے شروع ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جب امانت ضائع کی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ! امانت کس طرح ضائع کی جائے گی؟ فرمایا: جب کام نااہل لوگوں کے سپرد

کر دیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ صحیح بخاری

معلوم ہوا کہ منصب اور عہدہ امانت ہے اور اسے نا اہل کے سپرد کرنے والا امانت میں خیانت کرتا ہے۔ نیز اگر آپ کی ریاست یا ادارے میں قیامت برپا ہے (پیسہ لگ رہا ہے لیکن کام نہیں ہو رہا) تو غور کیجیے کہیں آپ نے عہدوں پر نا اہل لوگ تو نہیں بٹھا دیے؟

اہل اور نا اہل کی پہچان کیسے ہو گی؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے جواب میں ایک الگ مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ تحریر کی گنجائش کے مطابق مختصراً عرض ہے کہ اگر آپ اپنے ماتحت افراد کے کام کو سمجھتے ہیں ایسا کہ آپ کسی بھی ماتحت کی موجودگی میں اس کی جگہ پر کام کر سکتے ہیں تو آپ ان کا سربراہ بننے کی پوری پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کو اپنے ماتحت افراد کے کام کی ابجد میں معلوم نہیں تو پھر آپ اس کام کے اہل نہیں۔ لہذا ذمہ داری لے کر امانت میں خیانت نہ کیجیے۔

میں اہل تو نہیں لیکن کام کرنا چاہتا ہوں، کیا کروں؟

اس کا سادہ اور آسان جواب یہ ہے کہ پہلے اس کام کو سیکھیں، مہارت حاصل کریں یعنی اہل بنیں پھر کام کریں۔

یا

ایسے شخص کو تلاش کیجیے جس میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہوں:

۱-ایمانداری۔

۲-محنت۔

۳-جس منصب کے لیے منتخب کیا گیا ہے اس کی اہلیت۔

۴-تجربہ

یاد رکھیں تجربہ کا مطلب ہے کام میں مہارت، کرسی پر بیٹھے بیٹھے بڑھے ہونے کا نام تجربہ نہیں۔ایسے نام نہاد "تجربہ کار" بھی ہمارے معاشرے میں کثیر ہیں۔

ہاں اگر ناتجربہ کار ہے لیکن مندرجہ بالا تین صلاحیتوں کے ساتھ سیکھتے رہنے کی جستجو ہے تو بھی ایسے شخص کو ذمہ داری دی جاسکتی ہے۔

دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی ایسے افراد کم یاب ضرور ہیں لیکن اب بھی مل سکتے ہیں۔

ان خوبیوں کے حامل افراد کی تلاش ہی سب سے مشکل مرحلہ ہے۔اس کے بعد انہیں مناسب معاوضہ دیجیے جس میں اس گھر کا خرچ باسانی پورا ہو سکے اور اسے کوئی دوسرا کام نہ کرنا پڑے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے کام اس شخص کے سپرد کر دیں۔خود نگرانی ضرور کریں لیکن ہر ہر کام میں بے جا مداخلت نہ کریں۔

نیز

اپنے ماتحت افراد کے کام کو سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ پڑھائی سے فراغت خصوصاً منتظم / سربراہ بننے کے جو سب سے بڑی بیماری پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ ایسا شخص مزید سیکھنا چھوڑ دیتا ہے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تیزی سے بدلتی دنیا کا ساتھ دینے کے قابل نہیں رہتا۔ نہ صرف خود بلکہ اپنے ادارے کے زوال کا باعث بھی بنتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص ہمیشہ طالب علم رہتا ہے، یعنی اپنے شعبے کے بارے میں نئی نئی چیزیں سیکھتا رہتا ہے ایسا شخص ہی اپنی ذات اور اپنے ادارے کی ترقی کا باعث بنتا ہے۔

سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: لا یزال الرجل عالماً ما دام متعلّماً۔ جب تک بندہ سکھتا رہتا ہے تب تک وہ عالم رہتا ہے (جب سیکھنا چھوڑ دیتا ہے تو۔۔۔۔؟)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

مزدور کی تنخواہ بمقابلہ استاذ کی تنخواہ

خبر ہے کہ پاکستان میں مزدور کی کم از کم تنخواہ ۱۷۵۰۰ روپے مقرر کر دی گئی۔

لیکن اساتذہ (مدارس کے ہوں یا گلی محلے میں کھلے پرائیویٹ اسکولوں کے) کو ایک مزدور جتنا معاوضہ بھی نہیں ملتا، آخر کیوں؟

روزانہ مسلسل پانچ گھنٹے اونچی آواز کے ساتھ بول بول کر کچھ اور کرنے کی ہمت باقی نہیں رہتی۔ اس پر مطالعہ کرنا، کاپیاں چیک کرنا، پیپر بنانا اور چیک کرنا وغیرہ وغیرہ درجنوں اضافی کام بھی کرنے ہوتے ہیں۔

(مدارس و اسکول کی) انتظامیہ کو یہ بات کیسے سمجھائی جا سکتی ہے کہ تدریس محض ۵ گھنٹے کا جز وقتی (Part Time) کام نہیں بلکہ آٹھ گھنٹے کی کل وقتی (Fill Time) ملازمت ہے؟

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

صرف تیس دن میں مفتی بنیے

اللہ خیر کرے ، علم کلام سے محروم ، درس نظامی کے نئے نئے نصاب جنم لے رہے ہیں .
مجھے خدشہ ہے ، انھیں پڑھنے والے ، لوگوں کی نظروں میں تو علامہ ، فہامہ بن جائیں گے لیکن حقیقت میں پکے سنی بھی نہیں بن سکیں گے .
سراغ منزل سے بے خبر یہ قوم ، صلح کلیت اور تذبذب کی وادیوں میں بھٹکتی رہے گی .

اللہ کرے ایسا نہ ہو!!

لقمان شاہد
21/6/2019 ء

محترم لقمان شاہد صاحب کی اس پوسٹ پر مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔

ایک مرتبہ ایک تجربہ کار امریکی بوڑھا ڈاکٹر پاکستان آیا تو اس نے کراچی صدر کے علاقے میں فٹ پاتھ پر ایک کتاب دیکھی اور کتاب کا نام پڑھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ کتاب کا نام تھا:

"صرف تیس دن میں ڈاکٹر بنیے"

ہوش میں آنے پر کہنے لگا کہ میں میڈیکل پڑھتے پڑھاتے بڈھا ہو گیا اور کتاب کا مصنف صرف تیس دن میں ڈاکٹر بنانے پر تلا ہوا ہے۔

اگر درسِ نظامی اسی رفتار سے سکڑتی رہی تو وہ دن دور نہیں جب آپ کو بھی ایسی ہی کوئی کتاب یا اشتہار دیکھنے کا ملے گا جس کا عنوان ہو گا

"صرف تیس دن میں مفتی بنیے"

اور آپ بے ہوش ہو کر کسی فٹ پاتھ پر پڑے ہوں گے۔

مانا کہ مختصر کورسز وقت کی تیز رفتاری کا تقاضا ہیں لیکن گزارش ہے کہ ایسے کورسز کو " درسِ نظامی "کا نام نہ دیا جائے، اور نہ ہی تکمیل کرنے والوں پر " عالمِ دین یا مفتی "ہونے کا لیبل چسپاں کریں۔

دیگر بہت سے عنوانات ہو سکتے ہیں، جیسے فہمِ قرآن، فہمِ دین، فہمِ حدیث، فاضل کورس، فاضل عربی کورس وغیرہ وغیرہ۔

دنیا کے اکثر علوم پھیل کر شعبہ جات میں تقسیم ہو رہے ہیں۔ ایسے میں درسِ نظامی کو پھیلا کر شعبہ جات میں تقسیم کرنے کی حاجت ہے نہ کر سکیڑنے کی۔ خصوصا دار الافتاء کو شعبہ جات میں تقسیم کرنا وقت کی اہم ضرورت بن چکا ہے۔ ایک ہی مفتی تمام شعبہ جات کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ مثلا اس دور میں صرف خرید وفروخت کے مسائل کو ہی دیکھ لیں جدید دور میں کاروبار کی وسعت اور دیگر اقوام کے کاروبار پر تسلط کی وجہ سے پیدا ہونے والے فقہی مسائل کا ایک انبار ہے جن کا کوئی منطقی جواب اس نسل کو نہیں مل رہا۔ نتیجۃً نئی نسل اسلام سے دور ہو رہی ہے۔ افتاء کا یہ ایک شعبہ بھی اگر ایک مفتی سنبھال لے تو بہت بڑی بات ہے۔

یاد رکھیں:

" تحقیق کا رستہ نہایت کٹھن اور دشوار گزار ہے اور اس پر کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے "

ضروری نوٹ:

شارٹ کورسز پر یہ تبصرہ محض تبصرہ نہیں بلکہ تجربہ ہے۔ درسِ نظامی مکمل کرنے کے فوراً بعد دو ڈھائی سال راقم نے بھی دیکھا دیکھی شارٹ کورس کروانے کی کوشش کی لیکن نتیجہ صرف ۱ فیصد پایا۔ اس ایک فیصد میں وہ طلبہ تھے جن کا ذاتی مطالعہ پہلے سے وسیع تھا، نہ صرف محنت کے عادی تھے بلکہ ذہین بھی تھے۔ بقیہ ۹۹ فیصد طلبہ اس کورس کی تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے پاتے۔

ع-شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

طلبہ کی تعداد میں اضافے کے لیے نئی نسل کو مدارس کے قریب کیسے لایا جائے؟
(خصوصی تحریر)

میں نے ویٹر کی توجہ ڈش نمبر ٦٥ کی طرف مبذول کرائی اور مسکرا کر پوچھا "یہ کیسی رہے گی؟"

ویٹر نے جھک کر مینو کارڈ دیکھا اور مسکرا کر بولا "یہ رائسینیا ہے، یہ ہمارے ریستوران کی مشہور ترین ڈش ہے، یہ آپ کے لئے پرفیکٹ رہے گی"

وہ اس کے بعد سیدھا ہوا اور نہایت شستہ انگریزی میں ڈش کے اجزاء اور اس کی تیاری کے مراحل پر روشنی ڈالنے لگا۔

اس نے بتایا "ڈش کے چاول برازیل کے قدرتی کھیتوں میں قدرتی کھاد میں پروان چڑھتے ہیں۔ زیرہ چین کے دور دراز علاقوں سے منگوایا جاتا ہے۔ دھنیا، دالیں اور نمک انڈیا سے لایا جاتا ہے۔ یہ سارے اجزاء فرانس کے نیم گرم چشموں کے پانی میں دھوئے جاتے ہیں۔ یہ جاپانی مٹی کی ہانڈی میں ڈالے جاتے ہیں۔ ان میں ملائیشیا کا کوکونٹ آئل ملایا جاتا ہے۔ ڈش کو ہلکی آنچ پر پکایا جاتا ہے اور یہ کھانا آخر میں برطانوی پلیٹ میں ڈال کر میرے سامنے رکھا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

میں اس نجیب الطرفین ڈش کے پس منظر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے محسوس ہوا میں نے ڈش نمبر ٦٥ پر انگلی رکھ کر اپنی زندگی کا بہترین فیصلہ کیا۔ میں

نے مینو کارڈ فولڈ کر کے ویٹر کے حوالے کیا، لمبی سانس لی اور کرسی کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ریستوران گاہکوں سے بھرا ہوا تھا، میں لوگوں کو کھانا کھاتے، گپ شپ کرتے اور قہقہے لگاتے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ میرا آرڈر بیس منٹ میں تیار ہونا تھا، میں یہ وقت دائیں بائیں دیکھ کر گزارتا رہا۔ میں نے بڑی مشکل سے وقت پورا کیا۔ مجھے آخر میں دو ویٹر اپنی طرف آتے دکھائی دیے، ایک نے چاندی کی بڑی سی ٹرے اٹھائی ہوئی تھی اور دوسرا میرے آرڈر کو پروٹوکول دے رہا تھا۔

پروٹوکول آفیسر نے مسکرا کر میری طرف دیکھا، میرے سامنے پڑی پلیٹ اٹھائی، جگہ بنائی، نہایت عزت کے ساتھ ٹرے میں رکھی پلیٹ اٹھائی اور میرے سامنے رکھ دی۔ میں اشتیاق کے عالم میں پلیٹ پر جھک گیا۔ دونوں ویٹرز نے مسکرا کر میری طرف دیکھا "انجوائے یور میل سر" کہا اور لیفٹ رائیٹ کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔

میری پلیٹ کے ایک کونے میں کھیرے کی دو قاشیں پڑی تھیں، اس سے ایک انچ کے فاصلے پر سبز دھنیے کی چٹنی تھی اور اس چٹنی سے دو انچ کے فاصلے پر چار چمچ کے برابر چاولوں کی ڈھیری تھی۔ میں نے چھری کے ساتھ وہ ڈھیری کھولی، چاولوں سے کانٹا بھرا، وہ کانٹا منہ میں ڈالا اور ساتھ ہی میری ہنسی نکل گئی۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے وہ رائسینیا پھیکی کھچڑی تھا اور میں کھچڑی کی ان چار چمچوں کے لئے بیس منٹ انتظار کرتا رہا تھا۔ میں نے لمبا سانس لیا، کھیرے کی قاش منہ

میں رکھی۔ کوکا کولا کا لمبا گھونٹ بھرا، کھچڑی (معذرت چاہتا ہوں) رائسینیا کو زہر مار کیا اور ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کر دیا۔

وہ بل کی بجائے ڈیزرٹس کا مینو کارڈ لے آیا اور مجھے انوکھی انوکھی سویٹ ڈشز چیک کرنے کا مشورہ دینے لگا، میں نے نہایت شائستگی کے ساتھ معذرت کر لی۔ وہ مایوس ہو کر واپس گیا اور بل لے آیا۔ میں نے بل کو غور سے دیکھا۔ مجھے کوکا کولا کا ایک گلاس پانچ سو روپے میں پڑا اور چار چمچ پھیکی کھچڑی اڑھائی ہزار روپے میں۔ بل میں سروس چارجز اور جی ایس ٹی بھی شامل تھا، یہ سب ملا کر پونے چار ہزار روپے بن گئے۔ میں نے پے منٹ کی اور اپنی سیٹ سے اٹھ گیا، ریستوران کے آدھے عملے نے مجھے جھک کر رخصت کیا، باوردی دربان نے دروازہ کھولا، میری گاڑی پورچ میں آگئی، میں گاڑی میں بیٹھ گیا، ریستوران کا بیرونی عملہ بھی میرے سامنے جھک گیا، مجھے بڑی عزت کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

میں راستے میں سوچنے لگا۔۔۔! پونے چار ہزار روپے میں چار چمچ کھچڑی، کیا یہ ظلم نہیں؟ ہاں یہ ظلم تھا لیکن میں اپنی فطرت کے برعکس اس ظلم پر خاموش رہا، کیوں؟ یہ میرا دوسرا سوال تھا۔ میں منہ پھٹ آدمی ہوں، میں کسی بھی فورم پر کوئی بھی بات کہہ سکتا ہوں لیکن میں اس ریستوران میں یہ ظلم چپ چاپ کیوں سہہ گیا؟ میں کھوجتا رہا یہاں تک کہ وجہ کا سرا میرے ہاتھ میں آگیا۔ یہ سب ریستوران کی مارکیٹنگ کا کمال تھا۔

مارکیٹنگ کھچڑی کو دنیا کی بہترین اور مہنگی ڈش بھی بنا سکتی ہے اور اس ڈش کی زد میں آنے والے مظلوموں کے منہ پر ٹیپ بھی لگا سکتی ہے اور مظلوم کے پاس ظلم سہنے کے سوا کوئی آپشن نہیں بچتا۔ میری ہنسی نکل گئی، مجھے ہنسنا چاہیے بھی تھا، میں بھول گیا تھا ہم مارکیٹنگ کی اس اتیج میں زندہ ہیں جس میں ٹیلی ویژن کا اشتہار یہ فیصلہ کرتا ہے مجھے کون سا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا چاہیے۔

مجھے کس کمپنی کی چائے، دودھ، چینی، انڈے، شیمپو، صابن، ڈٹرجنٹ پاؤڈر، پانی، فریج اور اے سی خریدنا چاہیے اور مجھے کس موٹر سائیکل پر بیٹھ کر زیادہ فرحت محسوس ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ یہ مارکیٹنگ ہے جو کھچڑی کو رائسینیا، آلو کے چپس کو فرنچ فرائز، چھلی کو کارن سٹک، لسی کو یوگرٹ شیک اور برف کے گولے کو آئس بال بنا دیتی ہے۔ کمپنی اپنی مارکیٹنگ کے زور پر دس روپے کی چیز ہزار روپے میں فروخت کرتی ہے اور گاہک کو اعتراض کی جرات تک نہیں ہوتی۔

یہ تحریر کچھ روز قبل نظر سے گزری تھی جس کا ابتدائی حصہ آپ کے گوش گزار کیا، بقیہ حصہ عالمی سیاسی پسِ منظر میں ہے جس کی یہاں حاجت نہیں اس لیے اسی قدر نقل پر اکتفاء کرتا ہوں۔

ایک مدرس ہونے کے ناطے یہ سب پڑھ کر میرا ذہن تعلیمی اداروں کی جانب چلا گیا۔ صاحبِ تحریر کی طرح میں نے بھی سوچا کہ مارکیٹنگ صرف کمپنیوں تک محدود نہیں رہی، مارکیٹنگ کی ضرورت تعلیمی اداوں میں بھی ہوتی

ہے۔ مثلاً موجودہ تعلیمی نظام کی مثال لے لیں۔ ماڈرن تعلیمی اداروں میں ہزار خامیوں کے باوجود داخلے نہیں ملتے۔ اس کے برعکس مدارسِ اسلامیہ اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود طلبہ کی کمی کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ چند انفرادی خامیوں کو لے کر مدارس کے خلاف ایسا پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ایک پڑھا لکھا فرد مولوی کے نام سے ہی بدکنے لگا۔

حالانکہ اگر کوئی بھی شخص انصاف کا دامن تھام کر، اِکا دُکا انفرادی واقعات کو ایک جانب رکھ کر اکثریت کے اعتبار سے ماڈرن تعلیمی اداروں اور مدارس کا تقابل کرے تو بحمد اللہ تعالیٰ مدارسِ اسلامیہ کئی لحاظ سے ماڈرن تعلیمی اداروں سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔ آیئے آپ کے سامنے کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں۔

١. **اجتماعی جدوجہد کی عمدہ ترین مثال:** مدارسِ اسلامیہ اجتماعی و معاشرتی جدوجہد کی عمدہ ترین مثال ہیں۔ ڈیڑھ صدی سے زائد ہو چکا کسی بھی قسم کی سرکاری امداد اور طلبہ سے فیس لیے بغیر محض عوامی چندے سے نہ صرف اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں بلکہ پوری ذمہ داری اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ وسائل کی عدم دستیابی کے باوجود ان کا جذبہ، مقصد سے لگن اور جہدِ مسلسل نہ صرف حیران کن ہے بلکہ نصرتِ الٰہی کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس اپنے شعبے میں ایسے کامیاب ہیں کہ دیگر ممالک میں بھی ان کے تعلیمی معیار کا اعتراف کیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس ماڈرن تعلیمی اداروں کے لیے اربوں روپے کا سرکاری فنڈ بھی ہے اور مختلف مدات میں طلبہ سے بھاری فیسیں بھی وصول کی جاتی ہیں لیکن ان سب کے باوجود بین الاقوامی سطح پر کوئی قابلِ ذکر پیش رفت دکھائی نہیں دیتی۔

۲. **اپنوں سے پیار:** اہالیانِ مدارس اپنے دین، وطن، اقدار اور ثقافت کے سچے علم بردار ہیں۔ ان کا لباس، ان کی زبان، ان کا رہن سہن غرض کہ ہر ہر ادا اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس کے برعکس ماڈرن تعلیمی اداروں کا پہناوا، زبان، تعلیم، ماحول غرض کہ پورا نظام چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ یہ ادارے نہ تو کسی اسلامی مملکت کے نمائندہ ہیں اور نہ ہی اپنے وطن اور ثقافت کے، کیونکہ ان کی ہر ہر ادا سے غیروں کی نقالی جھلکتی ہے۔ یوں یہ ادارے محض غلام پیدا کرنے کی فیکٹریاں بن کر رہ گئے ہیں۔ البتہ سال کے چند مخصوص ایام میں نام کے لیے کچھ تقریبات ضرور منعقد کی جاتی ہیں لیکن سب جانتے ہیں کہ عملاً ایسی تقریبات نشستند گفتند برخاستند سے زیادہ کچھ نہیں ہوتیں۔

۳. **اخلاقی تربیت:** آپ ماڈرن تعلیمی اداروں اور مدارس میں دی جانے والی اخلاقی تربیت کا تقابل کیجیے۔ اس معاملے میں بھی مدارس، ان سے کہیں آگے دکھائی دیں گے۔ جھوٹ، غیبت، چغل خوری، حلال کمانا اور حرام سے بچنا، ہمدردی، ایثار،

رشتہ داروں کے حقوق جیسے کثیر اخلاقی معاملات کی تربیت مدارسِ اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔

۴. **اساتذہ کی عزت:** مدارس کے طلبہ اپنے بزرگوں خصوصاً اساتذہ کے ساتھ جس عزت سے پیش آتے ہیں وہ خود اپنی جگہ ایک مثال ہے۔ صرف استاذ ہی نہیں بلکہ علم سے وابستہ ہر چیز مثلاً کتاب اور قلم وغیرہ تک کا ادب مدارسِ اسلامیہ میں سکھایا جاتا ہے۔ مدارس کی یہ خوبی ماڈرن تعلیمی اداروں کے لیے قابلِ تقلید ہے۔ لیکن افسوس! کتاب اور قلم کا ادب تو کیا ہوتا غیروں کی نقالی نے اِن اداروں کے اساتذہ کی عزت دو کوڑی کی کر کے رکھ دی۔ انتظامیہ، والدین اور طلبہ کے لیے ان اداروں کا استاذ ایک ملازم سے زیادہ کچھ نہیں۔ یونہی استاذ کے لیے طالبِ علم محض ایک گاہک کی حیثیت رکھتا ہے۔ صد افسوس کہ یہ ادارے استاذ شاگرد کے رشتے کا تقدس مغرب کے پیچھے دوڑتے دوڑتے کہیں گم کر چکے ہیں۔

۵. **اخلاص:** مدارس کے اساتذہ کی تنخواہیں ماڈرن تعلیمی اداروں کے مقابل آدھی بھی نہیں ہوتیں۔ اس قلیل تنخواہ میں ایک استاذ روزانہ مختلف فنون کے چھے سے آٹھ پیریڈ پڑھاتا ہے۔ اور یہ پیریڈ پرائمری یا سیکنڈری کے بچوں کے نہیں ہوتے بلکہ عامہ (میٹرک) سے عالمیہ (ماسٹرز) تک کی فنی و تحقیقی کتب کے ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اہلِ مدارس کبھی اپنی ذات کے لیے سڑکوں پر نہیں نکلے۔ ان کی بہت سی خدمات بھی مفت دستیاب ہوتی ہیں: غسلِ میت، جنازہ اور فتویٰ وغیرہ کے

عوام الناس سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیتے۔ اپنے کام کو اپنی ذات اور گھر بار پر ترجیح دینا ان کے اخلاص کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

٦. **طلبہ کی فیصد حاضری:** کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر ماڈرن تعلیمی اداروں میں حاضری کی شرح کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جبکہ مدارس میں طلبہ کی حاضری کی شرح بہت بہتر ہے۔ اس معاملے میں بھی مدارسِ اسلامیہ، ماڈرن تعلیمی اداروں سے بہت آگے ہیں۔

٧. **نقل کا رجحان:** مدارسِ اسلامیہ میں نقل کا رجحان نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ماڈرن تعلیمی اداروں میں کس قدر نقل ہوتی ہے یہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ نقل کے علاوہ بھی امتحانات میں کامیابی کے لیے کئی غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔

٨. **امتحانات میں کامیابی کی شرح:** نقل کرنے کا مقصد ہوتا ہے پرچہ پاس کرنا۔ لیکن یہ عجیب وغریب تماشا ہے کہ کثیر نقل اور غیر قانونی ہتھکنڈوں کے باوجود ماڈرن تعلیمی اداروں میں کامیاب طلبہ کی شرح نہایت مایوس کن ہے۔ اس کے برعکس مدارس میں کامیابی کی شرح کہیں بہتر ہے۔

٩. **اعلیٰ نصاب:** موقع ملے تو کبھی کسی یونیورسٹی کا نصاب اٹھا کر دیکھیے۔ جو کتب مدارس میں خاصہ (انٹرمیڈیٹ) میں پڑھائی جاتی ہیں وہ آپ کو ماسٹرز (عالمیہ) کے نصاب میں نظر آئیں گی۔ اس لحاظ سے مدارس کا نصاب اپنے شعبے میں نہایت اعلیٰ معیار کا

حامل ہے۔

۱۰. **منفی سیاست سے پاک ماحول:** ماڈرن تعلیمی اداروں میں سیاسی فسادات کی خبریں آئے روز خبروں کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ جبکہ مدارس میں ایسے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

آپ سب کو دعوتِ تحقیق ہے۔ ماڈرن تعلیمی اداروں اور مدارس کے وسائل وکارکردگی کا جائزہ لیجیے۔ دونوں کی Input اور Output کو سامنے رکھ کر مندرجہ بالا دس نکات پر کوئی بھی انصاف پسند تحقیق کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مدارسِ اسلامیہ، ماڈرن تعلیمی اداروں سے بہت آگے دکھائی دیں گے۔

لیکن

کیا وجہ ہے کہ مندرجہ بالا تر خامیوں کے باوجود ماڈرن تعلیمی اداروں کو اچھا سمجھا جاتا ہے، اور تمام تر خوبیوں کے ہوتے ہوئے مدارسِ اسلامیہ کو معاشرے کا ایک بے کار پرزہ گردانا جاتا ہے؟

کیا وجہ ہے کہ ماڈرن تعلیمی اداروں میں داخلے نہیں ملتے، اور مدارسِ اسلامیہ کی اکثریت طلبہ کی کمی کا شکوہ کرتے دکھائی دیتی ہے؟

یہ سب کیا ہے؟

مدارس کی لذیذ بریانی معاشرے کو کھچڑی کیوں لگتی ہے؟

وہ کون سے طریقے ہیں جن کی مدد سے ماڈرن تعلیمی ادارے اپنی کھچڑی کو

بھی رائسینیا بنا کر پیش کرتے ہیں؟ اور عوام بھاری رقوم خرچ کر کے خوشی خوشی وہ کھچڑی کھا بھی لیتے ہیں۔

یہ سب کیوں ہے؟ کبھی اس بارے میں سوچا؟

میری ناقص رائے میں اس کی چند خارجی و داخلی وجوہات ہیں۔

خارجی سبب

مدارس اور علماء کے خلاف پرنٹ اور الیکٹرنک میڈیا پر تواتر کے ساتھ ہونے والا پروپیگنڈہ عوام الناس کو ان سے دور کرنے کا ایک بڑا سبب ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس پروپیگنڈے کی ایک جھلک دکھلانا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

جس طرح مدارسِ اسلامیہ چندہ لیتے ہیں اسی طرح بہت سی غیر سرکاری تنظیمیں (N.G.Os) بھی لیتی ہیں۔ لیکن یہ پروپیگنڈہ کا کمال ہے کہ علماء کا چندہ مانگنا عیب، گلوکاروں اور فنکاروں وغیرہ کا "ڈونیشن" لینا خدمت کہلاتا ہے۔

مساجد و مدارس کے لیے چندہ لینے والے "چندہ خور" اور سوٹ بوٹ میں انگریزی بول کر چندہ لینے والے "خدمتِ خلق کے علم بردار" قرار پاتے ہیں۔

مجھے حوالہ یاد نہیں، شاید بلاغت کی کسی کتاب یا مضمون میں پڑھا تھا کہ **پروپیگنڈے کا جواب جب تک اس سے زیادہ یا کم از کم اتنی ہی طاقت سے نہ دیا جائے تو وہ جواب کسی کام کا نہیں رہتا۔**

سوشل میڈیا سے پہلے علماء کے پاس صرف مسجد کا منبر تھا یا سینہ بہ سینہ دعوت۔ ٹی وی، اخبار اور سوشل میڈیا جیسی طاقت تک رسائی نہ تھی۔ اسی وجہ سے ایسے جھوٹے پروپیگنڈوں کا جواب اتنی ہی طاقت سے نہیں دیا جاسکا۔

نیز بیشتر جامعات نے طلبہ کو تصنیف و تالیف کی باقاعدہ تربیت بھی فراہم نہیں کی کہ وہ اپنے دفاع میں کچھ لکھ یا بول سکیں، اگر کچھ افراد اس میدان میں آئے بھی تو اپنی محنت اور صلاحیت سے۔

لیکن اب زمانہ بدل گیا اور اس بدلتے زمانے کے ساتھ اگر ہم اپنے آپ کو بھی بدل لیں تو ایسے جھوٹے پروپیگنڈوں کا مؤثر جواب دے سکتے ہیں۔

کرنا صرف یہ ہے کہ ہر جامعہ اپنے اپنے طلبہ کے لیے جدید خطوط پر تحریر و تقریر کی تربیت کا اہتمام کرے۔ علمی مجلات جاری کریں اور سوشل میڈیا پر چینل، پیج اور گروپ بنا کر طلبہ کے ذریعے ہی انہیں فعال بنائیں۔

بہر حال اس موضوع پر گروپ میں وقتاً فوقتاً بات ہوتی رہتی ہے اور فی الحال یہ تحریر کا مقصد بھی نہیں اس لیے اسے یہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

داخلی سبب

مجھے لگتا ہے کہ میڈیا کے اس پروپیگنڈے کا کچھ نہ کچھ اثر اہلِ مدارس نے بھی لیا ہے۔ اور اسی پروپیگنڈے کے زیرِ اثر وہ خود بھی اپنی بریانی کو پھیکی کھچڑی ہی سمجھنے لگے ہیں۔ یا نہیں بھی سمجھتے لیکن کھچڑی کے انداز میں پیش ضرور کر رہے

ہیں۔

میرا خیال ہے ہم مارکیٹنگ میں مار کھا رہے ہیں، ہمارا پرسیپشن خراب ہے، ہمیں مارکیٹنگ کو سمجھنے والے افراد کی ضرورت ہے جو ہماری لذیذ بریانی کو کم از کم بریانی کے انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

مارکیٹنگ کا لفظ ہمارے ہاں کسی حد تک منفی معانی میں استعمال ہونے لگا ہے اس لیے وضاحت ضروری ہے کہ ان معروضات کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ جھوٹ اور غیر شرعی ہتھکنڈوں کے ذریعے کھچڑی کو رائیسینیا کا نام دے دیں۔ مقصد یہ ہے کہ دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے جدید ذہنوں کو سامنے رکھ کر لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ اس کے بعد ہی امید کی جا سکتی ہے کہ معاشرے میں نہ صرف علماء اور مدارس کا تاثر بہتر ہو گا بلکہ طلبہ کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ممکن ہو گا۔

چند تجاویز

کسی شاعر نے کہا تھا:

ع۔ جہاں بھی گئے داستاں چھوڑ آئے

حسبِ حال اس مصرعہ کو یوں تبدیل کیا ہے:

ع۔ جہاں بھی گئے داستاں لکھ کے لائے

اپنے مطالعے اور مشاہدات سے گزرنے والی چھوٹی چھوٹی اہم باتوں کو ڈائری پر ترتیب سے لکھنا راقم کی برسوں پرانی عادت ہے۔ موبائل فون ملنے کے بعد یہ

سلسلہ مزید تیز ہو گیا کیونکہ یہ ہر وقت جیب میں موجود رہتا ہے۔ کوئی اہم خبر ہو یا واقعہ ڈائری میں ضرور نوٹ کرتا تھا۔ کوئی عبارت اچھی لگی تو اسے محفوظ کیا، کوئی طالبِ علم پڑھائی چھوڑ گیا تو اس کی وجہ؟ کسی کو سزا ملی تو اس کی وجہ؟ کوئی سبق کسی طالبِ علم کو سمجھا نہیں سکا تو اس کی وجہ؟ انتظامیہ کا کوئی فیصلہ اچھا لگا یا سمجھ نہ آیا تو اس پر نوٹ لکھ لیا۔ غرض کہ ہر اہم بات کو لکھنے کی عادت ہے۔

انٹرنیٹ سے تعلق بنا تو گوگل کے بک مارک، ون نوٹ، کلر نوٹ اور فیس بک کے محفوظات میں اتنا مواد جمع ہوتا چلا گیا کہ اب اس میں کچھ تلاش کرنا ہو تو خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔ غرض کہ ماضی میں لکھے گئے ملاحظات کا ایک ڈھیر ہے جو آج بھی کام آرہا ہے۔

انہی ملاحظات کی مدد سے مدارس میں طلبہ کی تعداد میں اضافے کے لیے چند تجاویز لکھ رہا ہوں جس کی مدد سے نئی نسل کو مدارس اور علماء کے قریب لایا جا سکتا ہے، ممکن ہے کسی کے کام آجائیں۔ ان میں سے بعض باتیں بظاہر چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن ان کے اثرات دیرپا ہیں اور ماڈرن تعلیمی ادارے بھی انہیں استعمال کر رہے ہیں۔

دیگر احباب سے بھی گزارش ہے کہ اپنے اپنے تجربات و تجاویز سے ضرور آگاہ کیجیے۔

کہتے ہیں کہ اگر آپ کے پاس ایک سیب ہے اور میرے پاس بھی ایک سیب

اور ہم ان دونوں سیبوں کو جمع کرلیں تو دو ہی سیب ہوں گے۔ لیکن اگر آپ کے پاس ایک خیال (Idea) ہے اور میرے پاس بھی ایک خیال ہے، اور ہم ان دونوں خیالات کو جمع کرلیں تو جواب میں دو خیالات نہیں بلکہ چار یا پانچ خیالات آئیں گے۔

جو کچھ میں نے دیکھا سمجھا لکھ دیا، آپ بھی سوچیے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجیے کہ یہ ہم سب کا مشترکہ مفاد ہے۔

۱. **<u>ناظرہ کے مدارس ہمارا چہرہ ہیں:</u>** ناظرہ کا مدرسہ ہمارا چہرہ ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعے ہمارا پہلا تعارف ہوتا ہے۔ ایک عام آدمی کو ناظرہ کے مدرسے اور درسِ نظامی کے ادارے کا فرق معلوم نہیں۔ ناظرہ کے مدرسے میں آنے والا چھوٹا سا بچہ مسجد، مدرسے اور مولوی سے ساری زندگی کے لیے متاثر بھی ہو سکتا ہے اور متنفر بھی۔ اس لیے جامعات کے ساتھ ساتھ گلی محلوں میں پھیلے ناظرہ کے مدارس اور اساتذہ پر خصوصی توجہ کی شدید حاجت ہے۔

کچھ دیر کے لیے تصویر کی آنکھ سے دیکھیے کہ ایک بچہ صبح کے چار پانچ گھنٹے ایک رنگین اور خوبصورت عمارت میں گزار کر آیا ہے۔ جہاں اسے کھیل کود اور کھانے کا وقفہ بھی ملا تھا۔ جھولے بھی جھولے تھے۔ رنگ برنگی کتابوں سے نظمیں بھی پڑھیں۔ غرض کہ بچوں کی دلچسپی کا ہر سامان وہاں موجود تھا۔

اس کے بعد وہی بچہ (ظاہر کے اعتبار سے) بے رونق عمارت، میلی دریوں اور

ڈیسکوں پر نہایت سنجیدہ قاری صاحب کے سامنے بیٹھ کر دو سے ڈھائی گھنٹے تک حروفِ تہجی کے چند حروف دہراتا رہتا ہے۔ ایسے میں اس کا ذہن اسکول اور مدرسے میں سے کس جانب راغب ہو گا؟

میرے خیال میں نئی نسل کو راغب کرنے کے لیے مدارس کو بھی دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے کچھ نہ کچھ اقدامات کرنے ہوں گے۔

آپ کے خیال میں کیا اقدامات ہو سکتے ہیں؟

۲. **بچے کے معاشی مستقبل کا خوف:** بچے نے کیا پڑھنا ہے اور بڑے ہو کر کیا بننا ہے اس کا فیصلہ ہمارے معاشرے میں عموماً والدین ہی کرتے ہیں۔

بیروزگاری تو ہر طبقے میں پائی جاتی ہے۔ لاکھوں روپے کے اخراجات اور برسوں کی محنت سے ڈگریاں حاصل کرنے والے بھی جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں۔ اب اسے بھی پروپیگنڈہ کہہ لیں یا شیطان کا وسوسہ، باوجود شدید خواہش کے درسِ نظامی کے لیے بچوں کو نہ بھیجنے کی ایک بڑی وجہ والدین کا یہی خوف ہے کہ بچہ اگر مولوی بن گیا تو کھائے گا کہاں سے؟

اور سچی بات یہ ہے کہ درسِ نظامی کے آغاز میں ہی راقم کو بھی اس خوف نے آن گھیرا تھا، حالانکہ میرے پاس مسجد کی امامت کے ساتھ ایک اور کام بھی تھا۔ اسی خوف کے زیرِ اثر درجہ ثانیہ میں کمپیوٹر کی تربیت لینا شروع کی تھی۔ اور اس تربیت کا فائدہ بھی ہوا۔ وہ یہ کہ درسِ نظامی سے فراغت تک میرے پاس کمپیوٹر

گرافکس کا کئی سالہ تجربہ بھی تھا۔

میں نہیں سمجھتا کہ اس مسئلے کا حل بہت زیادہ مشکل ہے۔ اگر جامعات کوشش کریں تو بہت سے ایسے کام ہیں جن کی تربیت پر بہت زیادہ وقت اور پیسہ خرچ نہیں ہوتا لیکن روزگار کا اچھا ذریعہ ثابت ہوسکتے ہیں۔ مثلاً کمپیوٹر اور موبائل کو ہی لے لیں، ریپیئرنگ، ٹربل شوٹنگ، نیٹ ورکنگ، گرافکس، ویب ڈیزائننگ اور مختلف قسم کی پروگرامنگ وغیرہ کی تربیت لیے آغاز میں چند ہزار روپے، ایک کمرہ، اور ہفتے میں چار پیریڈ درکار ہیں۔

درسی علوم وفنون سے ہم آہنگ شعبوں کی بات کریں تو درسِ نظامی کے ساتھ کچھ مزید تربیت لے کر آن لائن تدریس، ترجمہ نگاری، کالم نگاری، مقالہ نگاری، معاوضہ لے کر تحقیق میں کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ کی مدد کرنا، مختلف اداروں کے لیے تحقیقی مضامین لکھنا اور تعلیمی اداروں کے لیے نصابی کتب لکھنے تک کے درجنوں شعبہ جات کے دروازے کھلے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ داخلے کے اشتہار میں اس بات کو نمایاں جگہ دی جائے کہ فلاں فلاں کام بھی سکھایا جائے گا، تاکہ والدین کے دل سے یہ خوف نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ اس سے خاطر خواہ فائدہ حاصل ہوگا۔

لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بنیاد پر داخلے تو لے لیے جائیں لیکن عملی طور پر کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ایک دینی ادارے اور منفی مارکیٹنگ کرنے

والی کمپنی میں کیا فرق رہ جائے گا؟ ممکن ہے ایک دو سال ایسا اشتہار چل بھی جائے۔ لیکن اس کے بعد ایسے ادارے کی ساکھ عوام کی نظر میں کیا رہ جائے گی، اس کا اندازہ ہر ذی شعور لگا سکتا ہے۔

۳. **ادارے کا ظاہری منظر:** ظاہر پرستی کے اس دور میں مدارس و جامعات کی عمارت کے بیرونی حلیے پر خاطر خواہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ درسِ نظامی درجہ اولیٰ میں داخل ہونے والا طالبِ علم اوسطاً پندرہ سولہ سال کا ہوتا ہے، اس عمر کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے جامعہ کی عمارت کے باہر مناسب آرائش کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔ پھولوں کے پودے لگائے جا سکتے ہیں۔ اور دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے رنگین مناظر بھی دیواروں پر بنوائے جاسکتے ہیں۔

۴. **ادارے کا داخلی منظر:** ادارے کی عمارت کا اندرونی حصہ بھی صاف ستھرا ہو کہ جس میں داخل ہوتے ہی سکون کا احساس ہو۔ نیز جگہ کو مد نظر رکھتے ہوئے گملے اور کیاریوں میں پھول پودے لگائے جاسکتے ہیں۔ دیواریں طلبہ کے بنائے ہوئے رنگ برنگے تعلیمی چارٹوں سے سجی ہوں۔ بیرونی عمارت کی طرح اندر بھی کچھ دیدہ زیب مناظر بنوائے جاسکتے ہیں۔

داخلی دروازے کے عین سامنے کچرہ، پرانا سامان، جوتے وغیرہ کوئی ایسی چیز موجود نہ ہو جس سے دیکھنے والے پر برا تاثر پیدا ہو۔ نیز اس جگہ پر طلبہ کو سرزنش کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

جامعہ کی انتظار گاہ موسم کے حساب سے پر سکون ہو۔ پانی کے لیے صاف ستھرا جگ گلاس موجود ہو۔ چند ایک عام فہم کتب یا رسالے بھی رکھے جائیں۔ تاکہ اگر کسی ملاقاتی کو کچھ دیر وہاں بیٹھنا ہو تو ایک اچھا تاثر لے کر اٹھے۔

۵. **پینے کا صاف پانی:** کبھی موقع ملے تو انٹرنیٹ پر چند بڑے تعلیمی اداروں کے اشتہارات تلاش کیجیے۔ ان اشتہارات میں پینے کا پانی اور صاف ستھرے استنجا خانے، نمایاں طور پر لکھے جاتے ہیں۔ وجہ؟

وجہ یہ کہ پڑھے لکھے گھرانوں کے بچے اسکول یا مدرسے میں بھی گھر جیسا ماحول چاہتے ہیں۔ ایسے کئی بچے دیکھ چکا ہوں جو کسی دن اپنی بوتل لانا بھول جاتے تو کئی کئی گھنٹے تک اس لیے پانی نہیں پیتے تھے کہ انہیں گلاس پسند نہیں آتا تھا۔ بہت زیادہ مجبوری کی صورت میں کولر کی ٹونٹی کے نیچے ہاتھ رکھ کر پانی پیتے تھے۔

٦. **صاف ستھرے استنجا خانے:** ایک مرتبہ ایک بچے نے کلاس میں کپڑے خراب کر لیے تھے، بچے کی عمر ایسی تھی کہ عموماً اس عمر کے بچے ایسا نہیں کرتے۔ خیر، اگلے دن بلا کر پیار سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ استنجا خانہ گندا ہونے کی وجہ سے دو تین مرتبہ گھن کر کے واپس آگئے تھے جس کی وجہ سے ایسا ہوا۔

ایسے چند واقعات کے بعد اپنی عادت تبدیل کی۔ اسی گلاس میں پانی پینا شروع کر دیا جو طلبہ کے لیے کولر پر رکھا جاتا تھا۔ اور وہی استنجا خانے استعمال کرنا شروع کیے جن میں طلبہ جاتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بروقت صفائی ممکن ہو جاتی

تھی۔

تحریر کے ساتھ سرکاری اسکول کے اشتہار کا ایک حصہ منسلک ہے۔ ذرا غور فرمایئے کن کن خصوصیات کو نمایاں جگہ دی گئی ہے؟ اور کیوں؟

۷. **بلا عنوان:** عنوان کو جاننے سے پہلے اپنے آپ سے ایک سوال پوچھیے، کیا آپ کسی قسم کی ذہنی وجسمانی تفریح کرتے ہیں؟ یقیناً اکثریت کا جواب ہاں میں ہوگا۔ کیونکہ سوشل میڈیا کا مروجہ استعمال بھی ایک طرح کی تفریح ہے۔

جب آپ کا جواب ہاں میں ہے تو اگلا سوال یہ ہے کہ طلبہ کو تفریح کا موقع دینا چاہیے یا نہیں؟

اگر نہیں تو کیوں؟

میرا جواب ہے کہ ایک حد میں رہتے ہوئے ضرور دینا چاہیے۔ خصوصاً جب کہ آپ نئی نسل کے بچوں کو مدارس کے قریب لانے کے خواہشمند ہوں تو ابتدائی درجات میں تفریح کے کچھ نہ کچھ مواقع ضرور مہیا کریں۔ مثلاً

جامعہ کی عمارت اور طلبہ کی عمر کے حساب سے چند جھولے ہوں۔ بڑے عمر کے طلبہ کے لیے جھولوں کے بجائے لٹکنے والی پل نما سیڑھی ہو سکتی ہے۔

ٹیبل ٹینس کی میز ایک کمرے میں رکھ کر جسمانی ورزش اور ذہنی تفریح کا بہترین سامان کیا جا سکتا ہے۔ بہت چھوٹے بچوں خصوصاً بچیوں کے لیے رسی کودنے کا کھیل کوئی خرچ نہیں مانگتا صرف ایک رسی کی ضرورت ہے۔ ایک گول تکیے کو چھت سے لٹکا کر مکابازی کی مشق کی جا سکتی ہے۔ غرض یہ کہ سوچنے بیٹھیں تو اپنی عمارت اور بجٹ کے حساب سے بہت سے راستے نکالے جا سکتے ہیں۔

کمپیوٹر کے پیریڈ میں ایک دن ویڈیو گیم کے لیے مختص کر دیا جائے۔ دو سال پہلے جامعہ میں اس کا تجربہ کیا گیا تھا اور بہت اچھا نتیجہ آیا۔ ٹائپنگ ڈیڈ نامی ایک گیم کے لیے ہفتے کا ایک دن مخصوص کیا گیا تھا۔ طلبہ بڑی بے چینی سے اس دن کا انتظار کرتے تھے۔ تفریح کے ساتھ ٹائپنگ میں بھی بہتری آتی گئی۔

اور آپ کو ایک راز کی بات بتاؤں؟ آپ نے بھی غور کیا ہو گا کہ اکثر جامعات میں پہلا درجہ شروع ہوتا ہے تو کمرہ جماعت کناروں تک بھرا ہوتا ہے۔ دو تین ماہ کے بعد آدھے طلبہ بھی نہیں بچتے۔ ابتدائی دو تین سالوں میں اس نسخے کو آزما کر دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو فوائد خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

۸. **مار پیٹ پر پابندی:** میرا خیال ہے اس بارے میں آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ نئی نسل کو مدارس کے قریب کرنا چاہتے ہیں تو فوری طور پر جسمانی سزا پر پابندی

لگانا ہوگی۔ اساتذہ کی جدید خطوط پر تربیت کرنا ہوگی تاکہ وہ مار کے بغیر پڑھانے کا ہنر سیکھ سکیں۔ مار پیٹ کے علاوہ ایسی انداز و الفاظ کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ بھی سختی سے ممنوع ہونی چاہیے جس سے طلبہ کی عزتِ نفس مجروح ہو۔

۹. **کرسی نماڈیسک:** فرشی نشست کے بجائے کرسی نماز ڈیسک کو کمرہ جماعت کی زینت بنایا جائے۔ بیشتر جامعات کے دفاتر میں فرشی نشستیں ترک ہو چکی ہیں اور میز کرسی کو ہی ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن کمرہ جماعت میں اکثر جگہ ہنوز فرشی ڈیسک استعمال ہو رہی ہیں جن پر بڑی کتب رکھنے میں شدید پریشانی ہوتی ہے۔ نیز لکھنے کے لیے مناسب جگہ بھی نہیں ملتی۔ نیز کئی گھنٹے تک مسلسل فرش پر بیٹھے رہنا ایک صبر آزما کام ہے۔ کم از کم مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے۔

فرشی نشست کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ استاذ بورڈ وغیرہ استعمال کرنا چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ اس کے لیے بار بار اٹھنا پڑتا ہے۔

جس طرح میز کرسی پر طویل دفتری کام میں آسانی رہتی ہے اور تھکن کم ہوتی ہے اسی طرح کرسی نماڈیسک پر مسلسل کئی گھنٹے تک پڑھنا لکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اوپر نیچے دو خانے ہونے کی وجہ سے بڑی چھوٹی کتب رکھنے کے ساتھ لکھائی میں بھی آسانی رہتی ہے۔

۱۰. **جوتے نہ اتروائیں:** "انکل۔۔۔! اسے یہاں داخل نہ کروائیں، یہاں کے بچے چور ہیں۔ میرے تین جوتے چوری ہو چکے ہیں۔ ہمارے ابو کہہ رہے تھے یہ

سال نکال لو پھر تمہیں کہیں اور داخل کروادوں گا۔" ایک بچے کے یہ الفاظ آج بھی میرے حافظے میں موجود ہیں۔ کوئی صاحب اپنے بچے کا داخلہ کروانے آئے تھے تو ایک طالبِ علم نے انہیں مفت مشورے سے نوازتے ہوئے کہے تھے۔

بہر حال یہ ایک بڑا مسئلہ ہے۔ کثیر طلبہ کے جوتے ترتیب سے رکھوانا اور ان کی حفاظت کرنا آسان نہیں۔ آئے روز اگر جوتے گم ہوتے رہیں تو اس سے ادارے کی ساکھ بہر حال متاثر ہوتی ہے۔ اگرچہ طلبہ آپ کے سامنے بات نہ کریں لیکن گھر میں جو باتیں ہوتی ہوں گی ان کا تصور آپ کر سکتے ہیں۔ جوتا گم ہونے کی اذیت وہی جانتا ہے جو آدھ پون گھنٹے تک تلاش کرنے کے بعد مایوس ہو کر ننگے پاؤں گھر جاتا ہے۔ اور اگر یہی کاروائی مہینے میں دو تین بار ہو جائے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ذہنوں پر اس کا کیسا اثر پڑے گا۔

اگر آپ کے ادارے میں بھی طلبہ جوتے اتار کر کمرہ جماعت میں جاتے ہیں تو ان کو سلیقے سے رکھوانے اور حفاظت کا معقول انتظام ضرور کرنا چاہیے۔

بہتر یہی ہے کہ کرسی نما ڈیسک استعمال کیے جائیں تو مفتیانِ کرام کی مشاورت سے جوتوں کے ساتھ پڑھنے کی اجازت بھی دے دی جائے۔

عموماً اس تجویز پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جوتے پہن کر دینی تعلیم حاصل کرنا ادب کے خلاف ہے۔ نیز زمین پر بیٹھ کر پڑھنا بزرگوں کا طریقہ بھی ہے۔ لہذا مندرجہ بالا دونوں تجاویز نا قابلِ قبول ہیں۔

دینی کتب و شعار کا ادب اور بزرگوں کی ہر ہر ادا سر آنکھوں پر۔ میرا سوال یہ ہے کہ بہت سے علماء و نعت خواں ٹی وی پر آکر درس و بیان کرتے ہیں یا نعت پڑھتے ہیں تو میز کرسی کا استعمال بھی ہوتا ہے اور اکثر اوقات جوتے بھی پہنے ہوتے ہیں۔ اگر وہاں اس کی اجازت مل سکتی ہے تو جامعات میں بھی اجازت دے دینی چاہیے۔ جبکہ اس سے کثیر فوائد کی قوی امید بھی ہے۔

بہر حال ایک خیال ہے، ظاہر ہے ہر ایک کا متفق ہونا لازم نہیں۔

۱۱. **شارٹ کورسز:** غیر رہائشی جامعات کی عمارتیں چوبیس میں سے صرف پانچ گھنٹے کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور اس کے بعد عموماً کسی استعمال میں نہیں آتیں۔ اگر ایسی عمارات کو دوپہر سے رات تک مختلف اوقات میں شارٹ کورسز کے لیے استعمال کیا جائے تو اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے بہت سے طلبہ آسکتے ہیں۔ شرط یہ کہ ان کو ویسا ہی ماحول دیا جائے جس کے وہ عادی ہیں۔ کورس کس چیز کا ہو گا یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ صحرا میں ریت کی، یا انٹارکٹیکا میں برف کی دکان کھولیں گے تو کوئی نہیں آئے گا۔ معاشرے کی ڈیمانڈ کو سمجھنا ضروری ہے۔ طلبہ آئیں گے تو ذہن بنانے سے کچھ نہ کچھ درسِ نظامی کی جانب ضرور آئیں گے۔ نہ بھی آئیں تب بھی اس کے بہت سے ضمنی فوائد ہوں گے۔

۱۲. **جدید ٹیکنالوجی کا بھرپور استعمال:** فرض کیجیے آپ کسی ادارے کے دورے پر جاتے ہیں۔ داخلی دروازے پر واک تھرو گیٹ لگا ہو، باوردی گارڈ میٹل ڈیٹکٹر لے

کر چیکنگ کر رہا ہو، سی سی ٹی وی کیمرے لگے ہوں، طلبہ واساتذہ فیس آئیڈ نٹی فکیشن سسٹم سے حاضری لگا رہے ہوں، شیشے کے پار کمپیوٹر پر کام کرتے طلبہ دکھائی دے رہے ہوں، ناظم صاحب کی سلیقے سے سجی صاف ستھری میز پر لیپ ٹاپ رکھا ہو، انٹر کام پر ہدایات دی جا رہی ہوں، پروجیکٹر پر رنگ برنگ بریزینٹیشن کی مدد سے تعلیم جاری ہو تو میرا نہیں خیال کہ آپ متاثر ہوئے بنا رہ پائیں گے۔ جب ان چیزوں سے ایک پڑھا لکھا شخص متاثر ہوتا ہے تو ایک عام آدمی کیوں نہیں ہو گا؟

حقیقت یہی ہے کہ بہت سے ادارے عوام کو متاثر کرنے کے لیے ٹیکنالوجی کا سہارا لیتے ہیں اور اس کا اثر بھی ہوتا ہے۔

۱۳. **درسِ نظامی کا سولہ سالہ نصاب:** آگے پڑھنے سے پہلے ایک غلط فہمی دور کرنا لازم ہے کیونکہ اکثر لوگ "سولہ سالہ نصاب" کا نام سنتے ہی بدک جاتے ہیں، کہ جناب، آٹھ سالہ کوئی پڑھتا نہیں اور آپ سولہ سالہ کا مشورہ دے رہے ہیں! پڑھتے پڑھتے بندہ ویسے ہی بڈھا ہو جائے گا۔

سولہ سالہ نصاب کا مطلب ہے، کہ بچہ تقریباً ۴ سال کی عمر میں مدرسے آئے گا، ناظرہ، حفظ اور تجوید کے ساتھ اسکول کے چند ضروری مضامین پر مشتمل ایک نصاب آٹھ سال تک پڑھے گا (یعنی موجودہ آٹھویں جماعت تک)۔ اس کے بعد موجودہ درجہ اولیٰ میں داخل ہو گا۔

یعنی ۲۰ سال کی عمر تک ناظرہ، حفظ (اختیاری)، ضروری تجوید اور مروجہ درسِ نظامی کے ساتھ ضروری عصری علوم کی تعلیم حاصل کر کے سندِ فراغت حاصل کر لے گا۔ اگر کوئی آٹھویں جماعت پاس کر کے آئے گا تو اسے موجودہ آٹھ سالہ نصاب ہی پڑھنا ہو گا نہ کہ دوبارہ سے پہلی جماعت میں بٹھایا جائے گا۔

اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی "سولہ سالہ نصاب" کی مخالفت کرتا ہے تو اس سے ایک سوال کیا جائے۔

قوم کے بچوں کو آٹھ دس سال تک ماڈرن تعلیمی اداروں کی گود میں پھینک کر آپ کیسے امید کر سکتے ہیں کہ وہ درسِ نظامی کی جانب آئیں گے؟

عموماً ۱۳ سال تک کی عمر بچوں کے ذہنی مستقبل کا تعین کرتی ہے۔ ۱۳ سال سے کم عمر بچے کو درجہ اولیٰ میں داخلہ نہیں مل سکتا ہے۔ ۴ سال سے ۱۳ سال کے بچوں کے لیے جامعات کے پاس کیا نصاب ہے؟

در حقیقت "سولہ سالہ نصاب" (جس کی وضاحت کر چکا) ایک بڑا انقلاب لا سکتا ہے۔ جو لوگ اپنے بچوں کو مدارس میں بھیجنا بھی چاہتے ہیں ان کے لیے جامعات کے پاس کوئی پروگرام ہی نہیں ہے۔ نتیجۃً ہمارے سامنے ہے۔

اگر آج بھی جامعات "سولہ سالہ نصاب" لاگو کر دیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ مدارس و جامعات میں طلبہ کے بیٹھنے کی جگہ نہیں بچے گی۔

گلی محلوں میں کھلے پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی بلیک میلنگ سے عوام تنگ

ہیں۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی دوسرا رستہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال رہی تو کچھ ہی عرصے میں اس موضوع پر تفصیلی معروضات پیش کروں گا۔

خلاصہ ان تمام باتوں کا یہ ہے کہ جدید ذہن سہولیات کے عادی اور جدیدیت سے متاثر ہے۔ انہیں مدارس کے قریب لانا ہے تو ان کے ماحول کے مطابق جامعات کو ری ڈیزائن کرنا ہو گا، صرف عمارات ہی نہیں افراد، کتب اور تعلیمی نظام کو بھی (۲)۔ اور اس سلسلے میں چھوٹی سے چھوٹی بات کا دھیان بھی رکھنا پڑے گا، جیسا کہ کچھ معروضات گزشتہ صفحات میں پیش کی گئیں۔

وگرنہ ۔۔۔ ماڈرن تعلیمی ادارے انہی چھوٹی چھوٹی باتوں کی مدد سے اپنی کھچڑی کو رائسینیا کہہ کر بیچتے رہیں گے اور آپ اپنی لذیذ بریانی کو لیے منہ تکتے رہ جائیں گے۔

محمد یوسف جمال قادری

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

---

(۲) اس سے موجودہ کتب یا فنون کا ترک ہرگز مراد نہیں، بلکہ محض طریقہ کار میں تبدیلی مراد ہے۔

مدارس اور قرآن خوانی

ایک مشہور و معروف دار العلوم میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اساتذہ ماشاء اللہ بڑے محنتی، باصلاحیت اور باذوق ہیں۔ وہاں زیر تعلیم طلبہ بھی دوسرے اداروں کی بہ نسبت اصول و ضوابط کے زیادہ پابند نظر آئے؛ ایک ایک نقل و حرکت کی نوٹس لی جاتی ہے۔

پر مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ اتنی سختی اور کڑی نگرانی کے ساتھ ساتھ طلبہ کو نماز عصر سے لگ بھگ عشا تک قرآنی خوانی اور دعوتوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔

شاید میرے اس خیال سے سب کا اتفاق نہ ہو، موبائل فون سے کئی گنا زیادہ طلبہ پر ان قرآن خوانیوں اور دعوتوں کا منفی اثر پڑتا ہے۔

انصار احمد مصباحی

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے](#)

آپ کیا کہتے ہیں؟

چھوٹے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم کسی خاتون سے دلوانا زیادہ مناسب ہے۔ اس عمل سے بہت سی خواتین کی معاشی مدد بھی ہو جائے گی اور کچھ ناگزیر معاشرتی مسائل کے حل میں بھی مدد ملے گی۔۔۔!!!

قرآن کی تعلیم دینے میں دلچسپی رکھنے والی خواتین کو بھی چاہئیے کہ اپنی قرأت اور تلفظ میں مزید بہتری لائیں اور اس کمزوری پر خصوصیت سے کام کریں!

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

غیر نصابی سرگرمیاں

مدارس میں **نیا تعلیمی سال** شروع ہونے کو ہے اکثر مدارس میں پوری طرح پڑھائی شروع نہیں ہوئی۔ اساتذہ اور طلبہ بہت سا وقت فارغ بیٹھے بیٹھے گزار دیتے ہیں کیوں نہ **درخت لگانے**، **پانی بچانے** پر جیسے موضوعات پر کچھ سرگرمیاں (Activities) کروا کر اس وقت کو استعمال کیا جائے۔ پڑھائی شروع ہو جانے کے بعد شاید ایسا کرنا مشکل ہو۔

کس قسم کی سرگرمیاں کروانی چاہییں؟ اپنی تجاویز سے آگاہ فرمائیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مدارس کے اندر پائی جانے والی بعض کمزوریاں اور ان کی اصلاح

پیر غلام رسول قاسمی اطال اللہ عمرہ

ویڈیو بیان دیکھیے اس لنک پر

https://www.facebook.com/groups/almudarris/permalink/2066579423453355/

یکساں نظام تعلیم سے کیا مراد ھے

اس وقت پورے ملک میں نظام تعلیم اغیار کے نشانے پر ہے اور ان کی ترجیحات میں سر فہرست ہے۔ہمارے ہاں، مختلف اوقات میں قومی تعلیمی پالیسیاں بنائی گئیں، لیکن آج تک ان میں سے کسی پر، کبھی بھی پوری طرح سے عمل نہیں ہونے دیا گیا، حالانکہ وہ پالیسیاں قوم کے ماہرین نے خود بنائی تھیں اور قوم کی خواہشات وضروریات کی آیئنہ دار تھیں۔اس وقت حال یہ ہے کہ تعلیمی پالیسیاں ملک کے باہر سے بن کر آتی ہیں،اور ہمیں اس پر عمل درآمد کا حکم دیا جاتا ہے۔اس وقت برطانیہ کے مائیکل باربر اور ریمنڈ وغیرہ پنجاب کو مرکز بناتے

ہوئے، پورے ملک کے تعلیمی نظام کو چلا رہے ہیں۔ تعلیمی نظام کا حلیہ بگاڑا جا رہا ہے۔ قومی تعلیمی نصاب سے چن چن کر قومی و نظریاتی اسباق نکالے جارہے ہیں ، بلکہ نکالے جا چکے ہیں۔ نئ نسل کو اپنے اقدار وروایات سے بیگانہ کیا جارہاہے، اور مغربی اور ہندوانہ کلچر کو نصابات کا حصہ بنا کر زبردستی نوجوان نسل کے حلق سے اتارا جارہاہے۔ انہیں اپنی تاریخ سے بے خبر اور یورپی تاریخ سے باخبر کیا جارہاہے۔ میڈیا میں اپنے تنخواہ دار لوگوں کے ذریعے ایک طرف اساتذہ کا مذاق اڑایا جارہاہے تو دوسری طرف اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف مسلسل بے بنیاد پروپیگڈہ کیا جارہاہے۔ اور اب تو کھل کر ہمارے حکمرانوں سے مطابہ کیا جارہاہے کہ اگر امداد لینی ہے تو تعلیم اور ہسپتالوں کی نجکاری کیلئے قانون سازی کرکے ہمارے حوالے کر دو۔ پچھلے پچیس تیس برسوں میں ان اداروں کے نظام کو بگاڑا گیا تاکہ ان کی نجکاری کے لیے راستہ ہموار کیا جاسکے۔ اب جب راستہ تقریبا ہموار کر دیا گیا، تو اب ان کی نجکاری کے لیے دباؤ ڈالا جارہاہے۔

انہی طریقوں میں سے ایک اور آواز یکساں نظام تعلیم کی آواز ہے۔ یہ مطالبہ تو ایک عرصے سے پوری قوم کرتی رہی ہے، لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔ قوم نے مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ وہ دیکھ رہی تھی کہ ملکی نظام تعلیم کو پہلے دینی اور دنیاوی نظام ہائے تعلیم میں تقسیم کیا گیا۔ پھر دینی تعلیم کو مزید ٹکڑوں میں تقسیم کرکے قوم کو فرقوں میں تقسیم کیا گیا۔ دنیاوی تعلیمی نظام کو اس سے بھی زیادہ حصوں

میں بانٹا گیا۔ پہلے گورنمنٹ اور پبلک اداروں میں تقسیم کیا گیا۔ پھر پبلک اداروں کیلئے نہ کوئی یکساں نظام اور نہ نصاب۔ ہر ادارہ اپنی مرضی کا نصاب چلا رہا ہے۔ کوئی قوم کے بچوں کو بائیبل کی تعلیم دے رہا ہے، تو کوئی اپچی سن، ہارورڈ، آکسفورڈ اور نہ جانے کتنے یورپی اداروں کے نظام کے تحت چل رہے ہیں۔ ہر ادارے کا اپنا مقصد اور ایجنڈا ہے۔ تاہم ان سب میں جو بات مشترک ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کے تعلیمی نظام میں یک رنگی ختم ہو اور قوم کو اپنے نظریات اور شناخت سے بیگانہ کر دیا جائے۔ اور ایک رنگ کے پاکستانی تیار کرنے کی بجائے پوری قوم کو منتشر کر دیا جائے۔

بہر حال قوم اس وقت بھی یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ پورے ملک میں ہر سطح پر یکساں نظام تعلیم رائج کیا جائے۔ اور یکساں نظام تعلیم کا جب مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس سے کیا مراد ہوتی ہے، اور قوم کیا چاہتی ہے، اسے ذرا تفصیل سے دیکھتے ہیں:

۱: نصاب

نظام تعلیم میں سب سے اہم چیز نصاب ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے سے قوم کو مطلوبہ رنگ میں رنگا جاتا ہے، اور اسے بنایا اور بگاڑا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے ملک میں قوم عرصہ ءدراز سے یہ مطالبہ کرتی آئی ہے کہ پورے ملک میں، گوادر سے کشمیر تک ایک ہی نظام تعلیم ہو۔ اس میں سب سے پہلی بات نصاب کی ہے کہ پورے ملک میں ایک ہی تعلیمی نصاب ہو۔ یہ نصاب قومی نظریہ، اقدار

اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔نوجوان نسل اپنی تہذیب اور اقدار سے آگاہ ہو،اپنی نظریاتی شناخت میں پختہ ہو۔نصاب کے ذریعے ان کا مضبوط کردار بنے، اور ان کے اندر امانت، دیانت، صداقت، خدمت خلق اور وقت کی پابندی جیسی مطلوبہ قومی صفات پیدا ہوں تاکہ وہ اپنے ملک اور انسانیت کی بہتر انداز میں خدمت کر سکیں اور قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جاسکے۔

۲۔ قومی زبان

یکساں نظام تعلیم کی دوسری خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ قومی زبان میں ہوتا ہے۔قومی جذبہ پروان چڑھانے کے لیے قومی زبان بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے امریکہ میں ۲۷ بڑی قومیں اور زبانیں ہیں، لیکن سب کو متحد کرنے کے لیے ایک قومی زبان، انگلش، کو قومی درجہ دیا گیاہے، اور اسی میں تعلیم دی جاتی ہے۔یا اسی طرح جیسے فرانس، جرمنی، جاپان، روس، چاینہ اور سری لنکا وغیرہ ممالک میں تعلیم اپنی قومی زبان میں دی جاتی ہے۔ہماری بھی اپنی قومی زبان ہے جسے شمال سے جنوب تک تمام علاقائی زبانوں کے لوگ سمجھتے اور بولتے ہیں، اور اسی میں اپنا مافی الضمیر ادا کرسکتے ہیں۔

لیکن ہماری بدقسمتی اور المیہ یہ ہے کہ آج تک قوم کو اس بنیادی حق سے محروم رکھا گیاہے۔ اور اس پر مزید المیہ یہ ہے کہ جس زبان نے ہمارے تعلیمی نظام کو سب سے زیادہ بگاڑاہے، اور نوجوان نسل کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کیاہے

وہ انگریزی زبان ہے۔ سالہا سال سے پڑھائے جانے کے باوجود ہمارے نوجوان سب سے زیادہ انگلش میں فیل ہوتے ہیں۔ اور اکثر پاس ہونے والے بھی، سمجھنے کی بجائے رٹہ لگا کر پاس ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایم اے انگلش کے کئی طالبعلموں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ انگلش میں درخواست یا ایک عدد مضمون بھی لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ تعلیم تو کتاب کے سمجھنے کا نام ہے، نہ کہ رٹہ لگانے کا۔ ہمارے ارباب اقتدار کے نزدیک شاید یکساں نظام تعلیم نام ہے. پورے ملک میں انگریزی نافذ کرنے کا۔ اور شاید ایسے ہی حالات میں میر صاحب کو کہنا پڑا تھا کہ: میر کیا سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہمارے ارباب اقتدار کے سمجھنے کی حالت اس وزیر باتدبیر کی طرح ہے کہ جب ملک میں آٹے گندم کی قلت ہوئی اور اسکو اس سے مطلع کیا گیا تو اس نے جواب میں کہا کہ پھر لوگ کیک کیوں نہیں کھاتے؟

۳۔ماہرین مضمون کی تعیناتی

یکساں نظام تعلیم کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ پورے ملک کے تعلیمی اداروں میں تمام مضامین کے ماہرین بھی یکساں طور پر موجود ہوں تاکہ ملک کے ہر علاقے کے بچے یکساں طور پر علم سے مستفید ہوں، بالخصوص سائنسی مضامین میں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ گزشتہ کئی سالوں سے ایک منصوبے کے تحت گورنمنٹ سکولوں کو سائنس کے اساتذہ سے محروم رکھا گیا ہے۔ اور ہر صوبے

میں ہزاروں کی تعداد میں سائنس اساتذہ کی اسامیاں خالی پڑی ہیں اور انہیں پر نہیں کیا جارہا ہے۔ مقصد صرف ایک ہے پرائیویٹائزیشن کیلئے راستہ ہموار کیا جا سکے۔ وہ یوں کہ لوگوں کو تاثر دیا جاے کہ گورنمنٹ سکولوں میں پڑھائی نہیں، اس لیے وہ اپنے بچوں کو پرائیویٹ اداروں میں بھیجیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر پرائیویٹ اداروں میں بھی سائنس اساتذہ ناپید ہوتے ہیں۔ ہم پوری دیانتداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر گورنمنٹ سکولوں میں یکساں طور پر مطلوبہ خالی آسامیوں کو پر کیا جائے، اور بازپرس کا نظام درست کیا جائے، تو گورنمنٹ سکول آج بھی بہترین رزلٹ دینگے، اور کوئی بھی اپنے بچوں کو پرائیویٹ سکولوں میں نہیں بھیجے گا۔

۴۔ یکساں سہولیات

یکساں نظام تعلیم سے مراد یہ بھی ہے کہ تمام تعلیمی اداروں کو یکساں سہولیات فراہم کی جائیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ گورنمنٹ سکولوں میں کمروں کا فقدان ہے، بجلی پنکھے نہیں ہیں، فرنیچر کی کمی ہے، واش رومزہ وغیرہ کی سہولیات ناپید ہیں۔ پرائمری سکول تو دو دو کمروں پر مشتمل ہیں، اور گرمی کے موسم میں درختوں کے نیچے پڑھایا جاتا ہے۔

جبکہ اس کے برعکس وہ ادارے جو نجی کنٹرول میں ہیں یا دیئے جا رہے ہیں، حکومت کی جانب سے ڈینش جیسے سکولوں کو کروڑوں کے گرانٹ دیئے

جارہے ہیں، ہر طرح کی سہولیات دی جارہی ہیں اور انہیں ہر طرح سے نوازا جارہا ہے۔ یہ بھی اچھی بات ہے۔ لیکن کہنے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ حکومت اپنی حکومتی اداروں کو یہ سہولیات و مراعات کیوں نہیں دے رہی؟ جبکہ اس وقت حکومت کی اس نئی پالیسی کے تحت پرائمری سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو، جبکہ سکول میں ایک یا دو اساتذہ ہوا کرتے ہیں، سے کہا گیا تھا کہ وہ صبح سویرے سکول بھی کھولیں، بچوں کو گھروں سے لا کر داخل بھی کریں، انکی چوکیداری بھی کریں اور ان کو تمام مضامین بھی پڑھائے جائیں۔ استاد کا کام تو پڑھانا ہوتا ہے۔ اسے آپ کلرک، چپڑاسی چوکیدار کے کاموں پر لگائیں اور پھر ان سے مطالبہ کریں کہ پڑھائیں بھی؟ کیا یہ ممکن ہے؟ اور کیا یہ اساتذہ کی توہین اور تذلیل نہیں ہے؟۔ پھر اس طرح کے اقدامات کا کیا مقصد ہے؟ صرف یہی کہ کہا جاسکے کہ گورنمنٹ سکولوں میں پڑھائی نہیں ہوتی، لہذا اپنے بچوں کو پرائیویٹ سکولوں میں داخل کرائیں جنہیں عنقریب کسی نے خریدنا ہے۔

۵۔ یکساں شرح فیس

اس وقت، بد قسمتی سے، تعلیم کو پیسہ کمانے کا کارخانہ (انڈسٹری) بنا دیا گیا ہے، اور تعلیم کو اتنا مہینگا کر دیا گیا ہے کہ اب تعلیم کا حصول غریب طبقے کیلئے ناممکن اور متوسط طبقے کیلئے بے حد مشکل بنا دیا گیا ہے۔ اب غیر سرکاری اداروں میں فیسیں روزافزوں زیادہ اور تعلیم کم اور سطحی رہ گئی ہے۔ اور غریب قابل بچے

فیس نہ ہونے کیوجہ سے میٹرک اور انٹر کے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔
تعلیم، ہمارے نزدیک، ایک دینی فریضہ اور قومی تقاضہ ہے اور فلاحی مملکت کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ ہے کہ
وہ اپنی عوام کو تعلیم کی سہولت فراہم کرے۔اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ ملک کے طول و عرض میں یکساں آسان شرح فیس ہو جس کی ادائیگی ہر شہری کے لئے ممکن ہو، جس طرح کہ ہمارے گورنمنٹ سکولوں اور کالجوں یہ نظام طویل عرصے تک رائج رہا ہے۔ چنانچہ تعلیم، فرض کی تکمیل سمجھ کر دی جائے نہ کہ حصول زر کی تحصیل۔

٦۔ مخلوط تعلیم کا خاتمہ

یکساں نظام تعلیم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے اپنے اپنے ادارے ہوں جہاں والدین بلا خوف و خطر اپنے بچوں کو بھیج سکیں اور انہیں ہر طرح کی سہولیات وہاں حاصل ہوں۔پاکستان کی اکثر آبادی مذہبی رجحانات کی حامل ہے۔ اسمیں مذہب کی کوئی تفریق نہیں۔لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے سکون و اطمینان کیساتھ تعلیم حاصل کریں اور ان کا اخلاق محفوظ ہو۔اور یہ صرف یہاں نہیں، خود امریکہ میں مذہبی رجحانات رکھنے والے یا عام شریف لوگ ہر تعلیمی ادارے میں اپنے بچے بھیجنا پسند نہیں کرتے کہ سیکس ایجوکیشن سے ان کے بچوں کے اخلاق اورانکی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی۔بامر مجبوری وہ چرچ سکولوں

میں بچے بھیج دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مرد و خواتین کی نفسیات الگ الگ ہیں۔ بچیوں کی اپنی جیسی سوسائیٹی ہونی چاہیے جسطرح کہ پہلے سے رائج نظام میں چلا آرہاہے، جہاں وہ کھل کر کام کر سکتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انڈیا میں اور یورپ میں جہاں خواتین یونیورسٹیاں ہیں وہ زیادہ کامیابی کیساتھ چل رہی ہیں۔

اس وقت حکومت پنجاب ساڑھے پانچ ہزار بچوں اور بچیوں کے سکولوں کو ضم کر چکی ہے، اور مزید سکول ضم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ساڑھے پانچ ہزار سکول خالی ہوگئے ہیں۔خالی سکولوں کا کیا مقصد؟ صرف یہی کہ جاگیردار اور وڈیرے ان پر قبضہ کر کے اپنے ڈیرے میں تبدیل کر لینگے، یا پھر بیرونی امداد سے چلنے والی این جی اوز کو کوڑیوں کے مول بیچ دئے جائینگے۔اور اس طرح بیرونی ایجنٹوں کو مستقل اڈے ہر گاوں اور شہر میں فراہم کر دئے جائینگے جو تعلیم کی طرح پورے معاشرے کے اندر اباحیت پھیلانے کے لائیسنس یافتہ مراکز ہونگے۔

تنظیم اساتذہ سمجھتی ہے علیحدہ تعلیم حاصل کرنا خواتین کا حق ہے، اور انہیں اپنی مرضی کے آزادانہ ماحول میں، فطری انداز میں مواقع فراہم کیے جائیں تو زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

۷۔ یکساں نظام امتحانات:

یکساں نظام تعلیم میں یہ پہلو بھی شامل ہے کہ پورے ملک میں امتحانات کا

یکساں نظام ہو، اور ہر سطح کے تعلیمی اور مقابلے کے امتحانات قومی زبان میں لیے جائیں۔ یہ بچے کا بنیادی حق ہے کہ اسے جو زبان اچھی طرح آتی ہو، اور اس میں وہ اپنا مافی الضمیر بہتر طور پر بیان کر سکتا ہو، اسی میں اسے امتحان دینے کا حق ملے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ھوگا کہ بچوں میں رٹہ لگانے کا رجحان ختم ہو جائیگا۔ دوسری بات یہ کہ اس وقت میٹرک کی سطح پر جو انگلش پڑھائی جارہی ہے وہ علمی زبان کی بجائے بازاری زبان ہے، جسے لوگ گلیوں کوچوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کا علمی دینا سے کوئی تعلق نہیں۔ انگلش زبان بھی بہتر ہونے کی بجائے اور بگڑ جائیگی۔

۸۔ یکساں لباس (یونیفارم)

ہمارے پرانے حکومتی ہائی سکولوں میں ملک بھر میں ایک جیسا لباس، ملیشا، کے کپڑے ہوا کرتے تھے۔ ہر جگہ ایک جیسا لباس اپنائیت کا احساس پیدا کرتا تھا، جو آج درہم برہم ہوچکا ہے۔ یکساں نظام تعلیم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ پورے ملک کے تعلیم اداروں، پرائیویٹ ہوں یا سرکاری، کسی بھی نام سے ہوں سب کا لباس ایک ہونا چاہئیے۔ اور ہر ملک کا قومی لباس ہی اس ملک کے طلبہ کا یونیفارم ہوا کرتا ہے۔ اس طر اپر کلاس اور لوور کلاس کی تفریق کا خاتمہ ہو گا، اور پوری قوم، بلا امتیاز، ایک ہی صف میں کھڑی نظر آ ئیگی: ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز نہ کوئی بندہ رہانہ کوئی بندہ نواز

اس تمام گفتگو کا لب لباب یہ بنتا ہے کہ ہم یکساں نظام تعلیم چاہتے ہیں اور جب ہم بحیثیت پاکستانی یہ مطالبہ کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ایسا یکساں نظام تعلیم جو قوم کے نظریات، اخلاق و اقدار اور اچھی روایات کا امین ہو، نصابات قومی زبان میں

ہوں، اور اسی زبان میں تدریس اور امتحانات ہوں، یکساں لباس ہو اور ہر سطح پر تمام تعلیمی اداروں کو یکساں سہولیات فراہم ہوں۔ ہم آج بھی اسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یکساں نظام تعلیم کی اگر کوئی اور تشریح کی جاتی ہے کہ پاکستانیوں کو اپنی نظریاتی وثقافتی شناخت سے محروم کرکے کسی اور رنگ میں رنگا جائے، اور اقتدار کی قوت کے بل بوتے پر ان پر زبردستی کوئی اور نظام مسلط کیا جائے تو یہ قوم کو کسی طور قابل قبول نہیں ہوگا۔ اور یہ بات تو تاریخ بتا چکی ہے کہ

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دینگے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مدارسِ دینیہ اور عصری تقاضے

از قلم.... ابو الایمن حامد رضا عطّاری

1 مئی ۲۰۱۹ بروز بدھ

مدارس کے نصاب میں بہتری، ترمیم و اضافہ اور اس کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی تجاویز و آراء کوئی نئی بات نہیں...... تاہم ایسا کہنے والوں کی اکثریت تبدیلئ نصاب کی وجہ بتانے سے یا تو قاصر ہے یا پھر ایسی وجوہات بیان کی جاتی ہیں جو مدارسِ اسلامیہ کے اغراض و مقاصد سے بے خبری پر مبنی ہیں........ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ہم نصاب میں بہتری، ترمیم و اضافہ اور نظرِ ثانی کے مخالف ہرگز نہیں بلکہ ہر اس تبدیلی کے زبردست حامی وناصر ہیں جس سے مدارس کے اغراض و مقاصد کا حصول آسان اور بہتر انداز میں ہو...... البتہ نصاب میں ایسا ردّوبدل جو مدارس کی روح کے منافی ہو اس کو کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے ....رہا یہ سوال کہ مدارس دینیہ کا مطلوب و مقصود کیا ہے تو اس بارے گذارش یہ ہے کہ اسلامی علوم وفنون کے ماہرین علماء تیار کرنا جو اسلامی روایات کا تحفظ اور پوری دنیا میں اسلام کی نشرواشاعت کا فریضہ سرانجام دے سکیں مدارس کا جوہرِ مطلوب ہے....... اتنے عظیم اور بلند مقصد کے لیے کوشاں اہلِ مدارس کے زیر سایہ پڑھنے والے بچوں کا بھی یہ حق ہے کہ وہ فراغت کے بعد انجینئر، ڈاکٹر، صحافی، رپورٹر، اینکر وغیرہ بن کر معاشرے میں اپنا کردار ادا

کریں کوئی دل لگتی بات نہیں ہے اور یہ ایک سطحی تجویز ہے خواہ کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ ہو..... مدارس پر تنقید کرنے والوں سے کوئی اتنا تو پوچھے کالج و یونیورسٹی میں پڑھنے والوں کی کل تعداد کا کتنے فی صد ڈاکٹر، انجینئر، صحافی، سائنس دان، وغیرہ بن کے نکلتا ہے اور کتنے ہیں جو سرکاری نوکری پر فائز المرام ہیں میرے خیال میں بہت کم تعداد ہے جو اپنی سند وڈگری کی دستاویز اٹھائے (صلاحیت و قابلیت شئ دیگر است) حصول نوکری کی خاطر کوشاں ہے جبکہ ایک بڑی تعداد عصری جامعات سے فراغت کے بعد ہر چیز سے فارغ نظر آتی ہے... یا پھر کوئی چھوٹا موٹا ذاتی اور معمولی کاروبار اختیار کرنے پر مجبور ہے.... کوئی مہربان ذرا اپنے ارد گرد اور محلے کے ان افراد کی فہرست تو تیار کریں جو کالج ویونیورسٹی سے اعلی تعلیم حاصل کر کے بحیثیت ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں ملک وملت کا نام روشن کر رہے ہوں جبکہ یہ سب ان کے مقاصد میں شامل ہے پھر وہاں یہ تجویز دینے والا بھی کوئی نہیں کہ کالج ویونیورسٹی سے پڑھ کر نکلنے والا بھی ایک اچھا عالم ہو تاکہ اپنے شعبے میں بھاری بھر کم معاوضہ لے کر خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ فی سبیل اللہ دینِ متین کی خدمت بھی کر سکے...... ان عصری جامعات وکلیات سے فراغت پانے والے اپنے مقاصد میں کس قدر کامیاب ہیں اس پر غور فکر اور بات کرنا تو گویا شجرِ ممنوعہ ہے........ اگر اظہارِ خیال ہوتا ہے تو مدارس پر اس میں بھی بات فقط نصاب اور اسکے ردّو بدل پر ہوتی ہے...... اگرچہ

ہم نصاب میں ترمیم و اضافہ اور بدلتے حالات کے مطابق نظر ثانی ہر دور میں کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ایسا ہونا ممکنات میں سے ہے..... لیکن مدارس کا اصل مسئلہ جو حصولِ مقصد میں رکاوٹ ہے وہ نصاب کا نہیں کچھ اور ہے جس پر آگے چل کر بات ہو گی....... بالفرض مدارس سے درسِ نظامی ختم کر کے آکسفورڈ کا سلیبس مدارس میں پڑھایا جائے اور دیگر معاملات مثلا تعلیمی انتظامات، بچے کی عمر اور اسکی ذہنی نمو کے مسائل، ابتدائی تعلیمی شرائط کا فقدان، طریقہ تدریس وغیرہ....... کو جوں کا توں رہنے دیا جائے تو کیا نتائج ہوں گے کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ کون سی بہتری آئے گی.......... اس کے برعکس کسی جدید اسکول کے سلیبس کو ٹچ کیے بغیر اسکے تعلیمی انتظام، طریقہ تدریس وغیرہ کو مدارس کی طرز پر کر دیا جائے تو وہ اسکول مطلوبہ نتائج نہیں دے سکے گا حالانکہ نصاب کو بلکل نہیں چھیڑا گیا........ لھذا مدارس کا اصل مسئلہ نصاب کا نہیں بلکہ وہ مسائل ہیں جن کی طرف میں واضح اشارہ کر چکا ہوں.... نصاب کو زیرِ بحث فقط اس لیے لایا جا سکتا ہے کہ آیا موجودہ کورس علومِ دینیہ کے ایسے ماہر علماء تیار کرنے کے لیے کافی ہے جو دنیا بھر میں اسلام کی نشر و اشاعت اور اسلام مخالف نظریات کا تعاقب کر سکیں..... بصورتِ دیگر مدارس کے نصاب پر کی جانے والی ساری گفتگو میں دیانت اور انسانی ذمہ داری کا فقدان نظر آتا ہے..... یا پھر عالم کفر کی سازش ہو سکتی ہے..... کیا کبھی کالج و یونیورسٹی کے نصاب پر اس طرح گفتگو کی

گئی کہ اس میں اسلامی علوم وفنون کی کتب شامل کی جائیں....؟ برِّصغیر کی تاریخ کا ادنی سا طالب العلم اچھی طرح جانتا ہے کہ انگریز کے ناپاک قدم لگنے سے پہلے یہاں صدیوں سے رائج ایک ہی نظام تعلیم تھا دینی و دنیاوی الگ الگ تصوّر تعلیم ہرگز نہیں تھا...... یہ مدارس ہی تھے جو اپنے جامع نصاب کی بدولت ایک ہی چھت کے نیچے ہر تعلیمی ضرورت پوری کر رہے تھے....... مختلف علوم وفنون کے ماہرین پیدا کر رہے تھے.... آگرہ کے تاج محل (جو دنیا کے عجائباتِ سبعہ میں سے اہم ترین عجوبہ ہے) کا ڈیزائنر اور معمار ایک مدرسے کا فارغ التحصیل ہی تھا....... جو بقول بادشاہِ وقت شاہ جہاں خود نادر العصر (وقت کا عجوبہ) تھا.... امر واقعہ یہ ہے کہ بغرضِ تجارت انگریز جب ہندوستان آیا اور رفتہ رفتہ اپنی مکّاری وچالاکی کے سبب اقتدار پر قابض ہو گیا تو مدارس کے معاملات میں دخل اندازی شروع کر دی خاص کر ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے بعد...... رائج شدہ نصاب تعلیم میں ردّوبدل اس انداز سے کیا کہ دینی غیرت و حمیت پر مشتمل نصاب کی جگہ لھو و لعب، مخرب اخلاق اور تضییعِ اوقات تعلیم کو شامل نصاب کیا اور عیسائیت کی تبلیغ واشاعت پر مشتمل لٹریچر کو مدارس میں بڑی کمال ہوشیاری سے داخل کرنے کی کوشش کی اس مقصد کے لیے یورپ سے بڑی تعداد میں عیسائی رہنما بھی بلائے گئے...... ایک خاص بات کی طرف دھیان بھی موضوع سے غیر متعلق نہیں ہے وہ یہ کہ سرسید نے شعوری یالاشعوری طور پر انگریز کا آلہ کار بنتے

ہوئے مدارس میں جس جدید تعلیم کو لانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اس نے کوئی تہذیبی مسئلہ حل نہیں کیا اسکی آوردہ تعلیم سیاسی طاقت کی غلام تھی جس کا محور و مرکز فکرِ معاش، فرنگی کلچر کا رواج، اسلامی تہذیب و تمدن کی بیخ کنی کے سوا کچھ نہ تھا اپنی اس سعی مذموم میں بڑی حد تک وہ کامیاب ہوا جس کا خمیازہ آج تک ہم بھگت رہے ہیں...... جب محکوم مسلم معاشرے میں روٹی ہی مقصد تہذیب اور حاصل حیات بن جائے تو اس کا اثر مدارس پر بھی پڑتا ہے...... دریں حالات اہل مدارس نے اسلامی تہذیب تمدن کے بقا کی جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا اور انتہائی محدود وسائل، شدید تہذیبی اور ثقافتی دباؤ کے باوجود اپنا نظام الگ سے جاری رکھا جو ایک غیر معمولی کرامت ہے...... یوں دینی و دنیاوی تعلیم کا الگ الگ تصور قائم ہوا اس تقسیم کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے شائد بتانے کی ضرورت نہیں رہی............... ہمارے معاشرے نے جدید تعلیم پر جو وسائل خرچ کیے ہیں اس کے مطابق نتائج کا جائزہ لے کر مدارس کے ساتھ موازنہ کریں تو بلاشبہ اہلِ مدارس کا پلڑا بھاری رہے گا....... مدارس کے نصاب (درس نظامی) میں ترمیم و اضافہ کا مشورہ دینے والوں کی ایک بڑی پرابلم دینی تعلیم اور دینی علوم میں فرق نہ کرنا بھی ہے...... دینی تعلیم جو کہ عقائد، معاملات، عبادات وغیرہ ہے یہ تو ہر فرد مسلم کے لیے ضروری اور فرض ہے درس نظامی دینی تعلیم کا کورس نہیں دینی علوم کے حاصل کرنے کا نصاب ہے دینی تعلیم ہدایت ہے جو عام ہے جبکہ

دینی علوم کا حصول ہر مسلمان کے لیے ضروری نہیں...... ولھذا نصاب پر گفتگو کرنے سے قبل دینی تعلیم اور دینی علم کے فرق کو مدّ نظر رکھنا بھی ضروری ہے......... ایک لایعنی و غیر معقول وجہ تبدیلی نصاب کے خواہشمند یہ بھی بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ مختلف یونیورسٹیز سے اپنی اسناد کو منوانا اور معتبر و مستند قرار دلوانا ہماری ضرورت ہے جو کہ نصاب تبدیل کیے بغیر ممکن نہیں...... اس بارے عرض ہے کہ اللہ کے بندو اپنی سند دوسروں سے تسلیم کروانے کو کب سے آپ نے مدارس کا مقصد سمجھ لیا ہے.... دینی جامعات کے فضلاء اپنی سند کو منوانے کے لیے عصری و دنیوی جامعات کی مہر کے محتاج ہوں کم از کم میں تو اس کو عار سمجھتا ہوں دیگر کا نقطہ نظر الگ ہو سکتا ہے....... خدا توفیق دے تو اپنی خبر آپ خود لیں.... نصاب کی کمزوریوں سمیت تمام مسائل پر قابو پا کر اپنا معیار اتنا بلند کریں کہ چار و ناچار دنیاوی جامعات والے مدارس اسلامیہ کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے دوڑے چلے آئیں...... بات کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے عرض کرتا چلوں مدارس کے نصاب میں عصری علوم بالخصوص انگریزی زبان کو شامل کرنا اگرچہ وقت کی اہم ضرورت ہے تاہم ان کی حیثیت ثانوی اور مُمدّ و معاون کی ہی رہنی چاہیے مقصودِ اصلی میں کسی طرح کی کمی کوتاہی برداشت نہیں ہو سکتی........ عصری علوم سے استفادہ کرتے کرتے ان کو اول درجہ دینا اور علومِ دینیہ کی حیثیت کا برائے نام باقی رہ جانا کسی طرح قابل قبول نہیں.... جن مدارس

نے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ کر اندھا دھند دنیاوی علوم کو شامل درس کیا اور ان کو مرکزی حیثیت دے بیٹھے آج ان کا حال کچھ اطمینان بخش دکھائی نہیں دیتا............ جید علماء دین تیار کرنے کی بات ہو یا دیگر علوم و فنون کے ماہرین کی دستیابی ہو کسی میدان میں خاطر خواہ کامیابی نظر نہیں آتی............ لھذا نصاب میں ترمیم واضافہ اور اس پر نظر ثانی سوچ سمجھ کر علماء دین کی زیرِ نگرانی دیانت وذمہ داری کے ساتھ ہی ہونا چاہیے......

(وماتوفیقی الا باللہ العظیم)

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

تحقیق میں معاون سافٹ ویئر کی تربیت

مدارس اہلسنہ میں تکمیل درس نظامی یا درمیان میں کسی سال چند روزہ کورس ہونا چاہیے جس میں مکتبہ شاملہ اور دیگر سافٹ ویئر چلانے کا طریقہ سیکھایا جائے ۔ہمارے اہلسنت کے طلبہ و علما میں سے اگر کہوں کے ۹۸ فیصد ان چیزوں کا ذرا بھر بھی علم نہیں رکھتے تو غلط نہ ہو گا۔ آج بدمذہب ان پر ہاتھ بٹھا کر لوگوں کو

مرعوب کرتے اور محقق علی الاطلاق بنے پھرتے ہیں۔ کثیر محققین ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک پیرا عبارت بھی درست نہیں پڑھ سکتے۔ اور ہمارے حضرات حیران و پریشان رہتے کہ پتا نہیں یہ کیا بلا ہے۔ جبکہ کمال سارا سافٹ ویرز کا ہوتا ہے۔

ان مکتبوں کے استعمال سے جہاں کم وقت میں احادیث کی تخریج، تفسیری، فقہی و اصولی جزئیات کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ وہی ان لاتعداد کتب تک رسائی بھی ممکن ہو جاتی ہے جو شاید کثیر طلبہ وعلما ساری زندگی خرید نہ پائیں۔

درس نظامی کی علوم وفنون کو جاننے والا شخص جس طرح ان لائبریریوں سے استفادہ کر سکتا ہے دوسرا کبھی نہیں کر سکتا خدارا قیمتی اوقات و مال میں سے چند پیسے اور تھوڑا وقت نکال کر اس کو سکھیے۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فرحان رفیق قادری عفی عنہ

اس تحقیق پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

امام اہلسنّت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں:

۱...... عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

۲...... طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

۳...... مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔

۴...... طبائع طلبہ کی جانچ ہو جس کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے، یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین، کچھ مصنفین، کچھ مناظرین، پھر تصنیف ومناظرہ میں بھی توزیع (تقسیم) ہو، کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔

۵...... ان میں جو تیار ہو جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً، وعظاً ومناظرۃً اشاعتِ دین ومذہب کریں۔

۶...... حمایت (مذہب) ورد بدمذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

۷...... تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں۔

۸...... شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سرکوبی اعداء کے لیے اپنی فوجیں میگزین رسالے بھیجتے رہیں۔

۹...... جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انھیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

۱۰...... آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں قیمتاً اور بلا قیمتاً روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

چند منٹ کے لیے تمام کام چھوڑ کر یہ پوسٹ بغور پڑھیں اور ممکن ہو تو کمنٹ

میں اپنے رائے سے بھی آگاہ کریں۔

اول سے آخر تک تمام نکات بالواسطہ یا بلاواسطہ درسِ نظامی سے متعلق ہیں۔

ایک ایک نکتہ کا جائزہ لیں اور بتائیں کہ آپ کے ادارے میں ان میں سے کون کون سے نکات پر عمل ہو رہا ہے؟

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مدارس پر ایک آنکھیں کھول دینے والی تحریر

علامہ اقبال نے کہا تھا: ”ان مدارس کو اپنی حالت پر رہنے دو، اگر یہ مدارس اور اس کی ٹوٹی ہوئی چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھنے والے یہ درویش نہ رہے، تو یادرکھنا تمہارا وہی حال ہو گا جو میں اندلس اور غرناطہ میں مسلمانوں کا دیکھ کر آیا ہوں“۔

چند دن پہلے عید الاضحی گزری ہے، میں عید سے اگلے دن بائیک پر جا رہا تھا کہ ایک مدرسہ کے سامنے سے میرا گزر ہوا میں نے دیکھا کہ اس کے گیٹ پر چند چھوٹے چھوٹے معصوم سے بچے کھڑے ہیں، ان کے چہرے نورانیت

سے بھرپور تھے، میں ان کے پاس چلا گیا ، سلام کیا انہوں نے بہت احترام کے ساتھ سلام کا جواب دیا، میں نے کہا بیٹا آپ کیا کرتے ہو یہاں؟ انہوں نے کہا بھائی ہم یہاں حفظ کرتے ہیں ، میں نے کہا عید پر آپ گھر نہیں گئے؟ ان میں سے ایک دو تو آنکھوں میں آنسو بھر کر اندر چلے گئے اور باقیوں نے رندی ھوئی آواز میں کہا ہمیں کوئی لینے نہیں آیا ہم بہت دور چترال سے آئے ہیں بابا کہتے تھے کرایہ نہیں ہے تم وہیں رہو، میرا دل بھی ایسے بوجھل سا ہو گیا، میں نے کہا آپ کو آئے ہوئے یہاں کتنا عرصہ بیت گیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم پچھلی عید پر بھی یہیں تھے۔

میں نے اپنی پاکٹ سے روپئے نکالے اوران کو سو سو روپیہ دینا چاہا، پر آفرین ان کی تربیت پر کسی نے بھی ہاتھ بڑھا کر نہیں لیے، بلکہ سب اندر چلے گئے، میں بوجھل سی طبیعت کے ساتھ آگے بڑھ گیا کہ یہ ہیں وہ مدارس کے طلباء جن کو لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میں بھی انہی مدارس سے ہوتا ہوا آیا ہوں اس جگہ پر۔ میں نے ان مدارس کے اندر کے معاملات کو دیکھا ہے، جب مدارس کے شیوخ مہینے کے آخری ایام میں بہت پریشان دکھتے تھے کہ اساتذہ کی تنخواہیں اور دیگر بل کیسے ادا کیے جائیں؟ یار سوچو کون سا ایسا پرائیویٹ یا سرکاری ادارہ ہے جو اس قدر سکالرشپ دیتا ہے؟ ملک کے طول و عرض میں سینکڑوں ایسے مدارس ہیں جن میں رہائشی طلباء کی

تعداد ہزاروں تک جاتی ہے لیکن ان کے کھانے رہائش کتابیں میڈیسن مکمل اخراجات مدرسہ کے ذمہ ہوتے ہیں، کیا ہے کوئی ایسی یونیورسٹی جس کا ہاسٹل اور میس فری ہو؟

یہ دین کے ادارے دین کے قلعہ ہیں ، انہیں اداروں سے اسلام علماء اوراسکالرپیدا ہوتے ہیں جو اسلام کے خلاف ہونے والے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں۔

بات کہاں نکل گئی... میں بات مدارس کے اندر پڑھنے والے ان درویشوں کی کر رہا تھا۔ جو دور دراز کے علاقوں سے اپنے گھر بار ماں باپ بہن بھائیوں کی محبت کو چھوڑ کر آتے ہیں، صرف اس لیے کہ ان کے ماں باپ کی ایک بہت معصوم سی خواہش ہوتی ہے کہ چلو کیا ہوا اگر گھر کی دیواروں پر غربت اور افلاس ناچتا ہے؟ ہمارے بچے حافظ قرآن بن جائیں! عالم دین بن جائیں! روز قیامت عزت والا تاج تو ہمیں نصیب ہو جائے گا نا!

مجھے یاد ہے کہ جب کبھی کسی عید وغیرہ کے موقعہ پر چھٹیاں ہوتیں تو سب اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے ، ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے تھے جو خود جا نہیں سکتے تھے اور لینے والے اس لیے نہیں آسکتے تھے کہ ان کے پاس آنے کے لیے کرایہ نہیں بن پاتا تھا۔ اور پھر وہ اسی مدرسہ کے اندر ہی اپنی خوشیوں کی قربانی اپنے ماں باپ کی معصوم خواہش پر قربان کیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیل لیتے

ـ

ان مدارس کے طلباء کو کبھی حقیر نہ جانو! آپ نہیں جانتے ان کے مقام کو، یہ جب چلتے ہیں ان کے قدموں کے نیچے اللہ کے فرشتے اپنے پروں کو بچھانا اپنے لیے باعثِ فخر محسوس کرتے ہیں۔ سمندر کی مچھلیاں، فضاؤں میں پرندے زمین کے اندر حشرات ان کی کامیابی کی دعا اللہ رب العزت سے مانگتے ہیں، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مدرسوں میں داخل وہی ہوتے ہیں جو ہر طرف سے ریجیکٹ کر دیے جائیں، اگر ایسا بھی ہے تو بھی لوگوں کو ان مدارس کا شکر گزار ہونا چاہیے، جنھوں نے ایسے بچوں کو گلیوں میں آوارہ نہیں ہونے دیا بلکہ ان کو داخلہ دے کر قرآن وحدیث کی تعلیم دی۔ وہی بچہ صوم وصلوۃ کا پابند، ماں باپ کا فرمان بردار اور ایک عالم دین بن کر لوگوں کے ایمان کی فکر کرنے لگا۔

ان مساجد و مدارس کے ساتھ محبت کریں! دینی تعلیم کے لیے اپنے بچوں کا رخ ان کی طرف کریں! اور ہر لحاظ سے ان مدارس کے معاون بن جائیں.....

پڑھ کر آگے بھی شئیر کریں...... فقط والسلام

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

الحمد للہ مدارسِ اسلامیہ میں نقل جیسی لعنت نہ ہونے کے برابر ہے ورنہ آج رہی سہی تعلیم بھی ختم ہو چکی ہوتی۔ ماڈرن تعلیمی اداروں میں نقل پر اسکول کے ایک استاذ صاحب کی تحریر ملاحظہ کیجیے:

نقل کا بڑھتا ہوا رجان۔۔ ذمہ دار کون؟

یہ کہنا بہت آسان ہے کہ جس ملک کے صدر اور وزیر اعظم بدعنوانی کے مرتکب ہوتے ہیں ہم ایک استاد اور طالبعلم کو بدعنوان ہونے سے کیسے روک سکتے ہیں۔ مگر معاملے کی سنگینی کو اگر محسوس کیا جائے تو مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ صدر یا وزیر اعظم بدعنوان ہو تو ہمارا آج برباد ہوتا ہے لیکن اگر آج کا استاد اور طالبعلم بدعنوانی کا مرتکب ہو تو ہمارا صرف آج اور کل ہی نہیں بلکہ کئی نسلیں تباہی کے راستے کی مسافر بن جاتی ہیں۔ کل اخبار کے ایک ٹکڑے پر نظر گزری جس میں لکھا تھا کہ قوم کے بربادی کیلئے ایٹم بم، میزائیل کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کیلئے صرف تعلیم کا خراب معیار اور امتحانات میں طلبہ کو نقل کی اجازت دیناہی کافی ہے۔ تعلیم کے شعبہ میں ایک بڑی رکاوٹ اور سبب امتحانات کا شفاف نہ ہونا اور نقل کا بڑھتا ہوا رجان ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام کو کھوکھلا کرنے میں نقل نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ علم و ادب کے ایک ممتاز دانشور کہتے ہیں کہ "بے ایمانی، کم ہمتی، نقب زنی اور گیدڑ کی زندگی" جب یہ چار عناصر صورت پذیر ہو کر ایک ہیولا کی شکل اختیار کرتے ہیں تو عرف عام میں اسے "نقل" کا نام دیا

جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا روگ ہے جو ملک وملت کی جڑیں کھوکھلی کرکے رکھ دیتا ہے، یہ ایک ایسا مرض ہے جو انسان کی صلاحیتوں کو زنگ آلود، اس کے ارادوں کو کمزور، اس کے عزائم کو پست اور اس کی خودی کو ملیامیٹ کرکے قومی ترقی کی جڑ پر خنجر چلادیتا ہے۔

گزشتہ کی طرح امسال بھی مارچ کے مہینے میٹرک کے امتحانات شروع ہورہے ہیں۔ مختلف جماعتوں کے امتحانات سال بھر ہوتے رہتے ہیں۔ قوم کے نونہالاں امتحان دے رہے ہیں۔ سچ پوچھئے! تو جیسے قوم کا امتحان لے رہے ہیں۔ نقل کی وہ بھرمار ہے کہ دیکھ کر سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ کیا یہ اقبالؒ کے شاہین ہیں جو ستاروں پر کمند ڈالیں گے؟ جس قوم کے نونہال نقل کے ذریعے میٹرک پاس کریں گے وہ پھر گریجویشن اور ماسٹرز میں کیا جوہر دکھائیں گے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہیں کہ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونا سب کا بنیادی حق ہے، کسی بھی طالبعلم کی پڑھائی میں تشخیص کیلئے امتحانات لئے جاتے ہیں جس کے ذریعے اس کی قابلیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے، لیکن ہمارے یہاں گزشتہ کئی برس سے امتحانات میں نقل کے رجحان میں کافی حد تک اضافہ ہورہا ہے جو کہ ایک تشویش ناک بات ہے۔ کچھ طالبعلم نقل کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں، جو طالبعلم نقل سے پاس ہوتا ہے یقیناً ڈگری تو حاصل کرتا ہے لیکن علم کی دولت اور تربیت کے فیضان سے یہ لوگ ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ امتحانات میں نقل کرنا اور

کرانا ایک گناہ اور جرم ہے ایک برائی اور لعنت ہے اور چوری بلکہ ڈاکہ ہے ایک بے انصافی بلکہ انصاف کا قتل ہے۔ امتحانات میں مختلف طریقوں سے نقل کرنے کے رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے جس میں موبائل فون کے ذریعے معاونت، کتاب یا کاپی کو چھپا کر امتحان گاہ میں لے جانا شامل ہیں۔ ان سمیت امتحان میں نقل کے تمام طریقے پورے معاشرے، ملک و قوم، حکمرانوں، تعلیمی اداروں، اساتذہ اور والدین کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔

نقل کے ناسور کو معاشرے سے ختم کرنے کیلئے یہاں چند گزارشات پیش خدمت ہیں جو اس پر عمل سے انشاء اللہ نقل کے خاتمے میں مدد مل سکتی ہیں۔ امتحانات کے انعقاد سے پہلے امتحانات دینے والے طلباء سے نقل نہ کرنے اور ممتحن سے نقل نہ کرانے پر حلف نامے لئے جائیں۔ اور ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے امتحانی مراکز کو مانیٹر کیا جائے، نقل روکنے کیلئے ہر سطح اور ہر طرح کے قابل عمل بنیادی اور ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں۔ نقل کرنے اور کرانے کے خلاف فوری قانونی کاروائی عمل میں لائی جائے اور ان کی ہر سطح پر حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ اگر ان کوششوں کی پذیرائی عوامی سطح پر کی جائے تو مجموعی بہتری کی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ حکومت اور خصوصی طور پر محکمہ تعلیم توجہ دے تو تعلیمی بہتری کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں ۔ دریں حالات میں میرے نزدیک سب سے بھاری ذمہداری اساتذہ کرام پر عائد ہوتی ہیں۔ اساتذہ اپنے طلبہ کو تعلیم کے ساتھ ساتھ

نقل سے نفرت پیدا کریں، کیونکہ ہمارے پیارے نبیؐ خود اپنے آپکو معلم کہتے تھے اور آپؐ نے اپنی تعلیم کے ذریعے پورے عرب معاشرے کی بگڑی ہوئی حالت کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ آج اگر نبی کریم ﷺ کی سیرت کے مطابق تعلیم و تربیت کا کام کریں تو اساتذہ ملک و قوم کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ پاکستان کا روشن مستقبل ہمارے نوجوانوں کے ساتھ ہی وابستہ ہے ان کی اچھی تعلیم و تربیت ہی سے ملک ترقی کر سکتا ہے اور ملک و قوم کو اساتذہ کرپشن سے پاک لیڈر شپ فراہم کر سکتے ہیں، اساتذہ کے اندر اتنی صلاحیت ہوتی ہیں کہ وہ اپنے شاگردوں کو جس روپ میں چاہے ڈال دیں ۔ اسلئے میرے نزدیک اگر اساتذہ اپنا کردار صحیح ادا کریں تو آنے والی نسلوں کو بہترین قیادت مل سکتی ہیں۔ تعلیمی اداروں سے نقل کے ناسور کو اساتذہ ہی بہتر طریقے سے ختم کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد والدین کی ذمہ داری بنتی ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو نقل کے نقصانات بتانے کے ساتھ ساتھ اس سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ یہی نہیں بلکہ صاحب منبر و محراب حضرات کو بھی اس پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے کہ وہ اس موضوع کو اپنی تقریروں کا حصہ بنائیں، وہ معاشرے کو بتائیں کہ حکومت کے جائز اور مصلحت پر مبنی قوانین کی خلاف ورزی ہے، جب کہ ایسے قوانین کی پابندی نہ کرنا شرعاً بھی گناہ ہے۔ اسلامی نقطہ نظر یہ خیانت کے زمرے میں آتا ہے ، نقل کرنا بھی خیانت ہے بالکل۔ اگر امتحان دینے والے طالبعلم امتحان کے دوران نقل کرے تو

یہ اس کی طرف سے خیانت ہے، کیونکہ اس کے ذمہ ضروری تھا کہ خاموشی اور دیانتداری کے ساتھ اپنی معلومات پرچے میں لکھ لیتا اور اگر خدانخواستہ ممتحن یا ہال نگران بھی اس عمل میں شریک ہوتا ہے تو یہ دوسرا گناہ ہے، امتحان دینے والوں نقل سے روکنا اس کی ذمہ داری تھی جس میں اس نے خیانت سے کام لیا۔ بعض موقعوں پر بلکہ بکثرت یہ سننے کو ملتا ہے کہ طلبہ کی طرف سے ممتحن کیلئے نقد یا چاہے وغیرہ دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ دوران امتحان ان طلبہ کی نقل سے چشم پوشی کرتا رہے، اور ان کو کوئی روک ٹوک نہ کرے، یہ لین دین رشوت میں داخل ہے جو کہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس عمل سے قوم و ملت کا جو کچھ عظیم نقصان ہوتا ہے وہ کسی ذی شعور انسان سے مخفی نہیں ہو سکتا۔ نااہل لوگ نقل و خیانت کے ذریعے ڈگری حاصل کرکے مختلف عہدوں پر براجمان ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کے ماتحت ادارے عضو معطل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے ان تمام باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امتحانات میں نقل کرنا دینی و عقلی، قانونی اور اخلاقی ہر لحاظ سے ایک جرم اور نہایت قبیح حرکت ہے، جس سے خود بچنا اور اپنے حلقہ اثر کو بچانے کی بھرپور کوشش کرنا عقل اور وقت کا تقاضا ہے۔

صوبائی حکومت تعلیمی اداروں میں تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کیلئے ماضی اور حال میں اقدامات کر رہی ہیں لیکن پھر بھی کسی نہ کسی صورت نقل جاری ہیں۔ محنت کرنے والے طالبعلم کا حق مارا جاتا ہے۔ نقل کے ناسور کو ختم کئے بغیر نئ

نسل کے مستقبل کو محفوظ نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ اساتذہ، والدین سمیت میڈیا اور کمیونٹی اس ناسور کے خاتمے کیلئے کردار ادا کریں۔ نقل معاشرتی ناسور ہے جو نئی نسل کے مستقبل کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں جس کا خاتمہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس ضمن میں سنجیدگی سے غور کرنے کی ضروت ہے اس وجہ سے بھی کہ اس سے ہمارے آنے والی نسلوں کا مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے۔ ارباب اختیار، ممتحنین اور متعلقہ اداروں اور ان کے ذمہ دار حضرات کی خدمت میں عاجزانہ گزارش ہے کہ وہ اپنی استطاعت کی حد تک اس مرض کو روکنے کی اپنی بساط بھر کوشش کریں ورنہ یہ صرف آخرت ہی کا نقصان نہیں بلکہ مادی دنیا میں بھی اقتصادی، سیاسی، عسکری وغیرہ مختلف سطح پر ملک کی کمزوری کھوکھلا پن اور بدنامی کا باعث ہے۔ اور ساتھ میں محکمہ تعلیم سے التماس ہے کہ وہ امتحانات کے نظام میں ایسی تبدیلیاں لائیں کہ طلبہ نقل کی بجائے اپنی ذہانت اور علم کے مطابق پرچہ حل کر سکیں اور ایک روشن مستقبل کی شروعات کر سکیں۔

تحریر کو سمیٹتے ہوئے آخر میں ضلعی انتظامیہ کی خدمت میں گزارش ہے۔ امتحانات کے سیزن شروع ہوتے ہی بُک سٹالز اور بُک شاپس والے پاکٹ گائیڈز اپنے دکانوں کی زینت بنائی ہوئی ہیں جو طلبہ کیلئے زہر کے مترادف ہیں۔ اس سلسلے میں ضلعی انتظامیہ دوران امتحان پاکٹ گائیڈز کے استعمال اور خرید و فروخت پر مکمل پابندی لگائیں۔ بک سٹالز اور بک شاپس کی چیکنگ کی جائے اور پاکٹ گائیڈز

کی موجودگی پر دکاندار کو بھاری جرمانہ کیا جائے اور ساتھ ساتھ امتحانی مراکز کا دورہ بھی کرے تو انشاء اللہ ہمارا تعلیمی نظام پہلے سے کئی گنا بہتر ثابت ہو گا۔

قلم ایں جار سید و سر بشکست!!!.......

(منقول)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

منتظم کیسا ہو؟

ایک تصویر ہزار الفاظ سے زیادہ موثر ہوتی ہے۔ (چینی کہاوت)
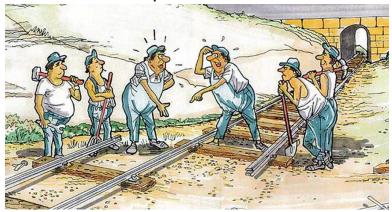
ویسے تو یہ تصاویر ہر شعبے میں نظام کی خرابی کو ظاہر کر رہی ہیں ہم گروپ کی نوعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف تعلیم پر بات کریں گے۔

در حقیقت یہ تمام تصاویر ناظم / سپر وائزر / مینیجر کی ناکامی کو نااہلیت کو ظاہر کر رہی ہیں۔ لیکن معذرت کے ساتھ بعض اداروں میں اس منصب کے لیے وراثت، خوشامد یا تعلق داری ہی سب سے بڑی ڈگری ہے۔ اور ایسے افراد اپنی سیٹ پکی کرنے کے لیے ایک جملہ کثرت سے بولتے نظر آتے ہیں کہ ہمارے ممدوح ایسی صاحبِ کمال شخصیت ہیں کہ "اس شخص" سے بھی کام لے لیتے ہیں جسے کام کرنا بھی نہیں آتا۔ حالانکہ (اکثر اوقات) ممدوح خود بھی اس کام کی الف ب سے واقف نہیں ہوتے۔ اور "اس شخص" سے ان کی مراد یہ خود ہی ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں!

اگر کوئی شخص کسی بھی منصب کے لیے نااہل بندوں کا انتخاب کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ خود بھی نااہل ہے۔ کیونکہ اگر وہ اہل ہوتا تو کبھی نااہل بندوں کا انتخاب نہ کرتا۔

ایسے ممدوح سے پوچھنا چاہیے کہ آپ کا لاکھوں کروڑوں کا چلتا کاروبار ہو تو کیا آپ اس کاروبار کو کسی اناڑی کے حوالے کریں گے؟ کہ چلو یار آہستہ آہستہ خود ہی سیکھ جائے گا، اگرچہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ بدیہی سی بات ہے کہ جواب یہی ہو گا: ہرگز نہیں۔ تو پھر دینی ادارے و تنظیم ہی کیوں؟

آیئے آپ کو ایک سچی کہانی سناتا ہوں:

زید نے اپنے گھر میں دیوار بنوانا تھی۔ ایک مزدور کو کام کے لیے لایا۔ جب مزدور نے کام شروع کیا تو زید نے بھانپ لیا کہ مزدور کو کام نہیں آتا۔ چونکہ زید خود اس کام کا ماہر رہ چکا تھا لہذا اس نے مزدور کو ہدایات دینا شروع کیں اور اپنا کام ایک اناڑی شخص سے بھی بہتر طریقے سے کروالیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ناظم / مہتمم نیچے والوں کے کام کو مکمل طور پر صرف جانتا نہ ہو بلکہ عملا اس کام کے مراحل سے گزر چکا ہو تو ایسا ناظم / مہتمم ان ماتحتوں سے بھی کام لے لیتا ہے جو اپنے کام میں ماہر نہیں ہوتے۔

اس کے برعکس اگر ناظم اپنے ماتحتوں کو کام کو جانتا نہ ہو تو اسے ماہر ماتحت بھی

چونا لگا جاتا ہے (الا ماشاء اللہ)

واضح ہوا کہ ناظم کا اہل وہ شخص ہے جو کسی ماتحت کی عدم موجودگی میں بلا تامل اس کی جگہ پر کھڑا ہو کر کام کر سکے۔

اب آتے ہیں تصاویر پر مختصر تبصرے کی جانب۔

1- چیونٹیوں کا مل کر اوپر اٹھ جانا اس بات کی علامت ہے کہ اگر تمام اساتذہ باہم اتفاق واتحاد سے تعلیم دیں اور ادارے کو سیاست کا اکھاڑہ نہ بنائیں تو ان کا وقار ومرتبہ بلند ہو گا اور صلاحیتوں میں اضافہ ہو گا۔

2- ریلوے لائن والی تصویر نہایت دلچسپ ہے اسے دیکھ کر ہر مرتبہ لبوں پر

بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ جاتی ہے۔ دو ٹیمیں دو مختلف سمتوں سے ریلوے لائن تعمیر کر رہی تھیں لیکن جب وہ ریلوے لائن باہم ملی تو نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ تصویر کو غور سے دیکھیں سب ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہیں۔ یہی کچھ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب نتیجہ درست نہیں نکلتا اور میٹنگ میں تمام اساتذہ ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا کر فارغ ہو جاتے ہیں۔

میرے خیال میں یہ بد انتظامی (mismanagement) کی عمدہ عکاسی ہے۔

-3 دو افراد کشتی کو دو مختلف سمتوں میں لے جانے کے لیے زور لگا رہے ہیں، نتیجہ بدیہی ہے۔ اسی طرح اگر تمام اساتذہ کی کوششیں ایک سمت میں ہوں تو تعلیم کی کشتی چل پڑتی ہے ورنہ۔۔۔

میری ناقص رائے میں مذکورہ تمام مسائل کو دو حل ہیں:

1-ناظم کے منصب کے لیے کچھ صلاحیتوں کا پایا جانا لازم ہے:

(1.1) مجبورا تدریس سے وابستہ نہ ہوا ہو بلکہ شوق سے تدریس کرتا ہو۔

(1.2) تدریس کا عملا تجربہ ہونا (یادرکھیں سیٹ پر بیٹھے بیٹھے بوڑھے ہونے کا نام تجربہ نہیں)۔

(1.3) مزید سیکھنے کی جستجو رکھتا ہو۔

(1.4) سخت محنتی ہو۔

(1.5) پر اثر شخصیت کا مالک ہو (نہ کہ با اثر) جسے اساتذہ اور طلبہ اپنے لیے نمونہ بنا کر اس جیسا بننے کی کوشش کریں۔

(1.6) اور سب سے اہم یہ کہ نیک اور پرہیز گار ہو۔

2-ناظم کی اساتذہ سے روزانہ اجتماعی میٹنگ (اور جہاں ضرورت ہو انفرادی بھی)۔ اس کے بے شمار فوائد و ثمرات ہیں جو تجربے سے سامنے آئیں گے ممکن ہوا تو کبھی اس پر تفصیلی تحریر لکھی جائے گی۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

بچے ہمارے عہد کے "برباد" ہو گئے

آپ کیسا محسوس کریں گے اگر۔۔۔۔

اگر آپ کو روزانہ ۵ گھنٹے اپنے وزن سے آدھا بوجھ (مثلاً ۴۰ کلو) اٹھا کر ایک جگہ نوکری کے لیے جانا ہو۔ ۵ گھنٹے باس کی جھک جھک میں گزارنے کے بعد گھر واپس آکر دو گھنٹے کے لیے کسی دوسری جگہ جانا پڑے۔ اس کے بعد اسی بوجھ کے ساتھ ۳ سے ۴ گھنٹے کے لیے تیسری جگہ ڈیوٹی کرنی ہو۔

10 گھنٹے کی اس مشقت کے بعد یقیناً کچھ ہی دنوں میں آپ چڑچڑے ہو کر پاگل ہونے کے قریب پہنچ جائیں گے۔ اور اگر اس پر آپ کو کوئی تفریح بھی میسر نہ ہو، بات بات پر آپ کو دوسروں سے پیچھے رہنے کے طعنے دیے جائیں تو شاید آپ خودکشی کے بارے میں سوچنے لگیں گے۔

ذرا سوچیے!

ہمارے بچے روزانہ یہی روٹین سرانجام دیتے ہیں۔ وزنی بیگ کے ساتھ ۵ گھنٹے اسکول پھر ۲ گھنٹے مدرسے اور ۳ سے ۴ گھنٹے ٹیوشن کی اس مشقت میں تفریح کہاں ہے؟ ایسے میں ان کا چڑچڑا پن کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

بچوں کو پڑھائی کے ساتھ تفریح اور جسمانی کھیل کود کا بھرپور وقت فراہم کرنا ضروری ہے۔ ورنہ خاکم بدہن، اللہ نہ کرے کل کو اس کی جگہ ہمارے بچے کی خبر بھی آسکتی ہے۔

یونہی بعض دینی اداروں کے بارے میں سنا ہے کہ جہاں طلبہ کو قیدیوں کی طرح رکھا جاتا ہے۔ تفریح اور کھیل کودیا کسی بھی قسم کی جسمانی سرگرمی کا موقع نہیں دیا جاتا یہ بھی غلط ہے۔ اس سے طلبہ میں بغاوت پیدا ہوتی ہے اور عموما ایک مرتبہ گھر جانے کے بعد دوبارہ ایسے ادارے کا رخ نہیں کرتے۔ بلکہ دینی اداروں سے ہی متنفر ہو جاتے ہیں۔

پرائیویٹ سکول کے آٹھویں جماعت کے طالب علم پندرہ سالہ عمر ولدمراد خان توان کلی طورو نے پیپرسے واپس آنے کے بعدگھر کے اندرکمرے میں پستول سے فائر کر کے خودکشی کرلی۔کم عمر طالب علم کو پرچہ جانے کیلئے روانہ ہوتے وقت باپ نے پرچہ خراب ہونے کی صورت میں سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکی دی تھی۔پولیس رپورٹ۔!!
از
سعید باچہ جرنلسٹ

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

مدرسین پیدا کرے....

علامہ عطاء محمد بندیالوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

علوم اسلامیہ کی اصل تدریس ہے کیونکہ اگر مدرسین کا وجود نہ ہو تو تبلیغ، مقرر، مناظر، خطیب اور مدرس کا وجود نہ رہے گا. مطلب یہ ہے کہ مدرسہ ایک مل کی مانند ہے جس میں تمام چیزیں بنتی ہے اس لئے مدرسین پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ علم کی چراغ بجھنے نہ پائے.

(مقالات بندیالوی جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)

افسوس کی آج کل ہمارے ہاں خطیبوں، مبلغوں اور نعت خوانوں کی کثرت ہے ان پر پیسے لٹائے جارہے ہیں مگر مدرسین کو دینے کیلئے کچھ نہیں اسی وجہ سے مدرسین نہ ہونے کی برابر ہے اور اس لئے دن بہ دن علم کا چراغ بجھ رہاہے اور علماء ختم ہورہے ہیں

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

تدريس
الدرس النظامي
بالعربية

یہ یونٹ عربی میں تدریس کی مشق کے لیے بنایا گیا ہے۔

عربی زبان پر مہارت کیسے حاصل ہو؟

ماخوذ از بیانِ مفتی اہلسنت حضرت علامہ * مولانا محمد قاسم عطاری مدنی * سلّمہ الغنی

اس کے لئے چند چیزیں ہیں اگر ان پر * استقامت * کے ساتھ عمل کیا جائے تو عربی بہت اچھی ہو جاتی ہے۔

- اپنی کتابوں سے * اردو شروحات کو خارج * کر دیں، کتاب سمجھ آئے یا نہ آئے، آپ تکلف کر کے، مشقت برداشت کر کے ۳۰ دن عربی حاشیہ ہی پڑھتے رہیں ایک مہینے کے بعد آپ کو ۸۰٪ عربی حاشیہ سمجھ آنا شروع ہو جائے گا
- عربی سے اردو نہیں بلکہ عربی سے عربی لغت کا استعمال کریں، جب آپ عربی سے عربی لغت ہی مستقل استعمال کریں گے تو آپ کا ذہن عربی ہی پڑھے گا، عربی ہی سمجھے گا اور عربی ہی سوچے گا
- خارجی مطالعے میں عربی کتب و رسائل پڑھیں، یہ عربی زبان سمجھنے میں بہت زیادہ مُعاوِن ہو گا
- حمد، نعت، اور وعظ و نصیحت پر مشتمل عربی شاعری پڑھیں جیسے قصیدہ بردہ شریف اور امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے دیگر قصائد اسی طرح دیگر بزرگوں کے عربی دیوان
- عربی حکایات اور واقعات پر مشتمل کتب کا مطالعہ کریں معجزات و کرامات عربی میں پڑھیں

عربی الفاظ کے مادہ اشتقاق کی تحقیق کریں، قرآن پاک کی تفاسیر میں اسے بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جیسے * لفظ ہلال *، ہلال کو ہلال کیوں کہا جاتا ہے؟

* شراب * کو خمر کیوں کہتے ہیں؟ اس سے عربی بہت مضبوط ہوتی ہے

عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور خوبیوں پر مشتمل کتب کا مطالعہ کریں، اس سے عربی میں دلچسپی بڑھے گی جیسے علامہ سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی * المبین *

اردو کتابیں ان کے لئے لکھی گئی تھیں جن کو عربی اصلاً نہیں آتی لیکن وہ تو پڑھتے ہی نہیں ہوا یہ کہ جن کو عربی پڑھنی تھی وہ اردو پہ آگئے، جب اردو پہ آئے تو استعداد کمزور ہو گئی

اردو سے عربی بنانے کی کوشش کریں

عربی بیانات سنیں

عربی میں ڈھل جائیں غوطہ زن ہو جائیں پھر آپ کی عربی بہتر ہو جائے گی ان شاءاللہ * وباللہ التوفیق * (منقول)

تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

هل أنتم جاهزون ؟

کچھ عرصہ پہلے ایک ویڈیو دیکھی تھی جس میں ایک ان پڑھ شخص پشاور کے بازار میں ازار بند بیچ رہا تھا اور بڑی روانی کے ساتھ فصیح انگریزی بول رہا تھا جیسا کہ تعلیم یافتہ اہل زبان بولتے ہیں۔ انٹرویو لینے والے نے اس سے پوچھا کہ آپ نے ایسی صاف اور رواں انگریزی کہاں سے سیکھی؟ تو کہنے لگا کہ دو تین سال امریکن ایمبیسی میں کام کرتا رہا، وہاں رہ کر بولنا آگئی۔

آپ نے بھی یقیناً مشاہدہ کیا ہو گا کہ کسی عرب ملک میں سال چھ مہینے رہ کر آنے والا ایک ان پڑھ شخص جس روانی سے عربی بولتا ہے ہم آٹھ سال پڑھنے کے بعد بھی نہیں بول سکتے۔

کیوں؟

اس کی وجہ ہے ماحول۔

غور کریں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے ملک میں رہتا ہے تو اس کے پاس دو ہی راستے ہوتے ہیں: یا ان کی زبان بولے یا اشاروں کی زبان، کوئی تیسرا راستہ نہیں ہوتا۔

یوں ذہن مشقت میں پڑتا ہے تو خواہی نخواہی وہ زبان سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

مدارس میں آٹھ سال پڑھنے کے بعد عربی اس لیے نہیں سیکھ پاتے کہ ہم

تیسرا رستہ (اپنی زبان بولنا) بند نہیں کرتے، جس کی وجہ سے ذہن مشقت نہیں اٹھاتا، اور سیکھتا نہیں۔

اگر ہمیں عربی میں تدریس کی جانب قدم بڑھانا ہے تو ابھی سے ذہن کو مشقت میں ڈالنا ہوگا اور مندرجہ ذیل اقدامات کرنے ہوں گے:

۱- اپنا موبائل اور کمپیوٹر زبان فوراً عربی کر دیں۔ (یقیناً کچھ عرصہ مشقت ہو گی اور شدید ہو گی، بعض اوقات چند سیکنڈ کا کام کرنے میں کئی کئی منٹ بھی لگیں گے لیکن یہی مشقت اس وقت مطلوب ہے۔ یہی مشقت ہمارے ذہن کو سمجھائے گی کہ تمہارے پاس عربی سیکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کے بعد ہی ذہن سیکھنے پر آمادہ ہو گا)

۲- اپنے ساتھ دو تین ساتھی مدرسین یا طلبہ کا گروپ بنانا ہے جن سے آپ کی روزانہ ملاقات اور گفت وشنید ہوتی ہے۔ آپس میں طے کرنا ہو گا کہ ہم عرب میں رہنے والے شخص کی طرح تیسرا رستہ بند کر دیں گے، یا عربی بولیں گے یا اشاروں کی زبان۔

۳۔ شرم ختم کر دیں۔ شروع میں ہر شخص نئی زبان غلط ہی بولتا ہے اور غلط بول بول کر ہی صحیح بولنے لگتا ہے (حتی کہ اہل زبان کی اکثریت بھی فصیح عربی نہیں بولتی، ہر علاقے کی اپنی اپنی مخصوص زبان ہے)۔ جو غلط بولنے پر شرم محسوس کرے گا وہ کبھی فصیح نہیں بول سکتا۔

یہ کیفیت سب سے زیادہ طلبہ کا سامنا کرنے میں ہوتی ہے۔ تو جناب ابتداء ہی طلبہ کو باور کروادیں کہ ہم سب مل کر عربی تکلم سیکھیں گے اور میں بھی آپ کی طرح تکلم میں طالب علم ہی ہوں۔

۴-گھر میں بچوں کے ساتھ عربی بولنا شروع کر دیں۔ کھیل کھیل میں بچوں کے ساتھ روزانہ ایک نیا جملہ شامل کرتے رہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ بچے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ نئی زبان کو بولنے لگتے ہیں۔(کیونکہ وہ غلط بولتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے)۔

۵۔طلبہ کو بھی سکھادیں کہ اگر کوئی غلطی نکالے تو شرمندہ ہونے کے بجائے اسے جزاک اللہ خیرا کے ساتھ "انا طالب واتعلم العربیۃ" کہہ دیں خود ہی خاموش ہو جائے گا۔خود بھی اسے پر عمل کریں۔

٦۔آپ نے یقینا دیکھا ہو گا کہ لوگ کس طرح اردو میں انگریزی ملا کر بولتے ہیں، حتی کہ بہت سے عرب بھی عربی میں انگریزی ملا کر بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ تو جناب آغاز ہم بھی اسی طرح کریں گے۔اگر انگریزی ہر زبان میں مکس ہو سکتی ہے تو ہم آج سے اردو اور عربی کو مکس کرنے کی "**بدعتِ حسنہ**" کا آغاز کر رہے ہیں۔ 😎

مثلا میں کہنا چاہتا ہوں: "میں نے روٹی کھائی"، فرض کرلیں یہاں روٹی کی عربی معلوم نہیں۔ تو "اکلت روٹی"، کہہ کر کام چلائیں۔ شرمندہ ہونے کی قطعا

ضرورت نہیں، مذاق میں ٹال دیں اور اس معاملے میں بالکل ڈھیٹ بن جائیں گے۔(اَناڑ ڈھیٹ ☺)

کوئی شرمندہ کرنے کی کوشش کرے تو اوپر بتایا گیا نسخہ آزمائیں، رفتہ رفتہ لوگ خود ہی ٹوکنا چھوڑ دیں گے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد آپ کو روانی سے بولتا دیکھ کر وہی لوگ آپ پر رشک بھی کریں گے۔

۷- فیس بک، وٹس ایپ وغیرہ پر کچھ عربی گروپ ہیں جن کے لنک وقتاً فوقتاً دیے جائیں گے، ان میں شامل ہو کر اہل زبان سے بات چیت کرنے کی کوشش کریں۔ کوئی پوچھے تو بتا دیں کہ میں طالب علم ہوں اور عربی سیکھ رہا ہوں۔ یہ نسخہ ہر جگہ چلے گا۔ دنیا بہت بڑی ہے گپ لگانے کے لیے کوئی نہ کوئی فارغ عربی آپ کو بھی مل ہی جائے گا۔

۸- یونہی چند عرب علماء ومشائخ کے پیج، گروپ یا چینل کے لنک بھی دیے جائیں گے، سمجھ آئے نہ آئے فارغ وقت میں سنتے رہیں، کچھ عرصہ کے بعد خود سمجھ بھی آنے لگے۔

۹- بی بی سی عربی یا کسی بھی ایسی ویب سائٹ سے چند خبروں کا روزانہ مطالعہ کیجیے، جہاں سمجھ نہ آئے لغت آٹھایئے یا المعانی (اپلیکیشن اور ویب سائٹ) یا گوگل ٹرانسلیٹر استعمال کیجیے۔

۱۰۔ انٹرنیٹ سے "**العربية بين يديك**" حاصل کریں اور سبقا سبقا پڑھنا

شروع کر دیں۔ جدید عربی سے واقفیت کے لیے نہایت عمدہ کتاب ہے، جو تعلیمی نفسیات کے اصولوں پر بھی پورا اترتی ہے۔ یوٹیوب پر اس کے دروس بھی موجود ہیں۔ نیز اس کتاب کے اکثر الفاظ کے معانی گوگل ٹرانسلیٹر سے مل جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ان چھٹیوں میں ذہن کو ہر طرف عربی ہی عربی دکھائی دے، حتی کہ خواب بھی عربی میں نظر آنے لگیں 😁۔

ویسے بھی لاک ڈاؤن کی وجہ سے گھروں میں محصور ہیں، یقینا فرصت ہی فرصت ہو گی، بحکم حدیث اس فرصت کو غنیمت جانیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو صرف دو ماہ کے بعد تکلم پر کسی حد تک قدرت حاصل ہو ہی جائے گی۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

۱

مدرسے میں داخل ہونے سے اسمبلی ختم ہونے تک استعمال ہونے والے چند جملے.

زيد : نمشي بسرعة ربما بدأ طابور المدرسة (إذاعة المدرسة).

زید: جلدی جلدی چلو اسمبلی شروع ہو چکی ہو گی۔

عمرو: يا بكر! كيف تأخرت اليوم؟ أنت دائما تصل على موعد الطابور تماما

عمرو: بکر! تمہیں کیسے تاخیر ہو گئی؟ تم تو ہمیشہ وقت پر آتے ہو؟

بكر : بالطبع أخي أصلا البارحة كانت أمي بالمستشفى.

بکر: ہاں، اصل میں رات میری والدہ ہسپتال میں تھیں۔

(أثناء ذلك هم يدخلون المدرسة وإذ الأستاذ أمامهم)

(اسی دوران تینوں مدرسے میں داخل ہوتے ہیں تو استاذ صاحب کو سامنے موجود پاتے ہیں)

زيد وبكر : السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

زید و بکر: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الأستاذ : وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته

يا زيد ! اليوم تأخرت أيضا !

استاذ: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ زید! آج آپ پھر تاخیر سے آئے ہیں!

زيد: يا سيدي لقد سحرت الليل فلهذا لم استيقظ مبكرا.

زید: استاد محترم میں رات تاخیر سے سویا تھا۔ اس وجہ سے جلدی آنکھ نہیں کھلی۔

الأستاذ: هذا العذر يوميا ما تعمل في الليل ؟

استاذ: یہ تو آپ کا روز کا بہانہ ہے۔ کیا کرتے رہتے ہیں رات گئے تک؟

زيد: لم يقل شئ (صامت).

زید: خاموش۔

تلعب بالجوال صح ؟

موبائل پر مصروف رہتے ہیں نا؟

زيد: لم يجب شيء (صامت)

زید: خاموش۔

الأستاذ : يلا قف في صف المتأخرين .

استاذ: چلیے، تاخیر سے آنے والوں کی لائن میں کھڑے ہو جائیں۔

الأستاذ : يا عمرو لم تأت بوالدك ؟

وقد قيل لك لم نتركك في الصف الا بعد مجيء والدك !

استاذ: جی عمرو صاحب! آپ اپنے والد کو ساتھ نہیں لائے؟

آپ سے کہا تھا انہیں ساتھ لے کر آئیے گا تبھی آپ کو کلاس میں بیٹھنے کی

اجازت ہو گی!

عمرو : يا سيدي لقد نسيت.

عمرو: استاذ صاحب! میں بھول گیا تھا۔

الأستاذ: بيتك ليس ببعيد؟ تأتي ماشيا صح ؟

استاذ: آپ کا گھر کتنا دور ہے؟ پیدل آتے ہیں؟

عمرو: نعم يا سيدي آتي مشيا على الاقدام يستغرق حوالى ربع ساعة!

عمرو: جی استاذ صاحب پیدل آتا ہوں، بیس پچیس منٹ لگتے ہیں۔

الأستاذ: طيب ضع حقيبتك هنا واذهب وتأتي بوالدك

استاذ: ٹھیک ہے پھر اپنا بستہ یہاں رکھ دیں اور اپنے والد صاحب کو بلا کر لائیں۔

) عمرو يضع حقيبته ويخرج من المدرسة (

(عمرو بستہ رکھ کر باہر مدرسے سے چلا جاتا ہے)

الأستاذ : ويا بكر وأنت لما تأخرت ؟

استاذ: اور بکر آپ؟ آپ کیوں تاخیر سے آئے؟

بكر : يا سيدي البارحة لقد كانت أمي بالمستشفى لهذا .....

بکر: استاذ صاحب، میری والدہ رات ہسپتال میں تھیں، اس لیے۔۔۔

الأستاذ : سيشفيها الله تعالى . طيب تستطيع ان تلحق في الطابور.

استاذ: اللہ تعالیٰ انہیں صحت دے۔ ٹھیک ہے آپ اسمبلی میں جاسکتے ہیں۔

الأستاد (يخاطب جميع الطلاب) اليوم يوم الجمعة وهو عيد المؤمنين، وفي هذا اليوم يسن السواك والاغتسال والطيب، بإذن الله تعالى سنفتش جميع الطلبة كالمعتاد،

(استاذ طلبہ سے): آج جمعۃ المبارکہ ہے۔ مسلمانوں کی عید ہے۔ اس دن غسل، مسواک اور خوشبو وغیرہ کے ذریعے اہتمام کرنا ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ حسبِ معمول تمام طلبہ کی صفائی چیک ہو گی۔

ويجب أن يبرز الطلاب الذين لم يقصروا أظافرهم من الصفوف،

جن طلبہ کے ناخن بڑھے ہیں وہ قطاروں سے نکل کر ایک جانب کھڑے ہو جائیں۔

وكذلك يبرز الذين لم يرتدوا بزي المدرسي من الصفوف.

جو طلبہ یونیفارم پہن کر نہیں آئے وہ قطاروں سے نکل کر ایک جانب کھڑے ہو جائیں۔

الأستاذ: يا ناصر أظافرك كبرت كثيرا ؟

استاذ: ناصر آپ کے ناخن اس قدر لمبے کیوں ہیں؟

لقد عفوت عنك في الأسبوع الماضي، لم تقص أظافرك حتى الآن؟

گزشتہ جمعہ بھی آپ کو معاف کیا گیا تھا۔ آپ نے ابھی تک ناخن نہیں تراشے۔

ناصر: سيدي لم أحصل على مقلمة الأظافر.

ناصر: استاذ صاحب، نیل کٹر نہیں مل رہا تھا۔

الأستاذ: لم تحصل على المقلمة منذ أسابيع؟ يلا قف جانبا رافعا يديك.

استاذ: ہمم۔۔۔ دو تین ہفتوں سے آپ کو نیل کٹر ہی نہیں مل رہا۔ چلیے، ہاتھ اوپر کرکے کھڑے ہو جائیں۔

الأستاذ: يا بلال! أين زيك المدرسي؟

استاذ: بلال! آپ کی وردی کہاں ہے؟

بلال: سيدي منذ أسبوعين لم يأت الماء في منطقتنا فلهذا لم يغسّل ملابسي على الوقت.

بلال: استاذ صاحب، ہمارے علاقے میں گزشتہ دو ہفتوں سے پانی بند ہے۔ اس وجہ سے کپڑے وقت پر نہیں دھل سکے۔

الأستاذ: طيب إذهب أنت.

استاذ: ٹھیک ہے، آپ جائیے۔

الأستاذ : الآن يدخل جميع الطلبة في شعبتهم (صفهم) بالترتيب

چلیے، تمام طلبہ قطاروں میں اپنی اپنی کلاس میں تشریف لے جائیں۔

اس دوران استعمال ہونے والے مزید اردو جملے آپ کے ذہن میں ہوں تو کمنٹ میں لکھ دیں.

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

۲

کلاس میں داخل ہونے سے لے کر درس شروع کرنے سے پہلے تک چند جملے

كلام من دخول الفصل (الشعبة) إلى بداية الدرس.

اس دوران استعمال ہونے والے مزید اردو جملے آپ کے ذہن میں ہوں تو کمنٹ میں لکھ دیں.

کمرہ جماعت کا منظر (استاذ کی آمد سے قبل طلبہ آپس میں محوِ گفتگو ہیں)

منظرالفصل (الشعبة) (الحوار بين الطلاب قبل حضورالمدرس)

زید: بکر، آپ نے جامی کی عبارت تیار کر لی؟ آج آپ کی باری ہے۔

زيد: يا بكرهل طالعت أو راجعت جامي ؟ اليوم دورك

بکر: بالکل، پانی کی طرح۔ آج تو فر فر سناؤں گا اور شاباشی وصول کروں گا۔

بكر: بالطبع ساسمعه جيدا وإن شاء الله سأحصل الدعاء أو الجائزة

زید: اور وجوہِ اعراب معلوم ہیں؟

زيد: هل تعلم وجوه الإعراب أيضا/ هل علمت وجوه الإعراب أيضا ؟

بکر: بالکل معلوم ہیں۔

بكر: نعم بالطبع

زید: واہ، کیا کوئی شرح ہاتھ لگ گئی تھی۔ آپ کو معلوم ہے نا استاذ صاحب نے اردو شروحات کے مطالعے سے منع کیا ہے؟

زيد : هل حصلت على الشرح، وهل أنت تعلم أن أستاذنا منعنا عن مطالعة الشروحات الأردية؟

بکر: نہیں نہیں، بلکہ ناصر بھائی اور میں گزشتہ دو دن سے مشترکہ مطالعہ (Combine Study) کر رہے ہیں۔

بكر: لا، لا ليس الأمر هكذا بل أنا والأخ ناصر بدأنا نطالع معا من يومين

زید: خوب، یہ آپ نے اچھا سلسلہ شروع کیا۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی آجایا کروں؟

زيد: طيب، أحسنتم، إن تأذنوني فأشارك معكم أيضا؟ / هل تسمحون لي أن أحضر معكم؟

ناصر: ہاں ہاں کیوں نہیں۔ زہے نصیب ضرور تشریف لائیں۔

ناصر: بالطبع تفضل معنا

زید: اچھا! کیا آپ مجھے عبارت سنا سکتے ہیں؟

زيد: هل يمكنك أن تسمعني العبارة ؟

بکر:(اعتماد کے ساتھ کتاب کھولتے ہوئے) ابھی سنیے۔

بكر: (يفتح الكتاب معتمدا علي نفسه) اسمع الآن

ناصر: استاذ صاحب تشریف لے آئے۔

ناصر: لقد جاء الأستاذ، / حضر المعلم

(تمام طلبہ کھڑے ہو کر استاذ صاحب کا استقبال کرتے ہوئے ہم آواز ہو کر سلام کرتے ہیں)

جميع الطبة يستقبلون الأستاذ قائمين ويسلمون عليه جميعا معا

استاذ: کیسے ہیں آپ سب حضرات؟

الأستاذ: كيف حالكم جميعا؟ / كيف أنتم جميعا

طلبہ: الحمد للہ۔

الطلاب: الحمد لله

استاذ: (حاضری رجسٹر کھولتے ہوئے) اللہ آپ کو سلامت رکھے اور باعمل عالم دین بنائے۔

الأستاد: (يفتح دفتر الحضور والغياب) الله يحفظكم جميعا وأن يجعلكم العلماء العاملين.

چلیے آپ حاضری لگوائیے۔

يلا الآن نحضر؟ / حضّروا جميعا

زید۔۔۔۔! لبیک

ناصر۔۔۔۔!لبیک

عمر۔۔۔۔۔۔۔!لبیک

عبد الرحمن۔۔۔۔۔۔!(کوئی آواز نہیں آتی)

زيد۔۔۔۔! لبيك

ناصر۔۔۔۔! لبيك

عمر۔۔۔۔۔۔۔! لبيك

عبد الرحمن۔۔۔۔۔۔! (لم تأتي الصوت/ أو لم يرد أحد)

استاذ:(طلبہ پر نظر دوڑاتے ہوئے)عبد الرحمن آج بھی نہیں آئے۔

الأستاذ: (يتوجه إلى الطلاب) عبد الرحمن لم يحضر اليوم أيضا؟

شعیب:استاذ صاحب وہ بیمار ہیں انہوں نے درخواست بھی بھجوائی ہے۔

(شعیب بستے سے پرچہ نکال کر استاذ صاحب کو دیتا ہے)

شعيب: سيدي هو مريض وقد أرسل معي عريضة الرخصة/ رسالة الرخصة/ رسالة للرخصة، (شعيب يخرج الرسالة من الحقيبة ويسلمه إلى الأستاذ)

طارق۔۔۔۔۔۔۔!لبیک

طارق ۔۔۔۔۔۔! لبيك

استاذ:کل آپ تشریف نہیں لائے؟خیریت؟

الأستاذ: لما لم تحضر أمس؟ / لم تحضر بالأمس؟ هل أنت بخير؟

طارق:(سر نیچے کرلیتا ہے اور کوئی جواب نہیں دیتا)

طارق: (يخضع رأسه ولم يجب)

استاذ: ہمممم۔۔۔۔۔!اس کا مطلب ہے بغیر وجہ کے چھٹی کی تھی۔ آپ اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔

الأستاذ: يعني غبت بدون عذر / غبت بدون السبب، قف على مكانك

استاذ صاحب مزید حاضری کا آغاز کرتے ہیں)

(الأستاذ يواصل الحضور والغياب)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

العربية بين يديك

(عربی زبان آپ کے ہاتھوں میں)

عربی زبان کو ڈائریکٹ میتھڈ سے سیکھنے کے لیے ایک بہت اچھی کتاب العربیۃ بین یدیک ہے۔ مختلف رنگوں کے استعمال سے معلومات فراہم کرنے اور انواع اقسام کی سرگرمیوں کے ساتھ اس کتاب کے مصنفین نے نہ بہت اعلیٰ خدمت سرانجام دی ہے بلکہ عربی زبان سیکھنے والوں کے لیے کام بہت آسان کر دیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ انہوں صوتی ریکارڈ کو سی ڈیوں میں مہیا کر دیا تھا۔ اب آپ اس آڈیو ریکارڈنگ کو آن لائن بھی سُن سکتے ہیں اور ڈاؤن لوڈ بھی کر سکتے ہیں۔ کیا ہی خوب کام کیا ہے اللہ کے قرآن سے محبت کرنے والوں نے۔ ماشاء اللہ۔

ایک طرف آپ کتاب کی پی ڈی ایف فائل کھول کر اس پر نگاہیں جما دیں اور اس کے ساتھ ساتھ کانوں سے ریکارڈنگ سُنتے جائیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں عربی سمجھنے، بولنے اور لکھنے پر قدرت حاصل کر لیں۔

دلچسپی رکھنے والے اسے درج ذیل لنک سے ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں:

کتاب الطالب (دوسرا ایڈیشن-۸ جلدیں)

https://archive.org/details/AlArabiyatuBaynaYadayka/mode/2up

یہ لنک کھلے گا تو کچھ نیچے جا کر چاروں آڈیو سی ڈی بھی موجود ہیں۔

مدرسین یہاں کلک کرکے کتاب المعلم ڈاونلوڈ کرسکتے ہیں:

کتاب المعلم ۱ کتاب المعلم ۲

ARCHIVE.ORG

العربية بين يديك - الإصدار الثاني : Free Download, Borrow, and Streaming : Internet Archive

الصوتيات : قرص المادة الصوتية المصاحب للمستوى الأول : قرص Al Arabiyatu Bayna Yadayka CD1 المادة...

الوحدة ٥ • تدريس الدرس النظامي بالعربية

ڈائریکٹ میتھڈ سے عربی سیکھنے کے لیے بہترین کتاب

عرض الوحدة

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

نوٹ:

#المدرس یوٹیوب چینل کا آغاز کیا ہے جہاں اس کتاب کی ویڈیو بنا کر اپلوڈ کی جائیں گی تاکہ کتاب اور آواز ایک جگہ میسر ہو۔ یہاں کلک کیجیے۔

المدرس یوٹیوب چینل دیکھیے اور سبسکرائب کیجیے

✧✧✧✧✧

ڈائریکٹ میتھڈ سے عربی سیکھنا

فلسطینی بچوں کو کلاس ۱ تا ۱۲ عربی زبان سکھانے کے لیے لغتنا الجمیلۃ کی جو رنگین کتابیں لکھی اور شائع کی گئی ہیں وہ پاکستانی بچوں کے لیے بھی بہت مفید ہیں۔

ان کتب کے ویڈیو لیکچرز بھی یوٹیوب سے تلاش اور ڈاؤن لوڈ کیے جا سکتے ہیں۔

میں نے اپنی چھٹی کلاس کی دو بیٹیوں کو آج یہ کتب دکھائیں۔ کلاس ۱ تا ۵ کی دس کتب پی ڈی ایف میں ڈاؤن لوڈ کر کے دیں کہ وہ انہیں اپنے کمپیوٹر میں دیکھیں۔ ارادہ یہ ہے کہ سکول کھلنے تک کی چھٹیوں میں جتنا ممکن ہو سکے انہیں یہ پڑھا دوں۔

آپ انہیں اس ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں:

یہاں کلک کیجیے

خورشید احمد السعیدی صاحب کی وال سے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مفید ایپس، ویب سائٹس اور سافٹ ویئر

Useful apps, websites, softwares

اس یونٹ میں تعلیم و تحقیق میں معاون ویب سائٹ، اپلیکیشن اور سافٹ ویئر وغیرہ کا تعارف اور تربیت پر بات چیت ہو گی۔

عربی انگریزی ترجمہ کے لیے مفید ویب سائٹس / اپلیکیشن

ویسے تو ترجمہ کرنے کے لیے گوگل ٹرانسلیٹر (Google Translator) ہی سب سے زیادہ مشہور ہے لیکن ریورسو ٹرانسلیٹر (Reverso Translator) کی ایک خوبی ایسی ہے جس کی وجہ سے گروپ میں اس کا تعارف کرایا جارہا ہے۔ اور وہ خوبی یہ ہے کہ جب آپ اس میں کوئی لفظ تلاش کرتے ہیں تو یہ اس کے جملے کا ایک نمونہ بھی تلاش کر کے دیتا ہے جس سے اس لفظ کو مختلف سیاق وسباق میں دیکھ کر معنی کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

لیکن

اس میں ایک خامی یہ ہے کہ اس میں اردو دستیاب نہیں آپ اسے انگلش سے عربی یا عربی سے انگلش کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر انگلش سے کچھ واقفیت ہے تو اسے استعمال میں لائیے ممکن ہے کچھ عرصے تک اس میں اردو بھی دستیاب ہو۔ (امید پر دنیا قائم ہے)

1- کمپیوٹر پر استعمال کرنے کے لیے اس لنک پر کلک کیجیے:

یہاں کلک کیجیے

2- اینڈرائیڈ موبائل / ٹیبلیٹ کے لیے پلے اسٹور سے ڈاونلوڈ کیجیے:

یہاں کلک کیجیے

الوحدة ۱۰ • مفید ایپس، ویب سائٹس اور سافٹ ویئرز (Useful apps,websites,softwares)

عرض الوحدة

عربی / انگلش ترجمہ کرنے کے لیے ایک مفید ویب سائٹس / ایپلیکیشن

[تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

✧✧✧✧✧

المعانی

کسی بھی لفظ کی لغوی تحقیق کے لیے یہ ایک بہترین ویب سائٹ ہے۔ صرف عربی ہی نہیں بلکہ دنیا کی مشہور زبانوں انگلش، پرتگالی، فرانسیسی، ترکي، فارسي، انڈونیشي، جرمن اور روسي زبانوں کا ترجمہ ایک سے دوسری زبان میں کیا جا سکتا ہے۔

اور خوشخبری یہ ہے کہ اردو زبان بھی کچھ عرصہ پہلے اس فہرست میں شامل ہو چکی ہے۔

اس ویب سائٹ کی ایک اور خوبي یہ ہے کہ یہ ایک ہی لفظ مختلف دستیاب لغات میں ایک ساتھ تلاش کرتی ہے جس سے بار بار دوسری لغات کی طرف جانے کی حاجت نہیں رہتی۔

نیز الفاظ کے مترافات، اضداد، عربي کے مختلف اقوال، اور ضرب الامثال بھی روزنہ اس پر اپڈیٹ ہوتے ہیں۔ دین کے عالم اور طالب علم کے لیے یکساں مفید اور روزانہ کی ضرورت ہے۔

ویب سائٹ کا لنک یہ ہے:

https://www.almaany.com/

اینڈرائیڈ کے لیے play store پر almaany یا المعانی لکھ کر تلاش کریں اور اپنی مرضی کی زبان کے لیے ایپ ڈاؤنلوڈ کر لیں۔

ALMAANY.COM

قاموس ومعجم المعاني متعدد اللغات والمجالات - قاموس عربي عربي و قاموس عربي انجليزي ثنائي

المعاني قاموس عربي فوري متعدد اللغات والمجالات. قاموس عربي انجليزي ثنائي, قاموس عربي فرنسي , قاموس عربي اسباني, قاموس عربي برتغالي , قاموس عربي عربي معجم عربي

الوحدة ١٠ • مفید ایپس، ویب سائٹس اور سافٹ ویئرز (Useful apps,websites,softwares)

المعانی۔ ترجمہ اور لغوی تحقیق کے لیے بہترین ویب سائٹ / اپلیکیشن

عرض الوحدة

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے](#)

المکتبۃ الشاملۃ

(Maktaba Shamela)

مکتبہ شاملہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ البتہ استعمال کرنے والے اکثر حضرات بھی اس کی باریکیوں سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے پوری طرح استفادہ نہیں کر پاتے۔ مکتبہ شاملہ کی تربیت پر سوا گھنٹے دورانیے پر مشتمل اہم ویڈیو شیئر کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بنانے والے کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

۱- کمپیوٹر کے لیے مکتبہ شاملہ ڈاونلوڈ کرنے کے لیے اس ربط پر کلک کریں۔

یہاں کلک کیجیے

۲- شاملہ پی ڈی ایف کتب کے ساتھ۔ اس لنک پر کلک کرنے سے ایک چھوٹی سی ٹورینٹ فائل ڈاؤنلوڈ ہو گی۔ جس میں **۷۶ جی بی** کے قریب ڈیٹا موجود ہے۔ **مکتبہ شاملہ** کی بہت سی کتب کے ساتھ ان کی **پی ڈی ایف** بھی دی گئی ہے۔ اگر آپ نے پہلے کبھی ٹورینٹ فائل سے ڈیٹا ڈاونلوڈ نہیں کیا تو کسی جاننے والے سے مدد لینا ہوگی۔ نیز درمیانی رفتار کے انٹرنیٹ پر یہ دو سے تین ہفتے میں ڈاونلوڈنگ مکمل ہو گی۔ ربط یہ ہے:

پی ڈی ایف کے ساتھ شاملہ کے لیے ٹورینٹ فائل یہاں سے ڈاؤنلوڈ کریں

۳-**اینڈرائیڈ** موبائل / ٹیبلیٹ کے لیے **مکتبہ شاملہ** یہاں سے ڈاؤنلوڈ کریں:

یہاں کلک کیجیے

مکتبہ شاملہ کی تربیت پر مشتمل ویڈیو دیکھنے یا سوال جواب کے لیے اس لنک پر تشریف لائیں۔

https://www.facebook.com/groups/almudarris/permalink/2038136616297636/

پی ڈی ایف میں عربی کتب کا ذخیرہ

https://books-library.online/

یہاں سے بھی کثیر عربی کتب ورڈ اور پی ڈی ایف فائل کی صورت میں ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہیں: http://www.almeshkat.net/

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

حدیث شریف کے اساتذہ و طلبہ کے لیے تحفہ

مکتبہ شاملہ (MAKTABA SHAMELA) کی مدد سے سند حدیث کی تحقیق اور راویون کو ممتاز کرنے کا مکمل اور مفصل طریقہ اللہ تعالیٰ اس ویڈیو کے بنانے والے کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

دو گھنٹے پر مشتمل مفصل ویڈیو دیکھنے یا سوال جواب کے لیے اس لنک پر تشریف لائیں [یہاں کلک کیجیے]

ایک مفید ویب سائٹ

کچھ عرصے کی محنت و مشقت اور ساری زندگی کا فائدہ

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں

ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

سوشل میڈیا پر یا ادھر ادھر وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کیا جائے۔

https://digiskills.pk/

زیرِ نظر لنک ایک ویب سائٹ کا ہے جو حکومتِ پاکستان کے تحت کام کرتی ہے۔ اس ویب سائٹ میں داخلہ لے کر آپ گھر بیٹھے مختلف کورس کر سکتے ہیں

جن میں کامیابی کے بعد آپ کو حکومتِ پاکستان کی جانب سے سرٹیفکیٹ بھی دیا جائے گا۔

اگرچہ ایک وقت میں ایک سے زائد کورس بھی کیے جا سکتے ہیں لیکن میرا مشورہ ہے کہ **ایک وقت میں صرف ایک کورس میں داخلہ لیں۔**

اگرچہ اس ویب سائٹ پر کئی کورسز کروائے جا رہے ہیں لیکن مدرسین کے لیے میرا مشورہ ہے پہلے **Creative Writing** کا کورس کریں۔ اس سے آپ تحریر و تصنیف کی صلاحیت حاصل کر سکتے ہیں اور آگے اپنے طلبہ کو بھی منتقل کر سکتے ہیں۔

باقی آپ اپنے حالات کے مطابق بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس وقت چوتھا بیچ چل رہا ہے، پانچویں بیچ کے لیے کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔ جب تک تین کام کریں:

۱- روزانہ کچھ وقت اس ویب سائٹ کے مختلف صفحات کا مطالعہ کریں اور طریقہ کار کو "خوب اچھی طرح" سمجھنے کی کوشش کریں۔

۲- اس ویب سائٹ کا اپنا یوٹیوب چینل بھی ہے جس کا لنک یہ ہے۔ اس پر موجود تمام ویڈیوز کا مطالعہ اچھی طرح کر لیں۔ نیز کچھ پرائیویٹ چینل بھی موجود ہیں جن پر اس کے تمام کورسز کی تمام ویڈیوز موجود ہیں۔ ان ویڈیوز کو دیکھنے سے بھی فائدہ ہو سکتا ہے کہ داخلے سے پہلے ہی آپ اپنے کورس کے متعلق بہت کچھ

جان چکے ہوں گے۔کچھ کے لنک نیچے دے رہا ہوں باقی آپ خود یوٹیوب وغیرہ پر تلاش کر سکتے ہیں۔ یہاں کلک کیجیے-

یہاں کلک کیجیے- یہاں کلک کیجیے

۳-یوٹیوب پر جائیں اور باری باری مندرجہ ذیل کی ورڈز ٹائپ کر کے تلاش کریں۔ان نتیجے میں جتنی ویڈیوز آئیں گی کوشش کر کے سب دیکھ لیں۔

how to use lms digiskills

how to signup lms digiskills

how to enroll course in digskills

how to submit exercise in digiskills

how to get certificate from digiskills

how to earn money from digiskills

نوٹ: دیگر احباب اس ویب سائٹ کے بارے میں اپنی معلومات کمنٹ سیکشن میں دے سکتے ہیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

اس یونٹ میں فن تحریر (اردو) کے حوالے سے گفت وشنید ہو گی۔ مقصود اساتذہ کو لکھنے پر ابھارنا ہے۔ اساتذہ لکھنا شروع کریں گے تو خود بخود یہ صلاحیت سینکڑوں ہزاروں طلبہ میں منتقل ہو جائے گا۔ ضمناً اردو زبان وادب پر بھی بات ہو گی۔

ضروری اِصطِلاحات

جب ہم علمی کتابیں پڑھتے ہیں تو اُن میں کچھ علامات نظر آتی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے-

:1 الخ (اَل خُ) ←

کسی قول، مصرعے یا جملے وغیرہ کا کچھ حصہ لکھنے کے بعد "الخ" لکھ دیا جاتا ہے ، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی مزید آگے بھی ہے، اِسے آخر تک دیکھیں-

مثلاً: مصطفٰی جانِ رحمت۔۔۔۔۔الخ

:2 ۱۲ ← بعض کتابوں کے حاشیے کے آخر میں "۱۲" لکھا ہوتا ہے-

علمِ اعداد میں لفظِ "حَد" کے بارہ عدد ہیں، اور حد کا معنٰی ہے اختتام؛ تو "۱۲" کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں پر حاشیے کی عبارت ختم ہوگئی ہے، حاشیے کی یہی حد ہے-

:3 منہ (مِ نْ ہُ) ←

بعض کتابوں کے حاشیے کے آخر میں "منہ" بھی لکھا ہوتا ہے اور یہ مصنف خود لکھتا ہے؛ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ حاشیہ کسی اور کا نہیں، میرا (کتاب لکھنے والے کا) اپنا ہے-

:4 ۱۲منہ ←

بعض حواشی میں یہ دونوں ہوتے ہیں، جن سے یہی مراد ہوتا ہے کہ یہ حاشیہ

مصنف کا ہے جو کہ یہاں تک ختم ہو گیا ہے (اس سے آگے جو اضافہ ہو گا وہ محشی کا ہو گا مصنف کا نہیں)۔

5: ایضاً (اَیُ ضَ نُ) ←

جب ایک ہی بات، یا حوالے کو دُھرانا مقصود ہوتا ہے، یا ایک ہی چیز کے مختلف مطالب بیان کرنا ہوتے ہیں تو بار بار تفصیل لکھنے کے بجائے نیچے "ایضاً" لکھ دیا جاتا ہے۔

مثلاً:

۞ بخاری شریف کے بیالیسویں صفحے سے دو حدیثیں بیان کرنی ہیں تو پہلی حدیث کے نیچے حوالہ لکھیں گے:

بخاری شریف ص ۴۲۔

اس کے بعد والی حدیثِ پاک لکھ کر حوالہ لکھنے کے بجائے "ایضاً" لکھ دینا ہی کافی ہو گا؛ اِس سے پڑھنے والا سمجھ جائے گا کہ اِس حدیث کا بھی وہی حوالہ ہے جو اوپر والی حدیث کا ہے۔

۞ میرزا داغ دہلوی کہتے ہیں:

جو تم کو ہم سے نفرت ہے تو ہم کو تم سے ایضاً ہے
جو تم نظریں بدلتے ہو تو ہم بھی دل بدلتے ہیں

یعنی تم کو ہم سے نفرت ہے تو ہم کو بھی تم سے ایضاً (یعنی نفرت) ہی ہے۔

" ۞ بات"، ایک لفظ ہے جس کے مختلف معانی ہیں، جنھیں ہم اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں:

بات: بہ معنیٰ قول- جیسے معروف کا شعر ہے:

زلف رخ پہ جو چھٹی رات ہوئی یا نہ ہوئی

کیوں نہ کہتا تھا مری بات ہوئی یا نہ ہوئی

ایضاً: شہرت- جیسے سحر کہتا ہے:

اپنی تو ہر طرح بسر اوقات ہو گئی

وہ بات کی کہ شہر میں اک بات ہو گئی

یہاں ہر جگہ لفظِ بات لکھ کر اس کا معنیٰ لکھنے کے بجائے ایضاً لکھ دیا ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ تمام معانی "بات" کے ہیں-

6: ع ←

یہ مصرع کی علامت ہے، علما و اُدَبا جب مصرع نقل کرتے ہیں تو "ع" لگاتے ہیں-

7: ؎ ← یہ شعر یا نظم کی علامت ہے، اگر آپ اپنی تحریر میں صرف مصرع لکھنا چاہتے ہیں تو "ع" استعمال کریں، اور اگر ایک یا زیادہ شعر لکھنا چاہتے ہیں تو یہ "؎" علامت استعمال کریں-

اِنھیں گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے؛ یہ نہ ہو کہ شعر کی جگہ مصرع کی علامت اور

مصرع کی جگہ شعر کی علامت درج کر دیں-

جس عالم نے تحریر فرمائی اللہ پاک انھیں جزائے خیر عطا فرمائے آمین

لقمان شاہد

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

اردو زبان کے چند اہم قواعد و تعریفات

* حمد *: نظم جس میں اللہ کی تعریف ہو

* نعت *: رسول اکرم ص کی تعریفی نظم

* قصیدہ / منقبت *: کسی بھی شخصیت کی توصیفی نظم

* مثنوی *: چھوٹی بحر کی نظم جسکے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر شعر کا قافیہ الگ ہو۔

* مرثیہ *: موت پہ اظہارِ رنج کی شاعری کی نظم

* غزل *: عورتوں کی شاعری عشق، حسن و جمال و ہجر و فراق پہ شاعری

* نظم *: ایک ہی مضمون والی مربوط شاعری

* قطعہ *: بغیر مطلع کے دو یا دو سے زیادہ اشعار جس میں ایک ہی مضمون کا تسلسل ہو

* رباعی *: چار مصرعوں کی نظم جسکا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوں۔

* مخمس *: وہ نظم جسکے بند پانچ پانچ مصرعوں کے ہوں

* مسدس *: وہ نظم جسکے ہر بند کے چھے مصرعے ہوں

* داستان *: کہانی کی قدیم قسم

* ناول *: مسلسل طویل قصہ جس کا موضوع انسانی زندگی ہو اور کردار

متنوع ہوں

* افسانہ *: مختصر کہانی

* ڈرامہ *: کہانی جسکو اسٹیج پہ کرداروں کی مدد سے پیش کیا جائے

* انشائیہ *: ہلکا پھلکا مضمون جس میں زندگی کے کسی موضوع کو لکھا جائے

* خاکہ *: کسی شخصیت کی مختصر مگر جامع تصویر کشی

* مضمون *: کسی معین موضوع پہ خیالات و محسوسات

* آپ بیتی *: خودنوشت و سوانح عمری

* سفر نامہ *: سفری واقعات و مشاہدات

* مکتوب نگاری *: خط لکھنا

* سوانح عمری *: کسی عام یا خاص شخص کی حیات کا بیانیہ بتفصیل.......

اسم نکرہ کا مفہوم

وہ اسم جو غیر معین شخص یا شے (اشخاص یا اشیا) کے معانی دے اسم نکرہ کہلاتا ہے۔

یا

وہ اسم جو کسی عام جگہ، شخص یا کسی چیز کے لئے بولا جائے اسم نکرہ کہلاتا ہے اس اسم کو اسم عام بھی کہتے ہیں۔

اسم نکرہ کی اقسام

اسم ذات

اسم حاصل مصدر

اسم حالیہ

اسم فاعل

اسم مفعول

اسم استفہام

* اسم ذات * اُس اسم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی چیز کی تمیز دوسری چیزوں سے کی جائے۔

یا

وہ اسم جس میں ایک چیز کی حقیقت یا اصلیت کو دوسری چیز سے الگ سمجھا جائے اسم ذات کہلاتا ہے۔

اسم ذات کی مثالیں

1۔ قلم، دوات ۲۔ صبح، شام ۳۔ ٹیلی فون، میز ۴۔ پروانہ، شمع ۵۔ بکری، گائے ٦۔ پنسل، ربڑ ۷۔ مسجد، کرسی ۸۔ کتاب، کاغذ ۹۔ گھڑی، دیوار ۱۰۔ کمپیوٹر، ٹیلی ویژن وغیرہ

اشعار کی مثالیں

زندگی ہو میرے پروانہ کی صورت یارب

علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے

عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

اسم ذات کی اقسام

1۔اسم تصغیر ۲۔اسم مکبر ۳۔اسم ظرف ۴۔اسم آلہ ۵۔اسم صوت

1 *۔اسم تصغیر (اسم مصغر کا مفہوم)*

وہ اسم جس میں کسی نام کی نسبت چھوٹائی کے معنی پائے جائیں اسم تصغیر یا اسم مصغر کہلاتا ہے۔

یا

* اسم تصغیر * وہ اسم ہے جس میں چھوٹا ہونے کے معنی پائے جائیں تصغیر کے معنی چھوٹا کے ہیں۔

یا

* اسم تصغیر * وہ اسم ہے جس میں کسی چیز کا چھوٹا ہونا ظاہر ہو۔

* اسم تصغیر یا اسم مصغر کی مثالیں *

گھر سے گھروندا، بھائی سے بھیا، دُکھ سے دُکھڑا، صندوق سے صندوقچہ، پنکھ سے پنکھڑی، دَر سے دَریچہ وغیرہ

2*۔اسم مکبر *

وہ اسم ہے جس میں کسی چیز نسبت بڑائی کے معنی پائے جائیں اسم مکبر کہلاتا ہے۔

یا

* اسم مکبر * وہ اسم ہے جس میں بڑائی کے معنی پائے جائیں، کبیر کے معنی بڑا کے ہوتے ہیں۔

یا

* اسم مکبر * اس اسم کو کہتے ہیں جس میں بڑائی کے معنی ظاہر ہوں۔

* اسم مکبر کی مثالیں *

لاٹھی سے لٹھ، گھڑی سے گھڑیال، چھتری سے چھتر، راہ سے شاہراہ، بات سے بتنگڑ، زور سے شہ زور وغیرہ

3 *۔اسم ظرف *

اسم ظرف اُس اسم کو کہتے ہیں جو جگہ یا وقت کے معنی دے۔

یا

ظرف کے معنی برتن یا سمائی کے ہوتے ہیں، اسم ظرف وہ اسم ہوتا ہے جو جگہ یا وقت کے معنی دیتا ہے۔

اسم ظرف کی مثالیں

باغ، مسجد، اسکول۔ صبح، شام، آج، کل وغیرہ

اسم ظرف کی اقسام

اسم ظرف کی دو اقسام ہیں

اسم ظرف زماں

اسم ظرف مکاں

1 *۔اسم ظرف زماں*

اسم ظرف زماں وہ اسم ہوتا ہے جو کسی وقت (زمانے) کو ظاہر کرے

یا

ایسا اسم جو وقت یا زمانے کے معنی دے اسم ظرف زماں کہلاتا ہے۔

اسم ظرف زماں مثالیں

سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، دن، رات، صبح، شام، دوپہر، سہ پہر، ہفتہ، مہینہ، سال، صدی، آج، کل، پرسوں، ترسوں وغیرہ

-2*اسم ظرف مکاں*

اسم ظرف مکاں وہ اسم ہے جو جگہ یا مقام کے معنی دے۔

یا

وہ اسم جو کسی جگہ یا مقام کے لئے بولا جائے اُسے اسم ظرف مکاں کہتے ہیں۔

اسم ظرف مکان کی مثالیں

مسجد، مشرق، میدان، منڈی، سکول، زمین، آسمان، مدرسہ، وغیرہ

4*۔اسم آلہ*

اُس اسم کو کہتے ہیں جو کسی آلہ یا ہتھیار کا نام ہو۔

یا

اسم آلہ وہ اسم ہے جو کسی آلہ یا ہتھیار کے لئے بولا جائے۔

یا

اسم آلہ اُس اسم کو کہتے ہیں جو کسی آلہ یا ہتھیار کا نام ہو، آلہ کے معنی اوزار یا ہتھیار کے ہوتے ہیں۔

اسم آلہ کی مثالیں

گھڑی، تلوار، چُھری، خنجر، قلم، توپ، چھلنی وغیرہ

5*۔اسم صوت*

وہ اسم جو کسی انسان، حیوان یا بے جان کی آواز دے اسم صوت کہلاتا ہے۔

یا

اسم صوت وہ اسم ہے جو کسی جاندار یا بے جان کی آواز کو ظاہر کرے۔

یا

ایسا اسم جو کسی جاندار یا بے جان کی آواز کو ظاہر کرے اسم صوت کہلاتا ہے، صوت کے معنی آواز کے ہوتے ہیں۔

اسم صوت کی مثالیں

کُٹ کُٹ مرغی کی آواز، چوں چوں چڑیا کی آواز، غٹرغوں کبوتر کی آواز، ککڑوں کوں مرغے کی آواز، کائیں کائیں کوے کی آواز وغیرہ

2 *۔اسم حاصل مصدر *

ایسا اسم جو مصدر سے بنا ہو اور جس میں مصدر کے معانی پائے جائیں اسم حاصل مصدر کہلاتا ہے۔

یا

وہ اسم جو مصدر نہ ہو لیکن مصدر کے معنی دے حاصل مصدر کہلاتا ہے۔

یا

وہ اسم جس میں مصدر کے معانی پائے جائیں یعنی جو مصدر کی کیفیت کو ظاہر کرے اسم حاصل مصدر کہلاتا ہے۔

* اسم حاصل مصدر کی مثالیں *

مثلاً: چہکنا سے چہک، ملنا سے ملاپ، پڑھنا سے پڑھائی، چمکنا سے چمک، گبھرانا سے گبھراہٹ، پکڑنا سے پکڑ، چمکنا سے چمک، سجانا سے سجاوٹ وغیرہ۔

3 *۔اسم حالیہ *

اسم حالیہ اُس اسم کو کہتے ہیں جو کسی فائل یا مفعول کی حالت کو ظاہر کرے۔

* اسم حالیہ کی مثالیں *

ہنستا ہوا، ہنستے ہنستے، روتا ہوا روتے روتے، گاتا ہوا، ٹہلتا ہوا، مچلتا ہوا، دوڑتا

ہوا،

4*۔اسم فائل *

ایسا اسم جو کسی کام کرنے والے کو ظاہر کرے اسم فائل کہلاتا ہے۔

یا

وہ اسم جو کسی کام کرنے والے کی جگہ استعمال ہو اسم فائل کہلاتا ہے۔

یا

وہ اسم جو کسی کام کرنے والے کو ظاہر کرے اور مصدر سے بنے اسم فائل کہلاتا ہے۔

اسم فاعل کی مثالیں

لکھنا سے لکھنے والا، دیکھنا سے دیکھنے والا، سننا سے سننے والا، پڑھنا سے پڑھنے والا، رونا سے رونے والا وغیرہ۔

عربی کے اسم فاعل

اُردو میں عربی کے اسم فاعل استعمال ہوتے ہیں، جو عربی کے وزن پر اتے ہیں۔

مثالیں

عالم(علم والا)، قاتل (قتل کرنے والا)، حاکم (حکم دینے والا) وغیرہ۔

* فارسی کے اسم فاعل کی مثالیں *

باغبان، ہواباز، کاریگر، کارساز، پرہیز گار وغیرہ۔

اسم فائل کی اقسام

اسم فائل کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں

اسم فاعل مفرد

اسم فائل مرکب

اسم فائل قیاسی

اسم فائل سماعی

1 *۔اسم فائل مفرد*

اسم فائل مفرد وہ اسم ہوتا ہے جو لفظِ واحد کی صورت میں ہو لیکن اُس کے معنی ایک سے زیادہ الفاظ پر مشتمل ہوں۔

مثالیں

ڈاکو(ڈاکا ڈالنے والا)، ظالم(ظلم کرنے والا)، چور(چوری کرنے والا)، صابر(صبر کرنے والا)۔رازق(رزق دینے والا)وغیرہ

2*۔اسم فائل مرکب*

ایسا اسم جو ایک سے زیادہ الفاظ کے مجموعے پر مشتمل ہو اسے اسم فائل مرکب کہتے ہیں۔

مثالیں

جیب کترا، بازی گر، کاریگر، وغیرہ

3 *۔اسم فائل قیاسی *

ایسا اسم جو مصدر سے بنے اُسے اسم فائل قیاسی کہتے ہیں۔

* مثالیں *

کھانا سے کھانے والا، سونا سے سونے والا، آنا سے آنے والا، دوڑنا سے دوڑنے والا وغیرہ

4 *۔اسم فائل سماعی *

ایسا اسم فائل جو مصدر سے کسی قاعدے کے مطابق نہ بنا ہو، بلکہ اہلِ زبان سے سننے میں آیا ہو، اُسے اسم فائل سماعی کہتے ہیں۔

* مثالیں *

شتربان، فیل بان، گویا، بھکاری، جادوگر، گھسیارا، پیغامبر، وغیرہ

* فاعل اور اسم فاعل میں فرق *

1- * فاعل *

فاعل ہمیشہ جامد اور کسی کام کرنے والے کا نام ہوتا ہے

* مثالیں *

حامد نے اخبار پڑھا، عرفان نے خط لکھا امجد نے کھانا کھایا، اِن جملوں میں حامد، عرفان اور امجد فاعل ہیں۔

-2 * اسم فاعل *

اسم فاعل ہمیشہ یا تو مصدر سے بنا ہوتا ہے۔

* مثالیں *

لکھنا سے لکھنے والا، پڑھنا سے پڑھنے والا، کھانا سے کھانے والا، سونا سے سونے والا یا پھر اس کے ساتھ کوئی فاعلی علامت پائی جاتی ہے۔ مثلا پہرا دار، باغبان، کارساز، وغیرہ

5 *۔ اسم مفعول *

ایسا اسم جو اُس شخص یا چیز کو ظاہر کرے جس پر کوئی فعل (کام) واقع ہوا ہو اسم مفعول کہلاتا ہے۔

یا

جو اسم کسی شخص، چیز یا جگہ کی طرف اشارہ کرے جس پر کوئی فعل یعنی کام واقع ہوا ہو اُسے اسم مفعول کہا جاتا ہے۔

اسم مفعول کی مثالیں

دیکھنا سے دیکھا ہوا، سونا سے سویا ہوا، رونا سے رویا ہوا، جاگنا سے جاگا ہوا، پڑھنا سے پڑھا ہوا، سُننا سے سُنا ہوا، وغیرہ۔

اللہ مظلوم کی مدد کرتا ہے، وقت پر بویا گیا بیج آخر پھل دیتا ہے، رکھی ہوئی چیز کام آجاتی ہے، اِن جملوں میں مظلوم، بویا ہوا، رکھی ہوئی اسم مفعول ہیں۔

عربی کے اسم مفعول

عربی میں جو الفاظ مفعول کے وزن پر آتے ہیں، اسم مفعول کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

* مثالیں *

مظلوم، مقتول، مخلوق، مقروض، مدفون وغیرہ

اسم مفعول کی اقسام

اسم مفعول کی دو اقسام ہیں

اسم مفعول قیاسی-اسم مفعول سماعی

1 *۔اسم مفعول قیاسی *

ایسا اسم جو قاعدے کے مطابق مصدر سے بنا ہوا اسم مفعول قیاسی کہلاتا ہے۔

یا

ایسا اسم جو مقررہ قاعدے کے مطابق بنایا جائے اُسے اسم مفعول قیاسی کہتے ہیں اور اِس اسم کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ماضی مطلق کے بعد لفظ "ہوا" بڑھا لیتے ہیں۔

* مثالیں *

کھانا سے کھایا ہوا، سونا سے سویا ہوا، جاگنا سے جاگا ہوا، رکھنا سے رکھا ہوا، پڑھنا سے پڑھا ہوا، وغیرہ

2 *۔ اسم مفعول سماعی *

ایسا اسم جو مصدر سے کسی قاعدے کے مطابق نہ بنے بلکہ اہلِ زبان سے سننے میں آیا ہو اُسے اسم مفعول سماعی کہتے ہیں۔ سماعی کے معنی سنا ہوا کے ہوتے ہیں۔

یا

ایسا اسم جو کسی قاعدے کے مطابق نہ بنا ہو بلکہ جس طرح اہلِ زبان سے سنا ہو اسی طرح استعمال ہو اسے اسم مفعول سماعی کہتے ہیں۔

* مثالیں * دِل جلا، دُم کٹا، بیاہتا، مظلوم، وغیرہ

* فارسی کے اسم مفعول سماعی *

دیدہ (دیکھا ہوا)، شنیدہ (سنا ہوا)، آموختہ (سیکھا ہوا) وغیرہ

عربی کے اسم مفعول سماعی

مفعول کے وزن پر، مقتول، مظلوم، مکتوب، محکوم، مخلوق وغیرہ

* مفعول اور اسم مفعول میں فرق *

-1 * مفعول *

مفعول ہمیشہ جامد ہوتا ہے اور اُس چیز کا نام ہوتا ہے جس پر کوئی فعل (کام) واقع ہوا ہو۔

* مثالیں *

عرفان نے اخبار پڑھا، فصیح نے خط لکھا، ثاقب نے کتاب پڑھی، اِن جملوں

میں اخبار، خط اور کتاب مفعول ہیں۔

-2* اسم مفعول *

اسم مفعول ہمیشہ قاعدے کے مطابق مصدر سے بنا ہوتا ہے۔

* مثالیں *

سونا سے سویا ہوا، کھانا سے کھایا ہوا، پڑھنا سے پڑھا ہوا وغیرہ،

* عربی میں مفعول کے وزن پر آتا ہے *: مظلوم، مخلوق، مکتوب وغیرہ،

یا پھر

* فارسی مصدر سے بنتا ہے * جیسے شنیدن سے شنیدہ، آموختن سے آموختہ وغیرہ

6 *۔ اسم استفہام *

اسم استفہام اُس اسم کو کہتے ہیں جس میں کچھ سوال کرنے یا معلوم کرنے کے معنی پائے جائیں۔

اسم استفہام کی مثالیں

کون، کب، کہاں کیسے، کیوں،

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

سلیقہ بھی چاہیے !!!...

(۱) اردو کے استاد نے مذکر اور مؤنث کا سبق پڑھانا شروع کیا۔ انہوں نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کرنے بعد طلبہ کو سمجھایا کہ:

"اردو زبان میں جس لفظ کے آخر میں یائے معروف (ی) لگی ہو، وہ مؤنث استعمال ہو گا۔ مگر چند الفاظ مذکر ہیں۔ مثلا

"پانی" جیسے: میٹھا پانی۔

"دہی" جیسے: دہی کھٹا ہے۔

"گھی" جیسے: گھی اچھا ہے۔

"ہاتھی" جیسے: ہاتھی موٹا ہے۔

"ساتھی" جیسے: ہمارا ساتھی۔ وغیرہ

ساتھ ہی استاد نے گھر کام کے لئے چند الفاظ بھی دے دیے۔ اگلے دن بچوں نے کچھ یوں ہوم ورک دکھائی:

"ٹوپی بڑا ہے"،

"لڑکی کھڑا ہے"،

"رسی لمبا ہے"،

"کالا بلی" وغیرہ وغیرہ

(۲) دینیات کے معلم نے اپنے پہلے ہی دن طلبہ کو وضو کے فرائض رٹا دیے

اور انہیں اچھی طرح سمجھا بھی دیا۔ آنے والی نماز میں بیشتر طلبہ وضوء میں "صرف چاروں فرائض" ادا کر کے حاظر ہو گئے۔

دونوں واقعات میں غلط کچھ بھی نہیں تھا۔ محض سمجھانے میں تقدیم و تاخیر کا فرق نہ برتنے کا سائڈ افیکٹ یہ ہوا کہ بچے قاعدے اور مسائل کو حقیقت کے بر عکس سمجھ گئے۔

انگریزی کا مشہور قول ہے، "تعلیم، علم سے زیادہ اہم ہے"۔ میں ایک مدرسے کا ذمہ دار مدرس ہونے کی حیثیت سے یہ بات بڑے وثوق سے کہ سکتا ہوں کہ دینی مدارس میں رائج طریقہ تعلیم و تدریس اپنے سیلیبس کی نقطہ نظر سے بہت بہتر ہے، تاہم اس میں ع "خوب سے ہے خوب تر کہاں؟" کی جستجو میں چند قابل لحاظ امور کافی مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

سیرت رسول ﷺ میں تربیت کے اعلٰی نمونے: صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عمر (رضی اللہ عنھما) سے روایت ہے،: پیارے آقا ﷺ ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ آپ نے صحابہ سے ایک سوال پوچھا، "ایک ایسا درخت ہے، جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور وہ درخت مسلمان کی مثال ہے۔ بتاؤ! وہ کون سا درخت ہے؟"۔ راوی حدیث حضرت عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ لوگ جنگل کے پیڑوں کے بارے میں سوچنے لگے۔ میرے دل میں خیال آیا، ہو نہ وہ کھجور کا درخت ہو! لیکن میں وہاں سب سے چھوٹا تھا، مجھے بولنے میں شرم محسوس

ہوئی۔

صحابہ نے عرض کی: ”یارسول اللہ ﷺ! آپ بتائیں، وہ کیا ہے“؟

آپ نے ارشاد فرمایا: ”وہ کھجور کا درخت ہے“. (بخاری: ۱۳۱) ایک موقع پر مسجد نبوی میں پیشاب کرنے والے سے آپ نے نہایت ہی نرمی سے کلام فرمایا؛ ایک صحابی صرف اپنے لئے اور آپ کے لئے دعا کر رہے تھے، آپ نے شگفتہ لہجے میں سمجھایا؛ گردن پر ننگی تلوار ٹانگنے والے یہودی کو تربیت کے دو لفظوں سے رام فرمالیا؛ بسترے پر سرگیں کرنے والے کی ایسی عملی تربیت فرمائی کہ ان کی دنیا و آخرت سنور گئیں۔ یہ تو صرف نمونے ہیں۔ پوری سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے جائیں، تربیت و تعلیم کے الگ الگ اور رنگا رنگ طریقے جابجا بکھرے ملیں گے۔

تدریسی زبان: جب کسی مکتب یا مدرسے کے استاد / عید گاہ کے امام کی زبان سے نماز کی نیت سکھاتے وقت ”منہ میرا طرف کعبہ شریف کے“ کا جملہ سنتا ہوں، طبیعت میں کافی گراں گزرتا ہے۔ یوں ہی آج کے وقت بھی ”فعل“ کا ترجمہ ”کیا اس ایک مرد نے“ اور ”یفعل“ کا ترجمہ ”کرتا ہے یا کرے گا وہ ایک مرد“ کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ افہام و تفہیم میں سلیس اور بلا واسطہ انداز بیان کو ترجیح دیں! نیز اساتذہ تدریس اور تربیت دونوں مقام پر ”لکل مقام مقال“ (الکامل لابن عدی) کا خاص خیال رکھیں!۔

دیکھا گیا ہے کہ تکیہ کلام (جو ہے تو، سمجھا کہ نہیں سمجھا وغیرہ جملے) کا زیادہ

استعمال طلبہ کے درمیان مزاق کا موضوع بن جاتا ہے۔ دوران تدریس قدیم اسلامی تاریخی مثالوں کے ساتھ ساتھ حال میں رونما ہوئے مشہور واقعات و حادثات کی تمثیل بچوں کے ذہن ودماغ کو مرکوز رکھنے میں تیر بہدف ثابت ہوتی ہے۔ صحابہ، بزرگان دین اور سلاطین اسلام کے ساتھ ساتھ غیر مسلم حکمراں، شعراء، سیاح، مفکرین، سائنس داں، مؤجدین وغیرہ کی کہانیاں بھی اس خوبی سے سنا دیا کریں کہ ان سے کوئی مذہبی عقیدت پیدا ہوئے بغیر محنت، جد وجہد، عمل پیہم اور حصول مقصود کے لئے قربانیوں کی ان میں ایک تحریک پیدا ہو جائے۔ تعلیم میں سختی جب کہ تربیت میں نرمی کے پہلو کو ترجیح دیں! ہو سکے تو نماز عصر کے بعد پانچ سے سات منٹ میں عنوان منتخب کر کے نصیحت کر دیا کریں!

تفریحاتی تعلیم: تعلیمی کام کرنے والوں کے لئے تفریح بہت مفید عمل ہے. لطائف سنانا اور سننا، دوڑ لگانا، اچھلنا، کشتی وغیرہ تفریح کے مختلف طریقے ہیں. اس مادھیم سے جو باتیں بتائی جائیں، وہ نہ صرف ذہنوں میں بہت جلد منتقل ہو جاتیں ہیں، بلکہ عملا بھی فوری کارگر ثابت ہوتی ہیں۔ جاری

انصار احمد مصباحی

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

نئے لکھنے والوں سے چند باتیں

چھٹیاں دراز سے دراز تر ہوتی جارہی ہیں۔ ایسے میں جو مثبت بات سامنے آئی ہے، وہ یہ ہے کہ کئی تحریکیں تحریری مسابقتی پروگرام کا اہتمام کر رہی ہیں، جن میں "الشفا ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائیٹی" اور "سیمانچل کے اہل قلم" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہونا بھی یہی چاہیے۔ فرصت کو غنیمت سمجھ کر اسے بروے کار لانا دانش مندوں کا شیوہ ہے۔

لکھنے پڑھنے سے شغف رکھنے والوں کو اس طرح کی سرگرمیوں میں ضرور حصہ لینا چاہیے۔ نئے لکھنے والے یہ چند باتیں ذہن میں رکھیں، تو ان کی تحریر کے حسن اور سلاست میں چار چاند لگ سکتا ہے۔

انسان کا ذہن خیالات کا جنگل ہوتا ہے، وہ کچھ نہ کچھ ہمیشہ سوچتے رہتا ہے، انھی خیالات اور احساسات کو ترتیب، تجربے اور معلومات کا لباس پہنا دینے کا نام "مضمون نگاری" ہے۔ کوئی بھی تحریر لکھنے میں مندرجہ باتوں کا خیال ضرور رکھیں:

:1#صالح_مقصد :ہوسکتا ہے، شروع میں آپ کو یقین نہ ہو؛ لیکن برسوں کے تجربے کے بعد، آپ پر یہ گرہ کھل جائے گی، کہ تحریر و قلم کی نشو و نما میں سب سے بڑا ہاتھ "مقصد خیر" کا ہوتا ہے۔ اسلامی موضوعات پر صرف نیک نامی،

شہرت اور واہ واہی کے لئے لکھنے والے بہت جلد اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، ایسی تحریر قاری کے دل میں چھاپ چھوڑنے میں ناکام ہو جاتی ہے، اس کی دھار جلد ماند پڑ جاتی ہے۔ جام نور کے کچھ لکھاریوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

:2##عنوان_کی_تقسیم اور اس کی رعایت:

مضمون مختلف قسم کے ہوتے ہیں:

(۱)خطابی (۲) فکری اور (۳) علمی و تحقیقی؛

#خطابی مضمون کا انداز خطیبانہ ہوتا ہے، اس کے لئے علم و آگہی کے ساتھ ساتھ برسوں کے تجربے ضروری ہوتے ہیں۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں اعظمی صاحب کی تحریریں پڑھیے! ایک الگ ہی سرور آتا ہے۔

#مضمون_ذہنی یا فکری: اس میں کسی عنوان پر اپنی فکر کا نچوڑ پیش کرنا پڑتا ہے۔ "پریشان ہونا چھوڑیں، جینا سیکھیں!"، "خدمت خلق کے فائدے"، "احتیاط علاج سے بہتر ہے"، "خود داری"، خود اعتمادی"، "برسات کا موسم"، "چھٹیوں میں کیا کریں، کیا نہ کریں!" جیسے مضامین اسی قسم کے تحت آتے ہیں۔

#علمی_و تحقیقی : جس میں حوالے کے ساتھ، علمی اور تحقیقی انداز میں بحث کی گئی ہو۔ شروع میں فکری تحریروں پر طبع آزمائی کرنی چاہیے۔ اپنے ارد گرد کے

ماحول پر لکھیے؛ برسات کے موسم میں آپ کے علاقے میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں؟اس پر لکھیے! بے موسم بارش اور ژالہ باری سے کسانوں کو کن پریشانیوں کا سامنا ہے؟، عید کی تیاریوں پر لکھیے! ایک دن آپ دیکھیں گے کہ وہی تحریریں آپ کو خوش کر دیں گی۔

3#:اختصار_اور_تسلسل :یہ سوشل میڈیا کا دور ہے؛ مختصر اور جامع تحریروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، جب کہ بے ضرورت لمبی تحریریں Scroll کردی جاتی ہیں۔

(ا) بلاوجہ کی تمہید سے گریز کرنی چاہیے۔ مثلا: امام اعظم رضی اللہ عنہ کی حدیث دانی پر مضمون لکھنا ہو یا اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کے عشق رسول ﷺ پر کوئی تحریر پیش کرنی ہو، تو یہاں ان بزرگوں کی سوانح حیات کی ضرورت نہیں۔

(ب) بعض طلبہ عنوان کی لغوی تحقیق میں الجھ جاتے ہیں، یہ مفسر اور شارح کا کام ہے۔ ایک مضمون لکھتے وقت گلستاں سے چند پھول اور سمندر کے چند قطرے لینے ہوتے ہیں۔

(ج) شروع میں اس بات کی خاص توجہ رکھیے کہ موضوع سے ہٹ کر کوئی بات نہ آنے پائے؛ بعینہ وہ بات کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو!

* 4#:روانی_اور_سہل_پسندی:

ایک بوتل میں شہد بھری ہو، اس پر مضبوط لوہے کا ڈھکن لگا کر مہمان کے

سامنے پیش کیا جائے تو مہمان کو کیسا لگے گا؟ یہی حیثیت مضمون کے ثقیل اور بھاری بھر کم الفاظ کی بھی ہے۔ جملوں کو کھینچ تان کر "شیطان کی آنت" بنا دینا مناسب نہیں، لمبی عبارت اکثر قاری کے گلے کی ہڈی بن جاتی ہے۔ ابتدائی دور میں سہل پسندی سے کام لیجیے! بے ضرورت انگریزی، فارسی اور عربی کے گاڑھے الفاظ گھسیڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ الفاظ ترتیب دیتے وقت یہ تصور کریں کہ ہم موتیوں کو ایک دھاگے میں پرو رہے ہیں۔ ان جواہر پاروں کے ساتھ خس و خاساک اور سنگ ریزے مت جڑ دیجیے! ابھی داراں حالیکہ، غرضے کہ، بشرطے کہ، چنانچہ، علی الصباح، علی الخصوص، علی ھذا القیاس، علی حالہ، حتی الوسع جیسے الفاظ سے دامن بچا کر رکھنا چاہیے!

5: #علامات_ترقیم / رموز اوقاف: جملوں میں رموز اوقاف کا استعمال، قاری کو جملے کا مطلب سمجھنے میں بہت مددگار ہوتا ہے، ان علامات کا استعمال نہ کرنے سے کبھی کبھی مفہوم ہی بگڑ یا بدل جاتا ہے۔

رموز اوقاف کی تفصیلی معلومات اور طریقہ استعمال کے لئے میرے دوسرے پوسٹ کا انتظار کریں۔ (ان شاء اللہ)

#لکھیے_اور_خوب_لکھیے!

لیکن یاد رہے!

عبارتوں میں زائد الفاظ نہ آنے پائے! فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا

بھائی کہا گیا ہے، الفاظ کا مول تو روپوں سے زیادہ ہے، سوچیے !!!!.........

#نوٹ : آپ بڑے لکھاری ہیں تو یہ تحریر آپ کے کام کی نہیں، نثر کی دنیا کے طالب علم ہیں تو سیکھنے کو بہت کچھ مل جائے گا۔

✍ #انصار_احمد_مصباحی

۱۵ / رمضان المبارک، ۱۴۴۱ھ

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

نئے لکھنے والوں سے چند باتیں ۲

#اردو_الفاظ_کا_ذخیرہ_جمع_کیجیے!

ہم "ابا اما" بولنا سیکھتے ہی، انگریزی الفاظ کا ذخیرہ کرنا شروع کر دیتے ہیں؛ الفاظ کی اسپیلنگ اور اس کے معنی ازبر کرنا تعلیم کا اہم حصہ بن جاتا ہے۔ مدرسوں اور کوچنگ سینٹروں میں اساتذہ اور گھروں میں سرپرست اس بات پر بہت زور لگاتے ہیں کہ بچے زیادہ سے زیادہ الفاظ و معانی (Wordsa-Meanings) یاد کر لیں، ان کی اسپیلنگ اور تلفظ (pronounce) بالکل درست ہوں؛

لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔۔اردو کا کیا!!!وہ تو ہماری "مادری زبان" ہے۔

اور ہم نے مادری زبان کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ بچہ ماں کے پیٹ سے سیکھ کر پیدا ہوتا ہے، اب مزید سیکھنے کی ضرورت نہیں!

یورپی ملکوں میں، طلبہ عام طور پر ۱۵ سے ۱۸ سال کے درمیان کہانیاں اور تجربے لکھنے شروع کر دیتے ہیں۔ اردو کی درگت یہ ہے کہ ہمارے لکھاری مدرسوں سے فارغ ہو چکنے کے بعد قلم پکڑنے کا مشورہ کرتے ہیں اور کوئی تحریر لکھ ڈالی تو اس بات پر اپنا پوا ارزور لگا دیتے ہیں کہ وہ تحریر شایان شان شائع ہو۔ یہ ہمارا خیال ہے۔ اردو کے اساتذہ کا خیال ہم سے کچھ مختلف ہے۔ دبستان دہلی کے نمائندہ شاعر اور ڈاکٹر اقبال، علامہ حسن رضا بریلوی سمیت کئی بڑے ادیب و شاعر کے استاد، حضرت داغؔ دہلوی کہتے ہیں:

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو

کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

بد قسمتی یہ ہے کہ، جب فکر پژمردہ، خیالات منجمد، ذہن و دماغ ژولید گی کا شکار ہونے لگتے ہیں؛ ذوق و جذبات کا دائرہ سمٹ کر محصور ہونے لگتا ہے؛ معاشی الجھنیں مطالعہ کے لئے سد راہ بننے جاتی ہیں، تب ہمارا لکھاری طبقہ "تحریر و قلم" کی بنا رکھتا ہے۔

ہر مضمون نگار کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ محنت و مشقت سے جی چرانا نہیں چاہیے۔ ایک کامیاب قلم کار بننے کے لئے ذخیرہ الفاظ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ بازار جایئے، اپنے دار الاقامہ، مطبخ، درس گاہ میں داخل ہو کر اپنی معلومات کا جائزہ لیجیے!

جو چیزیں آپ کو نظر آرہی ہیں، زیادہ اشیاء کے نام آپ کو اردو میں یاد ہیں یا انگریزی میں! اگر جواب انگریزی آیا تو کہیں نہ کہیں آپ اپنی مادری زبان سے نا انصافی کر رہے ہیں۔

.... ✍ شیدائے اردو

#انصار_احمد_مصباحی

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

تکرارِ عناوین سے اجتناب

عنوانِ محاضرہ

تکرارِ عناوین سے اجتناب

بہ الفاظِ دیگر

تکرارِ تحقیق (Duplication of Research) کا تدارک

محاضر

ڈاکٹر سعید الرحمٰن بن نور حبیب
اسسٹنٹ پروفیسر، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

تکرارِ عناوین/تکرارِ تحقیق کیا ہے؟

تکرارِ عناوین جسے زیادہ درست اور مصطلح انداز میں تکرارِ تحقیق یا تحقیق در تحقیق (Duplication of Research) بھی کہہ سکتے ہیں' سے مراد پہلے سے باقاعدہ تحقیق شدہ موضوع پر یا کسی جامعہ یا تحقیقی ادارہ میں زیرِ تحقیق عنوان پر دوبارہ کام کرنا بالخصوص کوئی ریسرچ پیپر یا ایم فل، پی ایچ ڈی سطح پر سندی مقالہ لکھنا ہے تاکہ کم وقت میں، سرعت اور سہولت کے ساتھ مطلوبہ ہدف حاصل ہو سکے (کسی جرنل میں آرٹیکل شائع یا ڈگری کا حصول ممکن ہو سکے)۔

تکرارِ عناوین/ تکرارِ تحقیق کے اسباب

- ریسرچ سکالرز یا ریسرچ سپروائزرز کی لاعلمی
- طبعی سستی، غفلت اور عدم توجہی
- کم علمی، ریسرچ کیلئے مطلوبہ اہلیت، مہارتوں اور صلاحیتوں کا فقدان
- بد دیانتی، حرص، جلد از جلد ڈگری و مادی فوائد کے حصول کی خواہش
- جامعات/اہلِ علم کے مابین روابط اور تبادلہ معلومات کا فقدان

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیوں ضروری ہے؟

تکرارِ تحقیق اخلاقیاتِ تحقیق کے منافی عموماً ایک غیر مفید اور غیر تخلیقی عمل بلکہ سعی لاحاصل ہے کیونکہ تحقیق ایک اختراعی و تخلیقی سرگرمی ہے جس میں جدت، طرزِ نو (Innovation & Novelty) یعنی زیرِ بحث موضوع کا اچھوتا، نیا اور انوکھا ہونا، اور معاصر زاویوں، جہتوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے جبکہ تکرارِ تحقیق محض نقل در نقل یا معلومات کا غیر ضروری انبار جمع کرنا ہے جسے جدید ابلاغی دور میں سی سی پی (کٹ، کاپی، پیسٹ) کہتے ہیں۔

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیسے ممکن ہے؟

- انتخابِ موضوع کے وقت سابقہ تحقیقات (بالخصوص پچھلے دس سال) کا بالاستیعاب جائزہ لینا(Pre-Literature Review)اور اس کیلئے:
  - انٹرنیٹ پر محتاط اور بھرپور تلاش(Search)کرنا، مطلوبہ موضوع کو تمام ممکنہ متبادل عنوانات اورTagsسے مختلف سرچ انجنز پر ڈھونڈنا
  - انٹرنیٹ پر دستیاب مختلف ممالک وجامعات کے آن لائن مخازنِ تحقیقی وسندی مقالات (Research Repositories)سے استفادہ کرنا

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیسے......؟

ہائیر ایجوکیشن کمیشن پاکستان کی ریسرچ ریپازٹری (مخزنِ مقالات):

www.eprints.hec.gov.pk

متبادل ویب لنک، پاکستان کی پی ایچ ڈی کنٹری ڈائریکٹری(PCD):

http://hec.gov.pk/english/services/students/PCD/Pages/Directory.aspx?

(ان ویب سائٹس پر وطنِ عزیز کے پی ایچ ڈی مقالات وتلخیصات تک آن لائن رسائی ممکن ہے)

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیسے......؟

انڈیا کی ریسرچ ریپازٹری (آن لائن مخزنِ مقالات):

www.shodhganga.inflibnet.ac.in

اس ویب سائٹ کی وساطت سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (AMU) اور جامعہ ملیہ اسلامیہ (JMI) کے پی ایچ ڈی مقالاتِ علومِ اسلامیہ و عربیہ سمیت انڈیا کے دیگر جامعات کے سندی ڈاکٹریٹ مقالات و تلخیصات کی سافٹ کاپیز تک آن لائن رسائی ممکن ہے اور ڈاؤن لوڈ کا آپشن بھی موجود ہے۔

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیسے......؟

- لائبریریز میں دستیاب مختلف سندی تحقیقی مقالات کا سرسری جائزہ لینا
- مختلف جامعات کے فہارس ایم فل، پی ایچ ڈی مقالات کا عمیق مطالعہ کرنا

(اس ضمن میں محاضر کے زیر طبع انڈکس "تحقیقاتِ اسلامیات" کا تعارف بھی پیش کیا جارہا ہے)

- وہ تحقیقی مقالات جو Research Repositories پر تاحال دستیاب نہیں ان تک آن لائن رسائی ممکن بنانے کے لیے عملی اقدامات کرنا

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیسے......؟

- ایم فل، پی ایچ ڈی سطح پر مقالات کی انگریزی تلخیص نگاری لازمی قرار دینا

- علمی سرقہ و انتحال اور تحقیقی بددیانتی (Plagiarism & Academic Dishonesty) کے تدارک کے لیے عملی اقدامات کرنا چیے:

- مقالات کی تکمیل پر خارجی جائزہ کیلئے بھیجنے سے قبل QEC کے معاونت سے پلیجرزم ٹیسٹنگ اینڈ چیکنگ لازمی قرار دینا اور ایچ ای سی اور متعلقہ

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیسے......؟

یونیورسٹی کی Zero Tolerance پالیسی پر سختی سے عمل درآمد کرنا

- Plagiarism Checking & Testing میں علومِ اسلامیہ والالسنۃ الشرقیہ کو درپیش تکنیکی مشکلات و تحدیات کا تدارک کرنا

- علمی سرقہ و انتحال کے روک تھام کے لیے غیر سکین شدہ سندی مقالات اور سکین شدہ سندی مقالات (ہمہ اقسام) کی مشینی کتابت کرکے انہیں

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیسے......؟

قابل تلاش(Searchable & Accessible)بنانا اور آن لائن کرنا تاکہ Plagiarism Testing & Similarity Checking کا عمل کما حقہ انجام دیا جاسکے اور تکرارِ تحقیق سے اجتناب ممکن ہو سکے۔

- علمی بددیانتی کے تدارک کے لیے سکالرز(بالخصوص تحقیق میں نووارد طلباء) کی تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دینے کے لیے اقدامات کرنا اور ان کو

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیسے......؟

مختلف موضوعات پر علمی مباحثوں ومناقشوں(سیمنارز، ورک شاپس، کانفرنسز، سمپوزیمز، اوپن پبلک ڈیفنس) میں شرکت کے مواقع دینا

- ریسرچ سکالرز و تھیسس سپروائزرز کے لیے موجودہ ورک شاپ کے طرز پر مستقبل میں بھی جامعات کے فیکلٹی ممبرز اور دیگر اہلِ علم کو بلا کر ان سے عصرِ حاضر کے تقاضوں کے موافق مجوزہ قابلِ بحث عنوانات کے بارے میں استفادہ کرنا اور ان کو بطور موضوعِ تحقیق اختیار کرنا

تکرارِ تحقیق سے اجتناب کیسے......؟

- جامعات کے سندی مقالات کی اشاریہ بندی(Indexing)کے ذریعے ریسرچ سکالرز کا قیمتی وقت ضائع کیے بغیر انہیں سرعت و سہولت کے ساتھ معلومات فراہم کرنااور ریسرچ Gaps سے آگاہ کرنا، مثلاً: www.iri.aiou.edu.pk،AIOU اور HEC کے اشتراک سے قائم شدہ یہ اسلامک ریسرچ انڈیکسنگ تحقیقی مجلات کی اشاریہ بندی کا فریضہ انجام دے رہاہے اور مستقبل میں مقالات کی اشاریہ سازی کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

تحقیق اور اصولِ تحقیق

خصوصی تحریر

تحقیق اور اصول تحقیق کے موضوع پر عربی اور انگریزی زبان کے علاوہ اردو میں بھی کافی لکھا جاچکاہے، اور آئے دن تحقیق کے موضوع پر کتابیں منظر عام پر آرہی ہیں، لیکن اردو زبان میں چند کتابیں اس موضوع پر بہت اہم ہیں جن میں ڈاکٹر گیان چند کی کتاب " تحقیق کا فن ،، ابواب و مضامین کے اعتبار سے اپنے موضوع کو محیط ہے؛ بلکہ اردو زبان میں اس موضوع پر مرجع کی حیثیت رکھتی ہے ،ڈاکٹر جمیل جالبی اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

اس کتاب میں نہ صرف ان کی زندگی کے علمی و تحقیقی تجربوں اور وسیع گہرے مطالعے کا نچوڑ آگیا ہے ،بلکہ ترتیب کے ساتھ فن تحقیق کے وہ سارے پہلو آگئے ہیں جو تحقیق کرنے والے طالب علم ،استاذ اور سب محققوں کے لئے نہایت مفید ہے۔میری نظر سے اس موضوع پر ابھی تک کوئی ایسی کتاب نہیں گزری جس میں تحقیق کے سارے پہلوؤں اور طلبہ کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر کتاب لکھی گئی ہو ،یہ کتاب تحقیق کے سلسلے میں اسی لئے ایک بنیادی حوالے کی کتاب کا درجہ رکھتی ہے (ڈاکٹر گیان چند، تحقیق کا فن ، ص:۲، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۲ء)۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے جامع ہے، اس لئے میں

اپنے عنوان کو اسی کتاب کے حوالے سے پیش کروں گا گویا میرا مضمون "تحقیق کا فن" کے بعض ابواب کا خلاصہ ہے البتہ بعض دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کرتے ہوئے اس موضوع کو مختصر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرونگا۔

تحقیق کی تعریف

لغت میں تحقیق کے معنی چھان بین، کھوج اور تفتیش کے ہیں۔ تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے اس کے اصلی حروف ح۔ق۔ق۔ہیں اس کا مطلب ہے حق کو ثابت کرنا، حق کی طرف پھیرنا، حق کے معنی سچ کے بھی آتے ہیں اور حق سے دوسرا لفظ حقیقت بنا ہے یعنی تحقیق سچ یا حقیقت کی دریافت کا عمل ہے۔ اصطلاح میں ایک ایسے طرز مطالعہ کا نام ہے جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پر کھا جائے۔ڈاکٹر عبد الحمید عباسی تحقیق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

تحقیق کے معنی ہیں کسی مسئلہ (موضوع) کے بارے میں ایسے اسلوب سے کھوج لگانا کہ اس کی اصلی شکل خواہ معلوم ہو یا غیر معلوم اس طرح نمایاں ہو جائے کہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے (عبد الحمید خاں عباسی ،اصول تحقیق ص:۷۷، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۰۲)

تحقیق کے مقاصد

تحقیق کے بنیادی طور پر چار مقاصد ہیں (۱) غیر موجود حقائق کی دریافت

(۲)موجود حقائق کا دوبارہ جائزہ لینا(۳) حدود علم کی توسیع (۴) مناسب اسلوب، ڈاکٹر ناگیندر، جو ہندی کے مشہور ناقد ہیں انہوں نے دو مقاصد کا اضافہ کیا ہے (۵)مواد کی تنقیح (٦) فکر کی مدد سے اصول کی تلاش

تحقیق کی قسمیں:

تحقیق کا عمل زندگی کے ہر شعبے میں ملتا ہے، بنیادی طور پر تحقییق کی دو قسمیں کی جاتی ہیں(۱)خالص یا نظریاتی تحقبق(۲)اطلاقی تحقیق۔

خالص تحقیق کو بنیادی تحقیق بھی کہتے ہیں، جس کا مقصد معلومات کا دائرہ وسیع کرنا ہوتا ہے، اس تحقیق میں بہت سے سوالات اور موضوع سے متعلق بہت سے گوشے کو بے نقاب کیا جاتا ہے، نئے حقائق کی فراہمی اور مختلف عوامل کے نظریات کے بارے میں تصوراتی ڈھانچے کی ترتیب بھی اس کے مقاصد میں شامل ہیں۔ اطلاقی تحقیق کا مقصد نتائج کی روشنی میں خالص تحقیق کو پرکھنا ہے ،یعنی اس میں صرف معلومات کو حاصل کرنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ نتائج کو عملی شکل میں دیکھنا بھی مقصود ہوتا ہے (عبد الحمید خاں عباسی ،اصول تحقیق ص:۱۳۵، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلامی آباد ۲۰۰۲)

تحقیق کیے مختلف میدانوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو تحقیق کی دو قسمیں سامنے آتیں ہیں (۱) تجزیاتی تحقیق (۲) تاریخی تحقیق۔ لسانیات میں بھی یہی دو قسمیں اہم ہیں، زبانوں کا عہد بہ عہد ارتقاء دیکھنا تاریخی لسانیات ہے اور کسی زبان یا بولی

کا ایک دور میں مطالعہ کرنا تجزیاتی تحقیق ہے۔

موضوع سے ہٹ کر تحقیق کی دو قسمیں ہیں(۱)سندی تحقیق (۲) غیر سندی تحقیق۔سندی تحقیق وہ ہے جو یونیورسٹیوں میں ڈگری کے حصول کے لئے کی جاتی ہے،اور غیر سندی تحقیق ڈگری کے حصول کے لئے نہیں کی جاتی ہے،اسے عام طور پر ڈگری یافتہ اساتذہ یا دوسرے اہل شوق کرتے ہیں۔سندی تحقیق کے لئے تین چیزیں لازم ہوتی ہیں جس کی وجہ سے یہ غیر سندی تحقیق کے مقابلہ میں ناقص ہوتی ہے (۱) اس کی تکمیل کے لئے مدت متعین ہوتی ہے (۲) اس میں نگراں کی ضرورت ہوتی ہے(۳)اس تحقیق کو ممتحنوں کے سامنے سے گزرنا ہوتا ہے جبکہ غیر سندی تحقیق میں اسکالر بالکل آزاد ہوتا ہے اور اس کے لئے کوئی مدت نہیں ہوتی ہے۔

تنقید کا مفہوم

تنقید کے لغوی معنی ہیں جانچ ،پرکھ ،تمیز ،اور اصطلاحی معنی کسی مسئلہ میں اس انداز سے تحقیق کرنا کہ اس کے قوی یا ضعیف ،یا اچھے یا برے پہلو سامنے آجائیں اور قاری پڑھ کر کہے کہ واقعی جانچ ،پڑتال کے بعد ایک بات کہی گئی ہے، اصول تحقیق کے مصنف نے ڈاکٹر سید عبد اللہ کے حوالے سے تنقید کی یہ تعریف نقل کی ہے۔

کسی موجود مواد کی خوبی یا خرابی، حسن وقبح اور جمال وبد صورتی کے متعلق

چھان بین کرنا اور فیصلہ دینا نقاد کا کام ہے (عبد الحمید خاں عباسی، اصول تحقیق ص:۷۷، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۰۲)

تحقیق، تنقید کے درمیاں ربط و تعلق

تحقیق و تنقید کے درمیان مختلف اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے چند فرق یہاں درج کیا جاتا ہے (۱) تحقیق کا مقصد علم میں اضافہ ہے اور تنقید کا مقصد علم سے واقف کرانا ہے (۲) تحقیق میں دریافت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور تنقید میں پرکھ پر ڈاکٹر چندر بھان دونوں کے درمیان فرق کے تعلق سے لکھتے ہیں:

)۱(نقاد اپنی ذاتی پسند تک محدود رہ کر لکھ سکتا ہے محقق ذاتی پسندیدگی سے اوپر اٹھ کر ہی کامیاب ہو سکتا ہے (۲) نقاد موضوعی رہ کر ہی لکھ سکتا ہے محقق کو معروضی رہنا ضروری ہے (۳) محقق ایک مسئلہ پیش کرتا ہے اور اس کا ذہنی حل فراہم کرتا ہے نقاد صرف حقیقت کے انکشاف پر قانع ہو سکتا ہے اس کے لئے حل پیش کرنا ضروری نہیں (۴) محقق جملہ حقائق کو جمع کر کے اس کا تجزیہ کرتا ہے، نقاد کو جملہ حقائق پیش نظر رکھنا ضروری نہیں (۵) نقاد کا کام تشریح و تاویل ہے جبکہ محقق حقائق کی عملی طریقے سے گروہ بندی کرتا ہے(ڈاکٹر گیان چند، تحقیق کا فن، ص:۲۴، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۲ء)۔

محقق کے اوصاف:

تحقیق کا مقصد حقائق کو منظر عام پر لانا ہے اور یہ پورا کام محقق کو ہی انجام دینا

ہوتا ہے اس لئے محقق کو تحقیق کے بنیادی لوازمات اور اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے، ان اوصاف کو چند زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اخلاقی اوصاف:

محقق کے اندر اخلاقی طور پر مندرجہ ذیل اوصاف کا ہونا ضروری ہے

(۱) سچائی و حق گوئی: ایک محقق کے لئے ضروری ہے کہ ہ حق گوئی کی صفت سے متصف ہو اور روزانہ کی زندگی میں بھی سچائی کو اپنا شعار بنائے (۲) غیر جانبداری : محقق کو غیر متعصب اور غیر جانبدار ہونا چاہئے، تحقیق کے دوران جو حقیقت بھی سامنے آئے اسے منظر عام پر لانا چاہئے چاہے اگر چہ اس کے گروہ، مذہب ،جماعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو،(۳) ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہو: تحقیق سے پہلے اس نے جو مفروضہ قائم کیا ہے، تحقیق کے دوران اگر اس کے خلاف دلائل مل جائیں تو اپنا موقف تبدیل کرنے میں اسے کوئی تامل نہ ہو (۴) تحقیق سے دنیوی فائدہ مقصود نہ ہو: تحقیق برائے علم ہونی چاہئے، دنیوی فائدے، عہدے یا منصب کے حصول، یا کسی انعام کی لالچ میں نہیں ہونی چاہئے (۵) تحقیق کی طرف رغبت ہو اور مزاج میں ڈٹ کر محنت کرنے کا جذبہ ہو: تحقیق وہی کامیاب ہوتی ہے جس میں محقق کو موضوع سے خوب دلچسپی ہو اور خوب لگن سے محنت کرنے کا جذبہ ہے (٦) بے صبری اور عجلت نہ ہو: تحقیق ایک مشکل مرحلہ ہے بعض مرتبہ عجلت اور جلد بازی سے تحقیق کا مطلوبہ معیار حاصل نہیں ہو پاتا ہے اس

لئے محقق جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے (۷)معتدل مزاج ہونا چاہئے: ایسانہ ہو کہ جسے پسند کرے اسے آسمان پر پہونچادے اور جسے ناپسند کرے اسے زمیں بوس کردے (۸)علم کا غرور نہ ہو: بلکہ طبیعت میں انکساری ہو کسی کی بات دلیل کی بنا پر قوی معلوم ہو تو اسے قبول کرنے میں تامل نہ ہو (۹)اخلاقی جرأت ہو: کسی کے خوف سے حق گوئی سے باز نہ رہے۔

ذہنی اوصاف:

ذہن اور فکر کے اعتبار سے محقق میں درج ذیل اوصاف ہونے چاہئے (۱)مزاج تقلیدی نہ ہو: ہر محقق کو چاہئے کو خود تحقیق کرے وہ کسی کی تقلید نہ کرے، (۲)ضعیف الاعتقاد نہ ہو: توہمات، خرافات سے باہر نکل کر سوچنے کی اس میں صلاحیت ہو (۳)استفہامی مزاج ہو: کسی تحریر کو قبول کرنے سے پہلے اس کا تجزیہ کرے (۴)اس کے مزاج میں سائنس داں کی سی قطعیت ہو (۵)حافظہ اچھا ہو (٦)سکون کے ساتھ ذہن کو کام پر مرکوز کرسکے۔

علمی اوصاف:

)۱(نامعلوم کو معلوم کرنے کا جذبہ ہو (۲) جس زبان میں تحقیق کر رہا ہے اس کے علاوہ دوسری زبان سے بھی واقفیت ہو تاکہ دوسری زبان کے مواد سے بھی استفادہ کرسکے (۳) تاریخ سے گہری واقفیت ہو: تاریخ داں محقق اپنے ماضی سے جڑا ہوتا ہے اور تحقیق میں تاریخ کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے) ۴(بعض

دوسرے علوم سے بھی واقفیت ہو: مثلاً قرآن پر تحقیق کرنے والے کو علم حدیث سے بھی واقف ہونا ضروری ہے۔

نگراں کے اوصاف:

سندی مقالے میں نگراں کا ہونا ضروری ہے اور نگراں کے اوصاف کا اسکالر کی تحقیق پر اثر پڑتا ہے اس لئے نگران کے اندر بھی وہی اوصاف ہونے چاہئے جو ایک محقق کے اندر ہوتے ہیں اس کے علاوہ نگران میں مزید یہ صفات ہونے چاہئے (۱) نگراں کا مزاج تحقیقی ہو (۲) جس موضوع پر اسکالر سے کام کرائے اس کے بارے بہت کچھ جانتا ہو (۳) تدریس و تصنیف کے علاوہ نگراں کے پاس اسکالر کی رہنمائی کے لئے وقت ہو (۴) نگراں میں استادانہ فیاضی ہو (۵) اس کے دل میں اتنی وسعت اور فراخ دلی ہو کہ اسکالر کو اپنے سے اختلاف کی آزادی دے۔

نگران کے فرائض:

نگراں کے چند فرائض یہ ہیں (۱) موضوع کی تلاش میں امیدوار کی رہبری کرنا (۲) موضوع کا خاکہ بنا کر دینا یا خاکہ بنانے میں مدد کرنا (۳) ابتدائی کتابیات اور ماخذ کی طرف رہنمائی کرنا (۴) ایک بزرگ دوست کی طرح اسکالر کے تحقیقی سفر میں ساتھ چلنا (۵) مقالے کے مختلف ابواب کے پہلے مسودے کو سرسری طور پر پڑھنا اور اس کی اصلاح و ترقی کے مشورے دینا۔

تحقیقی مقالہ:

تحقیقی مقالہ کی دو قسمیں کی جاتی ہیں (۱) مختصر مضمون جو کسی مجموعہ مضامین یا کسی یادگاری مجلہ کے لئے لکھا جائے (۲) طویل مقالے جس کی مزید دو قسمیں کی جاتی ہیں: (الف) متوسط حجم جو تقریبا سو دیڑھ سو صفحات کے ہوتے ہیں، (ب) طویل حجم کے مقالے جو کئی سو صفحات کے ہو سکتے ہیں، ایم فل کے مقالے متوسط حجم کے ہوتے ہیں اور پی ایچ ڈی کے مقالے طویل حجم کے ہوتے ہیں جو ساڑھے تین سو سے سات سو صفحات کے ہو سکتے ہیں پی ایچ ڈی کے مقالے کی مدت دو سال اور زیادہ سے زیادہ پانچ مقرر رہوتی ہے، اگر کوئی تحقیق مکمل نہیں ہوتی ہے تو اس کے ذمہ دار تین اشخاص و عوامل ہوتے ہیں (۱) طالب علم کی کوتاہی (۲) نگراں کی کم التفاتی (۳) موضوع کا غیر مناسب ہونا، تحقیقی مقالے کی تعریف مولانا کلب عابد نے یہ کی ہے:

زیر بحث مسئلہ کے متعلق ریسرچ اسکالر کی سعی و کوشش کے وہ مدونہ نتائج جس کو تمام مالہ اور ماعلیہ اسناد و دلیلوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہو (مولانا کلب عابد ، عماد التحقیق، ص:۱۷، بحوالہ تحقیق کا فن مصنفہ ڈاکٹر گیان چند ص:۵۷، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۲ء)

تحقیق کی منزلیں:

ایک ریسرچ اسکالر کو تحقیق کے دوران کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ۔مختلف مصنفین نے تفصیل سے اس کا تذکرہ کیا ہے ذیل میں اختصار کے ساتھ ان مرحلوں کا ترتیب وار تذکرہ کیا جاتا ہے ،(۱) اسکالر کے لئے ضروری ہے کہ اچھا اور مناسب موضوع کا انتخاب کرے(۲)ماخذ اور کتابیات کی ابتدائی فہرست بنانا(۳)خاکہ یعنی فہرست ابواب کا نقش اول بنانا(۴)مواد کی فراہمی (۵) پڑھنا اور نوٹ لینا(۶) نوٹوں کو پرکھنا اور مرتب کرنا(۷) پہلا مسودہ لکھنا اور اس کے ساتھ حسب ضرورت خاکہ میں ترمیم کرنا(۸) مسودے پر نظر ثانی کرکے اس تبیض(۹) اگر سندی مقالہ ہے تو اس کی کئی کاپی کرا کر داخل کرنا(۱۰)موافق فیصلے کی صورت میں زبانی امتحان دینا(۱۱)مقالے کو شائع کرانا۔

تحقیقی مقالے اجزاء:

تحقیقی عمل کے بعد جب اسکالر اپنے مقالے کو ترتیب دے گا تو اسے مقالے کے اجزاء پر بھی غور کرنا چاہیئے ،اصول تحقیق پر جن حضرات نے کتابیں لکھیں ہیں انہوں نے تحقیقی مقالے کے اجزاء کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ کہ مقالے کو ان اجزاء پر مشتمل ہونا چاہیئے ،بعض حضرات نے اسے تین حصے پر ترتیب دیا ہے (۱) پہلا حصہ :اس میں سرورق ہوتا ہے اس کے بعد اندرونی صفحہ ہوتا ہے جسے کاپی رائٹ صفحہ کہتے ہیں جس میں ناشر اور ایڈیشن وغیرہ کی تفصیل

ہوتی ہے ،اس کے بعد انتساب ہوتا ہے اور یہ اختیاری ہوتا ہے اس کے بعد فہرست مضامین اور فہرست تصاویر دی جاتی ہے اس حصے کے بعد دیباچہ ،اظہار تشکر اور اگر کسی دوسرے صاحب کا مقدمہ ہو تو اسے ذکر کیا جاتا ہے (۲) دوسرا حصہ :اس میں موضوع کا تعارف ،مختلف ابواب اور نتائج ہوتے ہیں (۳) تیسرا حصہ :اس میں فہرست معاون کتب یعنی کتابیات حواشی اور اشاریے درج کی جاتیں ہیں۔

موضوع:

تحقیق میں سب سے اہم منزل اور مرکزی نقطہ موضوع کے انتخاب کا ہے ،نئے اسکالر کو انتخاب موضوع میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ موضوع کے سلسلے میں تین باتیں اہم ہیں (الف)موضوع کیسا ہونا چاہئے (ب)موضوع کیسا نہیں ہونا چاہئے (ج)موضوع کس طرح تلاش کیا جائے مختصر اتینوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

موضوع کیسا ہونا چاہئے:

)۱(موضوع ایسا ہونا چاہئے جس سے اسکالر کو دلچسپی ہو ،سندی تحقیق میں بعض مرتبہ اسکالر کو صدر شعبہ یا نگراں سے مفاہمت کرتی پڑتی ہے ،اور اس موضوع پر کام کرنا پڑتا ہے جس سے اسکالر کو مناسبت نہیں ہے،اور تحقیق نا مکمل رہ جاتی ہے،اس لئے ضروری ہے اسکالر کے مزاج کی مکمل رعایت کی جائے (۲)

موضوع ایسا ہو جس پر پہلے کام نہ ہوا ہو (۳)موضوع ایساہو جس پر تحقیق کی جاسکے (۴)موضوع ایسا ہو جس پر اس علم میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہو سکے، اگر کوئی ایسے موضوع پر تحقیق کرے جس میں صرف موجودہ مواد کو ترتیب دے تو اس تحقیق سے کیا فائدہ ؟(۴)موضوع ایساہو کہ اشاعت کے بعد قارئین کو اس میں دلچسپی ہو (۵)موضوع ایسا لیا جائے جس کو سر کرنے کی اسکالر میں صلاحیت ہو (٦)سندی تحقیق کے لئے ایساموضوع لیناچاہئے جس پر کافی مواد مل سکے۔

کن موضوعات کا انتخاب نہیں کرناچاہئے:

)۱(موضوع خالص تنقیدی نہ ہو، خالص تنقیدی موضوع تحقیق کے لئے غیر مناسب ہے (۲)موضوع بہت زیادہ وسیع نہ ہو ،ورنہ موضوع کا حق ادا نہیں ہو سکے گا(۳) ایسا موضوع نہ ہو جس کا پورا مواد کسی ایک کتاب میں مل جائے (۴) ایساموضوع نہ ہو جس پر آپ پہلے کام کر چکے ہیں (۵) موضوع بہت تنگ نہ ہو کہ اس پر مواد ہی نہ ملے (٦) ایسے موضوع یا شخصیات کا انتخاب مت کیجئے جس پر آزادی سے تحقیق نہ کر سکیں (۷) کسی زندہ شخصیت کو تحقیق کا موضوع بنانا ان سے فائدے کی امید پر نامناسب ہے (۸) نئے مسائل کو بھی تحقیق کاموضوع بنانا بہتر نہیں ہے اس لئے اس پر زیادہ مواد رسالوں میں ہی مل سکتا ہے کتابوں میں نہیں(۹) ایسے موضوع کا بھی انتخاب نہیں کرناچاہئے جس کے بارے میں امید ہو کہ بعد میں دلچسپی برقرار نہیں رہے گی(۱۰) مناظراتی موضوع بھی مناسب نہیں

ہے (۱۱) ایسا موضوع بھی غیر مناسب ہے جس سے شدید جذباتی لگاؤ یا عناد ہو (۱۲) اگر موضوع سے متعلق مواد کسی دوسری زبان میں ہو اور اسکالر کو اس زبان سے واقفیت نہ ہو تو اس موضوع کا انتخاب نہیں کرنا چاہئے (۱۳) موضوع کے مواد تک پہونچنے کے مادی وسائل نہ تو ایسے موضوع انتخاب نہیں کرنا چاہئے (۱۴) جس موضوع کی تسوید میں فحاشی، عریانی، اور جنسی تصاویر دینے کی ضرورت ہو ایسے موضوع سے احتراز کرنا چاہئے (۱۵) ایسا موضوع نہیں ہونا چاہئے جس میں کام صرف تذکرے کے انداز کا ہو مثلاً کسی فرقے یا علاقے کے افراد کی خدمات کا جائزہ (۱٦) ایسا موضوع نہیں ہونا چاہئے جسے تکمیل کے بعد شائع کریں تو ہماری دریافت بالکل غیر اہم معلوم ہو۔

موضوع کی تلاش

ایک نیا اسکالر موضوع منتخب نہیں کر سکتا ہے، اسے یہ شعور نہیں ہوتا ہے کہ کون سا موضوع پی ایچ ڈی کے معیار کا ہے اور کون نہیں ہے، سندی تحقیق میں عام طور پر نگران اور صدر شعبہ کی موافقت کے بعد ہی موضوع متعین ہوتا ہے، بعض مرتبہ اسکالر کے مزاج کے خلاف بھی موضوع منتخب ہو جاتا ہے اور وہ تحقیق یا تو تکمیل کو نہیں پہونچتی یا اپنا معیار بر قرار نہیں رکھ پاتی، اس لئے انتخاب موضوع کے وقت اسکالر کے مزاج کی رعایت بہت ضروری ہے بعض یونیورسٹیوں میں انتخاب موضوع کا یہ طریقہ ہے کہ اسکالر، تمام اساتذہ اور صدر

شعبہ ایک ساتھ بیٹھتے ہیں اور طویل تبادلہ خیال کے بعد موضوع اور نگراں کا ایک ساتھ انتخاب کر دیا جاتا ہے، ایک انگریزی مصنف راتھ نے انتخاب موضوع کا یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ پہلے ایک وسیع میدان لیجئے پھر اس کے بعد اس کی تحدید کرتے جائے اس سلسلے میں پانچ ۲۴۹۲۴۹ ک،)انگریزی میں حرف(w بہت اہم ہوتے ہیں، کون، کیا، کب، کہاں، کیوں۔پہلے ایک وسیع میدان لیجئے اس کے بعد ان حروف استفہام کے ذریعہ زمانی مکانی اور موضوعاتی تحدید کرتے چلے جایئے، فرض کیجئے کسی کی تحقیق کا وسیع میدان ناول ہے تو تحقیق کار اسے یوں محدود کر سکتا ہے

ناول

کون، کیا، کب، کہاں، کیوں

خواتین سماجی، آزادی کے بعد، دکن میں، عوامی دلچسپی کے لئے

اب موضوع ہوگا ۲۴۹۲۴۹ آزادی کے بعد دکن میں خواتین کے عوامی دلچسپی کے ناول،، موضوع کے سلسلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے موضوع کا انتخاب کیا جائے جس پر مواد آسانی سے مل سکتا ہو۔

خاکہ:

تحقیقی مقالہ کے لئے خاکہ بنیادی ضرورت ہے، بغیر خاکہ تیار کئے متعین سمت میں ترتیب دینا ایک مشکل کام ہے، خاکہ انگریزی میں synopsis کا

ترجمہ ہے، اس کے لغوی معنی ہیں ایک ساتھ نظر ڈالنا، انگریزی مصنف اے جے راتھ نے خاکہ کا مفہوم بیان کیا ہے کہ خاکہ مختلف تصورات کی تقسیم، ترتیب اور باہمی رشتے کا نام ہے، کتاب میں ہی نہیں زندگی کے تمام کے شعبے میں کام سے پہلے جو منصوبہ تیار کیا جاتا ہے وہی اس کا خاکہ ہے جس طرح مکان بنانے سے پہلے کاغذ پر اس کا نقشہ بنانا ضروری ہے اسی طرح تحقیقی مقالہ لکھنے سے پہلے خاکہ بنانا ضروری ہے، مطالعہ کے پہلے خاکہ لکھنا چاہیئے یا مطالعہ کے بعد اس سلسلے میں دو رائے ہیں ایک رائے ہے مطالعہ سے پہلے خاکہ مرتب کرنا چاہیئے لیکن اس کے لئے دو صلاحیتیں درکار ہیں، اول یہ کہ علمی استحضار اتنا ہو کہ پہلے ہی مواد اور مآخذ کا اندازہ ہو جائے دوسرے یہ کہ ذہنی اور فکری صلاحیت اتنی پختہ ہو کہ مواد کو دیکھنے سے پہلے ہی اسے ذہنی ترتیب کر سکے، بعض حضرات کی رائے یہ کہ خاکہ بنانا مقالہ کی تیاری کی طرح ایک مسلسل عمل ہے مطالعہ شروع کرنے پہلے ذہن میں اس کے بارے میں کوئی تصور ہونا چاہیئے اور اگر نہیں ہے پہلے اپنے تخیل پر زور دے کر کوئی نہ کوئی شکل متعین کرنی چاہیئے اس کے بعد مواد اکھٹا کر کے مطالعہ شروع کرنا چاہیئے اور اسے ترتیب دینا چاہیئے، صحیح خاکہ ترتیب دینا بہت مشکل کام ہے بڑے بڑے مصنفین بھی اس جگہ فنی غلطی کر جاتے ہیں، خاکہ ترتیب دینے کیلئے کوئی متین اصول نہیں ہے کبھی موضوع وار اور کبھی زمانی ترتیب اور صنف کی ترتیب پر خاکہ مرتب کیا جاسکتا ہے، خاکہ میں کن امور کا

عموماتذکرہ کیاجاتاہے اس حوالے عبدالحمید خاں عباسی لکھتے ہیں:

عموما درج امور بیان کرنے ہوتے ہیں (۱) موضوع کو اختیار کرنے کے اسباب و محرکات (۲)متعلقہ مواد کے مطالعہ کے بعد نتائج کا بیان اس میں طالب علم کو ثابت کرناہوتاہے کہ موضوع پرپہلے کام کی نوعیت کیا تھی اور اب وہ خود کیا کرے گا(۳)موضوع کی اہمیت (۴) مقالہ کی تکمیل کے بعد علمی و تحقیقی دنیامیں اس کی افادیت (۵)مقالہ کی ترتیب و تالیف کا اسلوب (عبد الحمید خاں عباسی ،اصول تحقیق ص:۱۰۵، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۰۲)

مواد کی فراہمی:

مقالہ ترتیب دے نے کے لئے مواد کی فراہمی کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے بغیر مواد کے مقالہ کے ترتیب دینے کا تصور محال ہے اس لئے مقالہ نگار کو مواد کے حصول کے ذرائع کا معلوم ہوناضروری ہے،دو مختلف بنیادوں پر مواد کی دو قسم کی جاتی ہے(۱)اولین primary اور ثانوی(۲) داخلی اور خارجی،ایک ادیب کے سلسلے میں زیر تحقیق ادیب کی جملہ تحقیقات اولین مواد ہے اور بقیہ ثانوی مواد ہے۔اسی طرح مصنف کی نگارشات کے مشمولات داخلی مواد ہیں بقیہ سب خارجی مواد ہے،ماخذی مواد کو ذیل کی قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے(۱) کتابیں جس کی دو قسمیں ہیں (الف) مطبوعہ (ب) مخطوطہ ،(۲) جریدے اس میں رسالوں کے علاوہ اخبارات بھی شامل ہیں (۳) دوسرے کاغذات جیسے کسی

مصنف کے منتشر کاغذات، خطوط، تاریخی دستاویزیں (۴) بصری مواد مثلا فلم ،ٹیلی ویزن وغیرہ جیسے غالب پر فلم (۵) مائکرو فلم، جس میں زراکس اور دوسرے عکس آتے ہیں (٦) سمعی مواد، جیسے ریکارڈ، کیسٹ، تقریریں (٧) ملاقات (۹) مراسلت کے ذریعہ استفسار۔ سوال نامے، ان میں ٦۵ فیصدی مواد کتابوں سے اور ۳۰ فیصدی رسالوں سے اور ۵ فیصدی دوسرے مآخذ سے حاصل ہوتا ہے، اپنے موضوع سے متعلق جن سنئر محققوں سے کسی جان کاری کی توقع ہے ان سے رابطہ کرنا مواد کی فراہمی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

مطالعہ اور نوٹ لینا:

تحقیقی مقالہ ترتیب دینے کے لئے بہت زیادہ مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس مطالعہ سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لئے نوٹ لینا بہت مفید ثابت ہوتا ہے ،مطالعہ اور نوٹ لینے کے لئے کچھ اصول ہیں اس لئے کہ لائبریریوں میں کتابوں کے ازدحام کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی عمر نوح بھی لے کر آئے تو ناکافی ہوگا، اس لئے ہر تحقیق کار کے اندر اتنی صلاحیت ہونی چاہئے کہ کتابوں کی فہرست اور کتابوں کی الماری دیکھ کر اپنی ضرورت کی کتابوں کو فورا پہچان لے اور بڑی سرعت سے یہ فیصلہ کرلے کہ اس میں ہمارے کام کا کچھ مواد ہے یا نہیں، اسکالر کو کتابوں کو بڑی تیزی سے پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہئے، اگر کسی موضوع پر کام نہیں ہوا ہے تو زیادہ امید یہ کہ اس کے متعلق مواد مختلف کتابوں میں تھوڑا تھوڑا

بکھرا ہوا ہو گا، ایک کامیاب اسکالر کے لئے اپنے موضوع کی مفید کتابوں اور ان میں بھی اپنے کام کی عبارت کو محفوظ کرنا اور نوٹ لینا بہت ضروری ہے، نوٹ لیتے وقت یہ خیال بھی بہت ضروری ہے آپ ایک نیا مقالہ اور نئی کتاب لکھ رہے ہیں ،پہلے سے موجود کتاب کی تلخیص نہیں کر رہے ہیں آپ کو اپنی طرف سے کچھ لکھنا ہے اور اس طرح کہ نیا معلوم ہو ،کہتے ہیں کہ اگر آپ نے نو کتابیں پڑھ لی تو دسویں کتاب ترتیب دے سکتے ہیں؛ لیکن اس میں تحقیق کا رنگ نہیں آسکتا ہے ،اس میں تحقیق کی چاشنی محسوس نہیں کی جاسکتی ہے سیمول جانسن کا قول ہے کہ ایک کتاب لکھنے کے لئے آدھی سے زیادہ لائبریری پڑھ ڈالے، اتنے زیادہ ماخذ کو دیکھا جائے تو یقیناً تحقیق میں جان پیدا ہو گی ،اسکالر کے لئے ضروری ہے تیزی سے زیادہ سے زیادہ کتابیں دیکھ جائے اور سونگھ کر مواد ڈھونڈ لینے کی مشق کر یے ،کتابوں میں ابواب کے عنوان سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس باب کو و دیکھنا چاہئے اور کس کو پورا چھوڑ دینا چاہئے ،اسی طرح رسالے کی فہرست مضامین سے اپنے کام کا مضمون اور پھر مضمون سے اپنے کام کے اجزاء تلاش کئے جاسکتے ہیں، مطالعہ کا آغاز کس کتاب سے کیا جائے اس سلسلے میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں بعض حضرات کی رائے ہے کہ اولین مواد دیکھے جائیں دوسری رائے ہے موضوع پر سب سے اچھی کتاب سے مطالعہ کا آغاز کیا جائے ایک تیسری رائے یہ ہے کہ پہلے نئی تحریروں کو پڑھا جائے یہ پرانی تحریروں سے بے نیاز کر دیگی، ایک رائے یہ ہے

کہ جس میں سب سے زیادہ مواد ملنے کی امید ہو پہلے اسے پڑھا جائے۔

نوٹ لینا:

جتنا مطالعہ کیا جائے اس میں سے چند مفید اجزاء کا نوٹ تیار کر لینا مفید ہے اس لئے کہ ہر کتاب ہر وقت آپ کے پاس نہیں رہتی ہے اور تمام باتیں حافظہ میں مستحضر نہیں رہتیں ہیں اس لئے نوٹ لینا ضروری ہے، نوٹ کس طرح لینا چاہئے اور کس پر لینا چاہئے اس بارے میں محققین اصول تحقیق نے جو باتیں ذکر کی ہیں، اس کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے، (۱) نوٹ کسی موٹے اور عمدہ کاغذ پر لینا چاہئے مجلد کاپی پر نوٹ لینا مفید نہیں ہے (۲) ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک کتاب کا نوٹ ایک کاغذ پر لیا جائے دوسری کتاب کا نوٹ دوسرے کاغذ پر لیا جائے لیکن یہ طریقہ قدیم، دشوار اور غیر مفید ہے بہتر طریقہ یہ ہے ایک مضمون یا ایک نکتے کا نوٹ ایک کاغذ پر لیا جائے اور دوسرے مضمون کا نوٹ دوسرے کاغذ پر لیا جائے (۳) نوٹ صاف ستھرا لکھئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک ہفتہ بعد خود ہی پڑھنا دشوار ہو جائے (۴) ماخذ اور حوالجات کا صحیح اندراج کرنا چاہئے کیوں کہ لائبریری چھوڑنے کے بعد اسی نوٹ پر تکیہ کرنا پڑتا ہے (۵) نوٹ مکمل لینا چاہئے بعض مرتبہ نوٹ لیتے وقت یہ خیال ہوتا ہوتا ہے کہ ہم ضروری نکات لکھ لئے لیکن تسوید کے وقت محسوس ہوتا ہے کہ فلاں نکتہ اور دیکھنا چاہئے (۶) کسی کتاب یا مضمون سے بہت زیادہ نوٹ لینا بہتر نہیں ہے (۷) جیسے جیسے مطالعہ کریں ساتھ

ہی نوٹ لیتے جائیں یہ مت سوچئے کہ پورا مضمون پڑھ کر اخیر میں نوٹ لکھ لیں گے (۸) نوٹ میں لفظ بلفظ لکھنا مناسب نہیں نکات کو اپنے الفاظ میں لکھ لینا کافی ہے (۹) حقائق اور رائے میں فرق ہونا چاہیئے، حقائق کا نوٹ لینا چاہیئے رایوں کو لکھنا ضروری نہیں (۱۰) لفظ بلفظ اقتباس کم صورتوں میں نقل کرنا چاہیئے (۱۱) بعض انگریزی مصنفین نے کارڈ اور نوٹ کے پرزوں کی دو قسمیں کی ہیں ماخذی کارڈ اور نوٹ کارڈ، نوٹ کارڈ کا مطلب تو واضح ہے اوپر جس نوٹ کی بات ہو رہی ہے وہی نوٹ کارڈ ہے اور ماخذی کارڈ وہ نوٹ ہے جس میں ابتدائی کتابیات تیار کرتے ہیں، شروع میں لائبریری میں دیکھنے پر جو کتاب یا مضمون کا نام اور مصنف کا نام اور نمبر ایک پرزے پر نقل کر دی جاتی ہے وہ ماخذی کارڈ کہلاتا ہے۔

مواد کا جائزہ:

مطالعہ اور نوٹ لینے کے بعد مقالہ کی تسوید سے پہلے ایک مرتبہ مواد کا جائزہ لینا اور مواد کو پرکھنا ضروری ہے اس لئے کہ ہر لکھی ہوئی بات صحیح نہیں ہوتی ہے، ہر تحقیق سے پہلے کچھ تحقیق موجود ہوتی ہے بعد کے تحقیق کار لئے پہلے سے موجود تحقیق یعنی پہلے سے موجود مواد کو پرکھنا اور چھانٹنا ہوتا ہے مواد کی فراہمی اور مواد کی تسوید کے درمیان کا مرحلہ ہے مواد کا جانچنا اور پرکھنا، یہی تحقیق کی شہ رگ ہے، ماضی کے مواد کی صحت کے لئے یہ دیکھنا پڑتا ہے لکھنے والا اور بیان کرنے والا کون ہے، انگریزی کے ایک مصنف نے مواد کے جائزے اور معتبر

ماخذ کے کچھ اصول بتائے ہیں (۱) جس ماخذ میں سب سے زیادہ مواد ملے وہ زیادہ بہتر ہے (۲) جو مواد کئی کتابوں میں ملتا ہے وہ اہم ہے (۳) جو مصنف آپ کے موضوع کا ماہر ہے اس کی بات زیادہ معتبر ہے (۴) کتاب کے اسلوب سے بھی کتاب کے معیار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے (۵) معاصرین میں بھی غیر جانبداری کا امکان ہوتا ہے اس لئے کہ ہر مصنف اہل خانہ ،رشتہ دار ،دوست ، شاگرد ،عقیدت مند چھوڑ کر مرتے ہیں اس لئے وہ لوگ ان کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لے سکتے ہیں، چشم دید گواہوں کے بیانات پر بھی آنکھ موند کر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے وہ مشاہدے کی کمی، یا کسی جذبے یا کسی مقصد کے تحت غلط بیانی کر سکتے ہیں۔(٦) ماضی کے اہل قلم کو کتابوں اور ان کے مصنفوں کے ناموں کے بارے میں التباس اور اشتباہ ہو سکتا ہے ایک محقق کو اس کا خیال رکھنا چاہیے (۷) اگر کسی ماضی کے بڑے مصنف کی کوئی نئی کتاب یا ان کی زندگی کی کوئی تحریر تلاش کر کے منظر عام پر لائی گئی تو اسے پورے شک کے ساتھ جانچنے کی ضرورت ہے۔

مقالے کی تسوید:

مطالعہ، نوٹ، مواد کے جانچ کے بعد مقالے کی تسوید کا مرحلہ آتا ہے، اور یہ چیزیں در حقیقت مقالے کی تیاری کے زینے ہیں اصل مقصد مقالہ ترتیب دینا ہے، اس آخری عمل کی دو منزلیں ہیں (۱) تسوید: مقالے کا پہلا مسودہ تیار کرنا

(۲) تبییض: پہلے مسودے کو ضروری اصلاح وترمیم کے ساتھ صاف نقل کرنا اس نقل کو مبیضہ کہتے ہیں، مطالعہ کرنے اور نوٹ تیار کرلینے بعد ذہن میں مقالہ کی تسوید کے لئے آمادگی ہوجاتی ہے؛ لیکن پہلا پیراگراف لکھنا بہت مشکل ہوتا ہے انگریزی کے ایک مضمون نگار نے لکھاہے دنیا کا سب مشکل کام پہلا پیراگراف لکھناہے، ڈاکٹر جمیل جالبی، گیان چند، لنڈا، واٹسن وغیرہ نے مقالہ کی تسوید کے چند اصول ذکر کئے ہیں اختصارا نمبر وار ان ہدایات کو ذکر کیا جاتاہے، (۱) مقالہ کی تسوید سے پہلے ضروری ہے کہ آپ نے اپنے موضوع کے بارے پوری واقفیت حاصل کرلی ہو (۲) آپ نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لئے حوالے جمع اور مرتب کرلئے ہوں (۳) آپ اس موضوع میں اس قدر منہمک ہوگئے ہوں کے اس کے اظہار کے لئے آپ کے اندر بے چینی پیدا ہورہی ہو (۴) آپ ایک چیز لکھ رہے ہوں تو اس عرصے میں کوئی دوسری چیز نہ لکھیں؛ بلکہ اسی کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، سونا، اسی کے ساتھ زندگی بسر کریں (۵) مقالہ لکھنے کا وقت اور مقام متعین کریں اور اہتمام کے ساتھ کے اس وقت میں اس جگہ پر وہ کام کریں (۶) اگر لکھنے کا بہاؤ کم ہوجائے تو جو کچھ لکھاہے اس کو ازسرنو پڑھیں تو دوبارہ انشراح ہوجائے گا اور طبیعت کھل جائے گی (۷) ایک نشست ختم کرنے سے پہلے کچھ خیالات قلم بند کرلیجئے تاکہ اگلی نشست میں کام کرنا آسان ہو (۸) حقائق سادہ اور عام فہم اسلوب میں ذکر کیجئے عبارت آرائی سے گریز کیجئے اور بے جا ایجاز و اختصار بھی

اچھی چیز نہیں ہے (۹)اقتباسات اور مقولے مختصر ہوں (۱۰) آپ کو خواہ اپنی تحریر پر شک ہو لیکن اس اظہار مت ہونے دیجئے۔

اخلاقیات تحقیق:

تحقیق دیانت داری کا عمل ہے،اس کا ایک اخلاقی پہلو بھی ہے جو خاص طور پر تسوید میں سامنے آتا ہے،اس سلسلے میں چند باتیں قابل ذکر ہیں (۱) اعتراف:جو اہم بات جس کتاب یا مضمون سے ملے اس کا اعتراف کرنا چاہئے (۲)جو معلومات کسی سے زبانی گفتگو میں ملی ہوا نہیں اس شخص کے شکریے کے درج کیجئے (۳) کسی سے معلومات کے علاوہ کسی دوسری قسم کی مددلی ہو تو اس کا بھی اعتراف کیجئے (۴) اپنے فرقے یا گروہ کی بے جا حمایت محقق کی شخصیت کو مجروح کر دیتی ہے (۵) تحقیق کے دوران اگر اپنے گروہ یا فرقے کے خلاف کوئی بات ملے تو اسے چھپانا دیانت کے خلاف ہے (٦) جو کتاب آپ نے دیکھی نہیں ؛بلکہ کسی اور ماخذ کے ذریعہ آپ کو اس کے بارے میں علم ہوا تو آپ اسی ماخذ کا حوالہ دیجئے اصل کتاب کا نہیں،(۷) اپنی غلطی یا کوتاہی کے اعتراف سے انسان چھوٹا نہیں ہوتا اس لئے غلطی کے اعتراف میں تامل نہیں ہونا چاہئے (۸) کسی سے بازی مارنے کے لئے تحقیق میں عجلت کرنا۔ تحقیق کے ساتھ آنکھ مچولی کا کھیل ہے۔

زبان وبیان کی درستگی:

مسودہ تیار کرنے کے بعد سب سے اہم مرحلہ زبان و بیان کی درستگی کا ہے

، مسودہ تیار کرتے وقت اسکالر اپنی رائے کو بلا کم وکاست کے نقل کر دیتا ہے، لیکن زبان وبیان کی درستگی کا خیال نہیں کر پاتا ہے، مقالہ ترتیب دیتے وقت اسکالر کو چند باتوں کا خیال رکھنا چاہئے اور پھر نظر ثانی کرتے وقت بھی چند امور کی طرف توجہ دینی چاہئے (۱) تحقیقی تحریر میں محقق کو اپنی رائے صاف لفظوں میں تحریر کرنا چاہئے، ادبی لفاظی کے بنا پر بعض مرتبہ ان الفاظ سے وہ مفہوم ادا نہیں ہو پاتا جو اسکالر کہنا چاہتا ہے یا قاری کو اس مفہوم کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے (۲)زبان کی صحت اور الفاظ کی قطعیت پر خصوصی توجہ ہونی چاہئے بالخصوص کتابوں کے ناموں کی صحت کا خیال رکھنا چاہئے (۳)مخففات کا استعمال وہیں مناسب ہے جہاں آسانی سے قاری کا ذہن اس کی طرف منتقل ہو سکے مثلا مقالات شیرانی کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہو تو اسی صفحہ میں صرف مقالات یا صرف شیرانی لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں،(۴) کسی بھی علاقے یا زمانے یاما

حول ماحول میں جو مخصوص الفاظ رائج ہو جاتے ہیں ایسے اصطلاحی الفاظ کا استعمال تحقیق میں غیر مناسب ہے، اس لئے کہ آج جو لفظ بطور فیشن رائج ہے کل وہ متروک ہو سکتا ہے، (۵) تحقیق کی زبان کا اسلوب سادہ اور سہل ہونا چاہئے اور مبالغہ آمیزی سے گریز کرنا چاہئے۔

نظر ثانی:

تحقیقی مقالہ کا آخری مرحلہ نظر ثانی کا ہے اور یہ بہت ضروری ہے اس لئے

کہ نظر ثانی کے ذریعہ تحقیق کار کو اپنی تحقیق کے دوبارہ جائزہ کا موقع ملتا ہے اور بعض مرتبہ غلطی کا احساس بھی ہوتا ہے، نظر ثانی میں کئی پہلوؤں پر توجہ دی جاتی ہے (۱)حذف واضافہ :مسودے کی تکمیل کے بعد جب دوبارہ دیکھا جاتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مسودے کے کچھ حصے حذف کردیے جائیں اور کچھ حصے کا اضافہ کردیا جائے (۲)ترتیب نو:حذف واضافہ کے ساتھ ساتھ نظر ثانی کی وجہ سے ترتیب نو قائم ہوجاتی ہے ترتیب میں اس بات کا خیال ہونا چاہئے کہ ایک باب دوسرے باب سے اور ایک ذیلی جز دوسری ذیلی جز سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح منسلک ہو اور نظر ثانی میں اس کا اہتمام کیا جاسکتا ہے،(۳)بہتر زبان: نظر ثانی میں آخری کام جملوں کی ساخت کو بہتر بنانے اور زبان کو سنوارنے کا ہوتا ہے پہلی تسوید میں ساری توجہ خیالات کو کاغذ کے پرزوں پر منتقل کرنے پر ہوتی ہے نظر ثانی میں زبان اور اسلوب کو بہتر بنایا جاتا ہے۔

رموز اوقاف:

تحقیقی تحریروں میں رموز اوقاف کی رعایت بہت ضروری ہے ،اس سے قاری کو پڑھنے میں سہولت ہوتی ہے،رموز اوقاف کا مفصل بیان دو جگہ ملتا ہے ،سرسید کا رسالہ علامات قرآت اور مولوی عبد الحق کی قواعد اردو میں ایک باب رموز اوقاف کا ہے یہاں پر چند رموز اوقاف اور اس کے محل کا تذکرہ مختصرا کیا جاتا ہے،

فل اسٹاف: انگریزی میں نقطہ کی شکل میں ہوتا ہے، اور اردو ڈیش کی شکل میں لکھا جاتا ہے (۔) یہ جملے کے آخر میں ہوتی ہے نیز عنوانات، فہرست، حوالوں اور کتابیات کے اندراج کے ختم ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔

کاما (،): ضمہ سے الٹا لکھا جاتا ہے، اس سے فقروں کو الگ کرنے کا کام لیا جاتا ہے، اگر ایک شئ کی انواع کا بیان ہو تو آخری نوع سے پہلے اور لگاتے ہیں اور باقی کو اسی کاما سے جدا کرتے ہیں مثلا نثر کی چار قسمیں ہیں سلیس سادہ، سلیس رنگین ، دقیق سادہ اور دقیق رنگین۔

کولن (:) اردو میں اس کا استعمال ذیل کے موقعوں پر ہوتا ہے۔ (۱) اقتباس دینے سے پہلے تعارفی جملوں کے اخیر میں مثلا ارسطو کا قول ہے: انسان تعقل پسند حیوان ہے۔ (۲) کسی مصنف کے نام کے بعد کولن لگا کر اس کے تصنیف کا تذکرہ کیا جاتا ہے مثلا رشید احمد خاں: ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ (۳) اس بات کو بتانے کے لئے کہ بعد کی عبارت ما قبل کی تشریح یا تفصیل ہے۔

علامات استفہام (؟): انگریزی کے برعکس اردو میں دائیں طرف سے لکھی جاتی ہے۔ اس کے ذریعہ کوئی سوال مقصود ہوتا ہے یا اپنے شک کو ظاہر کیا جاتا ہے ۔

فجائیہ یا ندائیہ (!) اردو میں اس کا استعمال ندا کے طور پر ہوتا ہے مثلا دل ناداں! تجھے ہوا کیا ہے۔

قوسین یا چھوٹا بریکٹ() قوسین میں اس لفظ لکھا جاتا ہے جو جملوں کے بیچ میں جملہ معترضہ کے طور آجاتا ہے۔اس کا دوسرا استعمال متن میں حوالہ درج کرنے کے وقت ہوتا ہے۔

واوین:("") اس کا استعمال دو موقعوں پر کیا جاتا ہے (الف) اقتباس یا قول نقل کرتے وقت (ب) کسی جملے میں کسی لفظ یا فقرے کو نمایاں کرنے کے لئے۔

اکہرے واوین('') اگر کوئی اقتباس دوہرے واوین میں بند ہو اور اس بیچ میں کوئی مقولہ دینا ہو تو اسے اکہرے واوین میں دیا جاتا ہے جیسے قرآن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے ۲۴۹۲۴۹ خدا نے ۲۴۹ کن، کہا اور دنیا پیدا ہو گئی۔یہ چند رموزاوقاف اور اس کے مختصر مواقع استعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کے علاوہ اور بھی رموز اوقاف اور دیگر علامات ہیں جس کا مطالعہ اسکالر کے لئے مفید ہے۔

خلاصہ:

تحقیقی مقالہ کے تعارف اور طریقہ کار کے سلسلے میں یہ چند ابتدائی اور ضروری باتیں ہیں جس کا ہر تحقیق کار کو اہتمام کرنا چاہئے اور ان امور کی رعایت کی بنا پر تحقیق میں پختگی اور اس کے معیار میں بلندی پیدا ہو گی۔ کاپی پیسٹ

اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مقالہ نگار کے لئے معلوماتی تحریر

خصوصی تحریر

کسی بھی تحقیق کے اصول درج ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

1۔ موضوع کا انتخاب

موضوع کے انتخاب اور اس کے درست تعین کو "نصف کامیابی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں محقق کو رہنمائی کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ضروری ہے کہ ایسے موضوع کا انتخاب کیا جائے جس کی طرف قلبی میلان ہو یا اس موضوع پر پہلے سے مفید مواد موجود ہو۔

درج ذیل مثال میں "وسیع تر" موضوع کو "محدود تر" موضوع میں تبدیل کرکے بیان کیا گیا ہے۔

مملکتِ سعودیہ میں طلبہ کو درپیش مشکلات (دیگر ممالک سے قطع نظر)

موضوع کا انتخاب ایسے شخص کے مشورہ سے کیا جائے جو تحقیق کی اہمیت، اس کی جدت و عمدگی اور معیاری تحقیق کی ممکنہ مدت سے خوب واقف ہو تاکہ پورے انہماک اور دل جمعی سے موضوع پر کام کیا جاسکے۔

2۔ عنوان سازی

عنوان کم سے کم کلمات پر مشتمل ہو۔ جس سے موضوع کی باریکیاں جھلکتی ہوں، دلکش، انوکھا اور جاذبِ نظر ہو کہ قاری کو اول تا آخر پورا مضمون پڑھتے

چلے جانے پر مجبور کر دے۔ ذیل میں چند ایسے عنوان دیئے گئے ہیں جو پوری تحریر پڑھنے پر ابھارتے ہیں۔

1۔ اس ایک سحر کا انتظار

2۔ عسکریت پسند کون؟

3۔ گنگا سے زم زم تک

عنوان میں بے جا تکلف اور مبالغہ آرائی کسی طور پر مناسب نہیں خصوصاً علمی تحقیق میں اس سے گریز کرنا بہت ضروری ہے۔

3۔ تحقیق کا خاکہ تیار کرنا

موضوع کے انتخاب کے بعد متعلقہ مواد کا سرسری مطالعہ کیا جائے تاکہ فصول، ابواب اور مرکزی عنوانات قائم کر کے ایک خاکہ تیار کیا جاسکے۔ تحقیق کو تکمیل کی منزل سے ہمکنار کرنا ہے۔ اس کے اندر اتنی کشادگی ہونی چاہیے کہ عمیق مطالعہ اور ٹھوس معلومات کے بعد ظاہر ہونے والے اضافہ جات اور ترامیم کو اپنے اندر سمو سکے۔

4۔ معلومات جمع کرنے اور فائل بندی کا طریقہ

معلومات جمع کرنے کا مرحلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ تحقیق خواہ کسی قسم کی بھی ہو۔ اس کی ابتدا کتب خانہ سے کی جائے اور مواد کو محفوظ کرنے کے لئے فائل بندی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ فائل بندی کے لئے مواد کو ابواب، فصول،

مرکزی عنوانات اور ذیلی عنوانات کے اعتبار سے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیں، اس کے بعد فائل کے کاغذ سے نسبتاً موٹا کاغذ لے کر تیر کے مشابہ ٹکڑے بنائیں اور فائل میں بنائے گئے حصوں کے نام لکھ کر فائل میں رکھ دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہر موضوع سے متعلق معلومات کو فائل میں اس کی مقررہ جگہ پر رکھنا آسان ہو گا۔

دورانِ مطالعہ جمع کردہ معلومات سے متعلق ہر اہم چیز کو فائل میں موجود اسکے خاص حصے میں موضوع کے تحت درج کر لینا چاہیئے۔ اسکے ساتھ کتاب اور مؤلف کا نام جلد و صفحہ نمبر، اشاعت نمبر اور تاریخ اشاعت کے ساتھ آخر میں یہ بھی نوٹ کرلیا جائے کہ اسے یہ ماخذ کہاں سے دستیاب ہوا اور جن کتب سے استفادہ کر چکے ہیں ان کی ایک فہرست دی جائے۔

معلومات جمع کرتے وقت درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

1۔ جو چیز بھی دیکھیں گہری نگاہ سے اسکا مطالعہ کریں۔

2۔ تحقیق کے لئے معلومات جمع کرنے کا آغاز بنیادی مآخذ سے کریں مگر ثانوی ماخذ اور ایسی جدید کتب جو اہم تعلیمات اور موازنے پر مشتمل ہیں انکو بھی مطالعہ میں رکھیں۔

3۔ معلومات جمع کرتے وقت کتابیات کی فہرست ضرور پڑھنی چاہیئے تاکہ ایسے ماخذ اور مراجع سامنے آسکیں جو اس سے پہلے معلوم نہ تھے۔

4۔ تحقیق نگار کے لئے ضروری ہے کہ ذکاوتِ حس کا مالک ہو تا کہ اپنی تحقیق سے متعلق مضامین کو پورے انہماک سے پڑھے، غیر متعلقہ اجزاء سے صرفِ نظر کرے، اپنے مخصوص افکار کی تلاش کے لئے سطروں پر نگاہ دوڑائے، بین السطور فکر پر نظر مرتکز کرے اور مصنف کے ذکر کردہ افکار و نظریات کا خلاصہ اور نچوڑ نکال لے۔

5۔ اگر کسی خاص باب سے متعلق معلومات جمع کرتے وقت کسی دوسری فائل کی اہم معلومات سامنے آجائیں تو اسے غنیمت جان کر فوراً متعلقہ فائل میں اس کی مقررہ جگہ پر درج کر لینا چاہیے۔ لیکن اگر تسلسل مضمون کے منقطع ہونے کا اندیشہ ہو تو کم از کم ان معلومات کا اجمالی عنوان اور صفحہ نمبر ہی اختصار کے ساتھ محفوظ کر لینا چاہئے۔

6۔ صفحہ کی ایک جانب لکھنا اور دوسری جانب کو خالی چھوڑ دینا چاہئے تا کہ ان الفاظ کو جو بعد میں سامنے آئیں لکھا جا سکے۔

7۔ اگر صفحہ پر درج کئے جانے والے افکار و نظریات گنجائش سے زائد ہوں تو اسکے ساتھ ایک نیا صفحہ لگا کر پن لگا دی جائے۔ دونوں صفحوں پر پہلا صفحہ لکھ دیا جائے، تا کہ جدا ہونے کی صورت میں تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

8۔ کتابوں سے اخذ کردہ اقتباسات اور اپنے غور و فکر کا حاصل جسے تعلیقات کہتے ہیں کے درمیان امتیاز کے لئے اقتباسات کو علامات تحدید ("") کے درمیان

لکھے یا تعلیقات کو یوں ہی چھوڑ دے۔

9۔ تحقیق نگار کے لئے ضروری ہے کہ ایک چھوٹی نوٹ بک ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے جب بھی کوئی نئی فکر یا نظریہ ذہن میں آئے تو فوراً محفوظ کر لے۔

10۔ گاہے بگاہے فائل کی ورق گردانی کرتے رہنا چاہیئے تا کہ جو نوشتہ مواد جمع ہو چکا ہے وہ ذہن نشین رہے اور وہ معلومات جو ایک بار ضبط تحریر میں لائی جا چکی ہیں کسی دوسری کتاب میں دیکھ کر دوبارہ درج کرنے میں وقت اور محنت ضائع نہ ہو۔

6۔ مسودہ کی ترتیب و تدوین

جب اس امر کا یقین ہو جائے کہ بقدر کفایت معلومات کا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے تو مسودہ لکھنا شروع کر دینا چاہیئے: لکھتے وقت اس ترتیب کا خیال رکھا جائے کہ مرکزی عنوانات کے تحت ذیلی عنوانات قائم کئے جائیں۔

ضروری ہدایات

1۔ تلخیص کا طریقہ

کسی بھی موضوع کی تلخیص یا اختصار مؤلف کی مراد کو اچھی طرح سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ بعد ازاں تخلیص کا اصل متن سے تقابل کر کے معانی اور فکر کی باہم مطابقت کو یقینی بنانا اہمیت کا حامل ہے۔

2۔ مقدمہ

تحقیق کا اجمالی خاکہ مقدمہ کہلاتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ مقدمہ ایسی جامع عبارت اور دلآویز اسلوب میں لکھا جائے کہ جو قاری کو پوری طرح اپنی گرفت میں رکھے اور اسے پیش کردہ تحریری مواد پڑھنے پر آمادہ کر دے۔ ہر باب سے پہلے مقدمہ تحریر کیا جائے، اس میں آنے والی معلومات کو پیش کرنے کی ترتیب کا ذکر ہو اور اس خاکہ کی وضاحت ہو جس کے مطابق تحقیق نگار اپنی تحقیق کو خاص نہج کی طرف موڑنا چاہتا ہے۔

3۔ خلاصۂ تحقیق

خلاصہ افکار و نظریات کا نچوڑ اور ان نتائج کا بیان ہوتا ہے جن تک نگار نے رسائی حاصل کی ہوتی ہے۔ لہذا ہر باب کے اختتام پر اہم معلومات کا خلاصۃً جائزہ پیش کیا جائے۔

5۔ ضمائر متکلم سے گریز

ایسی عبارت سے اجتناب کیا جائے جن سے اپنی ذات کے اظہار کا تاثر ملے ایسے جملے جیسے ’’ میرا یہ نظریہ ہے‘‘ ’’میں اس نتیجے پر پہنچا‘‘ سے بچا جائے۔

6۔ فخر و غرور سے اجتناب

ایسے کام سے بچا جائے جس سے اپنے عمل، ذات، محنت اور تحقیق کی راہ میں مشکلات کے بارے میں مبالغہ آرائی کا تاثر ہو بلکہ یوں بیان کیا جائے ’’مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی‘‘ یا ’’پہلے جو کچھ ذکر ہو چکا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔‘‘

7۔ فنی اصطلاحات کا استعمال

فنی اصطلاحات سے تحقیق میں قوت اور جان پیدا ہوتی ہے۔ ان کا بر محل استعمال عبارت کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ تحقیق کو فصیح زبان میں املاء و لغت کے قواعد کی رعایت کے ساتھ ضبط تحریر میں لایا جائے۔

8۔ ذاتی رائے میں پختگی

تحریر میں اپنی رائے پر کہیں بھی تذبذب اور بے یقینی کی کیفیت ظاہر نہ ہونے پائے۔

9۔ طوالت سے پرہیز

عبارت میں کفایت لفظی فصاحت و بلاغت کی روح ہے۔ اگر کوئی مفہوم پانچ الفاظ میں بیان ہو سکے تو اسے چھ یا اس سے زائد میں بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ فعل، فاعل، مبتدا، شرط، جزاء میں طویل فاصلے سے احتراز کیا جائے۔

10۔ دلائل کی ترتیب

کسی رائے کی تائید میں استدلال کا آغاز نسبتاً کمزور دلائل سے بتدریج قوی سے قوی تر کی طرف بڑھنا چاہیے۔

11۔ نقل کو اصل کی طرف منسوب کرنے سے گریز

ایسے ماخذ سے استدلال جو خود کسی دوسرے ماخذ سے نقل کیا گیا ہو، اسے اصل ماخذ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اصل ماخذ تک رسائی ممکن نہ

ہو تو اقتباس کردہ عبارت کو علامات تحدید کے درمیان قوسین میں لکھ دیا جائے، جیسے:

فلاں مؤلف نے اپنی فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر یہ "" اقتباس نقل کیا ہے۔

12۔ربط کا خیال رکھنا

جس چیز کا اقتباس مکمل نقل ہو چکا ہو، اسکے درمیان اور اسکے اگلے پچھلے اجزاء کے درمیان ربط کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ لہٰذا بہتر ہو گا کہ ایک تمہید باندھ کر اقتباس کردہ افکار کا موضوع سے ربط اور اس کی اہمیت بیان کر دی جائے۔

13۔ نقل میں احتیاط

اقتباس کا متن نقل کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ ایک ایک لفظ کو بغیر کسی ترمیم کے نقل کیا جائے۔ اگر اقتباس میں کسی قسم کی غلطی ہو تو قاری کو لکھ کر آگاہ کیا جائے کہ یہ غلطی اصل کتاب کی ہے اور اس کے بعد قوسین میں لکھ دے (اصل کتاب میں اس طرح ہے)

14۔ علمی القاب و خطابات سے گریز

تحقیق میں شخصیات کا حوالہ دیتے ہوئے بہتر ہے کہ ان کے علمی القاب اور عہدے و خطابات کا ذکر نہ کیا جائے سوائے اس کے کہ موقع کی مناسبت سے اس کی ضرورت ہو۔

15۔ تحریر کے لئے ٹیکنیکل چیزیں

یہ چیزیں عبارت اور آرٹیکل کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور عبارت کے حسن و آرائش میں اضافہ کرتی ہیں۔

1۔ اول، دوم، سوم وغیرہ کے الفاظ بھی اس طرح اوپر تلے لکھے جائیں جیسے اعداد اور حروف کو ایک دوسرے کے بالکل نیچے لکھا جاتا ہے۔

2۔ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اول، دوم، سوم کے ساتھ دو نقطے آئیں گے:))اور سطر کے شروع میں لکھیں جائیں گے۔

3۔ (ا)، (ب)، (ج) قوسین کے درمیان آئیں گے اور تھوڑا سطر کے اندر لکھے جائیں گے۔

4۔ اعداد ا۔، ۲۔، ۳۔ کے ساتھ چھوٹی لکیر (۔) آئے گی اور سطر کے مزید اندر لکھے جائیں۔ مثلاً

اول:

(الف)(ب)(ج)

1۔ ۲۔ ۳۔

(د)(ھ)

1۔ ۲۔

دوم: سوم:

اعداد لکھنے کا طریقہ کار

1۔ گھنٹے بائیں طرف اور منٹ دائیں جانب لکھے جائیں اور دونوں کے درمیان دو نقطے بھی ہوں گے۔

2۔ تاریخ کے کسی خاص دور کو بیان کرتے وقت اعداد کو حروف میں لکھا جائے گا جیسے ستر کی دہائی وغیرہ۔

3۔ صدی کے اعداد کو حروف میں لکھا جائے گا جیسے: چودھویں صدی۔

4۔ ایسے اعداد جو جملے میں یکے بعد دیگر آئیں اور ان کا آپس میں کوئی تعلق بھی نہ ہو۔ تو ان کے درمیان سکتہ (،) آئے گا۔ جیسے آسمانی آفت کے متاثرین جن کی تعداد ۱۵۰،۱۰٦، ان میں سے تین بچ سکے۔

علاماتِ ترقیم

علاماتِ ترقیم درج ذیل ہیں:

1۔ وقف کامل (۔)

جو بامعنی جملہ مکمل ہو جائے اور اس کے بعد آنے والے جملے میں ایک نئے معنی کا آغاز ہو رہا ہو تو اس کے آخر میں وقف کامل (فل سٹاپ) لگایا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

2۔ سکتہ (،)

(الف) چھوٹے چھوٹے جملوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے جن کے

مجموعے سے کلام مکمل ہوتا ہے، جیسے:

اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، کافروں کے خلاف ان کی مدد کرتا ہے اور انہیں فتح عطا فرماتا ہے۔

(ب) ایک ہی چیز کے متعدد اقسام کے درمیان فرق کرنے کے لئے، جیسے:

کلمہ کی تین اقسام ہیں: اسم، فعل، حرف

(ج) ایک ہی جملے میں آنے والی اشیاء کے درمیان، جیسے: کاغذ، قلم اور دوات لے کر آؤ۔

(د) سابقہ سوال کے جواب میں "ہاں" یا "نہیں" کے بعد جیسے خالد نے کہا: کیا آپ مطمئن ہیں؟ محمود نے جواب دیا: ہاں، میں مطمئن ہوں۔

(ھ) چھوٹے چھوٹے مرکبات کے درمیان، جیسے:

اخلاصِ نیت، عزم مصمم، جہد مسلسل اور امیر کی اطاعت ہی مجاہد کی زندگی کا سرمایہ ہے۔

3۔ علامت شعر (ؔ)

یہ علامت عبارت میں شعر لکھنے سے پہلے لگائی جاتی ہے، جیسے:

ؔخودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

4۔ علامت مصرع (ع)

یہ علامت عبارت میں کسی مصرع کے درج کرنے سے پہلے بنائی جاتی ہے، جیسے:

ع سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

5۔ دو نقطے ((:

(الف) متکلم اور اس کے کلام کے درمیان دو نقطے لگائے جاتے ہیں، جیسے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے“

(ب) کسی چیز کی وضاحت اور تفصیل بیان کرتے وقت، جیسے:

روزے کے کئی فوائد ہیں: روزہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے اور جسمانی تندرستی کے لیے مفید ہے۔

(ج) کسی قاعدے کی وضاحت کے لئے مثال پیش کرتے وقت، جیسے: فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے: ضَرَبَ زیدٌ

6۔ علامتِ استفہام (؟)

یہ علامت ہمیشہ سوال کے آخر میں آتی ہے، جیسے: کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں؟

7۔ علامت تعیین(“ ”)

یہ علامت اقتباس کے آغاز اور اختتام پر لگائی جاتی ہے، جیسے: حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو "سیف اللہ" کے لقب سے نوازا۔

8۔ علامتِ حذف (۔۔۔)

یہ تین نقطوں کی شکل میں ہوتی ہے، اسے کلام کی ابتدا یا انتہا دونوں جگہ کلام کو حذف کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے، جیسے:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"۔۔۔خبر دار! جھوٹی بات سے بچو، خبر دار! جھوٹی بات سے بچو۔۔۔"

9۔ علامت تعجب (!)

یہ علامت کسی خاص حالت و کیفیت یا اظہارِ تعجب کے موقع پر استعمال کی جاتی ہے ذیل کی مثال سے ملاحظہ کیجئے:

☆ اس نے زور سے چیختے ہوئے کہا: ہائے افسوس!

کفر پر مرنا کیا ہی برا انجام ہے!

10۔ قوسین ( )

یہ علامت اضافی امور پر آتی ہے جو عبارت اور کلام میں مقصود نہیں ہوتے جیسے: شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ (شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے فرزند) اپنے زمانے کے جید علماء میں سے تھے۔

11۔ مربع قوسین[ ]

یہ علامت ان وضاحتی جملوں میں استعمال ہوتی ہے جو ناقل اپنی طرف سے لکھ رہاہو، تاکہ متن اور ناقل کے وضاحتی الفاظ کے درمیان امتیاز ہو سکے۔

حوالہ جات درج کرنے کا طریقہ

حوالہ لکھنے سے پہلے متن میں درج اقتباس کے اختتام پر قوسین کے درمیان نمبر لکھا جائے گا(۱)،(۲)اس کے بعد حاشیہ میں یہی نمبر لکھ کر اس ماخذ اور کتاب کا نام لکھا جائے گا۔

2۔ اگر ایک کتاب کا حوالہ دوبارہ لکھنے کی ضرورت پیش آجائے اور یہ دوسرا حوالہ پہلے حوالے کے متصل بعد واقع ہو اور اقتباس بھی اپنی صفحات سے ہو تو اس صورت میں ایضاً لکھ دینا کافی ہے۔

کسی آیت مبارکہ کے حوالے دینے کے لئے قوسین کے درمیان پہلے سورت کا نام، اس کے بعد سکتہ اور پھر آیت کا نمبر درج کیا جائے گا۔(البقرہ، ۲:۱۵)

حدیث مبارکہ کا حوالہ لکھنے سے پہلے، مؤلف کا نام (ترمذی) کتاب کا نام (السنن) حصہ کا نام (کتاب الطہارہ) باب کا نام (باب المسح علی الخفین) کتاب کا نمبر اور صفحہ نمبر اور رقم، جیسے:

)ترمذی، جامع الصحیح، کتاب الطہارہ، باب المسح علی الخفین، ۱:۱۲۱، رقم:۱۲(

فہرست کتابیات میں ماخذ درج کرنا

فہرست کتابیات میں صرف ان بنیادی ماخذ و مراجع کے نام درج کیے جائیں جس سے عملی طور پر مدد حاصل کی ہے۔ اگر مقالے میں قرآن کریم کی کوئی آیت درج کی گئی ہے تو فہرست کتابیات میں سب سے پہلے قرآن حکیم کا ذکر کیا جائے گا۔

مؤلف کا نام اور اس کے والد کا نام لکھ کر سکتہ، کتاب کا نام جلی کر کے سنِ وصال اور پیدائش یا علیحدہ رسم الخط میں لکھا جائے گا اور پھر طباعت اور طباعت کا سن لکھا جائے گا۔

(منقول)

[اس تحریر پر تبصرے یا سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

✧✧✧✧✧

متفرقات

میڈیا کس چیز کو ثابت کرنا چاہتا ہے؟

شاگردوں نے استاد سے پوچھا:

سفسطہ / مغالطہ سے کیا مراد ھے؟

استاد نے کہا: اس کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہوں. دو مرد میرے پاس آتے ہیں. ایک صاف ستھرا اور دوسرا گندا. میں ان دونوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ غسل کرکے پاک وصاف ہو جائیں. اب آپ بتائیں کہ ان میں سے کون غسل کرے گا؟

شاگردوں نے کہا: گندا مرد.

استاد نے کہا: نہیں بلکہ صاف آدمی ایسا کرے گا کیونکہ اسے نہانے کی عادت ہے جبکہ گندے کو صفائی کی قدروقیمت معلوم ہی نہیں.

اب بتائیں کہ کون نہائے گا؟

بچوں نے کہا: صاف آدمی. استاد نے کہا: نہیں بلکہ گندا نہائے گا کیونکہ اسے صفائی کی ضرورت ہے.

پس اب بتائیں کہ کون نہائے گا؟

سب نے کہا: گندا. استاد نے کہا: نہیں بلکہ دونوں نہائیں گے کیونکہ صاف آدمی کو نہانے کی عادت ہے جبکہ گندے کو نہانے کی ضرورت ہے.

اب بتائیں کہ کون نہائے گا؟

سب نے کہا: دونوں. استاد نے کہا: نہیں کوئی نہیں. کیونکہ گندے کو نہانے کی عادت نہیں جبکہ صاف کو نہانے کی حاجت نہیں.

اب بتائیں کون نہائے گا؟

بولے: کوئی نہیں.

پھر بولے: استاد آپ ہر بار الگ جواب دیتے ہیں اور ہر جواب درست معلوم ہوتا ہے. ہمیں درست بات کیسے معلوم ہو؟

استاد نے کہا: سفسطہ اور مغالطہ یہی تو ہے. بچو! آج کل اہم یہ نہیں ہے کہ حقیقت کیا ہے؟ اہم یہ ہے کہ میڈیا کس چیز کو ثابت کرنا چاہتا ہے!.

منقول

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

لعشاق اللغة العربية (سجد وأخواتها):

كان و أخواتها معروفة:

أمسى ، أصبح ، ظل ، بات ، صار ، ليس ..... إلخ

إنّ و أخواتها .... مفهومة:

إنّ ، أنّ ، كأنّ ، لكن ، ليت ، لعلّ.

لكن هل تعرف " سجد " و أخواتها ؟

و هي : ركع ، خشع ، بكى ، ندم ، تاب ، أناب ، اشتاق ، أصلح ..... إلخ

اعلم أنّ " سجد "و أخواتها إذا دخلت على العبد العاصي:

رفعت الذنب...

وفتحت القلب...

وجرّته إلى الخير...

فسكنت نفسه و هدأت جوارحه واطمأن قلبه ۔

حتى يُكتب عند الله من الأتقياء الأنقياء مهما كان من التعساء الأشقياء ۔(منقول)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

لاعلمی کا اعتراف کرنے میں ہی بڑائی ہے

ایک عالم سے کسی نے مسئلہ پوچھا، تو انھوں نے فرمایا: مجھے اس کا جواب نہیں آتا۔ اس نے کہا: اس طرح لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے، آپ شرم محسوس نہیں کرتے؟؟ آپ نے فرمایا: اپنی لاعلمی کا اقرار کرتے ہوئے جب فرشتے نہیں شرمائے، تو میں کیوں شرماؤں!!

اللہ کریم نے فرشتوں سے کہا تھا:

أنبئوني بأسماء هؤلاء

مجھے ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔

تو انھوں نے عرض کی تھی:

لا علم لنا

ہم نہیں جانتے۔

لقمان شاہد 11/3/2019ء

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مطالعہ کرنے کے لیے اہم ہدایات

(Reading Skills)

۱. سب سے پہلے مطالعہ کا مقصد متعین کریں.

۲. مطالعہ کے لیے مفید مواد کا انتخاب کیجیے.

۳. مطالعہ کرنے کے تین بنیادی طریقے ہیں. ان میں سے حسبِ ضرورت ایک طریقہ کار کا انتخاب کیجیے.

۴. اللہ کا نام لے کر مطالعہ کا آغاز کر دیں.

۵. لیٹ کر مطالعہ کرنے سے گریز کیجیے.

۶. مناسب اور پر سکون انداز سے بیٹھ کر مطالعہ کریں.

۷. جو بھی پڑھیں، پوری توجہ اور یکسوئی سے پڑھیں.

۸. ہر لفظ اور جملے کو سمجھنے کی کوشش کیجیے. بغیر سمجھے آگے مت بڑھیں.

۹. جملوں کی بناوٹ، پیراگراف، فل سٹاپ اور کوما وغیرہ کے استعمال کو بھی سمجھیں.

۱۱. پر سکون اور خاموش ماحول میں مطالعہ کرنا زیادہ بہتر ہے.

۱۲. مطالعہ کرتے ہوئے منہ کو حرکت دینے کی عادت سے احتراز کیجیے. ورنہ جلدی ہی تھک جائیں گے.

۱۳. مطالعہ کیے جانے والے مواد کا تجزیہ بھی کریں اور تنقیدی جائزہ بھی لیں.

۱۴. ہر پیراگراف یا مضمون کا مرکزی خیال اخذ کرنے کی کوشش بھی کیجیے.

۱۵. آنکھ کی حرکات مناسب ہوں. آنکھیں زیادہ پھیلا یا سکیڑ کر مطالعہ نہ کریں.

۱۶. اہم نکات کو اپنے پاس نوٹ کرتے جائیں. انہیں ہائی لائیٹ یا انڈر لائن بھی کیا جا سکتا ہے.

۱۷. مشکل الفاظ کے لیے لغت (Dictionary) کا استعمال ضرور کیجیے.

۱۸. دماغ کو پر سکون کر کے مطالعہ کریں. دماغی اضطراب کی حالت میں کیا گیا مطالعہ زیادہ سود مند نہیں ہوتا.

۱۹. آخر میں حاصلِ مطالعہ بھی تحریر کریں. (ماخوذ)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

کوشش کرنے والا کامیاب طالبِ علم

حضرت سیّدنا علامہ سَعدُ الدین تفتازانی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیۡہِ جن کی کتابیں درسِ نظامی (کہ جسے عالم کورس کہا جاتا ہے) کے نصاب میں شامل ہیں۔ آپ قاضی عبد الرحمٰن شیرازی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیۡہِ کے حلقۂ درس میں سب سے زیادہ کم ذہن طالب علم تھے، بلکہ کم ذہن ہونے میں آپ کی مثال دی جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے ہمت نہ ہاری بلکہ کسی کی بات کو خاطر میں لائے بغیر اپنے اسباق پڑھنے اور یاد رکھنے کے لئے کوشش اور محنت جاری رکھی۔ ایک دن آپ سبق یاد کرنے میں مصروف تھے کہ ایک اجنبی شخص نے آکر کہا: سعدُالدِّین! اُٹھو، ہم سیر و تفریح کرنے (یعنی گھومنے پھرنے) چلتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: "مجھے سیر و تفریح کے لیے پیدا نہیں کیا گیا، (میری حالت ایسی ہے کہ) مطالعے کے باوجود مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا، میں بھلا کس طرح سیر کو جاسکتا ہوں؟

یہ سُن کر وہ شخص چلا گیا لیکن کچھ دیر بعد پھر لوٹ آیا اور سیر و تفریح کے لیے چلنے کو کہا۔ آپ نے اپنا (وہی) سابقہ جواب دُہرایا۔ وہ پھر چلا گیا لیکن کچھ دیر بعد دوبارہ لوٹ آیا اور اب کی بار کہنے لگا:

* آپ کو رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ واٰلِہٖ وَسَلَّمَ یاد فرمارہے ہیں۔ *

یہ سُن کر آپ کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور ننگے پاؤں ہی

* محبوبِ ربِّ اکبر، مالکِ جنّت و کوثر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم کے دِیدار کے لیے دوڑ پڑے حتی کہ شہر سے باہر ایک مقام پر پہنچے،

* جہاں نبیٔ کریم، رؤف ورحیم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم ایک گھنے درخت کے سائے میں جلوہ فرما تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت سعدُ الدِّین تفتازانی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہمارے بار بار بُلانے پر آپ نہیں آئے؟ آپ نے انتہائی عاجزانہ لہجے میں عرض کی: "یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّمَ! مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّمَ یاد فرمارہے ہیں اور آپ تو میری کمزور یادداشت سے بخوبی آگاہ ہیں، میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں اپنے مرض سے شفا کا طلبگار ہوں۔ *

"حضرت سعدُ الدِّین تفتازانی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کی فریاد سُن کر دریائے رحمت جوش میں آیا،

* نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمّت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: " اپنا منہ کھولو۔" آپ نے منہ کھولا تو سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّمنے اپنا لُعابِ دَہَن یعنی تُھوک مُبارک آپ کے منہ میں ڈال دیا، آپ کے لیے دعا فرمائی اور کامیابی (Succes) کی بشارت عطا فرما کر گھر لوٹ جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ دوسرے دن جب آپ، قاضی عبد الرحمٰن شیرازی کے درس میں حاضر ہوئے تو دورانِ سبق آپ نے استاد صاحب کے درس میں کچھ علمی سوالات کئے (جو باریک بینی اور

گہری سوچ کا نتیجہ تھے) درس میں شریک دیگر طلبہ ان سوالات کی گہرائی تک نہ پہنچ سکے اور فضول و بے معنٰی سمجھ کر آپ کی باتوں کو نظر انداز کرنے لگے، مگر آپ کے استاد قاضی صاحب جو میدانِ علم کے شاہ سوار تھے، آپ کی علمی باتیں سُن کر اَشکبار ہو گئے ور مخاطب کرکے ارشاد فرمایا: ”اے سعدُ الدِّین! آج تم وہ نہیں ہو جو کل تھے۔“ پھر حضرت سیّدنا سعد الدین تفتازانی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہِ نے تمام واقعہ استاد صاحب کی بارگاہ میں بیان کر دیا۔*

(شذرات الذھب، سنۃ احدی وتسعین وسبعمائۃ، ۷/ ٦٨)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

دلیل

جب طلبہ کو بغیر دلیل سمجھائے ہر بات ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے تو یہ مجبوری طلبہ کی عادت بن جاتی ہے اور وہ زندگی میں ہر چیز بغیر سمجھے قبول کرنے لگتے ہیں۔ نتیجہ "ذہنی غلامی" کی صورت میں بر آمد ہوتا ہے۔ جو "استاد" دلیل کے بجائے اپنے "منصب کے رعب" سے ہر بات شاگردوں میں ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے اسے یہ عظیم الشان منصب چھوڑ کر کوئی اور کام کرلینا چاہیے۔ (منقول)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

محض درسِ نظامی سے فتوی نویسی نہیں آتی

شارح بخاری فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی تحریر فرماتے ہیں:

فتوی دینا ساری دینی خدمات میں سب سے اہم سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے اور ایسا کام جس کی کوئی انتہا نہیں۔ فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی پھر بھی حوادث محدود نہیں۔ آئے دن سینکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جس کے بارے میں کوئی جزیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا، یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیقہ بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کرلیتا ہے، مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جاسکتا جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔

لیکن آج کل اور لوگ اس فن کو بہت آسان سمجھنے لگے ہیں کہ ہر مدرسے والے دارالافتاء کا بورڈ لگا کر کسی کو مفتی بنا کے بیٹھائے ہوئے ہیں جن میں سے اکثر کے فتاوے دیکھ کر بے انتہا افسوس ہوتا ہے کہ وہ غلط فتاوے لکھ کر مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور خود آسمان وزمین کے ملائکہ کی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: من اَفتی بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماءِ والأرض یعنی جو بغیر علم کے فتوی دے، اس پر آسمان وزمین کے ملائکہ کی لعنت ہے۔

عالم اور خود مدرسے والے یہ سمجھتے ہیں کہ درسِ نظامیہ کا ہر وہ فارغ التحصیل

جس کی کچھ صلاحیت ہو وہ فتوی دے سکتا ہے، حالانکہ درسی کتابیں پڑھنے سے علم الفتوی حاصل نہیں ہوتا مگر جس پر اللہ تعالی کا خاص فضل ہو جائے، اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں، آج کل درسی کتابیں پڑھنے سے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازہ میں داخل نہیں ہوتا۔ اور تحریر فرماتے ہیں کہ علم الفتوی پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا جب تک مدتہا طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔

)فتاوی مصطفویہ، تقدیم مفتی جلال الدین احمد امجدی، صفحہ ۷۰(

(منقول)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

درسی پہیلی ا

ایک جامعہ میں بورڈ پر لکھا تھا:

"طلبہ کو موبائل فون رکھنے کی اجازت نہیں"

ایک ہوشیار طالب علم ٹیبلیٹ لے کر آگیا اور بطورِ دلیل کہنے لگا:

"بورڈ پر لکھی نص (Text) کے مطابق صرف موبائل رکھنا منع ہو گا جبکہ میرے پاس ٹیبلیٹ ہے اور ٹیبلیٹ پر لفظ موبائل کا اطلاق نہیں ہوتا لہذا بورڈ پر لکھی نص کے مطابق جامعہ کے قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوئی"

ناظم صاحب نے اسے درسِ نظامی ہی کی کتب سے ایک ایسی دلیل دی کہ وہ لاجواب ہو گیا اور چپ چاپ اپنا ٹیبلیٹ ناظم صاحب کے حوالے کر دیا۔

)کمنٹ کی طرف جائے بغیر اپنا ذہن استعمال کرتے ہوئے بتائیں(

1- ناظم صاحب نے اس طالب علم کو کس دلیل سے لاجواب کیا؟

2- نیز کیا آپ قرآن، حدیث یا فقہ سے کوئی اور ایسی مثال دے سکتے ہیں؟

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درسی پہیلی ۲

سوشل میڈیا پر ایک مزاحیہ سی پہلی چل رہی ہے کہ بتائیں اس جملے میں برتن کون دھو رہا ہے؟

بیوی نے برتن دھوتے ہوئے شوہر کو بلایا

درسِ نظامی میں پڑھے ہوئے کس قانون کے تحت اس کا درست جواب دیا جا سکتا ہے؟ دلیل سے ثابت کریں

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

درسی پہیلی ۳

بیہودہ طریقے سے پوچھے گئے اس سوال کا منہ توڑ جواب دینے میں کس فن کا کون سا قاعدہ استعمال ہوا ہے؟

Yesterday at 6:07 PM ·

اگر وہ نطفہ جس سے انسان بنتا ہے ناپاک ہے تو اس سے ماں کا پیٹ کیوں ناپاک نہیں ہوتا اور اس سے پیدا ہونے والا انسان کیسے پاک ہے حالانکہ وہ نطفہ بطور علماء غلیظ ترین چیز ہے جسم کو لگ جائے نماز نہیں ہوتی پیچیدہ طریقے سے غسل کرنا پڑتا ہے جس کے فرائض و سنتوں کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے تب جا کر انسان پاک ہوتا ہے

Ammar Rao

اگر وہ ٹٹی جو واشروم میں جاکے آپ کرتے ہیں ناپاک ھے تو جب وہ آپ کے پیٹ میں ھوتی ھے تو پیٹ ناپاک کیوں نہیں ھوتا. اور جانوروں کی ٹٹی کو بطور کھاد استعمال کرکےپیدا ھونے والی سبزی اور فصل ناپاک کیوں نہیں ھوتی حالانکہ انسان یا جانور کی ٹٹی ملحد کو بھی لگ جائگا تو میرا خیال ھے صابن سے دھوئے بنا قرار نہیں آئگا بس ثابت ھوا کے ٹٹی ناپاک نہیں ھے لہذا ملحدوں کو چاھیے کرکے دھویا بھی نہ کریں اور ناشتے میں کھایا بھی کریں

Just now Like Reply

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

عملیات اور روحانی علاج کا شعبہ توجہ کا مستحق ہے

از:افتخار الحسن رضوی

روحانی علاج یا عملیات ایسا میدان ہے جو اس وقت عجیب و غریب قسم کے شعبدہ بازوں سے بھرا پڑا ہے۔ بنیادی فرض علوم خصوصا طہارت جیسے اہم مسائل سے غیر واقف اس میدان میں موجود عاملین ایمان و مال کی بربادی کا باعث بن رہے ہیں۔

دوسری طرف علماء کرام، صالحین اور اہل حق اس میدان سے بالکل کورے کرارے ہو چکے ہیں۔ اب وہ جلالی جمالی پرہیز، ظاہر و باطن کی طہارت، تزکیہ نفس، زکوٰۃ صغیر و کبیر والی اصطلاحات فقط کتب میں ہی رہ گئی ہیں۔ عملیات کی درجنوں کتب مارکیٹ میں دستیاب ہیں، ہمارے نیم ملاں بلکہ فل ٹائم مولوی صاحبان ان کتب سے کاپی پیسٹ کرتے ہوئے رجعت و بربادی کا شکار ہوتے ہیں، پھر نہ اپنے جوگے بچتے ہیں نہ کسی دوسرے کا کام کر سکتے ہیں۔

اگر گزشتہ ایک صدی کا ہی جائزہ لیں تو آپ کو امام احمد رضا علیہ الرحمہ اور مشائخ مارہرہ کی خانقاہیں نظر آئیں گی، جہاں روزانہ سائلین و ضرورت مند مسلم و غیر مسلم عوام حاضر ہوتے، اپنے جسمانی و روحانی مسائل پیش کرتے اور ان کا فی سبیل اللہ علاج حاصل کرتے۔ بظاہر یہ عقل انسان سے تضاد رکھنے والا عمل ہے لیکن یہ خالق و مالک عزوجل کے کلام کی برکات و ثمرات ہیں کہ ہمارے اکابرین

کی دعا، دم اور تعویذات سے پیچیدہ، حاد و مزمن امراض اور نفسیاتی، ذہنی، معاشرتی و معاشی مسائل میں مبتلا لوگوں کو شفاء و عافیت ملتی رہی۔ راقم الحروف خود شاہد ہے کہ درجنوں ایسے معاملات ہوئے جہاں ڈاکٹر صاحبان مریض کو لا علاج قرار دے چکے تھے وہیں قادری برکاتی رضوی مشائخ کی برکات سے سائلین کو معجزاتی انداز میں شفاء عطا ہوئی۔ ایسے ایسے کیسز بھی موجود ہیں جہاں "چھوتی امراض" کے علاج میں لاکھ روپے کا انجکشن لگوا کر بھی فائدہ نہ ہوا اور دوسری طرف ایک تعویذ و دم دنیا تبدیل کر دیتا ہے۔ شادی کے پندرہ سال کے دوران آئی وی ایف جیسی تکنیک ناکام ہو جائے تو قرآن مقدس کی برکت سے رب تعالیٰ سولہ سال بعد بھی اولاد عطا فرما دیتا ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ

سوال یہ ہے کہ زمانہ حال میں "روحانی علاج" کا میدان خالی کیوں ہے؟ یا اس میدان میں قابل و کامل سنی عاملین کیوں نہیں ہیں؟ تو اس کی سب سے بڑی وجہ "کاپی پیسٹ" مافیا ہے۔ ہمارے شوقیہ عاملین اور راتوں رات جنات و موکلات کو مسخر کرنے کے خواب دیکھنے، اپنے آس پاس سائلین کا ہجوم و تانتا دیکھنے کا شوق رکھتے ہیں مگر محنت۔۔۔۔۔۔ نہیں محنت و لگن سے عاری و محروم ہیں۔

ایک دوسری وجہ یہ بھی کہ سوشل میڈیا کے دور میں مجھے درجنوں بار ایسا تجربہ ہوا کہ متعدد قابل قدر دوست وٹس ایپ اور فیس بک پر ہی بغیر تربیت

حاصل کیے کلی اجازت چاہتے ہیں۔ تجربہ تو یہ بھی ہوا کہ اجازت دی بھی جائے تو ایسے حضرات فیض و اثر سے محروم رہتے ہیں کیونکہ "نیت کی صفائی" نہیں ہوتی، اور شکوک و بے یقینی کا شکار ہوتے ہیں۔ بعض سیانے تو "ٹیسٹ ڈرائیو" کے طور پر شاگردی اختیار کرتے ہیں اور پھر غلط مقام پر "یوٹرن" لے کر ہمیشہ کے لیے ٹوٹی ہوئی سڑک پر پہنچ جاتے ہیں اور پھر ساری زندگی ہچکولے کھاتے رہتے ہیں۔

علمار کرام، پیران عظام اور اس میدان میں مہارت رکھنے والے عاملین کو چاہیے کہ نسلِ نو کو اس اہم ترین میدان میں مکمل تیاری کے ساتھ اتاریں، اس میدان میں محنت کریں، متقی و صالح نوجوانوں کو تربیت فراہم کریں اور اس کام کو باقاعدہ کل وقتی شعبہ بنا کر عوام الناس کی رہنمائی کی راہیں ہموار کریں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ناگی باوا بنگالی، عامل راج ناتھ، جمال مسیح اور کمار پرکاش جیسے دین دشمن مسلمانوں کے ایمان و عقائد سے کھیلتے رہیں گے۔ یہ بھی ہوتا رہے گا کہ متعدد مسلمان ناموں والے عامل علاج کے لیے آنے والی خواتین کے ساتھ بد فعلی کرتے ہوئے اسلام و مسلمین کی بدنامی کا باعث بنتے رہیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

حالات حاضرہ پر موجودہ علماء اور صاحب محراب و منبر کو

ایک نصیحت

از رئیس المحققین علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ۔

اللہ تعالی کامیابی و کامرانی کے راستے اسی قوم پر کشادہ فرماتا ہے جو وقت کے زندہ مسائل کو سمجھتے ہیں- اور ان کے تقاضوں کے مطابق اپنی عملی توانائیاں صرف کرتے ہیں-وہ قوم جو عصر حاضر کے مطالبات سے چشم پوشی کرتے ہوئے تن آسانی اور عیش کوشی میں محو ہو جائے اور جس کے قوائے عمل مضمحل ہو جائیں وہ کبھی شاہراہ ترقی پر گامزن نہیں ہو سکتی، اس کا جوش اور جذبے سے خالی اور بے دلی سے اٹھنے والا ہر قدم پستی اور ناکامی کی طرف جائے گا وہ نہ صرف خود مایوسی کا اور قنوطیت کا شکار ہو جائیگی بلکہ دوسروں کو بھی یاس کے اندھے غار میں دھکیل دے گی-

ارباب علم کو جان لینا چاہیے کہ آج جبکہ ہمارے ارد گرد مسائل ہی مسائل ہیں فکری اور عملی فساد اور لادینیت کی ہر طرف یلغار ہے، ہمیں اپنے فریضہ منصبی کا پاس کرتے ہوئے اپنی تمام قوت، اصلاح احوال کے لئے صرف دینے کی ضرورت ہے، محراب و منبر سے مدلل اور معقول انداز میں دین کا پیغام پھیلانے کی ضرورت ہے، قصوں، کہانیوں اور چٹکلوں کے ذریعے وقت گزاری سے گریز کیا جائے، قلم و قرطاس کی اہمیت محسوس کیا جائے، آج پریس اور ذارائع ابلاغ کی

برق رفتاری کا یہ عالم ہے کہ صبح کے وقت پیدا ہونے والا فتنہ شام تک پر پرزے سے نکال کر دور دراز تک پھیل چکا ہوتا ہے.

(پیش لفظ تعلیم المنطق صفحہ ۱۳)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درسی پہیلی ۴

ایک شخص کی بیوی اور بہن ایک ہی کمرے میں موجود تھیں۔اس نے کہا:

فِي الْبَيْتِ اَجْمَلُ اِمْرَاَةٍ اُخْتِي تو اس کی بیوی ناراض ہو گئی۔

اب ظاہر ہے بیوی کو تو ناراض نہیں کیا جا سکتا لہذا اس شخص نے مذکورہ جملے سے صرف ایک حرکت کو تبدیل کیا تو جملے کے معانی بدل گئے اور اس کی بیوی خوش ہو گئی۔ کیا آپ دلیل کے ساتھ بتا سکتے ہیں کہ اس شخص نے کس لفظ کی کس حرکت کو تبدیل کیا تھا؟

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

ایک نحوی کے دوسرا نکاح کرنے پر اس کی زوجہ کی دعائیں

اے اللہ اگر تو اسے دوسری بیوی کے ساتھ جمع کرے تو "جمع تکسیر
" کرنا

اور تو اسے میرے ساتھ جمع کرے تو "جمع سالم" کرنا

اے اللہ میری سوکن کو "کان" کے اخوات میں کردے (یعنی وہ پہلے بیوی تھی) اور مجھے "صار" کے اخوات میں کردے (یعنی فی الحال میں بیوی ہوں)

اے اللہ میرے شوہر کو میری سوکن کے پاس جانے کے بعد " مکسور" (یعنی کچھ کر نہ سکے ایسا) کردے اور میرے پاس جب آئے تو " منصوب (رومانٹک) کردے

اے اللہ میری سوکن کا معاملہ تشدید کی طرح (مشکل) بنا دے

اور میرا معاملہ "ضمہ" کی طرح ملاپ والا اور "سکون" کی طرح راحت والا بنادے

میرے شوہر کو میرے لئے "مبتدا" کی طرح پہلے آنے والا اور سوکن کے لئے "خبر" کی طرح اس کے پاس بعد میں جانے والا بنادے

♨ شوہر کو میرا "فاعل" اور سوکن کے لئے "ملغی" ناقابل عمل بنادے

♨ شوہر کو میرے ساتھ "مبنی" کی طرح میرے پاس سے نہ ہٹنے والا اور سوکن کے لئے "معرب" بنادے

♨ شوہر کو میرے لئے "فعل حال اور سوکن کے لئے "فعل ماضی" بنادے

♨ شوہر کو میرے پاس "صحیح" اور سوکن کے پاس "معتل" اور "ناقص" بنادے

♨ شوہر کو میرے لئے " جمع مذکر سالم " اور سوکن کے لئے " واحد مؤنث حقیقی" بنادے

♨ شوہر کو میرے لئے "ضمیر متصل" اور سوکن کے لئے "ضمیر منفصل" بنادے

♨ شوہر اور سوکن کو "معطوف علیہ اور معطوف" (آپس میں ایک دوسرے کا غیر) بنادے

♨ شوہر کو میری محبت میں "اسم تفضیل" اور سوکن کے حق میں "اسم تصغیر" بنادے

♨ شوہر اور مجھے "موصوف، صفت" بنادے

سوکن اور شوہر کے بیچ میں "فصل بعید" کر دے

یا اللہ یہ ساری دعائیں اگر قبول نہ ہوں تو اتنا تو ضرور قبول فرمائے

کہ سوکن میرے لئے "ثقیل" ہے اسے "حذف" ہی کر دے

(اقتباس)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

اس وقت ارباب علم و دانش کو جن موضوعات پر قلم اٹھانا چاہیے ان کا مختصر ساخاکہ

از علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

آج کے دور میں لکھنا اور وہ بھی کسی علمی موضوع پر اور عالمانہ انداز میں، بہت بڑا مجاہدہ بلکہ جہاد ہے، ہمارے علماء اول تو خطابت اور سیاست ہی کو اختیار کرتے ہیں- جو حضرات لکھنے کی طرف توجہ دیتے ہیں وہ یا تو وعظ و تقریر کے عنوان پر خامہ فرسائی کرتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں مانگ ہی اسی قسم کے لٹریچر کی ہے، یا پھر ان اختلافی موضوعات پر طبع آزمائی کرتے ہیں جن پر پہلے ہی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے- ہونا تو یہ چاہئے کہ پہلے سے لکھی ہوئی کتابوں کی اشاعت کرکے اس نوع کی ضرورت پوری کردی جائے اور مزید لکھنے کے لئے نئے موضوعات تجویز کئے جائیں-

* اس وقت ارباب علم و دانش کو جن موضاعات پر قلم اٹھانا چاہیے ان کا مختصر ساخاکہ یہ ہے *

* 1 * دین اسلام کی بنیادی تعلیمات، مختصر اور آسان زبان میں پیش کی جائیں- انداز بیان اتنا مؤثر اور معقول ہو کہ قارئین کو اپیل کرے، لادینیت، اشتراکیت، مرزائیت، اور مستشرقین کی یلغار اتنی تیز ہے کہ بے شمار ذہنوں کو

شکوک و شبہات میں مبتلا کر کے دین متین سے برگشتہ کر رہی ہے، مسلمان نوجوانوں کو مطمئن کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے-

* 2 * قرآن کریم کی تفسیر اور حدیث پاک کی شرح پر کام کرنا نہایت ضروری ہے-

* 3 * تاریخ اسلام کے مختلف ادوار کو صحیح فکر اور اعتقادی سلامتی کے ساتھ پیش کرنا-

* 4 * سیرت طیبہ کی ضیاء پاشیوں کو جدید اور علمی انداز میں پیش کرنا-

* 5 * سکول اور کالج کے نصاب کے مطابق امدادی کتب مرتب کرنا-

* 6 * بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق دلچسپ لٹریچر تیار کرنا جو انہیں اسلامی جوش اور ولولہ عطا کرے-

* 7 * مطالعہ پاکستان کے عنوان پر ایسی کتابیں لکھنا جو ملک پاکستان کی سچی محبت سے آشنا کریں-

* 8 * اسلامی نظام کی اہمیت اور اس کے فوائد کو ایسے دلکش انداز میں پیش کرنا کہ پوری قوم نظام مصطفی کے نفاذ پر متحد ہو جائے-

* 9 * درس نظامی کی جدید شروح اور حواشی لکھنا جس سے طلبہ کے علمی ذوق میں ترقی ہو-

* 10 * ایسا لٹریچر تیار کرنا جس سے عقائد کی درستی کے ساتھ ساتھ عمل کی

اہمیت اجاگر ہو، کیونکہ انسان کی دینی زندگی کو اگر ایک پرندہ قرار دیا جائے تو عقیدہ اور عمل اس کے دو پر ہوں گے، اور ظاہر ہے کہ ایک پر کے ساتھ پرواز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا-

* تلک عشرۃ کاملۃ *

)از تقریظ التقریر النامی شرح الحسامی لعلامہ محمد اشرف نقشبندی(

محمد شعیب خان 7 اگست ۲۰۱۹

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

♡نحوی غزل♡

سُن میری نَحو میں کچھ، تُجھ سے یہ گُفتگو ہے
ڈُوبا ہُوں بحرِ غم میں، جِس کا کِنارہ تُو ہے

تیرا سِتَم ہے مصدر، ہر زخم تجھ سے مُشتَق
چھَلنی ہُوا ہے سینہ، جامِد مگر لَہُو ہے

ہے زُلف تیری سالِم، یہ دِل مِرا مُکَسَّر
کر جمع دونوں کو تُو، مُحتاجِ رَفُو ہے

تُو معرِفہ سراپا، پہچان میری نکرہ
لُوں نام گر میں اپنا، کہتا کہ کون تُو ہے

ہر دن نیا تعلّق، مُعرَب ہو جیسے کوئی
رنجِش ہے مجھ سے مَبنی، ایسا تُو تُند خُو ہے

رکھتا ہوں میں ہمیشہ سر زیر تیرے آگے
تیرا مُضاف اِلَیہ میں، میرا مُضاف تُو ہے

ہوں کیوں نہ پھر برابر اعراب دونوں ہی کے
موصُوف تیرا پیکر، اور صِفت تیری خُو ہے

تُو جُملہ اِسمِیہ ہے ، تیری خبر مُقدّم
تُو مُبتدا خبر کا، آغازِ گفتگُو ہے

میں ظرفِ مُستَقَر ہوں، تُو فعِلِ حَذف میرا
تیرے بجُز نہیں کچھ، تیری ہی جُستجُو ہے

کیا غیرِ مُنصرف ہوں، جو یوں تُو مِثلِ تنوین
رہتا ہے دُور مجھ سے، جیسے مِرا عَدُو ہے

ہر ہر خبر تِری میں، اِنشائیہ سمجھ کر
یوں پی گیا ہوں جیسے، چھُلکتا ہُوا سَبُو ہے

بدلے سُوال لاکھوں، پر ہر جواب اُلٹا
لائے نفی کے جیسے، ہر وقت دُو بَدُو ہے

دیوانہ ہوں اگرچہ، پر تیرے حُسن ہی کے باعِث
مذکور فعل میں ہوں، مفعول تُو لَہُ ہے

معطوف میری گردن، متبوع تیرا خنجر
یُوں خُود بَخُود پلٹتا، تلوار پر گلُو ہے

اِسمِ مُبالَغہ ہے، یا اِسم تیرا تفضیل
ہاں دونوں ہی بجا ہیں، اس میں کہاں غُلو ہے

حُسن و جمال تیرا، صفتِ مُشبّہ ٹھہرا
سب دائمی غضب کا، انداز رنگ و بُو ہے

سُنتا نہیں مِری اِک، کرتا ہوں سو نِدائیں
کیسا ہے تُو مُناڈٰی، کیسا تُو چارہ جُو ہے

کہنے کو تُو ہے مَرجع، لیتا نہیں خبر بھی
میرا ضمیر کرتا، کتنی ہی ہاؤ ہُو ہے

سترہ حروفِ جارہ، ستّر ادائیں تیری
کرتی ہیں زیر دونوں، جاتا جو پیش رُو ہے

تیرا وُجود مَصدَر، ہر باب تجھ سے قائِم
تیرے بغیر میرا، ہر فِعل فالتو ہے

حافِظؔ جو ہوتا نحوی، ترکیبِ زِیست کرتا
زیر و زبر بدلتا، بس یہ ہی آرزو ہے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

درسی پہیلی ۵

عربی کے عشاق ذرا قریب آجائیں:

ضَرَبَ الْاَبُ ابْنَه لِاَنَّه کَانَ مَخْمُوْرًا

ترجمہ: باپ نے اپنے بیٹے کو مارا کیونکہ وہ نشے میں تھا۔

اس جملے میں مخمورا کا تعلق اب کے ساتھ ہے یا ابن کے ساتھ۔ (یعنی نشے میں کون تھا باپ یا بیٹا؟)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

ہمارے اسلاف اور ادب علم دین

تحریر: محمد ساجد مہروی 2019-۸-۲۵

انسان اس وقت تک علم نہ تو حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے علم سے نفع اٹھا سکتا ہے جب تک وہ ان تین چیزوں کا ادب نہ کرے

جس سے پڑھا

جہاں پڑھا

جس کو پڑھا

اگر اس کو ان تین چیزوں کا ادب نہیں تو سمجھو یہ علم و کمال اس کیلئے وبال جان بن سکتا ہے

کسی نے کیا خوب کہا ہے

ما وصل من وصل الا بالحرمة

وما سقط من سقط الا بترك الحرمة

جس نے جو پایا ادب و احترام کے سبب پایا

اور جس نے جو کھویا ادب و احترام نہ کرنے کے سبب کھویا

اور کہا جاتا ہے کہ

الحرمة خير من الطاعة

ادب و احترام کرنا اطاعت کرنے سے بہتر ہے

جیسا کہ انسان گناہ کرنے کی وجہ سے کبھی کافر نہیں ہوتا بلکہ اسے ہلکا سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے

ایک مدرسے کی دیوار پہ عبارت لکھی ہوئی تھی

ليس يتيم الذي مات ابوه

بل يتيم الذي مات ادبه

یتیم وہ نہیں جس کا باپ مر گیا ہو

بلکہ یتیم تو وہ ہے جس کا ادب ختم ہو گیا ہو

اسے ادب نہ رہا ہو اور بے باک ہو گیا ہو

استاد کا ادب:

سب سے پہلے جس سے پڑھا اس کا ادب کرنا ضروری ہے

کیونکہ استاد کی تعظیم بھی علم کی تعظیم ہے

حضرت علی المرتضی شیر خدا اکرم اللہ تعالی وجہہ الکریم فرماتے ہیں

انا عبد من علمني حرفا واحدا ان شاء باع و ان شاء اعتق و ان شاء استرق

جس نے مجھے ایک حرف سکھایا میں اسکا غلام ہوں چاہے اب مجھے بیچ دے

چاہے تو آزاد کر دے چاہے تو غلام بنا کر رکھے

روایتوں میں آتا ہے کہ جب معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما ہوتے

صحابہ کرام علیہم الرضوان اس طرح ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھتے گویا کہ پرندے انکے سروں پہ بیٹھے ہیں

(نزہۃ القاری ص ۷۷)

حضرت سیدنا شیخ شمس الآئمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

جو شخص اپنے استاذ کیلئے اذیت و تکلیف کا باعث بنتا ہے وہ علم کی برکتوں سے محروم ہو جاتا ہے

(راہ علم ص ۳۲)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضي اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے جب حضرت سیدنا زید بن ثابت رضي اللہ عنہ گھوڑے پہ سوار ہوتے آپ گھوڑے کی لگام تھام لیتے اور پکڑ کر چلنے لگتے

حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل آپ یہ کیا کرتے ہیں

تو آپ فرماتے ہمیں اس چیز کا حکم دیا گیا ہے

حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ گھوڑے سے اتر کر آپ کے ہاتھ چوم لیتے اور فرماتے ہمیں بھی اس چیز کا حکم دیا گیا ہے

کتاب کا ادب:

علم کی تعظیم میں کتاب کا ادب بھی شامل ہے

کتاب کو بغیر طہارت کے ہاتھ نہ لگائے

امام شمس الآئمہ حلوانی کے بارے میں آتا ہے

آپ نے فرمایا

انما نلت هذا العلم بالتعظيم فإني ما اخذت الكاغذ الا بطهارة

میں نے یہ علم تعظیم کے سبب پایا ہے کہ میں نے کبھی بھی بغیر وضو کاغذ کو ہاتھ نہیں لگایا

)عشاق الکتب ص ۱۵۳(

کسی دانا کا قول ہے

جس نے کسی علمی بات کو ہزار بار سننے کے بعد اس کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسی تعظیم اس نے اس مسئلہ کو پہلی بار سننے کے وقت کی تھی تو ایسا شخص علم کا اہل نہیں

)تعلیم المتعلم ص ۳۵(

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے بخاری شریف مسجد حرام میں بیٹھ کر اس طرح لکھی کہ

ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے غسل کرتا پھر دو رکعت نفل ادا کرتا پھر استخارہ کرتا اسکے بعد وہ حدیث لکھتا

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے

آپ نے ایک لونڈی صرف اس وجہ سے رکھی ہوئی تھی جو شخص آپ کے پاس آتا تو پوچھتی حدیث پوچھنے آئے ہو یا کوئی مسئلہ پوچھنے

اگر وہ حدیث کا کہتا تو آپ عمامہ باندھتے خوشبو لگاتے اور اطمینان کے ساتھ تخت پر تشریف رکھتے پھر حدیث شریف بیان فرماتے

)الشفاء بتعریف حقوق المصطفی(

مدرسہ کا ادب:

اور مدرسہ کا ادب بہت ضروری ہے کیونکہ یہ انسان کی پہلی علمی آماجگاہ ہوتی

ہے

اور انسان کی علمی، عملی اور اخلاقی زندگی کی پرورش یہاں سے ہوتی ہے

یہ تھے ہمارے اسلاف جن میں ادب کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا

اور ایک ہم ہیں کہ ہم ادب کی کس نہج پہ کھڑے ہیں

بزرگ فرماتے ہیں اگر تیرا استاذ سے کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے اگرچہ تم راہ صواب پر تو استاد کو حق جانو کیونکہ اس میں کوئی ایسی مصلحت ہو جس کو تم جانتے نہیں

محفوظ سدا رکھنا شہا بے ادبوں سے

اور ہم سے سرزد نہ کبھی بے ادبی ہو

اللہ کریم ہمیں علم دین کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

پیشہ ور خطیب اور مدرس

خطبات کی دنیا میں یوں کذب بیانی،
دلوں کو سلاتی ہے سحر البیانی.
مدرس کی دیکھو ذرا جانفشانی،
بیچارہ عبارت کرے، پانی پانی.
مطالعہ کرے چھوڑ کر کھانا پانی،
اسی میں لگائے وہ کل زندگانی.
افہام و تفہیم، الفاظ و معانی.
ایسے ہی گزرے اس کی جوانی.
پھر تنخواہ کی نہ پوچھو کہانی،
آتی نہیں اتنے میں چوہا دانی.
پھر آئیں گے حضرتِ خطیبِ لاثانی،
کھلائیں جو قوم کو، بھوسہ، سانی.
جھوٹ بولیں گے خوب مانی جانی،
سناتے ہوئے ادھر ادھر کی کہانی.
مدح اراکین میں خوب من مانی،
کہ خوشی سے پھٹے اسکی میانی،

بازارو! مقرر کی یہ ہے نشانی،
کریگا وہ خوب، حرکت زنانی.
یہ ڈاکو پہنتے ہیں خوب شیروانی،
فریب و مکر کے یہی اصل بانی.
چند لمحے سنا کر، قصہ، کہانی.
لے کے نذرانہ، پھُر سے روانی.
ہے تقریر میں اتنی فراوانی،
کہ لفافہ، ساتھ میں حقہ پانی.
نہ مطالعہ نہ محنت، نہ پریشانی.
بس ہو چاپلوسی اور چرب زبانی.
معلم پہ دیکھو، بڑی مہربانی،
دیا پانچ سو،اور نوٹ ہے پرانی.
مدرس کو ہر دن حاضری ہے لگانی،
ورنہ ناراض طلبہ کی امّاں ونانی.
نہ گھبرا اے عالِم صادق وربّانی،
حشر میں سبکو منہ ہے دکھانی.
ورثة الأنبياء لقب تجھکو ہے پانی.

حشر میں تم پر شفیع کی شامیانی.

اے مدرس جہاں سے تیرا ہونا فانی،

باخدا قیامت کی یہی ہے نشانی.

تیری شان پہ دال آیتِ قرآنی.

اِنَّمَا یخشی اللہ تیری نشانی،

بھلائی کا ہو جس سے ارادہءِ ربّانی.

عطاء ہو اسی کو صحیح دین دانی.

کریگی قلم کی سیاہی تری ترجمانی.

ہوگی منور، تیری فخر سے پیشانی.

اے اللہ! یہ گناہگار، زلفی سبحانی

اسے بھی بنا دے تو عالِم ربّانی.

(زلفی سبحانی)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

حامدا و مصلیا و مسلما

چند نحوی بزرگان کے دلچسپ حالات

علم نحو ایک عظیم اور اہم فن ہے۔یہ مقولہ "* النحو فی الکلام کالملح فی الطعام * "جس طرح بہت دل چسپ، دلنشین اور معنیٰ خیز ہے ایسے ہی اس فن کے ماہرین اور ائمہ کے حالات بھی بہت دلچسپ و دلکش ہیں۔ناچیز نے چند ائمہ وماہرین نحو کے کچھ دلچسپ حالات بطور نمونہ اس مضمون میں جمع کیا ہے امید کہ پسند فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

﴿۱﴾ * ابو عمرو بن العلا * رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ. آپ کے نام میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ابو عمرو کنیت ہے اور یہی نام ہے اور بعض نے کہا کہ نام زَبّان ہے .بعہد عبد الملک مکہ مکرمہ میں سنہ ٦٨ھ یا ٦٩ھ پیدا ہوئے اور بصرہ میں تربیت پاکر شباب کو پہنچے اسی واسطے آپ کو بصری کہتے ہیں۔چونکہ قبیلۂ بنی مازنی سے تھے اس لئے مازنی بھی کہاجاتا تھا اور بمقام کوفہ خلافتِ منصور میں یا اس سے دو سال قبل سنہ ۱۵۴ یا ۱۵۵ میں وفات پائی۔ قراء سبعہ جنکو بدور سبعہ کہاجاتا ہے ان میں بدر ثالث ہیں گندمی رنگ دراز قامت تھی امام خلیل بن احمد کے استاذ بھی ہیں کہ ان سے علم نحو اخذ کیا تھا۔ انہوں نے امام اعظم سے سوال کیا تھا کہ قتل با ثقل (وزنی چیز سے قتل کرنا) موجب قود (قصاص) ہے یا نہیں ؟ آپ نے جوابا فرمایا نہیں۔ توانہوں نے کہا کہ اگرچہ مَنجنیق کے پتھر سے قتل کرے (جس میں پتھر

رکھ کر دیوار قلعہ کو توڑا جاتا تھا) آپ نے فرمایا ولو قتلہ بِاَبَا قبیس اگرچہ ابو قبیس پہاڑ کو مار کر قتل کرے۔ امام اعظم قدس سرہ پر ارشاد مذکور کی وجہ سے بعض بلید لوگوں نے یہ طعن کیا کہ آپ کو عربی زبان میں مہارت نہ تھی کیونکہ آپ نے " بِاَبَا قبیس " فرمایا اور کہنا چاہیئے تھا " بِاَبِی قبیس " اس لئے کہ " اب " اسمائے ستہ مکبرہ سے ہے جس کا اعراب بحالت جر 'یا' کے ساتھ ہوتا ہے نہ الف کے ساتھ ۔ان بیوقوفوں نے یہ نہ سمجھا کہ امام کا ارشاد نُحَات کوفیہ کے کے مسلک پر ہے جو ہر سہ حالات میں اسمائے ستہ مکبرہ کو الف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

)بشیر الناجیہ ص۱۶۶(

﴿۲﴾ * سیبویہ * آپ بہت بڑے نحوی ہیں اور دنیائے نحو کے بہت مشہور ومعروف عالم ہیں آپ کی کنیت ابو بشر اور نام عمرو بن عثمان بن قنبر تھا۔ فارسی میں سیبویہ سیب کی خوشبو کو کہتے ہیں چونکہ ان کے رخسار سیب کی مانند تھے نظر بر آں اس لقب کے ساتھ ملقب ہوئے۔ علامہ سید غلام جیلانی میر ٹھی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ لفظ بایں معنی اصل میں سیب بو تھا اور اس میں اضافت مقلوبی ہے کہ اصل میں "بوئے سیب" تھا جیسے شاہ زادہ کہ اس کی اصل "زاد شاہ" ہے پھر سیب بو ہوا اور (کثرت) استعمال سے سیب ویہ (سیبویہ) ہو گیا۔ سوال باسولی میں ہے کہ ان کو (یعنی سیبویہ) کو سیب سے بکمال رغبت تھی جب سیب کو دیکھتے بے اختیار زبان سے " وی " نکلتا یہ صوت (آواز) ہے بروقت تعجب صادر ہوتا ہے جیسے اردو میں

واہ۔ نظر بر آں سیبویہ کے ساتھ ملقب ہو گئے۔ سنہ ۱۸۰ ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔﴿بشیر الناجیہ ص ۶۳﴾

﴿۳﴾ * امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ * : آپ کا اسم گرامی علی بن حمزہ ہے اور کنیت ابو الحسن ہے یہ علم نحو، علم لغت و قرأت کے میں امام تھے اور خلیفہ ہارون رشید اور ان کے صاحبزادے امین کے استاذ تھے۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپ کو کسائی کیوں کہا جاتا ہے ؟ فرمایا کہ میں نے بروقت احرام کساء (چادر) استعمال کی تھی۔ (اس لئے آپ اس لقب سے ملقب ہوئے)۔ بمقام ری یا طوس سنہ ۱۸۹ھ وفات پائی۔ (بشیر الناجیہ ص ۸۱)

الملفوظ کامل میں ہے "ہارون رشید جیسے جبار بادشاہ نے مامون رشید کی تعلیم کے لئے حضرت امام کسائی سے (جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خالہ زاد بھائی اور اجلۂ علماء و قراء سبعہ میں سے ہیں) عرض کیا۔ فرمایا میں پڑھانے نہیں آؤں گا شہزادہ میرے ہی مکان میں آجایا کرے ہارون رشید نے عرض کی وہ وہیں حاضر ہو جایا کرے گا مگر اس کا سبق پہلے ہو۔ فرمایا یہ بھی نہ ہو گا بلکہ جو پہلے آئے گا اس کا سبق پہلے ہو گا غرض مامون رشید نے پڑھنا شروع کیا۔

)الملفوظ کامل ص۱۰۷(

)فائدہ: ان حوالوں سے پتا چلا کہ امام کسائی ہارون رشید اور امین و مامون تینوں کے استاذ ہیں(

﴿۴﴾ * امام فرّاء * ان کا اسم گرامی یحیٰ بن زیاد ہے اور کنیت ابوزکریا ہے علم نحو، لغت اور دیگر فنون ادب کے امام تھے۔ فرّاء بروزن فعّال ہے فریٌ بمعنی قطع وبرید (بجہت اصلاح) سے ماخوذ ہے چونکہ کلام میں بجہت اصلاح ترمیم فرمایا کرتے تھے اس لئے فراء کہلانے لگے۔ امام محمد شاگرد امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔ ایک دن ان کی مجلس میں کہنے لگے کہ جب کوئی شخص کسی علم میں ماہر ہو جائے تو دوسرے علوم آسان ہو جاتے ہیں امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ آپ علم عربیت میں ماہر ہیں میں آپ سے ایک مسئلہ فقہی دریافت کرتا ہوں عرض کیا فرمایئے۔ انہوں فرمایا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جس کو نماز میں سہو ہوا اس کے لئے دو سجدۂ سہو کئے پھر ان سجدۂ سہو میں سہو ہوا تو کیا پھر سجدۂ سہو کرے؟ قدر تأمل کر کے عرض کیا نہیں۔ فرمایا۔ کیوں؟ عرض کیا اس لئے کہ تصغیر کی تصغیر نہیں ہوتی دونوں سجدے تمام صلوٰۃ ہیں اور تمام کے لئے تمام نہیں ہوتا۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں تم جیسا (کوئی) پیدا نہیں ہوگا۔ سنہ ۲۰۷ میں بعمر تریسٹھ سال مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستے میں وفات پائی۔ (بشیر الناجیہ ص ۸۲)

﴿۵﴾ * خلیل بن احمد بصری فراھیدی * رحمۃ اللہ تعالی علیہ. آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن تھی علم عروض کے واضع ہیں ایک دن عروض کی تقطیع کر رہے تھے۔ صاحبزادے نے آکر دیکھا تو لوگوں سے جاکر کہنے لگے کہ میرے والد

مجنوں (پاگل) ہوگئے لوگوں نے آکر دیکھا تو تقطیع کر رہے تھے صاحبزادے کا مقولہ نقل کیا تو فرمایا۔

لوکنتَ تعلم مااقول عذرتنی ۔
او کنتُ اعلم ماتقول عذرتکا۔
لکن جهلت مقالتی فعذلتنی۔
وعلمت انک جاهل فعذرتک

یعنی اگر تو جانتا وہ جو میں کہتا ہوں تو تو مجھے معذور رکھتا، اور میں جانتا تھا جو تم کہتے ہو تو میں نے تیری ملامت کی، لیکن تو نے میری بات کو نہ سمجھکر میری ملامت کی اور مجھے معلوم ہے کہ تو جاہل ہے تو میں نے تم کو معذور رکھا۔

ابو عمرو بن العلا رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور سیبویہ کے استاذ، سید شریف قدس سرہ نے حاشیۂ کشاف میں فرمایا کہ خلیل بن احمد شرف میں اعلیٰ ہیں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے بعد عرب میں ان سے ازکی کوئی نہ ہوا، زھد وتعطف میں ممتاز تھے۔ اسلام میں امت مرحومہ کے اندر ان کے والد سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو * احمد * کے ساتھ موسوم ہوئے تھے سنہ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور سنہ ۱۷۵ھ یا سنہ ۱۷۷ھ میں وفات پائی۔ (بشیر الناجیہ ص۱۶۶)

﴿۶﴾ * مُبرّد * آپ کی کنیت ابو العباس اور نام محمد بن یزید بن عبد الاکبر اور مبرد لقب ہے (ایک قول کے مطابق) بایں مناسبت آپ کا مبرد لقب ہوا کہ بَرّادَۃ

میں بیٹھکر درس دیتے تھے جو ایک بڑے برتن کا نام ہے جس میں پانی ٹھنڈہ کیا جاتا تھابشیر الناجیہ ص١٦٦(

دوسرا قول یہ ہے کہ ایک روزایک کوتوال کا آدمی مبرد کو ڈھونڈتا پھرتا تھا۔مبرد کو خبر ہوگئی یہ گھبرائے ہوئے اپنے استاد ابو حاتم سجستانی کے مکان پر آئے اور یہ کیفیت بیان کررہے تھے کہ کوتوال کا جوان پتہ لگاکر ابو حاتم کے دروازے پر آکر پکارا۔ابو حاتم نے مبرد سے کہا تم اس کملی میں لپٹ رہو اور خود ابو حاتم باہر آئے جوان نے پوچھا کہ ابو العباس یہاں آئے ہیں ؟ابو حاتم نے کہا خانہ تلاشی کرلو کوتوال کے جوان نے خانہ تلاشی کی مگر اس کو یہ نہ سوجھی کہ مبرد کملی میں لپٹے ہوئے پڑے ہیں جب مایوس ہوکر چلا گیا۔ابو حاتم نے پکارا المبرد المبرد جب سے یہ لقب ہوگیا۔سنہ ۲۸۵ھ میں یا ۲۸۶ھ بمقام بغداد شریف وفات پائی۔علم نحو اور عربیت کے امام تھے۔(بشیر الناجیہ ص۲۰۸)

﴿۷﴾ * امام زَجَّاج * آپ کا اسم گرامی ابراہیم ابن محمد ابن سری ابن سھل ہے اور کنیت ابو اسحاق ہے بروز جمعہ ۱۹ جمادی الاخریٰ سنہ ۳۱۰ھ میں بمقام بغداد شریف وفات پائی عمر شریف اسی سال سے زیادہ ہوگئی تھی ۔ایک مرتبہ کسی سواری پر ایسے مقام سے گزرے جہاں لڑکے گلی ڈنڈا کھیل رہے تھے کسی شریر لڑکے نے آپ پر پانی ڈال دیا تو آپ نے اپنی چادر سے پانی جھاڑتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

اذا قُلَّ ماء الوجہ قل حیائہ۔
ولاخیر فی وجہ اذاقل مائہ۔
یعنی جب چہرے کی رونق کم ہو جائے تو اس کی حیا کم ہو جاتی ہے اور اس چہرے میں کوئی خیر نہیں جس میں رونق نہ ہو۔

٭زجاج٭ بمعنٰی شیشہ گر آپ کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ پہلے یہ شیشہ گری فرماتے تھے پھر اس کو ترک کر کے تحصیل علم کی طرف متوجہ ہو گئے اور علم عربیت میں اتنا کمال حاصل کیا کہ اکابر اہل عربیت سے شمار کئے جاتے ہیں مذھبا آپ حنبلی تھے اور آپ کی آخری دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو امام احمد حنبل رضی اللہ تعالی عنہ کے مذھب پر اٹھائے۔(بشیر الناجیہ ص ۲۲۲)

)سبحان اللہ(

)فائدہ۔اس سے معلوم ہوا کہ گلی ڈنڈا والا کھیل بہت پرانا ہے(

﴿۸﴾ ٭امام جرمی٭ علیہ الرحمہ کی کنیت ابو عمرو ہے اور اسم گرامی صالح بن اسحاق ہے ان کو جرمی اس لئے کہا گیا ہے کہ جرم بن ربان کی طرف منسوب ہیں یہ ان کے مولیٰ تھے۔فقیہ،عالم نحو،عالم لغت ہیں دیندار،پرہیز گار صحیح الاعتقاد ۔سنہ ۲۲۵ھ میں بزمانۂ خلیفہ معتصم باللہ انتقال فرمایا ایک مرتبہ امام صمعی سے گفتگو ہو گئی آپ نے سوال کیا کہ مختار کی تصغیر کیا ہے ؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ مُخَیتِر آپ نے فرمایا غلط،مُخَیتَار ہے۔نَبّاج رفیع الصوت کو کہتے ہیں۔آپ بلند

آواز سے کلام فرماتے تھے اس لئے آپ کا لقب نباج پڑ گیا۔ (بشیر الناجیہ ص ۲۲۳)

﴿۹﴾ *اخفش* لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں چھوٹی اور بینائی کمزور ہو اس نام کے نحویوں میں تین شخص گزرے ہیں (۱) ابو الخطاب عبد الحمید ابن عبد المجید یہ سیبویہ کے استاد تھے (۲) ابو الحسن سعید ابن مسعدہ یہ سیبویہ کے شاگرد تھے اور عمر میں بڑے ان کی وفات سنہ ۲۱۵ھ یا ۲۲۱ھ میں ہوئی ان کو اخفش اوسط کہا جاتا ہے (۳) ابو الحسن علی ابن سلیمان ان کی وفات سنہ ۳۱۵ھ یا ۳۱۶ھ میں بمقام بغداد اچانک واقع ہوئی ان کو اخفش اصغر کہتے ہیں یہ مبرد کے شاگرد تھے غیر منصرف کے بحث میں مثل احمر میں سبویہ کا ان سے ہی اختلاف ہوا ہے۔ (بشیر الناجیہ ص ۶۳)

﴿۱۰﴾ *ابن حاجب* (صاحب کافیہ) آپ کا اسم گرامی عثمان بن عمرو بن ابی بکر ہے کنیت ابو عمرو اور لقب جمال الملۃ والدین ہے، آپ کے والد بزرگوار سلطان عزالدین موشک صلاحی کے حاجب یعنی دربان تھے اسی واسطے آپ ابن حاجب کے ساتھ مشہور ہوگئے سنہ ۵۷۰ء قصبہ اسنا (مصر) میں پیدا ہوئے اور بمقام اسکندریہ بتاریخ ۱۶ شوال سنہ ۶۴۶ء بروز پنج شنبہ انتقال فرمائے۔

آپ بہت ذہین و فطین تھے، حیرت انگیز قوت حافظہ کے مالک تھے ایک مرتبہ کشتی میں سفر فرمارہے تھے اس میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جن کے

ہاتھ میں کوئی قلمی کتاب تھی آپ نے وہ کتاب لے کر از اول تا آخر مطالعہ فرمائی چونکہ اس کتاب میں تبرّا تھا نظر بر آں اس کو دریا میں ڈبو دیا کہ وہ اسی قابل تھی صاحب کتاب کو یہ دیکھ کر انتہائی رنج پہنچا اور بولا کہ آپ نے میری برسوں کی محنت ضائع کر دیا۔ آپ نے تو کتاب دیکھنے کو لی تھی ڈبونے کا آپ کو حق نہ تھا ، آپ عالم ہیں کیا آپ کا یہ فعل جائز ہے ؟۔ فرمایا آپ کو کتاب ہی تو چاہیئے لو لکھو، میں پوری کتاب لکھوائے دیتاہوں۔ چنانچہ آپ نے از اول تا آخر پوری کتاب لکھوادی۔) دیباچہ بشیر الناجیہ (

﴿۱۱﴾ *سید السند سید شریف جرجانی* رحمۃاللہ علیہ۔ (مصنف نحو میر وکتب کثیرہ) آپ کا نام علی ابن محمد ابن علی جرجانی ہے آپ حسینی سید ہیں ۲۲ شعبان سنہ ۷۴۰ء کو جرجان (مملکت خوارزم کا ایک شہر) میں پیدا ہوئے اپنے زمانہ کے اکابر علماء سے علم حاصل کیا۔ مبارک شاہ سے شرح مطالعہ پڑھی ہدایہ کے محشی علامہ اکمل الدین محمد ابن محمود بابرتی سے علوم دینیہ حاصل کیئے یہاں تک کے اپنے ہم عصر علماء سے سبقت لے گئے اور سید السند، سید شریف جرجانی اور میر سید کے القاب سے مشہور ہوئے۔

علامہ قطب الدین رازی شارحِ مطالع کے مایہ ناز شاگرد مبارک شاہ مصر میں اپنے مدرسہ کے صحن میں چہل قدمی کررہے ہیں اتنے میں انہیں ایک کمرے سے گفتگو کی آواز سنائی دیتی ہے۔ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک طالب علم شرح

مطالع کی تکرار کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ شارح مطالع نے یہ کہا، استاذ نے یہ کہا اور میں یہ کہتا ہوں۔ پھر جو اس نے تقریر کی۔ تو اس تقریر کی لطافت، روانی اور جولانئ فکر کو دیکھ کر مبارک شاہ پر وجد طاری ہو گیا اور وہ فرط مسرت میں رقص کرنے لگے۔ یہ طالب علم کوئی اور نہیں۔ یہ ہونہار طالب علم میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ تھے۔

چہار شنبہ ٦ ربیع الاول سنہ ٨١٦ھ میں سید سند کا وصال ہوا "مشہود دارین" تاریخ وفات ہے۔)نحو میر مع اردو حاشیہ ص ۴(

﴿۱۲﴾ * شیخ عبد الرحمٰن جامی نقشبندی * رحمۃ اللہ تعالی علیہ (صاحب شرح جامی) آپ کا لقب عماد الدین اور عرف نور الدین اور تخلص "جامی" ہے مورخہ ۲۳ شعبان سنہ ۸۱۷ھ خراسان کے ایک قصبہ 'جام' میں پیدا ہوئے۔ آپ متبحر عالم، محقق، مدقق بے نظیر تھے نیز ایک باکمال عارف اور عاشق رسول اللہ ﷺ بھی تھے۔

قاضئ روم کے شاگرد مولانا ابو یوسف سمرقندی کا بیان ہے کہ جب مولانا عبد الرحمٰن جامی سمرقند آئے تو اتفاق سے فن ہیئت میں ایک کتاب کی شرح پڑھنے لگے قاضی روم نے اس کتاب کے حواشی پر سالہا سال سے کچھ تعلیقات لکھ رکھی تھیں جامی روزانہ ہر نشست میں ان میں سے ایک دو کی اصلاح کر دیا کرتے تھے۔ قاضی روم نے اس کام پر جامی علیہ الرحمہ کے بے حد شکر گزار ہوئے چنانچہ وہ

اپنی شرح ملخص چغمینی بھی اٹھالائے اور مولانا جامی علیہ الرحمہ کو دکھائی۔ جامی علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں وہ تصرفات بھی کئے جو قاضی روم کے وہم وگمان میں بھی نہ تھے۔ (سبحان اللہ)

۱۸ محرم الحرام سنہ ۸۹۸ھ کو آپ علیہ الرحمۃ والرضوان ہرات میں وصال فرمائے اور * ومن دخلہ کان آمنا * سے آپ کا سن وفات نکلتا ہے۔

)ماخوذ از مقالہ آزاد دائرۃ المعارف ویکیپیڈیا وسراج المعانی وھکذا فی مقالۃ علامہ صدر الوریٰ مصباحی(

حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہ الکریم رضی اللہ تعالی عنہ نے جس باغِ نحو کو لگایا تھا اور جسے حضرت ابو الاسود ابن عمرو دُئلی نے سینچا تھا اور ان کے نقش قدم پر چل کر مذکورہ بالا درخشندہ نحوی ستاروں اور ان جیسے دیگر نحوی ستاروں نے اسے مزید آراستہ و پیراستہ کیا اور نکھار کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے اللہ رب العزت ان بزرگان کے صدقے ہمیں علم نحو اور دیگر علوم کے افہام و تفہیم کا مادہ عطا فرمائے آمین۔ 📝 محمد منصور عالم نوری مصباحی

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مدارس کے بارے میں مضمون نویسی کی مجوزہ مبادیات

ایک دوست کی طلب پر لکھی چند تجاویز

مدارس کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے شائع شدہ مستند مواد جمع کریں.

پھر اس مواد کو موضوعاتی ترتیب کے تحت تقسیم کریں. مثلاً اہم موضوعات یہ ہو سکتے ہیں:

۱. مسلم معاشرے کی تعمیر و اصلاح کے لیے مدارس کا کردار،
۲. مدارس کا نظام تعلیم،
۳. مدارس کے نظام تعلیم وتربیت میں ارتقاء کے تاریخی مراحل،
۴. مدارس کا نصاب تعلیم،
۵. مدارس کے نصاب میں ارتقاء کے تاریخی مراحل،
۶. مدارس کے مدرسین کی تربیت،
۷. مدارس میں تعلیم وتربیت و تحقیق کی سہولیات،
۸. مدرسین اور مفتیان کے لیے ریفریشر کورسز،
۹. مہتممین کے لیے ریفریشر کورسز،
۱۰. مدارس کو درپیش مسائل،
۱۱. بین المدارس علمی وفکری سرگرمیاں،

۱۲. مدارس کے مخالفین کی آراء اور موقف،

۱۳. مدارس کے مالی وسائل کی بہتری کے امکانات،

۱۴. مدارس میں الشہادۃ العالمیۃ کے مقالات کے رجحانات اور معیار

۱۵. مدارس میں تخصص کے مقالات کے رجحانات اور معیار

۱۶. مدارس میں تحقیقی مقالات لکھنے کی تربیت کا نظام

۱۷. مدارس میں طلبہ کی روحانی ترقی کے عملی طریقے

۱۸. مدارس کے فضلاء اور علماء کا ملکی میڈیا میں کردار

۲۰. مدارس کے خلاف عالمی پروپیگنڈے کا توڑ

۲۱. مدارس کے نظام میں حکومتی اور عالمی مداخلتیں،

۲۲. مدارس میں منعقد ہونے والے دورہ ہائے صرف و نحو کے اسباب، اہداف اور اثرات،

۲۳. مدارس میں منعقد ہونے والے دورہ ہائے تجوید و قراءات کے اسباب، اہداف اور اثرات،

۲۴. مدارس میں منعقد ہونے والے دورہ ہائے تفسیر کے اسباب، اہداف اور اثرات،

۲۵. مدارس میں منعقد ہونے والے دورہ ہائے علم میراث کے اسباب، اہداف اور اثرات،

۲۶. مدارس میں منعقد کی جانے والی بزم ادب کے اسالیب، اہداف اور اثرات،

۲۷. مدارس میں منعقد کیے جانے والے مسابقہ ہائے تحفیظ القرآن کے اہداف و اثرات،

۲۸. مدارس میں منعقد کیے جانے والے تقریری مقابلوں کے اسباب، اہداف، اسالیب اور اثرات،

۲۹. مدارس میں منعقد کیے جانے والے مضمون نویسی کے مقابلوں کے اہداف اور اثرات،

۳۰. مدارس میں منعقد کیے جانے والے ملی پروگراموں کے اہداف اور اثرات،

۳۱. ملی چیلنجز کے لیے مدارس کے جلسے اور جلوسوں کے اہداف اور اثرات، وغیرہ.

ان موضوعات کے متعلق مستند مواد کی انواع واقسام:

۱. مدارس کے متعلق کتب

۲. رسائل وجرائد میں مدارس کے بارے شائع شدہ مضامین ومقالات

۳. اخبارات میں مدارس کے متعلق شائع شدہ مضامین، بیانات اور خبریں

۴. مدارس کے حوالے سے ٹی وی چینلز کے مذاکرات کی ویڈیوز

۵. مدارس کے متعلق حکومتی بیانات اور پالیسیاں

۶. مدارس کے متعلق علماء کے بیانات کی ویڈیوز

۷. مدارس کے مخالفین کے تحریری، آڈیو ویڈیو بیانات

۸. مدارس کے نئے فضلاء کے تجربات اور آراء

۹. مدارس زیر تعلیم وتربیت طلبہ کی آراء

۱۰. مدارس کی مہتمہ کمیٹیوں کی آراء

۱۱. مدارس کے متعلق حکومتی جامعات میں منعقد ہونے والے سیمیناروں اور کانفرنسوں کے مقالات اور رپورٹیں

۱۲. مدارس کے بارے میں غیر ملکی تحقیق کاروں کی رپورٹیں

۱۳. مدارس کے متعلق این جی اوز کی تحقیقی رپورٹیں

۱۴. مدارس کے حوالے سے ملکی اور غیر ملکی جامعات میں لکھے گئے تھیسس

۱۵. مدارس کے متعلق مواد موجود نہ ہو تو سوال نامے اور انٹرویو کے ذریعے مواد جمع کرنا چاہیے،

۱۶. کسی خاص مدرسہ کی کوئی بات شائع کی گئی ہو اور آپ اس کے بارے میں اپنا موقف پیش کرنا چاہتے ہوں تو پہلے اس مدرسے کا ایک مطالعاتی دورہ کر کے تازہ ترین معلومات براہ راست ذمہ داران سے حاصل کر لیں.

ان تمام شکلوں میں مواد کا مطالعہ کریں. پھر سوچیں کہ مدارس کے متعلق کس موضوع کے بارے میں آپ کے ذہن میں کچھ لکھنے کے لیے افکار، تجاویز، تنقید، اصلاح، تشکیل نو وغیرہ موجود ہیں.

۱. مدارس کے متعلق موضوع پر براہ راست کام شروع کرنے سے پہلے کام کا خاکہ لکھیں اور کسی بڑے تجربہ کار اہل علم سے مشاورت ضرور کریں.

۳۲. .2 مدارس کے پس منظر میں اپنے موضوع کی باتوں کو لکھ کر رکھ دیں.

۲. اپنے مضمون کا تعارف، مقدمہ اور تمہید مناسب اور معقول اسلوب میں لکھیں.

۳. اپنے مضمون کے صُلب موضوع کو ذیلی سرخیوں اور بغلی عنوانات کے تحت تقسیم کریں.

۴. اپنے مضمون کا ایک مناسب خاتمہ ضرور لکھیں.

۵. پھر کچھ اصحاب فکر و دانش سے انہی نکات کے بارے میں کچھ تبادلہ خیال کریں.

٦. اس تبادلہ خیال کی مدد سے اپنے لکھے مضمون پر نظر ثانی کر کے ایک بار پھر رکھ دیں.

۷. کچھ دن مزید انہی نکات سے متعلق شائع شدہ تحریروں کا جائزہ لیں.

۸. اس جائزے سے اگر ذہن میں کوئی نئی باتیں آئیں تو اپنے مضمون میں ترمیم کریں.

۹. مضمون کی زبان میں الفاظ و اصطلاحات کو اپنے قارئین کی علمی سطح کے مطابق لائیں تاکہ قارئین آپ کے تحریری بیان اور پیغام کو اچھی طرح سمجھ سکیں.

۱۰. مضمون میں شامل نکات کی تاریخی یا عقلی و منطقی ترتیب بر قرار رکھیں.

۱۱. مضمون میں رموز او قاف کی کوئی غلطی نہ رہنے دیں.

۱۲. اپنے مضمون اور موقف کی ہر بات کو مدلل بنائیں.

۱۳. کوئی عبارت یا کسی کا قول نقل کریں تو اس کا مستند، مکمل اور درست حوالہ پیش کریں.

۱۴. اقتباس اگر اجنبی زبان میں ہو تو مضمون کی زبان میں اس کا درست ترجمہ بھی پیش کریں.

۱۵. اقتباسات کا حوالہ دینے میں مروجہ اصول وضوابط کی پابندی کریں.

۱۶. کسی بھی جگہ مؤثر مضمون نویسی کی اخلاقیات سے غفلت نہ کریں.

۱۷. کسی بھی مخالف کے موقف کی تردید میں اس کا تمسخر نہ اڑائیں. اس کے غلط موقف کی تغلیط مسکت دلیل سے کریں. اس سلسلے میں اصلاح کی نیت رکھیں تذلیل کی نہیں.

۱۸. اپنے درست موقف کا اثبات بھی نا قابل تردید دلائل سے کریں. اس سلسلے میں پہلے قرآن و سنت یا تاریخ سے نقلی دلائل پیش کریں. پھر مخالف کے مسلمات سے دلائل پیش کریں. پھر مشاہداتی دلائل پیش کریں. آخر میں عقلی و منطقی دلائل پیش کریں.

۱۹. آخر میں اپنے موقف اور پیغام کی قبولیت اور کامیابی کے لیے خالق ومالک کائنات سے دعائیں کرتے رہیں.

اللہ کریم آپ کو صاحب پیغام اور پُر تاثیر قلم کار بنائے.

آمین ربنا یا مجیب الدعوات

نوٹ: میری ان مجوزہ مبادیات پر کوئی اہل علم تنقیدی ملاحظات پیش فرمانا چاہیے تو اھلا و سھلا مرحبا.

)تحریر: خورشید احمد سعیدی، ۲۷ اپریل ۲۰۱۹ء، اسلام آباد(

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

مقولہ ہے من حفظ المتون فقد حاز الفنون، اس پر عمل کرتے ہوئے چھٹیوں سے فائدہ اٹھائیں اور متون کو حفظ کرنا شروع کردیں۔

امام النحو حضرت علامہ مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ دورانِ طالبِ علمی جب کافیہ (علم نحو کی ایک کتاب) پڑھ رہے تھے تو آپ کا معمول ہوتا کہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد حفاظ کی طرح کافیہ کا دَور کیا کرتے۔ ابھی آپ کو مکمل مَتن یاد نہ ہو پایا تھا کہ مدرسے سے رَمضانُ المبارک کی چھٹیاں ہو گئیں تو آپ بقیہ مَتن گھر میں روزانہ ظہر کے بعد یاد کرتے حتّٰی کہ رَمضان میں ہی کافیہ کے مکمل مَتن کے حافظ ہو گئے۔ (بشیر القاری، ص7 ملخصاً)

پیارے طلبۂ کرام! علم کی مثال ایک درخت جیسی ہے، مضبوط درخت کی طرح مضبوط علم کے لئے اس کے بیج یعنی مَتن پر عُبور ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اَسلاف مَتن پر خصوصی توجہ دیتے تھے لیکن! آج ہماری توجہ متون سے ہٹ گئی ہے، شاید اسی وجہ سے آج کل علوم کی بنیادی باتیں مستحضر نہیں رہتیں۔ کچھ سوال پیشِ خدمت ہیں غور فرمائیے گا کہ کیا کسی کتاب کا سہارا لئے بغیر ان کے جوابات فوراً دے سکتے ہیں؟ 1: مال کسے کہتے ہیں؟ 2: مکروہ تحریمی کیا ہوتا ہے؟ 3: قیاس کی تعریف، 4: انواعِ تشبیہ کون کونسی ہیں؟ 5: حدیثِ حسن کی تعریف، 6: مواقعِ تنوین کون کونسے ہیں؟ وغیرہ ذالک۔ اس طرح کی اور بہت سی بنیادی باتیں پڑھنے کے بعد بھی یاد نہیں رہتیں جس کی وجہ علوم کی بنیاد یعنی متون کو یاد رکھنے کا اہتمام نہ کرنا بھی ہے۔

مَتن کسے کہتے ہیں؟

جامع کلمات کا وہ مجموعہ جسے کسی فن کی بنیاد بیان کرنے کے لئے لطیف انداز میں پیش کیا گیا ہو مَتن کہلاتا ہے۔

مَتن کی اقسام

متون دو طرح کے ہوتے ہیں: ① متونِ منثورہ: جس میں مَتن کو نثر میں بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ اُصولِ فقہ میں متنِ مَنَار ② متونِ منظومہ: جس میں نظم کی صورت میں مَتن کو بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ علمِ نحو میں اَلْفِیَّۃُ اِبْنِ مَالِك۔ یاد رہے! علوم پر مہارت کے لئے ان کی اساس معلوم ہونے کے ساتھ ساتھ یاد ہونا بھی ضروری ہے۔ ہمارے اَسلاف پڑھنے کے ساتھ ساتھ یاد کرنے کا بھی بہت اہتمام کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کو مختلف کتابوں کے سینکڑوں ہزاروں صفحات یاد ہوتے تھے، مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف 12 سال کی عمر میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مُؤَطّا (امام مالک کی تحریر کردہ حدیث کی کتاب) حفظ کرلی تھی۔ (حلیۃ الاولیاء، 9/78) یونہی صدرُ الشریعہ نے ایک دن "کافیہ" کو حفظ کرنے کا اِرادہ کیا اور ایک ہی دن میں پوری کافیہ حفظ فرمالی۔ (سیرت صدر الشریعہ، ص33)

حفظِ متون کے فوائد

① متون چونکہ اصلِ فن پر مبنی ہوتے ہیں، اعتراضات، اشکالات، توضیح وغیرہ کا بیان متون میں نہیں ہوتا جس کی وجہ سے متون کے ذریعے علوم کی اساس اور بنیاد معلوم ہوجاتی ہے۔

② علمائے کرام متون میں اپنی علمی زندگی کا نچوڑ اور خلاصہ بیان کرتے ہیں جنہیں ہم خود حاصل کرنا چاہیں تو زندگیاں صَرف ہوجائیں، لہٰذا متون کے ذریعے علمائے دین کی زندگی بھر کی محنتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

③ ہر فن کی کُتب شرح و بسط کے ساتھ پڑھنا ممکن نہیں ہوتا، اگر ان کے مَتن پڑھ کر انہیں یاد کرلیا جائے تو بہت سے فنون کو حاصل کیا جاسکتا ہے کہ عربی کا مقولہ ہے: مَنْ حَفِظَ الْمُتُوْن فَقَدْ حَازَ الْفُنُوْن یعنی جس نے متون کو حفظ کیا اس نے کئی فنون کو حاصل کرلیا۔

④ حفظِ متون کی وجہ سے درس و تدریس کے دوران اپنی تقریر مضبوط سے مضبوط تر بنائی جاسکتی ہے۔ اے عاشقانِ علم! اگر آپ بھی علم کے تناور درخت بننا چاہتے ہیں تو علوم کی بنیاد یعنی متون کو اپنی پڑھائی کا حصہ بنائیں اور متون کو یاد کرنے کی عادت بنائیں۔ ذیل میں 5 مشہور اور مختلف علوم پر مشتمل متون کے نام حاضر ہیں۔

مختلف مشہور مَتن

① اُصولِ حدیث پر مشتمل جامع مَتن نُخْبَةُ الْفِكَر
② علمُ الکلام پر اَلْعَقَائِدُ النَّسَفِیَّة
③ اصولِ فقہ پر اَلْمَنَار
④ فقہ پر مُخْتَصَرُ الْقُدُوْرِی
⑤ علمِ منطق پر تَهْذِيْبُ الْمَنْطِقِ وَالْكَلَام۔

اسی طرح دیگر علوم کے بیان میں ایک نہیں بلکہ بیسیوں متون عُلَما نے تحریر فرمائے ہیں۔ ہمت کیجئے! آگے بڑھئے اور متون کو حاصل کرکے یاد کرنا شروع کردیجئے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

چھٹیوں میں کرنے کے ۵ کام

ایک اندازے کے مطابق ۳۶۵ دنوں میں ہر سال کم و بیش ۱۱۰ دن طَلَبہ کے بظاہر چھٹیوں یعنی تعلیمی ماحول سے دور گزرتے ہیں۔ اگر آٹھ سالہ کورس کے حساب سے ان سالانہ چھٹیوں کو ضرب دیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ سال میں ۲ سال اور ۵ ماہ کا عرصہ تو تعطیلات ہی میں گزر جاتا ہے۔ ان تعطیلات میں عام طور پر کوئی خاص و اَہم کام نہیں ہو پاتے لیکن! ایک مشہور مثال ہے: ”خَزَائِنُ الْمِنَنِ عَلَی قَنَاطِرِ الْمِحَنِ“ یعنی بخشش اور احسانوں کے خزانے آزمائشوں کے پُل سے گزر کر ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں یا یوں کہیے کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔

پیارے طلبہ کرام! یہ مختصر اور قیمتی وقت آگے کی زندگی کا مدار اور بہت سے کمالات و عُلوم سے آراستہ ہونے کا زمانہ ہے، لہٰذا چھٹیوں کے دِنوں کو عِلمی اور عَمَلی میدان میں گزارنے کے حوالے سے مُفید گزارشات پیشِ خدمت ہیں:

(1) درسی کُتُب: ہر طالبِ عِلم کا اوّلین مقصد درسی کتب پر عُبُور ہونا چاہیے کہ یہی چند کتب زندگی بھر گلستانِ مکتب سے عطر جمع کرنے میں مُعاون ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا عِلمی پختگی کے لئے ضروری ہے کہ چھٹیوں میں ابتدائی طلبہ اسی سال کی کتب جبکہ بڑے درجات کے طلبہ اس کے ساتھ ساتھ پچھلی کتب کا بھی مطالعہ ضرور فرمائیں۔

(2) ذاتی مُطالعہ: مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر پورا

درسِ (نظامی) بھی پڑھا تو اس پڑھنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اب اتنی اِستعِداد(یعنی صلاحیت) ہوگئی کہ کتابیں دیکھ کر محنت کرکے علم حاصِل کر سکتا ہے۔ ہم خیر خواہانہ نصیحت کرتے ہیں کہ تکمیلِ درسِ نظامی کے بعد فقہ و اُصول و کلام و حدیث و تفسیر کا بکثرت مُطالعہ کریں۔([1])

لہٰذا چھٹیوں کے لئے درسی کتب کے ساتھ مختلف فُنون پر مشتمل مختصر رسالوں کی ایک لسٹ بنائیں، جس میں تفسیر، حدیث، تصوُّف، فقہ، بُزُرگوں اور عُلَما کی سیرت وغیرہ کے موضوعات شامل ہوں اور جب ایک سے اُکتاہٹ ہو تو دوسرے کو پڑھنا شروع کر دیں، اس طرح طبیعت میں نَشاط رہے گا اور پڑھنے میں مزہ بھی آئے گا۔ حضرت سیّدُنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ آپ جب قراٰنِ پاک کی تعلیم و تفسیر بیان کرنے سے اُکتا جاتے تو شعراء کے دیوان منگوا کر ان کو پڑھنے لگ جاتے۔ یونہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ شب بیداری فرمایا کرتے تھے اور آپ کے پاس مختلف قسم کی کتابیں رکھی ہوتی تھیں، جب ایک فن سے اُکتا جاتے تو دوسرے فن کے مطالعہ میں لگ جاتے تھے۔([2])

(3) تحریر: نیکیاں دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک لازم جن کا فائدہ صرف اپنی ذات کو ہوتا ہے، دوسری مُتعدّی جن کا فائدہ اپنی ذات کے ساتھ دوسروں کو بھی ہوتا ہے۔ چونکہ لازم سے متعدی نیکی افضل ہے اس لئے اپنے فائدے کے ساتھ

ساتھ اُمّت کی اصلاح کی خاطر تحریری میدان میں ضرور قدم رکھیں۔

تحریر کے لئے چھٹی کے کل دنوں کے حساب سے ہر بار کسی مختصر عربی رسالہ کا انتخاب کریں اور اس پر جو آپ کے لئے آسان ہو ترجمہ، تسہیل، تخریج اور تحقیق کریں۔ اگر ایک بار میں مکمّل نہ ہو تو دوسری، تیسری بار میں اسے مکمل فرمالیں چاہے کام جیسا بھی ہو، بس آخر تک لگے رہیں چھوڑ نہ دیں، اِنْ شَآءَاللہ اس طرح بُزُرگوں کے دَفینوں سے ایک خزانہ منظرِ عام پر آجائے گا۔ آپ کی ترغیب وہمّت کے لئے عرض ہے کہ حضرت مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ زمانہ کتاب "بہارِ شریعت" کا عرصہ تصنیف تقریباً ۲۷ سال پر مُحیط ہے، لیکن ۲۷ سال کا یہ مطلب نہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان سالوں میں ہر وقت تصنیف میں مشغول رہے بلکہ تعطیلات میں وہ بھی دیگر اُمُور سے وقت بچا کر یہ کتاب لکھتے جس کے سبب اس کی تکمیل میں خاصی تاخیر ہوگئی، بہارِ شریعت حصّہ ۱۷ کے اختِتام پر آپ لکھتے ہیں: اس کی تصنیف میں عُمُوماً یہی ہوا کہ ماہ رمضان مبارَک کی تعطیلات میں جو کچھ دوسرے کاموں سے وقت بچتا اس میں کچھ لکھ لیا جاتا۔([3])

(4) درس وبیان: مُتعدّی نیکی کی ایک صورت درس و بیان بھی ہے۔ لہٰذا چھٹی کے کل روز کی رعایت کرتے ہوئے ہفتہ کے دِنوں کو مختلف مقامات کے لئے منتخب کریں اور بھرپور تیاری کے ساتھ وہاں جاکر اصلاحی اور اخلاقی مضامین پر

درس و بیان کریں اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے سادہ عوام کو روشناس کرائیں مگر! درس و بیان کا انداز افہام و تفہیم والا ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

اپنے علاقے میں ہونے والے مختلف مدنی کاموں میں شمولیت کو یقینی بنایا جائے مثلاً ہفتہ وار علاقائی دورہ، یومِ تعطیل اعتکاف، چوک درس وغیرہ، ان مدنی کاموں میں شرکت کی برکت سے اپنی اِصلاح کے ساتھ ساتھ دُوسروں تک نیکی کی دعوت پہنچانے کی سعادت بھی حاصل ہو گی۔ خیال رہے کہ دیگر کی اصلاح کے ساتھ اپنی اصلاح پر بھی توجّہ ہو، فرائض و اجبات کی تکمیل میں کوئی کمی نہ رہے تاکہ زبان و کردار دونوں کے ساتھ لوگوں کو اسلامی تعلیمات کی طرف قائل و مائل کر سکیں۔

(5) شارٹ کورسز: یہ زمانہ مقابلہ کا ہے، ہر شعبہ ترقی کے زینوں کو طے کرتے ہوئے آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے، اس لئے اپنے درجات کے حساب سے طلبۂ دین کو بھی اپنی مہارت (Skill) میں اضافہ کرنا چاہیے، اپنے دِلی رُجحانات اور مستقبل کے ارادوں میں مُعاون شارٹ کورسز میں ضرور حصہ لیجئے اِنْ شَآءَ اللہ وقت آنے پر اس کا بھرپور فائدہ ہو گا۔

گزشتہ سالوں سے مختلف جامعاتُ المدینہ میں مجلس جامعۃُ المدینہ کی طرف سے بھی مختلف کورسز کروائے جارہے ہیں لہٰذا ان میں شمولیت بھی علمی دنیا میں ترقّی کے لئے بہت مُعاون ثابت ہو گی۔

پیارے طلبہ ! اگر یہ وسوسہ آئے کہ یہی سب کام کرنے ہیں تو پھر انہیں چھٹیاں کہنا درست نہیں کہ اس طرح تو سارا وقت پڑھنے اور سیکھنے میں ہی لگ جائے گا تو عرض ہے کہ یہی حقیقت ہے کہ طالبِ عِلم کی کوئی چھٹی نہیں، علمِ دین حاصل کرنے والے کسی دن کو بھی پڑھائی سے چھٹی کا تصوّر نہیں کرسکتے، آپ کو معلوم ہی ہے کہ حریص کی ایک قسم عِلم کا حریص بتایا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو علم کی چاشنی مل جائے تو پھر وہ روکے نہیں رُکتا بلکہ ہر آن مزید کا طالب ہوتا ہے، یقین نہیں آتا تو اسلاف کی سیرت اٹھا کر ہی پڑھ لیجئے کس طرح وہ عِلم دوست تھے، کیسے وہ کتاب کی رفاقت کا حق ادا کرتے تھے، حضرت سیّدنا امام حَسَن بن زیاد کُوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے چالیس سال اس طرح گزرے کے سوتے جاگتے میرے سینے پر کتاب رہی۔([4])

حوصلہ پست ہے کیوں عزم جواں پیدا کر
اٹھ زمانے میں قیامت کا سماں پیدا کر

([1])بہار شریعت،۳/۱۹۹، ۲۰۰ملخصًا ([2])تعلیم المتعلم طریق التعلم، ص۱۰۱ ([3])بہار شریعت، مقدمہ، ۱/۳۷ ([4])جامع بیان العلم و فضلہ، ص۱۲۳۱۔ نوٹ: یہ مضمون اس لنک پر بھی پر دیکھا جا سکتا ہے یہاں کلک کیجیے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

پڑھتے ہیں لیکن یاد نہیں رہتا

سوال: کتابیں پڑھتے ہیں یاد نہیں رہتیں تو پھر پڑھنے کا فائدہ کیا؟

جواب :

قلت مرة لشيخي: قرأت الكتاب ولم يعلق شيء منه بذاكرتي؟ مدّ لي ثمرة وقال: امضغها، ثم سألني: هل كبرت الآن؟ قلت: لا، قال: ولكن هذه التمرة تقسمت في جسدك فصارت لحمًا وعظمًا وعصبًا وجلدًا وشعرًا وظفرًا وخلايا!

أدركت أن كتابًا أقرؤه يتقسم، فيعزز لغتي، ويزيد معرفتي، ويهذب أخلاقي، ويُرَقّي أسلوبي في الكتابة والحديث ولو لم أشعر.
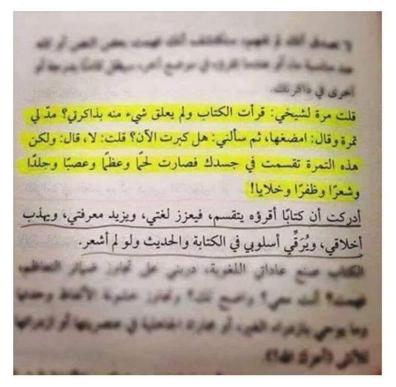
ایک مرتبہ میں نے اپنے شیخ سے عرض کی: میں کتاب پڑھتا ہوں لیکن میرے ذہن میں کچھ ٹھہرتا نہیں (تو پڑھنے کا فائدہ؟)۔

انہوں نے مجھے ایک کھجور دی اور فرمایا کہ اسے (اچھی طرح) چبا(کر کھا)

لو۔

(جب میں نے کھالی) تو مجھ سے پوچھا: کیا تم (اس ایک کھجور کے کھانے سے) بڑے ہو گئے؟

میں نے عرض کی: نہیں۔

فرمایا: حالانکہ یہ کھجور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تمہارے جسم کا حصہ بن چکی ہے، کچھ گوشت، کچھ ہڈی، کچھ پٹھے، کھال، بال، ناخن اور کچھ حصہ (مختلف) خلیے بن گیا۔

تو (شیخ کے اس فرمان پر) میں نے جان لیا: کہ (کتاب پڑھنا بے کار نہیں جاتا) جو کچھ میں پڑھتا ہوں (کھجور کی طرح) ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے. اور (اس سے) میری لغت مضبوط ہوتی ہے، میری معرفت میں اضافہ ہوتا ہے، میرے اخلاق سدھرتے ہیں، میرے لکھنے بولنے میں نکھار پیدا ہوتا ہے، اگرچہ مجھے (فوری طور پر) اس کا احساس نہیں ہوتا۔ (جیسا کہ کھجور کھانے کے بعد فوراً بڑا ہونے کا احساس نہیں ہوتا حالانکہ وہ جزوِ بدن بن جاتی ہے)۔

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

معلّم

معلم نام ہے جس کا
مقدس شخص ہوتا ہے
معلم علم دیتا ہے
معلم طرز دیتا ہے
معلم ہی تو ہے جو بے ادب کو پارسا کر دے
معلم بے زبانوں کو سخن کا ناخدا کر دے
معلم کچی مٹی کو اک عالیشان گھر کر دے
معلم مالی ہوتا ہے جو پودوں کو ہرا کر دے
معلم ننھے بچوں کو زمیں سے آسماں کر دے
معلم جو بھی کرتا ہے
یہ اس کا فرض ہوتا ہے
معلم وہ نہیں جو بس نصابوں کو کرے پورا
معلم وہ ہے جو بچوں کو جینے کا ہنر دے دے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

پڑھانے اور اپنے آپ کو استاذ کہلوانے میں جو نشہ ہے وہ بادشاہی میں ہو تو ہو ورنہ دنیا کا ہر مزا اس کے سامنے ہیچ ہے

مشتاق احمد یوسفی

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

پہلے فقہ، پھر تصوف

كن فقيها صوفيا ولا تكن صوفيا فقيها

یعنی پہلے فقہ پڑھ لو تاکہ حلال و حرام جان سکو پھر تہذیب اخلاق کیلیئے صوفی بنو

حضرت جنید بغدادي

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

اساتذہ پر طلبہ کے حقوق

۱ -شاگرد کی بہ نسبت مھربانی اور محبت،

۲ -اپنے شاگردوں کے ساتھ نرم روی و فروتنی سے پیش آنا،

۳ -طالب علموں اور شاگردوں کے حالات کے بارے میں مھربانی کا مظاھرہ کرنا،

۴ -شاگرد کے نام اور اس کے کوائف سے آگاہ ھونا،

۵ -شاگرد کی شخصیت کا احترام اور اس کے افکار کی اھمیت کا اعتراف کرنا،

۶ -شاگردوں سے محبت اور توجہ کرنے میں مساوات کی رعایت کرنا،

۷ -شاگردوں کے تجربوں کی رعایت کرنا اور (علم و شائستگی میں) ان کے محاسن کی طرف توجہ کرنا،

۸ -شاگردوں کو شائستہ معلمین کی معرفی کرنا،

۹ -ادب اور شائستگی کے ساتھ نشست برخاست کرنا،

۱۰ -درس کے دوران سنجیدگی اور وقار کا مظاھرہ کرنا،

۱۱ -شاگردوں میں ذمہ داری اور نظم وضبط کی حس کو ایجاد کرنا،

۱۲ -شاگرد کے ساتھ نرمی اور مھربانی سے پیش آنا اور اس کے سوالات کا اھتمام کرنا،

۱۳ -نئے شاگردوں کے ساتھ محبت و ھمدردی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا،

۱۴ -جن مسائل پر عبور نہ رکھتا ھو ان کے بارے میں لاعلمی کا اعتراف کرنا،

۱۵ -درس کو ختم کرنے سے پھلے اپنی لغزشوں اور غلطیوں کے بارے میں تذکر دینا،

۱۶ -درس کو ختم کرنے کے بعد کلاس میں چند لمحہ رکنا،

۱۷ -شاگردوں کے لئے مانیٹر کا تعیّن کرنا،

۱۸ -اخلاقی نصیحتوں اور دعا سے درس کو اختتام بخشنا،

ب: علمی اور تعلیمی فرائض، جو حسب ذیل ھیں:

۱-علمی و عملی لحاظ سے شاگردوں کو قدم بہ قدم آگے لے جانا،

۲ -شاگردوں میں علم و دانش کے بارے میں شوق وولولہ ایجاد کرنا،

۳ -شاگردوں کی استعداد کی رعایت کرتے ھوئے مطالب کو سمجھانے کی کوشش کرنا،

۴ -علوم کو پڑھانے کے دوران ان کے کلی ضوابط و قواعد کا ذکر کرنا،

۵ -شاگردوں کو علمی مشغلوں اور دروس کو دھرانے کی ھمت افزائی کرنا،

۶ -شاگردوں میں دقیق مسائل بیان کرنا اور ان سے سوالات کرنا،

۷ -شاگردوں کو اپنا درس سمجھانے میں بھترین قواعد اور طریقہ کار سے استفادہ

کرنا،

۸ -علوم ودانش کے منطقی قواعد کی رعایت کرنا،

۹ -مطالب کو بیان کرنے میں خلاصہ اور اعتدال کی رعایت کرنا،

۱۰ -کلاس کی مناسب فضا کی طرف توجہ کرنا(ھر قسم کے آزار دھندہ عوامل سے پرھیز کرتے ھوئے،

۱۱ -شاگردوں کی مصلحتوں کا خلیال رکھنا اور تدریس کے وقت کو معین کرنا،

۱۲ -تدریس کے دوران آواز اور بیان کی طرف توجہ رکھنا،

۱۳ -درس کے کلاس کے نظم وانتظام کے تحفظ کی رعایت کرنا-

منقول،

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

تحصیل علم کی تڑپ

تحریر: محمد ساجد مہروی

* امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ * جب چھوٹے تھے صبح ابھی اندھیرا ہوتا کہ آپ پڑھنے کیلئے جانے لگتے تو آپ کی والدہ آپ کو پکڑ لیتیں کہ ابھی تک سورج طلوع نہیں ہوا جب سورج طلوع ہو جائے اس وقت جانا

* امام بقیع بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ * آپ اہل مغرب میں سے ہیں اور آپ نے بہت کتابیں بھی لکھی ہیں

آپ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پڑھنے کیلئے آئے اور اس وقت آپ مسئلہ خلق کی وجہ سے قید میں تھے تو آپ پر پابندی لگادی گئی تھی کہ آپ لوگوں کو مسائل بتائیں یا مجلس لگائیں تو سیدنا بقیع بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ ہر روز صبح کو بھکاری کی صورت میں آتے اور آپ سے حدیثیں سن لیتے تھے

جس طرح آجکل لوگ تلاش معاش کیلئے صبح سویرے نکلتے ہیں

پہلے اس طرح لوگ حدیثیں سننے کیلئے صبح نکلا کرتے تھے تاکہ وہ جلدی پہنچ جائیں اور شیخ سے براہ راست سماع حدیث ہو سکے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درس نظامی کا مقصد

مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

"درس نظامی" کا مقصود ہے: طلباء کو ان کتب کی تعلیم دینا جن کے ذریعے متعلقہ علم و فن کی استعداد اور ملکہ، ان کے اندر پیدا ہو جائے اور پھر وہ اپنے طور پر باقی کتب کا مطالعہ کر کے، انھیں سمجھ سکیں.

علامہ یسن اختر مصباحی صاحب سے اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں.

اس مقصود کی تحصیل میں "درس نظامی" کامیاب تھا- اور اب بھی ہے. اور اگر طالب علم، اپنی غفلت و کوتاہی سے دیگر کتابوں کا مطالعہ نہ کرے تو یہ اس کا نجی اور ذاتی قصور ہے- جس سے "درس نظامی" کا دامن پاک ہے.

(کتاب: ممتاز علمائے فرنگی محل لکھنو، از علامہ یس اختر مصباحی صاحب. صفحہ ۲۵ ناشر اکبر بک سیلرز لاہور)

محمد شعیب خان

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درسِ نظامی کا سکڑ تا نصاب (شارٹ کورس)۔

شکار صرف اہل سنت ہی کیوں؟

دیگر مسالک میں کیوں نہیں؟ یا میری معلومات ناقص ہیں؟

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مستقبل قریب کے حوالہ جات

علامہ اب ج مدظلہ العالی اپنی فیس بک کی آفیشل آئی ڈی کی پوسٹ بتاریخ ۱۲ دسمبر ۲۰۱۹ میں ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔الخ

علامہ اب ج مدظلہ العالی نے اپنے فیس بوک پیج پر اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔۔۔الخ

علامہ اب ج مدظلہ العالی فلاں علامہ کی پوسٹ بتاریخ ۱۲ دسمبر ۲۰۱۹ پر کمنٹ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔۔۔الخ

فیس بوک علما بورڈ نے علامہ اب ج مدظلہ العالی کی تمام تر تحاریر و شروحات

کو غیر معتبر قرار دیا ہے کیونکہ ۱۲ دسمبر ۲۰۱۹ کو ہیکر نے ان کے اکاؤنٹ میں کثرت سے الحاق کر دیا ہے جس کا ذکر علامہ اب ج نے اپنے فلاں اکاؤنٹ پر کیا ہے۔۔۔الخ

علامہ اب ج مد ظلہ العالی نے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کر لیا تھا، ان کا رجوع ۱۲ دسمبر ۲۰۱۹ کی پوسٹ میں شائع ہو چکا ہے۔۔۔الخ

احباب رائے دیں اس طرح کے حوالہ جات کس حد تک قابل قبول ہیں؟

پوسٹ کو تضحیک پر محمول نہ کریں۔

ابو محمد عارفین القادری

12 دسمبر ۲۰۱۹

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

علم منطق پر ایک اعتراض کا جواب

پرانے وقتوں میں بادشاہوں کے استقبال کے لیے توپ چلائی جاتی تھی۔

ایک دن بادشاہ سلامت تشریف لائے تو توپ نہ چلی۔

بادشاہ نے وجہ پوچھی تو وزیر کہنے لگا:

"توپ نہ چلنے کی سات وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ بارود ہی نہیں تھا۔ دوسری یہ کہ۔۔۔۔"

بادشاہ نے وزیر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ باقی چھے اپنے پاس رکھو۔

درس نظامی کی اکثر کتب میں منطقی چھاپ کی وجہ سے پہلے جملہ احتمالات کا ذکر کیا جاتا ہے پھر دلائل کی روشنی میں بتایا جاتا ہے کہ یہاں پر فلاں ایک احتمال ہے اور بقیہ باطل ہیں۔

مثلا

بتایا جاتا ہے کہ الف لام کی دو اقسام ہیں زائدہ اور غیر زائدہ، پھر دونوں کی تعریفات وامثلہ بیان کرنے بعد استاذ صاحب غیر زائد کی چار مشہور اقسام جنس، استغراق، عہد خارجی اور عہد ذہنی کا بتاتے ہیں۔ پھر ان چاروں کی تعریفات وامثلہ بیان ہوتی ہیں اور دس پندرہ منٹ کی طویل تقریر کے بعد بتایا جاتا ہے کہ الکلمۃ میں الف لام کی فلاں قسم ہے۔

جس طرح توپ نہ چلنے کی ایک وجہ (بارود کی عدم دستیابی) بیان کرنے کے

بعد بقیہ کی حاجت نہ تھی اسی طرح یہاں بھی الف لام کی تمام اقسام بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ سیدھا سیدھا بتایا جا سکتا ہے کہ فلاں قسم ہے اور فلاں معنی ہے، دو باتوں میں بحث ختم۔ اتنی سی بات کے لیے پندرہ منٹ تقریر کرنا قابل فہم نہیں۔

اور یہی منطقی انداز درسی کتب میں جابجا دکھائی دیتا ہے۔

جواب

یہ اعتراض ایک طرح کا مغالطہ ہے۔ کلاس اور عام حالات کی گفتگو میں فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ کلاس میں فقط معلومات دینا مقصد نہیں ہوتا بلکہ علم کو ذہن میں راسخ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ایسے میں جملہ احتمالات کا جائزہ نہ لیا جائے تو اسے معلومات (Informations) تو کہا جا سکتا ہے علم (Knowledge) نہیں۔

توپ نہ چلنے والے اس واقعے میں بھی عام حالات میں کی جانے والی بات چیت کو کلاس میں کی جانے والی تقریر سے تقابل کیا گیا ہے۔

اسے ایک مثال سے سمجھیں

ایک شخص ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ ڈاکٹر علامات دیکھتا ہے اور کہتا ہے تمہیں (مثلا) ملیریا ہے۔ یہ عام حالات میں کی جانے والی گفتگو ہے۔

یہی ڈاکٹر کلاس میں اپنے طلبہ کو پڑھائے گا تو گفتگو کچھ یوں ہو گی: اگر بخار کا مریض آئے تو علامات دیکھو، بخار (مثلا) سات طرح کا ہو سکتا ہے۔ فلاں علامت

ہو تو ملیریا، اور دوائی یہ والی۔ اگر فلاں علامت ہو تو ٹائیفائیڈ اور دوائی یہ دینی ہے۔۔۔ علی ہذا القیاس

اس مثال کو دنیا کے کسی بھی شعبے پر فٹ کر دیں نتیجہ یہی نکلے گا کہ عام حالات کی گفتگو اور کلاس کی تقریر میں فرق ہوتا ہے، ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ایک عالم دین بھی عوام میں تقریر کے دوران یوں نہیں کہتا کہ الحمد میں الف لام کی فلاں فلاں چار اقسام ہیں، بلکہ ضرورت ہو تو صرف ایک ہی بیان کی جاتی ہے۔

اور یہی بات کلاس میں طلبہ کے سامنے بیان کرنی ہو تو انداز الگ ہو گا۔

((یونہی ایک مفتی صاحب سے کوئی عام آدمی مسئلہ پوچھتا ہے تو وہ دوٹوک انداز میں جائز اور ناجائز بتاتے ہیں۔

وہی مفتی صاحب وہی مسئلہ کلاس میں پڑھائیں گے تو دلائل بھی دیں گے، دیگر ائمہ کرام کا اختلاف بھی بیان کریں گے اور دلائل کی روشنی میں اپنے مؤقف کو ثابت بھی کریں گے۔

نوٹ : بعض نو آموز مفتیان کرام عوام کے سامنے بھی یہ دلائل اور اختلافات بلا ضرورت بیان کرنے لگے ہیں جس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ عوام اس بات کے اہل نہیں کہ ان کے سامنے ائمہ کرام کے اختلافات بلا

ضرورت بیان کیے جائیں اس لیے احتیاط کرنی چاہیے))۔

معلوم ہوا کہ توپ والا یہ واقعہ صرف منطق پر اعتراض کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے ورنہ عام حالات میں کوئی بھی اس (وزیر کی) طرح گفتگو نہیں کرتا۔ اور کرتا بھی ہے تو ازراہ تفنن، اور بادشاہ کے سامنے یہ بھی بعید از قیاس۔

(()) میں موجود سطور ایک دوست کے کمنٹ سے اخذ کی گئی ہیں۔

فائدہ

ا

جملہ احتمالات کا جائزہ لے کر دلائل کی روشنی میں کسی ایک کو متعین کرنے کی یہ صلاحیت انسان کو بہترین تجزیہ نگار بنا دیتی ہے۔ اسی لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ درسی فنون میں مہارت رکھنے والا ایک اچھا عالم دین بنا بنایا صحافی اور تجزیہ نگار ہوتا ہے صرف اپنی صلاحیت و مہارت کو پہچان کر جدید علوم (ڈگری) کی تھوڑی سی پالش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی لیے طلبہ کو اکثر نصیحت کرتا ہوں کہ بلا وجہ ادھر ادھر کی باتوں میں آنے کے بجائے اپنے اسلاف پر اعتماد کریں۔ ان بزرگوں نے یہ علوم وفنون درسیات میں بلا وجہ شامل نہیں کیے تھے۔ لہذا صبر اور محنت کے ساتھ اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔ محنت کا پھل اللہ تعالی کافر کو بھی عطا فرماتا ہے اور آپ تو اس کے دین کے سپاہی ہیں۔

۲

اگر آپ کوئی کمپیوٹر لینگویج جانتے ہیں، یا ڈیٹا بیس بنا سکتے ہیں، یا ڈیٹا اینالائزر ہیں، یا یوزر انٹرفیس بنانے جیسا کوئی کام کر سکتے ہیں تو آپ کو بخوبی علم ہوگا کہ منطقی انداز فکر آج بھی جدید ٹیکنالوجی میں جا بجا استعمال ہو رہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو آئندہ کسی تحریر میں اسے ثابت بھی کروں گا۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

کسی منطقی نے دوسری شادی کرلی۔

پہلی بیوی کے میکے والوں نے اسے گھر بٹھا لیا کہ نئی بیوی کو طلاق دو گے تبھی واپس بھیجیں گے۔

منطقی: میں نے دوسری بیوی سے شادی اس شرط پر کی ہے کہ اگر اسے طلاق دوں تو پہلی کو بھی تین طلاق۔۔۔

شام تک پہلی بیوی گھر واپس آچکی تھی۔۔۔

منطق پڑھو منطق!

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

منطق سے اللہ واسطے کا بیر رکھنے والے دوستوں کی ناراضگی دور کرنے کی ایک شاعرانہ کوشش۔(مخالفین کی صفوں میں کھڑے ہو کر)

جامعہ کا داخلہ بھی سرسری مت جانیے
آپ کے بچے کو افلاطون ہونا چاہیے
دوستو! منطق ضروری ہے ہمارے واسطے
فیل ہونے کو بھی اک مضمون ہونا چاہیے

انور مسعود سے معذرت کیے بغیر

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

تعلیم اور قوم

سائوتھ افریقہ کی یونیورسٹی کے گیٹ پر درج ذیل پیغام لکھا تھا:

"کسی بھی قوم کو تباہ کرنے کیلیئے ایٹم بم کی ضرورت نہیں ہوتی نہ ہی بڑی رینج کے میزائیل کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ صرف تعلیم کے معیار کو گرانے اور طلباء کو امتحان میں نقل کی اجازت دیناہی کافی ہے۔۔۔"

مریض بھی ڈاکٹر کو ہاتھوں مارا جاتا ہے۔۔۔

عمارتیں بھی انجینئیر کے ہاتھوں تباہ ہو جاتی ہیں۔۔۔

پیسے بھی معیشت دان اور اکائونٹنٹ کے ہاتھوں ضائع ہو جاتے ہیں۔۔۔

انسانیت بھی اسلامی اسکالر کے ہاتھوں ماری جاتی ہے۔۔۔

انصاف بھی قاضی کے ہاتھوں ضائع ہو جاتا ہے۔۔۔

تعلیم کو گرانا قوم کو گرانے کے مترادف ہے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

پڑھائی کا دباؤ

اپنے بچوں کی اچھی پڑھائی اور محنت کے لیے حوصلہ افزائی ضرور کریں لیکن اتنا دباؤ کبھی بھی نہ ڈالیں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ 😔

ایسے واقعات کا ذمہ دار کسے ٹھہرایا جائے؟

تعلیم کا اصل مقصد کیا ہے؟ شعور حاصل کرنا یا نمبر اور نوکری؟

منکیرہ: کم نمبر آنے پر دل برداشتہ ہو کر لاپتہ ہونیے والے طالب علم کی لاش بر آمد۔ فرسٹ ائیر کے امتحان میں بہتر رزلٹ نہ آنے پر طالب علم چند روز سے لا پتہ تھا۔ طالب علم کا بیگ، جوتے اور خط تھل کینال کے کنارے ملا تھا۔ مقامی افراد نے ہیڈ فردوس پر لاش دیکھ کر اطلاع دی۔ ریسکیو ۱۱۲۲ نے موقع پر پہنچ کر لاش نہر سے نکال کر ہسپتال منتقل کر دی۔ نوجوان نواحی چک ۲۱۵ ٹی ڈی اے کا رہائشی تھا۔

میرے پیارے ابو اور میری ماں مجھے معاف
کر دینا۔ میرا رزلٹ بہت گندا آیا ہے۔
اور جس کی وجہ سے اب کوئی عزت میری
نہیں رہے گی۔ مگر میں نے نمبر لینے کی کوشش
کی تھی۔
بس مجھے معاف کر دینا
اللہ حافظ
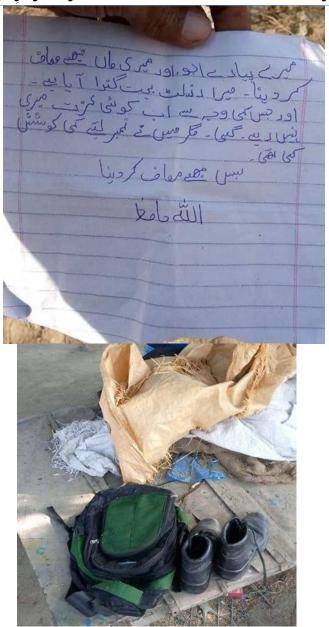
[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

یہ تحریر دینی مدارس کے ان طلبہ کے لیے گروپ میں کاپی کی گئی ہے جو معادلہ کی بنیاد پر ایم فل وغیرہ کے لیے کسی یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتے ہیں۔

طلباء کے مستقبل سے کھلواڑ کرنے والا ایجوکیشن مافیہ

پنجاب کی اٹھارہ پرائیویٹ یونیورسٹیوں کی غیر قانونی ڈگریاں

صوبہ پنجاب کی ۲۴ پرائیویٹ یونیورسٹیز میں سے ۱۸ یونیورسٹیوں میں غیر قانونی و غیر منظور شدہ ڈگری پروگرامز کا انکشاف ہوا جن میں ہزاروں طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ ان اٹھارہ میں سے ۱۵ یونیورسٹیز صرف لاہور شہر میں موجود ہیں۔

ان یونیورسٹیز میں بی ایس، ایم ایس، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی غیر قانونی ڈگریاں کرائی جارہی ہیں جس پر محکمہ ہائر ایجوکیشن پنجاب نے ہر یونیورسٹی کو الگ الگ وارننگ لیٹرز جاری کیے ہیں۔ ان یونیورسٹیز میں غیر قانونی و غیر منظور شدہ ڈگریوں کی تفصیلات یوں ہے:

یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب لاہور

اس یونیورسٹی میں فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز میں بی ایس سائیکالوجی، ایم ایس سائیکالوجی اور پی ایچ ڈی سائیکالوجی کی ڈگری غیر منظور شدہ ہے۔ فیکلٹی آف سائنسز میں بی ایس زوالوجی، بی ایس باٹنی، بی ایس کیمسٹری، بی ایس ریاضی اور بی ایس فزکس، بی ایس شماریات کی ڈگریاں بھی غیر منظور شدہ اور

غیر قانونی ہیں۔

یو سی پی کی فیکلٹی آف لائف سائنسز کا ڈیپارٹمنٹ آف بائیو کیمسٹری، مائیکرو بائیولوجی اینڈ بائیو ٹیکنالوجی کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے۔

بیکن ہاؤس نیشنل یونیورسٹی لاہور

اس یونیورسٹی کے بی بی اے پروگرام کو غیر قانونی اور غیر منظور شدہ قرار دیا گیا ہے اور اس ڈگری میں داخلوں سے بھی روک دیا گیا ہے۔

لاہور گیریژن یونیورسٹی

اس ادارے کے بائیولوجی، زوالوجی، جغرافیہ اور شماریات کے شعبہ جات غیر قانونی ہیں۔ فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے ڈیپارٹمنٹ آف ماس کیمونیکیشن، اسلامک اسٹڈیز، پولیٹیکل سائنس، انٹرنیشنل ریلیشن، ایجوکیشن، ہوم اکنامکس، مینجمنٹ سائنسز، کامرس اینڈ اکنامکس کے ڈیپارٹمنٹس کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے۔

ڈیپارٹمنٹ آف اُردو، کمپیوٹر سائنس، بی ایس اینوائر نمنٹل سائنسز، مائیکرو بائیولوجی، باٹنی، زوالوجی، بائیو کیمسٹری اور بی ایس بائیو ٹیکنالوجی کی ڈگریاں غیر منظور شدہ اور غیر قانونی ہیں۔ لاہور گیریژن یونیورسٹی میں ایم فل مائیکرو بائیولوجی اور زوالوجی کی ڈگریاں بھی ایچ ای سی سے منظور شدہ نہیں ہیں۔

یونیورسٹی آف ساؤتھ ایشیاء لاہور

اس یونیورسٹی میں بیچلرز آف سول انجینئرنگ، الیکٹریکل انجینئرنگ، ڈیپارٹمنٹ آف فزیوتھراپی، ڈیپارٹمنٹ آف فوڈ اینڈ نیوٹریشن سائنسز، ڈیپارٹمنٹ آف بائیو ٹیکنالوجی، مائیکروبائیولوجی، اینوائرنمنٹل سائنسز، مالیکیولر بائیولوجی، بائیو انفارمیٹکس، بائیو کیمسٹری اینڈ مائیکروبائیولوجی کو غیر قانونی قرار دیا گیاہے۔

یونیورسٹی آف ساؤتھ ایشیاء کے ڈیپارٹمنٹ آف ہیومن ریسورس، ڈیپارٹمنٹ آف میوزیکالوجی، لینگویج، لینگویج اینڈ لٹریچر، انگلش، اُردو اور ڈیپارٹمنٹ آف فیشن اینڈ ڈیزائن کو غیر قانونی قرار دیا گیاہے۔

ڈیپارٹمنٹ آف فارمیسی میں کیے جانے والے داخلوں کو بھی غیر قانونی قرار دیا گیاہے۔

سپیریئر کالج لاہور

اس کالج کی فیکلٹی آف الائیڈ ہیلتھ سائنسز میں ڈاکٹر آف فزیو تھراپی، میڈیکل لیبارٹری سائنسز، میڈیکل امیجنگ ٹیکنالوجی، بی ایس بائیو کیمسٹری، بائیو ٹیکنالوجی، مائیکروبائیولوجی، مالیکیولر بائیولوجی، فیکلٹی آف فارمیسی، ایم اے ماس کیمونیکیشن مینجمنٹ اور بی ایس ماس کیمونیکیشن مینجمنٹ کی ڈگریاں بھی غیر قانونی قرار دی گئی ہیں۔

سپیریئر کالج میں بی ایس سی کمپیوٹر انجینئرنگ، بی ایس ایویونکس انجینئرنگ، بی

ایس الیکٹریکل سسٹم، ایم ایس الیکٹریکل انجینئرنگ اور پی ایچ ڈی الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگریاں غیر منظور شدہ ہیں۔

بی ایس کمپیوٹیشنل فزکس، بی ایس میڈیکل فزکس، بی ایس انجینئرنگ فزکس، بی ایس الیکٹرونکس اینڈ انفارمیشن سسٹم کی ڈگریاں غیر منظور شدہ ہیں۔

یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور

اس یونیورسٹی میں بی ایس آرکیٹیکچر، بی ایس سٹی اینڈ ریجنل پلاننگ، ڈاکٹر آف فزیوتھراپی، ڈاکٹر آف نیوٹریشن سائنسز، بی ایس میڈیکل لیبارٹری سائنسز، بی ایس میڈیکل امیجنگ۔ بی ایس فوڈ ٹیکنالوجی، بی ایس ڈیری ٹیکنالوجی، بی ایس ایگریکلچر مینجمنٹ، بی ایس اسلامک بنکنگ اینڈ فنانس کی ڈگریاں بھی غیر منظور شدہ ہیں۔

نور انٹرنیشنل یونیورسٹی لاہور

اس یونیورسٹی میں بی ایس اپلائیڈ سائیکالوجی، بی ایس اینیمل سائنسز، بی ایس سپیچ اینڈ لینگویج تھراپی، بی ایس میڈیکل لیب ٹیکنالوجی، ڈاکٹر آف فزیکل تھراپی، بی ایس بائیو ٹیکنالوجی اور بی ایس اکنامکس کی ڈگریاں غیر قانونی اور غیر منظور شدہ ہیں۔

منہاج یونیورسٹی لاہور

اس یونیورسٹی میں ڈیپارٹمنٹ آف کیمیکل انجینئرنگ، فیکلٹی آف لاء،

ڈیپارٹمنٹ آف سافٹ ویئر انجینئرنگ، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اکنامکس، بنکنگ اینڈ فنانس، ڈیپارٹمنٹ آف باٹنی، زوالوجی، میڈیکل لیبارٹری ٹیکنالوجی، فوڈ اینڈ نیوٹریشن، انٹرنیشنل ریلیشن، ماس کیمونیکیشن، ایجوکیشن، لائبریری اینڈ کریمنل جسٹس سسٹم، بیہوریل سائنسز، پیس اینڈ کاؤنٹر ٹیررازم، ریلیجن اینڈ فلاسفی، سوشیالوجی اینڈ اپلائیڈ سائیکالوجی کے شعبہ جات کو غیر قانونی اور غیر منظور شدہ قرار دیا گیا ہے۔

لاہور لیڈز یونیورسٹی

اس ادارے میں میں بی ایس سافٹ ویئر انجینئرنگ، بی ایس اسلامک فنانس، بی ایس ریاضی، ایم ایس سی ریاضی، ایم فل ریاضی، بی ایس سپورٹس سائنسز اینڈ فزیکل ایجوکیشن، ایم اے سپورٹس اینڈ فزیکل ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ آف لاء، فارم ڈی اور تمام ٹیکنالوجیز سے متعلقہ ڈگریوں کو غیر قانونی وغیر.ں ظور شدہ قرار دیا گیا ہے۔

یونیورسٹی آف لاہور

اس یونیورسٹی میں ڈیپارٹمنٹ آف سول انجینئرنگ، میکنیکل انجینئرنگ، کمپیوٹر انجینئرنگ، لاء کالج، ڈیپارٹمں ٹ آف پروفیشنل ٹیکنالوجیز، سپورٹس سائنسز، نرسنگ، ریڈیولوجیکل سائنسز اینڈ میڈیکل امجنگ ٹیکنالوجی، یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ آف فزیکل تھراپی، انسٹیٹیوٹ آف پبلک ہیلتھ، ڈائیٹ اینڈ نیوٹریشنل

سائنسز، ڈاکٹر آف میڈیکل لیبارٹری سائنسز، ایم بی بی ایس، ڈیپارٹمنٹ آف آرکیٹیکچر اینڈ سکول آف کریٹو آرٹس کی ڈگریاں غیر قانونی و غیر منظور شدہ ہیں۔

لاہور یونیورسٹی کے الحاق شدہ کالجز لاہور سکول آف مینجمنٹ، لاہور سکول آف ایوی ایشن، لاہور سکول آف اکاؤنٹنگ اینڈ فنانس کو بھی غیر قانونی قرار دیا گیا ہے۔

انسٹیٹیوٹ آف سدرن پنجاب ملتان

اس ادارے میں ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز اینڈ اُردو، ڈیپارٹمنٹ آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کمپیوٹر سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، سول انجینئرنگ، الیکٹریکل انجینئرنگ اور میکنیکل انجینئرنگ کی ڈگریاں غیر قانونی و غیر منظور شدہ ہیں۔ انٹرنیشنل ریلیشن کی ڈگری کو بھی غیر قانونی قرار دیا گیا ہے۔

نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

اس ادارے میں سائیکالوجی، سوشیالوجی، اسلامک سٹڈیز، تاریخ، پولیٹیکل سائنس، ماس کیمونیکیشن، جغرافیہ، لاء، انگریزی، ٹیکنالوجی اینڈ ایجوکیشن اور ایم ایس سی اینوائرنمنٹل مینجمنٹ کی ڈگریاں غیر قانونی ہیں۔

ہائی ٹیک یونیورسٹی ٹیکسلا

اس ادارے میں بی ایس سی میڈیکل الٹرا ساؤنڈ ٹیکنالوجی، بی ایس وائرولوجی، بی ایس مالیکیولر پیتھالوجی، پوسٹ پروفیشنل ڈاکٹر آف آپٹومیٹری، بیچلر

آف آرکیٹیکچر، بیچلر آف فائن آرٹس، بیچلر آف فیشن ڈیزائن، بیلچر آف ٹیکسٹائل ڈیزائن، بیلچر آف انٹریئر ڈیزائن، بیچلر آف پراڈکٹ ڈیزائن اور بی ایس انگلش کی ڈگریاں غیر قانونی ہیں۔

اکنامکس، اکاؤنٹنگ اینڈ فنانس، انگلش، اُردو، اسلامک سٹڈیز، پاکستان سٹڈیز، لاء، ایوی ایشن مینجمنٹ، ٹیکنالوجی پروگرامز، میڈیا سٹڈیز اینڈ بائیولوجیکل سائنسز پروگرامز کی ڈگریاں غیر قانونی و غیر منظور شدہ ہیں۔

ہجویری یونیورسٹی لاہور

اس یونیورسٹی میں ایم ایس سی میڈیا سٹڈیز، بی ایس انجینئرنگ، الیکٹرونکس اینڈ ٹیلی کام، بی ایس ٹیکنالوجی، فارمیسی کی ڈگریاں غیر منظور شدہ ہیں۔

یونیورسٹی آف واہ کینٹ

اس ادارے میں سول، کیمیکل، ایم ایس انجینئرنگ پروگرامز، اکاؤنٹنگ اینڈ فنانس اور ٹیکنالوجیز کی تمام ڈگریاں غیر.ں ظور شدہ ہیں۔

یونیورسٹی آف فیصل آباد

اس ادارے میں بی ایس انٹریئر ڈیزائن، بی ایس انجیں ئرنگ ٹیکنالوجی، ڈیپارٹمنٹ آف فارمیسی، فیکلٹی آف میڈیسن اینڈ الائیڈ ہیلتھ سائنسز، ڈاکٹر آف فزیکل تھراپی، ڈاکٹر آف ہیلتھ اینڈ سپورٹس مینجمنٹ، ڈاکٹر آف فرانزک سائنسز، نرسنگ، ریڈیالوجی، پیتھالوجی، کیمونٹی میڈیسن اور ڈینٹل سائنسز کی

ڈگریاں غیر قانونی و غیر منظور شدہ ہیں۔

گلوبل انسٹیٹیوٹ لاہور

اس ادارے میں ڈیپارٹمنٹ آف ٹیکنالوجی مینجمنٹ، بیچلر ان سول ٹیکنالوجی مینجمنٹ، الیکٹریکل ٹیکنالوجی مینجمنٹ، میکینیکل ٹیکنالوجی مینجمنٹ الیکٹرونکس ٹیکنالوجی مینجمنٹ، بی ٹیک، بی ایس آئی ٹی، کمپیوٹر سائنس، ایم آئی ٹی کی ڈگریاں غیر قانونی و غیر منظور شدہ ہیں۔

مذکورہ یونیورسٹیز نے اپنے ڈگری پروگرامز شروع کرنے سے پہلے ہائر ایجوکیشن کمیشن، پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل، پاکستان انجینئرنگ کونسل اور چانسلر سے منظوری ہی نہیں لے رکھی۔

محکمہ ہائر ایجوکیشن پنجاب نے ہدایات جاری کی ہیں کہ مذکورہ یونیورسٹیز ۲۶ ستمبر تک اپنے غیر منظور شدہ ڈگری پروگرامز سے متعلق پنجاب ہائر ایجوکیشن کمیشن سے رابطہ کریں اور پنجاب ہائر ایجوکیشن کمیشن کی جانب سے جن خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اُنہیں بھی یونیورسٹیز دور کریں۔

طلباء کو ہدایات جاری کی گی ہیں کہ وہ مذکورہ ڈگریوں میں داخلے لینے سے گریز کریں۔ رپورٹ: آمنہ مسعود-تعلیمی زاویہ

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ

طلبائے کرام کو چند نصیحتیں

01۔ آپ اپنی دینی فیلڈ (field) کا تعین کریں کہ آپ نے کس طریقے سے دین کی خدمت کرنی ہے تقریر کے ذریعے، تدریس کے ذریعے یا تحریر کے ذریعے

02۔ آپ جب فارغ التحصیل ہو جائیں تو کسی بھی مسجد کی امامت ضرور کریں ہمارے درس نظامی کے طلباء کو یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ اگر امامت کریں گے تو گھر کیسے چلے گا؟

تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو اپنے ذہن میں رکھیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

جو بندہ علم کے راستے میں لگ جاتا ہے اللہ اس کے رزق کا ضامن ہو جاتا ہے (مفہوم)

اگر آپ ہی مسجد کو نہیں سنبھالیں گے تو پھر مسجد کو کون سنبھالے گا تو لہذا مسجد کی امامت ضرور کریں اگرچہ سائیڈ بزنس (side business) بھی کریں۔

03۔ اپنے دل میں مسجد کی محبت کو پیدا کریں۔ مسجدوں سے محبت کریں اور نماز پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کا جذبہ وشوق اپنے اندر پیدا کریں۔

04۔ مسجد کی خدمت کریں مسجد میں آنے والے لوگوں سے محبت کریں۔ مسجد کی صفائی کریں کیونکہ مسجد وہ جگہ ہے جہاں لوگ خود چل کر آتے ہیں انہیں بلانا نہیں پڑتا۔

05۔ اگر آپ دینی علوم حاصل کر رہے ہیں تو اس کو دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ بھی رکھیں۔ اپنی اصلاح بھی کریں اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش بھی کریں۔ جتنا ہوسکے دین اسلام کی تبلیغ کریں۔ ہر شخص کو دین کی باتیں بتائیں۔ لوگوں کو دین سکھائیں۔ دین کی تبلیغ کے لیے باہر ممالک میں سفر کریں۔ پوری دنیامیں دین کا کام کریں اور پوری دنیامیں دین اسلام کو پھیلا دیں۔

06۔ آپ کو درس نظامی کے تمام علوم پر مہارت حاصل ہونی چاہیے تبھی آپ صحیح طریقے سے دین کا کام کر سکیں گے اگر آپ کو علوم دینیہ پر مہارت حاصل نہیں ہوگی تو آپ صحیح طریقے سے دین کا کام نہیں کر سکیں گے۔

07۔ صرف علوم دینیہ پر مہارت حاصل کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ آپ کا عمل بھی اچھا ہو آپ باعمل عالم دین ہوں تبھی آپ کی بات میں تاثیر ہو گی۔ لوگ آپ سے متاثر ہوں گے اور آپ صحیح طریقے سے دین کی خدمت کر سکیں گے

08۔ جب آپ مسجد میں دین کا کام کرنے کے لیے جائیں تو صحیح طریقے سے دین کا کام کریں ۔روایتی امامت نہ کریں۔ ہر نمازی پر توجہ دیں۔ ہر فرد پر

انفرادی کوشش کریں۔ ہر فرد سے رابطہ رکھیں تاکہ آپ صرف مسجد کے امام نہ رہیں۔ مسجد میں اپنا اثرورسوخ قائم کریں

09۔ آپ دین کے لئے ایسی خدمات سرانجام دیں جیسی خدمات ہمارے اکابرین نے سرانجام دیں۔ آپ دین کی خاطر ایسی قربانیاں دیں جیسی قربانیاں ہمارے اکابرین نے دیں۔

10۔ آج کے دور میں دین کا کام بغیر پیسوں اور سہولیات کے ممکن نہیں اگر آپ مسجد و مدرسہ بنانا چاہتے ہیں تو اہل ثروت لوگوں کو ایسی دین کی دعوت دیں، ایسا ان میں جذبہ پیدا کریں کہ وہ مسجد و مدرسہ بنانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

11۔ آپ کی شخصیت ایسی ہو کہ لوگ آپ پر بھروسہ (trust) کریں، دین کی خدمت کے لیے آپ کو پیسے دے کہ آپ اس سے مسجدیں بنائیں، مدارس بنائیں اور اس کا صحیح طریقے سے استعمال کریں اور لوگ آپ پر بھروسہ اسی وقت کریں گے کہ جب آپ ایک باعمل عالم دین ہونگے لہذا باعمل عالم دین بنیں۔

12۔ جو طلباء ابھی جوان ہیں وہ ابھی سے ہی محنت کریں۔ اپنے وقت کو ضائع نہ کریں۔ آپ محنت کریں گے تو ہی آپ کامیاب ہونگے۔ بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ محنت بھی ضروری ہے اگر آپ محنت نہیں کریں گے تو کچھ بھی حاصل نہیں کر پائیں گے

13۔ اگر آپ دل میں یہ نیت رکھیں اور اپنی یہ سوچ بنالیں کہ آپ کو اللہ کا

نیک بندہ بننا، ہے، بڑا عالم دین بننا ہے، دین کا کام کرنا ہے، مبلغ اسلام بننا ہے تبھی آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور اگر آپ کی یہ سوچ ہی نہ ہو تو پھر آپ کبھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کبھی بڑے آدمی نہیں بن سکتے۔ * بڑے آدمی کو بڑا * اس کی سوچ بناتی ہے * لہٰذا اپنی سوچ کو بڑا اور وسیع کریں۔

14۔ لوگوں سے محبت کرنا سیکھیں لوگوں کو پیار و محبت بانٹیں۔ اس سے لوگ آپ کے قریب آئیں گے اور آپ کو دین کی خدمت کرنے میں آسانی ہوگی۔

15۔ دین کے کام کے لئے وقت نکالیں اس کے لیے مسلسل محنت کرتے رہیں انشاءاللہ اللہ آپ کے لئے راستے کو کشادہ فرما دے گا اور آپ کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے گا۔

16۔ آپ اپنے پیرومرشد کو ہمیشہ یاد رکھیں، ان کا تذکرہ خیر کرتے رہیں ،ان سے وابستہ رہیں اور ان سے دعائیں لیتے رہیں۔

جب وہ حیات ہو تو ان کی بارگاہ میں جا کر بیٹھیں، ان کی خدمت کریں، ان سے استفادہ کریں اگر ان کی توجہ آپ پر ہوں گی اور ان کی دعائیں آپ کے ساتھ ہونگی تو آپ کو مزید کامیابیاں ملیں گی

اگر وصال فرما جائیں تو ان کے لئے روزانہ ایصال ثواب کریں۔ ان کے لیے

اور ان کے اہل و عیال کے لیے دعائیں کریں

ایک بات یاد رکھیں کہ آدمی جتنا بھی بڑا عالم دین بن جائے اگر اپنے پیر و مرشد سے رابطہ

نہیں رکھے گا، ان سے اکتساب فیض نہیں کرے گا تو کبھی کامیاب نہیں ہو پائے گا۔

باہر ممالک میں دین کی تبلیغ کے حوالے سے چند نصیحتیں:

01۔ آپ جس ملک میں بھی تبلیغ کرنے جائیں سب سے پہلے وہاں کی زبان سیکھیں اس سے آپ کو تبلیغ کرنے میں بہت آسانی ہو جائے گی کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

کسی بھی قوم کی زبان سیکھ لو اس کے شر سے محفوظ رہو گے (مفہوم)

02۔ جب بھی کسی شخص کو اسلام کی دعوت دینا چاہیں تو پہلی ملاقات میں ہی اس سے یہ نہ کہیں کہ میں آپ کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں آپ اسلام قبول کر لیں بلکہ پہلے اس سے اس کی خیر خیریت دریافت کریں اس سے اس کے کاروبار اور گھر بار کے بارے میں پوچھیں آپ اسے یہ محسوس (feel) کروائیں کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں اور اس سے اپنی محبت کا اظہار بھی کریں اور جب وہ یہ سمجھ لے کہ آپ اس کے محب ہیں تو پھر اسے اسلام کی دعوت دیں۔

03۔ اسلام کی دعوت دیتے وقت پہلے ہمیشہ اخلاقیات کی بات کریں۔ اسے

اس کے مذہب کی برائیاں بتائیں اور اسلام کی خوبیاں بتائیں۔

04۔ غیر مسلموں کو اپنے اخلاق و کردار سے متاثر کریں ان سے محبت کریں ان سے مصافحہ کریں۔ ان کی پریشانیوں کو حل کریں پھر انہیں اسلام کی دعوت دیں۔

05۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے ان کے مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ تقابل ادیان میں مہارت حاصل کریں مثال کے طور پر اگر آپ عیسائیوں کو دین اسلام کی دعوت دینا چاہتے ہیں تو آپ پہلے بائبل کا مطالعہ کریں اور پھر اسلام اور عیسائیت میں تقابل کریں اور پھر انھیں اسلام کی حقانیت بتائیں۔ اگر آپ انھیں ان کی کتابوں سے دلائل دیں گے تو ہی آپ انھیں اسلام کی طرف مائل کر سکتے ہیں

مرتب: محمد حسن رضا قادری متعلم مدرسۃ انوار القرآن

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

استاد

شادی کی تقریب میں ایک صاحب اپنے جاننے والے آدمی کے پاس جاتے ھیں اور پوچھتے ھیں۔۔ کیا آپ نے مجھے پہچانا؟"

انہوں نے غور سے دیکھا اور کہا "ھاں آپ میرے پرائمری سکول کے شاگرد ھو۔ کیا کر رھے ھو آج کل؟"

شاگرد نے جواب دیا کہ "میں بھی آپ کی طرح سکول ٹیچر ھوں۔ اور ٹیچر بننے کی یہ خواہش مجھ میں آپ ھی کی وجہ سے پیدا ھوئی۔"

استاد نے پوچھا "وہ کیسے؟"

شاگرد نے جواب دیا، "آپ کو یاد ھے کہ ایک بار کلاس کے ایک لڑکے کی بہت خوبصورت گھڑی چوری ھو گئی تھی اور وہ گھڑی میں نے چرائی تھی۔ آپ نے پوری کلاس کو کہا تھا کہ جس نے بھی گھڑی چرائی ھے واپس کر دے۔ میں گھڑی واپس کرنا چاھتا تھا لیکن شرمندگی سے بچنے کے لئے یہ جرات نہ کر سکا۔

آپ نے پوری کلاس کو دیوار کی طرف منہ کر کے ، آنکھیں بند کر کے کھڑے ھونے کا حکم دیا اور سب کی جیبوں کی تلاشی لی اور میری جیب سے گھڑی نکال کر بھی میرا نام لئے بغیر وہ گھڑی اس کے مالک کو دے دی اور مجھے کبھی اس عمل پر شرمندہ نہ کیا۔ میں نے اسی دن سے استاد بننے کا تہیئہ کر لیا تھا۔"

استاد نے کہا کہ "کہانی کچھ یوں ھے کہ تلاشی کے دوران میں نے بھی اپنی

آنکھیں بند کرلی تھیں اور مجھے بھی آج ھی پتہ چلاھے کہ وہ گھڑی آپ نے چرائی تھی۔"

کیا ھم ایسے استاد بن سکتے ھیں جو اپنے اعمال سے بچوں کو استاد بننے کی ترغیب دے سکیں نہ کہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بچوں کو پوری کلاس کے سامنے شرمندہ کریں۔

(ایک اسکول ٹیچر کی تحریر)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

درسی پہیلی ٦

ایک قاضی صاحب نے مجرم کو سزا سنانے کے بعد اس کے گلے میں ایک تختی لٹکادی جس پر تحریر تھا

الْإِفْرَاجُ عَنْهُ مُسْتَحِيلٌ يُنْقَلُ إِلَى السِّجْنِ وَيُعْدَمُ

ترجمہ: اس مجرم کو چھوڑنا ممکن نہیں، اس کو جیل بھیجا جائے اور ختم کر دیا جائے۔

مجرم نے اپنی ذہانت سے جیل کی جانب جاتے ہوئے موجودہ عبارت میں ایک نقطے کا اضافہ کر دیا جس سے اس کی پھانسی کا حکم رہائی کے حکم میں تبدیل ہو گیا۔

داروغہ نے جب یہ تختی پڑھی تو اسے رہا کر دیا۔

اب بتایئے کہ مجرم نے وہ نقطہ کس جگہ لگایا تھا؟

نوٹ: پہیلی کے الفاظ پر خوب غور کر لیا جائے اگر کسی لفظ میں ایک سے زائد احتمالات ہوں تو انہیں بھی ملحوظ رکھا جائے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درسی پہیلی ۷

خلیفہ ہارون الرشید کے پاس خالصہ نامی ایک بدصورت لونڈی تھی جسے خلیفہ بہت عزیز رکھتا تھا۔ ایک دن ابو نواس نامی ایک مشہور شاعر ابو نواس نے خلیفہ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا۔ خلیفہ نے خوش ہو کر گلے سے ہار اتارا اور شاعر کو انعام دینے کے بجائے اس لونڈی کے گلے میں ڈال دیا۔ ابو نواس کو بڑا غصہ آیا اور اس نے جاتے جاتے لونڈی کے دروازے پر یہ شعر لکھ دیا:

لقد ضاع شعری علی بابکم
کما ضاع عقد علی خالصه

** ترجمہ: اے خلیفہ آپ کے در پر میرے اشعار ایسے ضائع ہو گئے جیسے وہ ہار خالصہ (لونڈی) پر ضائع ہو گیا۔

** لونڈی نے جب اپنے دروازے پر یہ شعر لکھا دیکھا تو اپنی توہین پر بہت غصہ ہوئی اور خلیفہ کو شکایت کر دی۔

خلیفہ نے لونڈی کی شکایت پر ابو نواس کو دربار میں طلب کر لیا۔

ابو نواس کو جب معلوم ہوا کہ خلیفہ نے لونڈی کی شکایت پر اسے طلب کیا ہے تو اس نے دربار کی جانب جاتے ہوئے ** شعر کے دونوں مصرعوں سے ایک ایک حرف کا تھوڑا تھوڑا حصہ مٹا دیا۔ ** جس سے شعر کا مفہوم توہین سے تعریف میں تبدیل ہو گیا۔

اس نے خلیفہ کے پوچھنے پر کہا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں میں نے کوئی توہین نہیں کی بلکہ اس لونڈی کی تعریف میں شعر کہا تھا۔

خلیفہ ابو نواس کی چالا کی سمجھ تو گیا لیکن اس کی ذہانت سے خوش بھی ہوا اور اسے بھی انعام سے نوازا۔

** کیا آپ بتا سکتے ہیں ابو نواس شاعر نے دونوں مصرعوں سے کس کس حرف کا ایک ایک حصہ مٹایا تھا؟ اور اس عمل سے بعد شعر میں کیا تبدیلی واقع ہوئی تھی؟ **

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درسی پہیلی ۸

کراچی میں ۹-۱۰ محرم الحرام کو موٹر سائیکل پر ڈبل سواری بند رہے گی۔

کراچی، 9، 10 محرم الحرام کیلئے ڈبل سواری پر پابندی عائد

موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی پابندی کا اطلاق گزشتہ شب بارہ بجے سے نافذ العمل ہوگیا، جو 10 محرم الحرام کی رات بارہ بجے تک برقرار رہے گا۔

فرض کر لیں

آپ قاضی ہیں۔ آپ کے سامنے موٹر سائیکل پر ٹرپل (تین) یا زائد افراد کے سوار ہونے کا مقدمہ آتا ہے۔

ان افراد کا وکیل قاضی (آپ) سے کہتا ہے کہ حکومتی نوٹیفکیشن میں لفظ ڈبل لکھا ہے، جس کا مطلب ہے دو۔ اور اس لفظ کا اطلاق ٹرپل (تین) یا زائد پر نہیں

ہوتا۔لہذا انہیں رہا کیا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ

۱-کیا وکیل کی دلیل درست ہے؟

۲-اگر نہیں تو آپ کس قاعدے کے تحت وکیل کا رد کریں گے اور مجرمان کو سزا دیں گے؟

۳-سزا سنانے پر وکیل یہ مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے کسی شرعی مسئلے کی مثال بھی دی جائے جس میں یہی قاعدہ استعمال ہوا ہو۔

نوٹ: تینوں سوالات کے جوابات نمبر وار دیے جائیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

درسی پہیلی ۹

عربی زبان میں وہ کون سا اسم ہے جو الف لام لگانے سے نکرہ بن جاتا ہے اور الف لام ہٹانے سے معرفہ؟

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

درسی پہیلی ۱۰

جس نے لغت وغیرہ سے مدد لیے بغیر اس جملے کا درست ترجمہ کر دیا وہ میری جانب سے اپنے گھر پر اپنے پیسوں سے "دعوتِ دیک و دیک" کھا سکتا ہے، جملہ ہے: أَكَلْتُ دِيْكاً وَدِيْكاً

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

درسی پہیلی ۱۱

اَنَّ زَیْدٌ کَبِیْرٍ

ترکیب و ترجمہ کیجیے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درسی پہیلی ۱۲

ا - فِي الْكُوْبِ مَآءٌ

ب - فِيْ الْكُوْبَ مَآءً

درست جواب کا انتخاب کیجیے، دلیل بتانا لازم ہے۔

۱-الف درست ہے اور ب غلط۔

۲-ب درست ہے اور الف غلط۔

۳-دونوں درست ہیں۔

۴-دونوں غلط ہیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درسی پہیلی ۱۳

من من من من الله عليه

اس عبارت پر تشکیل اس طرح لگائیں کہ ترجمہ واضح ہو جائے۔

اور ساتھ میں ترجمہ بھی کر دیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

طلبہ کی تربیت

آج کی پوسٹ طلباء اور اساتذہ کے نام

پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک عالم صاحب آئے اور کہنے لگے:

حضور! کیا وجہ ہے، ہمارے پاس طالبِ علم چار دن پڑھ کے اپنے آپ کو بڑا کچھ سمجھنے لگ جاتا ہے، لیکن آپ کے پاس برسوں رہنے والا درویش بھی خود کو کچھ نہیں سمجھتا؟

آپ نے فرمایا: مولوی صاحب! تم بنانا جانتے ہو، ہم مٹانا جانتے ہیں۔

دورِ حاضر میں ، مدارسِ اسلامیہ کے طلبہ کی منہج صوفیہ پر تربیت ہونا ازحد ضروری ہے ؛ تاکہ ان کا علم و عمل جیسے جیسے بڑھتا جائے ویسے ویسے عاجزی و انکساری میں بھی اضافہ ہوتا جائے۔

اس پر حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ نے ایک مقالہ بھی لکھا تھا اور مشورہ دیا تھا کہ مدارس اسلامیہ میں تصوف کی تعلیم کو لازم قرار دیا جائے۔

اساتذہ کرام کو اِس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے ، اگر ایسا نہیں کریں گے تو ہو سکتا ہے طالب علم فراغت کے بعد:

۱: ہر کسی سے بات بات پر اُلجھنا شروع کردے ، اور صرف اپنی منوانے کی کوشش کرے۔

۲: اس کی نہ مانی جائے تو دشمنی پر اتر آئے ،

اور اگر مان لی جائے تو کِبر و رُعُونَت میں مبتلا ہو جائے۔

۳: نہ کسی کی عزت کرے اور نہ عزت ہوتی دیکھ سکے ، صرف اپنی عزت کا خواہاں رہے۔

۴: علم یا عمر میں اپنے سے بڑوں کو کچھ نہ سمجھے ، سب کچھ خود کو جانے ؛ اور جگہ جگہ ڈینگیں مارتا پھرے۔

۵: جملہ آدابِ اختلاف کو "اَنَا خَیْرٌ مِنْہُ" کی نذر کردے ، اور سامنے والا یہ کہنے

پر مجبور ہو جائے کہ

لوگوں سے بگاڑ پر ٹھنا پھرتا ہے

کس بات پہ اِس قدر تنا پھرتا ہے

کم بَخت نے چار لفظ کیا سیکھ لیے

عَلّامَۂ فہامہ بَنا پھرتا ہے

اگر استاد کسی طالب علم میں یہ باطنی و نفسیاتی مرض محسوس کرے تو از خود تادیبی کاروائی کرے، اسے کسی کے سپرد نہ کرے۔

ایسے مریض کو استاد یا شیخ ہی کچھ سمجھا سکتا ہے، وہ کسی دوسرے کی نصیحت قبول نہیں کرتا۔

امام شعرانی رحمہ اللہ کہتے تھے، میں نے ایک شیخ کو علاحدگی میں صرف اتنا کہا:

"ظالموں کے گھروں سے کھانا نہ کھایا کرو۔"

تو اُسے اتنا برا لگا کہ اُس نے سترہ سال تک مجھ سے بات نہ کی۔

استاد ایسے شاگرد کو اِس طرح بھی تادیب کر سکتا ہے:

۱: موقع کی مناسبت سے، اُس کی بات سُنی اَن سُنی کر دے۔

۲: گاہے گاہے اُس پر مشکِل سوالات کرے، اور اس کے سامنے اَدَقّ مسائل رکھے، تاکہ اس کے غرور کا بت ٹوٹ جائے۔

۳: اس کے منھ پر اس کی تعریف نہ کرے، بلکہ کبھی کبھار اس کی کمزوری بیان کر کے، اس پر اچھی طرح واضح کرے۔

۴: اسے حکم دے کہ امام شعرانی کی کتاب "تنبیہ المغترین" سبقًا سبقًا پڑھو، اور بار بار پڑھو۔

۵: اسے کسی عارف باللہ سے بیعت ہونے کا مشورہ دے۔

اللہ نے چاہا تو وہ اس مہلک مرض سے شفا پا جائے گا اور اس کی دنیا، آخرت بہتر ہو جائے گی۔

اور انشاءاللہ اس کا ثواب استاد کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتا رہے گا

قاری لقمان شاہد

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

عمارت گر

اُستاد ٹھیک ہو تو کوئی کتاب بھی شاگرد کے لیے مسئلہ نہیں بناتی۔

لیکن، اگر اُستاد ٹھیک نہ ہو تو بخاری شریف بھی گمراہ کردیتی ہے۔

اقبال کہتا ہے۔

شیخِ مکتب ہے اِک عِمارت گر
جس کی صَنعت ہے رُوحِ انسانی
نکتۂ دل پذیر تیرے لیے
کہہ گیا ہے حکیمِ قاآنی:
"پیشِ خورشید بَر مکش دیوار
خواہی ار صحن خانہ نورانی

استاد ایک مِعمار (مستری) ہے۔

لیکن اِس کا میٹریل اینٹ اور سیمنٹ نہیں، یہ روح سے انسان کی عمارت تعمیر کرتا ہے۔

ایران کے مشہور شاعر مرزا حبیب اللہ قاآنی نے بڑی پیاری بات کہی تھی کہ

پیشِ خورشید بَر مَکش دِیوار
خَواہی ار صِحنِ خانہ نورانی

اگر تو چاہتا ہے تیرے گھر کا صحن روشن رہے تو پھر ایسی دیوار نہ بنانا جو سورج کی روشنی کو روک دے۔

یعنی عقل مند کو چاہیے تعمیر پر ایسا مستری کبھی نہ لگائے جو گھر تو بنا دے لیکن روشنی کا خیال نہ رکھے۔

اسی طرح ایسا استاد بھی نہیں پکڑنا چاہیے جو علم تو سکھائے لیکن صحنِ دل کی روشنی کا خیال نہ رکھے۔

اچھا مستری وہ، جو روشن گھر بنائے؛ اور اچھا استاد وہ، جو روشن دل شاگرد تیار کرے!

تکبر، گھمنڈ، حسد، ریاکاری، بداخلاقی، چغلی، غیبت، منافقت، مداہنت، لالچ، ڈر خوف وغیرہ سب دیواریں ہیں جو نورِ علم کو اندر نہیں آنے دیتیں!

لقمان شاہد

12/10/19

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

علم الصرف

جب تک ہم "مجرد" تھے، ہمارا "وزن" مناسب اور جسم "صحیح" تھا، جب ہم سلسلۂ ازدواج میں مربوط ہو کر "ثنائی" ہوئے تب بھی بھی "وزن "میں میں " ثقل " پیدا نہیں ہوا، جب صاحب اولاد ہو کر " ثلاثی " اور پھر "رباعی "ہوئے تب بھی صورتحال تشویش ناک نہیں ہوئی، لیکن اب جب کہ ہم خیر سے " خماسی "ہو چکے ہیں تو وزن " مضاعف "ہوا جا رہا ہے۔

بطن کی "حضاجری "کا یہ عالم ہے کہ "اجوف "ہونے کی حالت میں بھی شکم پُری کا گمان ہوتا ہے۔ایک "ناقص "سا خیال آیا کہ آزقہ کی مقدار میں " تخفیف "کر لی جائے، لیکن پھر خیال آیا کہ ہم تو پہلے ہی قُوتِ لایموت پر اکتفا کیے ہوئے ہیں اب اگر اس میں مزید " تخفیف "کی جائے تو یہ " تخفیف "، تحلیلِ شحم کی بجائے "تعلیلِ" جسم کا باعث بن جائے گی، اور اس طرح موٹاپے کی "علت "سے رستگاری حاصل کرنے کی یہ کوشش جسم کو مزید اسی علت کے ساتھ "معتل "بنادے گی۔

سوچ بچار کے بعد یہ طے کیا کہ صبح کی ایک گھنٹہ سیر اور ہلکی پھلکی ورزش کا وہ معمول جو بُدوِّ شعور سے لے کر چھے سال قبل تک میرے یومیہ معمولات کا لازمی حصہ رہا ہے، اسے دوبارہ عمل میں لایا جائے۔ تسپر ایک صاحب نے نصیحت فرمائی کہ خورِش میں کمی کے بغیر ورزش کرنے سے نظامِ انہضام میں بہتری کی وجہ سے

غذا کا جسم میں جلدی "ادغام" ہو جاتا ہے اور نتیجتاً جسم "مزید فیہ" ہو جاتا ہے
۔ناصح نے بطورِ "مثال" کچھ اربابِ بُطونِ کبیرہ یعنی صاحبانِ شکم ہائے آبدوز آسا کا
تذکرہ بھی کر دیا، جن کا "ظرف" خوش خوراکی اور ورزش کو "مقرون" کرنے کی
وجہ سے باقی جسم سے اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ گویا "مفروق" ہو چکا ہے
چنانچہ اس "امر" پر اتفاق رائے ہوا کہ "ماضی" کی طرح ایک گھنٹہ صبح کی
سیر پر "صَرف" کیا جائے اور ساتھ ساتھ تقلیلِ طعام پر بھی عمل درآمد کیا جائے
تو امید ہے کہ "مستقبل" میں پیٹ کسی حد تک کمر کے ساتھ "لفیف" ہو جائے گا۔
منقووووووووول

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

میرا توسب کچھ ھی غلط ھے

ایک ھیڈ ماسٹر کے بارے میں ایک واقعہ مشہور ہے جب وہ کسی سکول میں استاد تعینات تھے توانہوں نے اپنی کلاس کا ٹیسٹ لیا۔

ٹیسٹ کے خاتمے پر انہوں نے سب کی کاپیاں چیک کیں اور ہر بچے کو اپنی اپنی کاپی اپنے ہاتھ میں پکڑ کر ایک قطار میں کھڑا ہو جانے کو کہا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ جس کی جتنی غلطیاں ہوں گی، اس کے ہاتھ پر اتنی ہی چھڑیاں ماری جائیں گی۔

اگرچہ وہ نرم دل ہونے کے باعث بہت ہی آہستگی سے بچوں کو چھڑی کی سزا دیتے تھے تاکہ ایذا کی بجائے صرف نصیحت ہو، مگر سزا کا خوف اپنی جگہ تھا۔

تمام بچے کھڑے ہو گئے۔

ہیڈ ماسٹر سب بچوں سے ان کی غلطیوں کی تعداد پوچھتے جاتے اور اس کے مطابق ان کے ہاتھوں پر چھڑیاں رسید کرتے جاتے۔

ایک بچہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ جب وہ اس کے قریب پہنچے اور اس سے غلطیوں کی بابت دریافت کیا تو خوف کے مارے اس کے ہاتھ سے کاپی گر گئی اور گھگیاتے ہوئے بولا:

"جی مجھے معاف کر دیں میرا توسب کچھ ہی غلط ہے۔"

معرفت کی گود میں پلے ہوئے ہیڈماسٹر اس کے اس جملے کی تاب نہ لا سکے

اور ان کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی۔ ہاتھ سے چھڑی پھینک کر زاروقطار روتے لگے اور بار بار یہ جملہ دہراتے:

"میرے اللہؑ! مجھے معاف کر دینا۔ میرا تو سب کچھ ہی غلط ہے۔"

روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ اس بچے کو ایک ہی بات کہتے

"تم نے یہ کیا کہہ دیا ہے

،یہ کیا کہہ دیا ہے میرے بچے"!

"میرے اللہؑ! مجھے معاف کر دینا۔ میرا تو سب کچھ ہی غلط ہے"

"اے کاش ہمیں بھی معرفتِ الٰہی کا ذرہ نصیب ہو جائے اور بہترین اور صرف اللہؑ کے لئے عمل کر کے بھی دل اور زبان سے نکلے..... میرے اللہؑ! مجھے معاف کر دینا۔ میرا تو سب کچھ ہی غلط ہے 😩 ...."

)منقول(

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

فنِ خطاطی کی ناقدری

(۱) یہ تصاویر جو آپ دیکھ رہے ہیں، حضرت قاری محمد عمر ضیاء صاحب کی کتابت کے چند نمونے ہیں۔ مدرسہ صادق العلوم، شاہی مسجد کے اندر اور پورے ناسک ضلعے میں ان کا جامع اور مانع تعارف بس ایک لفظ "کاتب سر" ہے۔ علم و ہنر کے شہر مالیگاؤں سے تعلق رکھنے والے کاتب صاحب کہتے ہیں: ایک زمانے میں ان کی کتاب کی دھوم تھی، لوگ اشتہار، پوسٹر، کارڈ، لوگو، تزئینی طغرے وغیر کی کتابت کے لئے دور دور سے آتے اور انہیں لمبی تاریخیں دینی پڑتی تھی۔ لیکن آج وہ فن "فن پارہ" اور شوق اور تربیت تک محدود ہے۔

(۲) دو سال پہلے کی بات ہے۔ ناسک ضلعے کے سنر جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک مسجد کے بلیک بورڈ میں قرآن پاک کی آیتیں اتنی خوبصورتی سے کتابت کی گئی تھیں کہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ایسی ہنر مندی کا مظاہرہ کرنے والے کی نوک قلم کو بوسہ دینے کے لئے کتابت کرنے والے کی جستجو کیا تو پتہ چلا وہ چوراہے پر معمول کے مطابق کیلے بیچنے گیا ہوا ہے۔

فنون لطیفہ: جمالیاتی حس کے اظہار کرنے والے فنون کو فنون لطیفہ یا Fine Arts کہا جاتا ہے۔ مصوری یا پینٹنگ، کتابت، شاعری، سنگ تراشی، شیشہ گری اور موسیقی اس کی مشہور قسمیں ہیں۔ کہتے ہیں، "فن ہو یا زندگی، دونوں ہی کا ثبوت ہمیں ان کے سکوت سے نہیں سرگرمی سے ملتا ہے"۔ گلوبلائزیشن کے

اثرات نے ان دلچسپ اور حسین فنوں کی قدر نہ صرف بہت کم کر دی ہے، بلکہ ان کے حسن کو سمجھنے والی حس، شوق و جذبہ بھی دم توڑتے نظر آرہے ہیں۔ ہمیں تو ڈر ہے کہیں ان حسین اور نادر فنوں کی شاہکار مثالیں آنے والی نسلوں کے لئے آثار قدیمہ نہ بن جائیں۔ لیکن یاد رکھیں! ؎

فضول سمجھ کر بجھا دیا جن کو
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہو گی

انصار احمد مصباحی،

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

دینی طالب علم

طالب علم کے اندر خودداری کا وصف ھونا بہت ضروری ھے

بعض طلباء پر بہت افسوس ھوتا ھے وہ خرید وفروخت کے وقت اپنی طالب علمی کو پیش کرتے ھئیں

دینی طالب علم ھوں کچھ رعایت کریں جیسے جملے بولتے ھئیں یہ جملے دینی طالب علم کہ مفلس اور دنیادار کے سامنے کیا امیج پیش کرتے ھئیں آپ نہیں جانتے

یہی وجہ ھے کہ آج ایک مدرسے کہ طالب علم کو غریب بے گھر اور گھٹیا سمجھا جاتا ھے

اور اسکی ایک وجہ ھمارا عملی کردار بھی ھے

ھم عاجزی کی آڑ میں نہ جوتے دیکھتے ھئیں نہ کپڑوں کا حلیہ دیکھتے ھئیں اور نہ جسمانی صفائی کا لحاظ رکھتے ھئیں

یہ عاجزی نہیں تنظیف میں سستی اور فرط غفلت ھے

اگر استطاعت ھے تو اعلی سے اعلی لباس زیب تن فرمائیں ورنہ اپنا ظاھری حلیہ اچھے سے اچھا رکھیں

علامہ شامی علیہ رحمہ فرماتے ھئیں

علماء کو ایسا لباس پہننا چاہیے جس سے عوام کی رغبت انکی طرف بڑھے

مولانا سردار احمد خان محدث اعظم پاکستان علیہ رحمہ فرماتے ھئیں

طالب علم کو اچھے جوتے پہننے چاہیے تا کہ دنیادار کی نظر جوتیوں پر رہے

اے میرے شائقین علم

آپ بہت عظیم ھئیں اسلام کی بہار بھی آپ ھو اور اس گلستان کی تا ابد بہاریں بھی آپ سے ھئیں

العلماء ورثۃ الانبیاء کا سہرا آپکے سر سجتا ھے

لحاظ اپنی قدر پہچانیں

عبید رضا خان القادری عفی عنہ الباری

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

دوستو! اس بار میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں وہ بھی اپنے دو کلاس فیلوز کا۔

جب ہم آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے تو ہماری کلاس میں خالد اور زاہد نام کے دو اچھے دوست بھی تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ زاہد پڑھنے میں اچھا، سبق یاد کرنے والا اور کلاس میں پوزیشن لینے والا تھا جبکہ خالد ایسا نہیں تھا۔ مجھ سمیت کلاس کے بہت سے طلبہ کو اس فرق کی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی کیونکہ ہاسٹل میں دونوں کی رہائش کا کمرہ بھی ایک تھا۔ ایک دن میں نے زاہد سے پوچھ ہی لیا؟

کہ زاہد بھائی! ایک بات تو بتائیں آخر کیا وجہ ہے کہ آپ کلاس میں سب سے نمایاں ہیں، اچھا پڑھتے ہیں اور آپ کے دوست خالد آپ کے ساتھ رہتے ہیں، ساتھ پڑھتے ہیں مگر آپ جیسے نہیں ہیں؟

مسکرا کر بولے: ندیم بھائی! اس کی وجہ میرے پُرانے اسکول کے ایک ٹیچر کی قیمتی باتیں ہیں جو تعلیم کے اعتبار سے بھی کمال تھے اور اخلاقیات کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے! وہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ تعلیم کے حوالے سے مختلف باتیں سِکھاتے رہتے تھے۔ ایک دن ایک طالبِ علم نے ان سے پوچھا کہ اَسباق یاد کرتے وَقت کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے؟

ہمارا خیال تھا کہ جواب ضَرور ملے گا لیکن ٹیچر نے اس کا جواب نہیں دیا۔

ندیم: کیوں! حالانکہ سوال تو بہت اہم تھا۔ زاہد: وجہ تو معلوم نہیں البتہ انہوں نے کہا: کل اس کا جواب تفصیل کے ساتھ دوں گا۔

ندیم: پھر دوسرے دن انہوں نے کیا جواب دیا؟ زاہد: ان کا جواب بڑا زبردست تھا چنانچہ انہوں نے کہا:

اَسباق کا مطالَعہ کرتے اور ان کو یاد کرتے وقت ان چند باتوں کا خیال رکھنا بہت ضَروری ہے

(1): سبق کو بغیر سمجھے رَٹنے کی کوشش نہ کریں کہ رَٹا ہوا سبق جلد بھول جاتا ہے

(2) سکون کے ساتھ سبق یاد کریں، جلد بازی مت کریں ورنہ سوائے وقت کے ضیاع کے کچھ حاصل نہ ہو گا

(3) یاد کرنے میں ترتیب یوں رکھئے کہ پہلے آسان سبق یاد کریں، پھر مشکل، پھر اس سے مشکل (۴) اس دوران کسی سے گفتگو نہ کریں

(5) نگاہ کو ایک جگہ رکھیں اِدھر اُدھر دیکھتے رہنے سے سبق یاد کرنے میں دشواری ہو گی

(6) اگر سبق یاد کرنے میں سُستی ہو رہی ہو تو اس کے لئے کوئی تدبیر کریں مثلاً کھڑے ہو کر سبق یاد کرنا شروع کر دیں یا پھر جب تک سبق یاد نہ ہو جائے اس وقت تک نہ کچھ کھائیں نہ پیئیں

(7) ذہن کو اِدھر اُدھر نہ بھٹکنے دیں بلکہ توجُّہ کے ساتھ سبق یاد کریں

(8) پڑھتے وقت جتنا ہو سکے خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر کے بیٹھیں۔

ندیم: واقعی! یہ تو بڑی کام کی باتیں ہیں۔

زاہد: جی بِالکل! میری کوشش ہوتی ہے کہ ان باتوں پر زیادہ سے زیادہ عمل کروں، جس کی وجہ سے اللہ پاک نے یہ عزت دی ہے۔ ندیم: مَاشَآءَ اللہ! میں بھی نیّت کرتا ہوں کہ ان باتوں پر عمل کروں گا اور دوسروں کو بھی ضَرور بتاؤں گا تاکہ وہ بھی ان پر عمل کرکے فائدہ اٹھائیں۔

ہو جایا کرے یاد سبق جلد الٰہی!

مولیٰ تو مِرا حافظہ مضبوط بنادے (وسائلِ بخشش، ص ۱۱۳)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

اولاد کو جاہل رکھنے کا نتیجہ

یہ تصویر ایک عربی پیج سے لی گئی ہے بتایا جا رہا ہے کہ ایک شخص کے فوت ہونے کے بعد اس کی اولاد نے باپ کی کتب کا یہ حشر کیا۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

کثرت کتب سے کثرت زوجات تک!

زبیر بن بکار کہتے ہیں میری بھانجی نے میری بیوی سے کہا۔ ماموں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہتر ہیں۔ نہ ہی سوکن لائے اور نہ کسی باندی کی چاہت رکھتے ہیں۔

بیوی نے کہا: اللہ کی قسم یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں۔ اخبار الظراف والمتماجنین لابن جوزی صفحہ ۱۵۴

طلبہ و علما جو کثرت زوجات کی تمنا دل میں رکھتے ہیں وہ خوب خوب علمی کتب کو گھروں میں جمع کرتے جایئے اور صبح و شام مطالعے میں مشغول رہیں کہ اللہ نے چاہا تو اجازت نامہ جاری ہونے کا وقت آ ہی جایئے گا۔ سب سے بہتر کام وہی ہے جو صلح صفائی سے ہو جائے۔

اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو۔۔۔ جو علم کا خزانہ حاصل ہوا وہ ان سب سے بہتر ہے۔ اعملوا یا ایہا الطالبون!

فرحان رفیق قادری عفی عنہ

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درسی پہیلی ۱۴

ضع النقاط على الحروف
لتكوين جملة مفيدة

ڡىل أں ڡىل ڡىل
ڡىل ڡىل ڡلىل

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

جہاں کوئی اساذنہ بننا چاہے

جہاں کوئی اُستاد نہ بننا چاہے وہاں بظاہر پڑھے لکھے لیکن حقیقتا جاہل راج کرتے ہیں.

"ساٹھ کی دہائی میں ایوب خان ملکہ برطانیہ اور ان کے شوہر کو پاکستان دورے کے دوران برن ہال سکول ایبٹ آباد لے گئے، ملکہ تو ایوب خان کے ساتھ بچّوں سے ہاتھ ملاتی آگے بڑھ گییٔں، اُن کے شوہر بچّوں سے باتیں کرنے لگے، پُوچھا کہ بڑے ہو کے کیا بننا ہے، بچّوں نے کہا ڈاکٹر، انجنیئر، آرمی آفیسر، پائلٹ، وغیرہ وغیرہ۔

وہ کچھ خاموش ہو گئے پھر لنچ پر ایوب خان سے کہا کہ آپ کو اپنے ملک کے مستقبل کا کچھ سوچنا چاہیے، میں نے بیس بچّوں سے بات کی۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ اسے ٹیچر بننا ہے اور یہ بہت خطرناک ہے... ایوب خان صرف مسکرا دیے کچھ جواب نہ دے سکے اور یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے

آج تہذیب و تمدن کی یہ جو اتنی بڑی عمارت کھڑی ہے۔ اس کے پیچھے اُسی شفیق و محترم ہستی کا ہاتھ ہے جسے اتالیق یا استاد کہتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ، جن کی گردن ہمہ وقت اکڑی رہتی تھی، اپنے اساتذہ کے سامنے ہمیشہ سر جھکا دیا کرتے تھے۔ "سکندرِ اعظم" یونانی جس نے آدھی سے زیادہ دنیا اپنی تلوار کی دھار پر فتح کی، "ارسطو" جیسے معلم اول کا شاگرد تھا۔

یہ مجلسِ یونان ہو، یا ایوانِ قیصر و کسریٰ، یہ خلافتِ بنو عباس ہو یا محمود غزنوی کا دربار، یہ اندلس کا الحمراء ہو یا ہندوستان کا شہنشاہ "جلال الدین محمد اکبر۔

تاریخ شاہد ہے کہ استاد کی عظمت سے اس قدر بلند پایہ اولو العزم حکمران بھی واقف تھے۔

آج اگر اہلِ مغرب ہم سے اس قدر آگے نکل گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استاد کا اصل مقام جانتے ہیں۔ اگر پبلک ٹرانسپورٹ میں کوئی سیٹ خالی نہ ہو تو پھر بھی لوگ قوم کے استاد کے لیے سیٹ خالی کر دیتے ہیں۔ وہاں عدالت میں استاد کی گواہی کو پادری کی گواہی سے زیادہ مستند سمجھا جاتا ہے۔ امریکہ میں رواج ہے کہ جب کوئی طالب علم کامیابی حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے استاد کو سلیوٹ کرتا ہے، بالکل ویسے جیسے ایک سپاہی اپنے افسر کو سلیوٹ کرتے ہیں۔

کوئی بھی کچھ جانتا ہے تو معلم کے طفیل
کوئی بھی کچھ مانتا ہے تو معلم کے طفیل
گر معلم ہی نہ ہوتا دہر میں تو خاک تھی
صرف ادراکِ جنوں تھا اور قبا ناچاک تھی

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ہندوستان کی انگریز حکومت نے علامہ اقبال کو سر کا خطاب دینے کا ارادہ کیا تو اقبال کو وقت کے گورنر نے اپنے دفتر آنے کی دعوت دی۔ اقبال نے یہ خطاب لینے سے انکار کر دیا۔ جس پر گورنر بے حد

حیران ہوا۔ وجہ دریافت کی تو کہا:۔ "میں صرف ایک صورت میں یہ خطاب وصول کر سکتا ہوں کہ پہلے میرے استاد مولوی میر حسن کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا جائے"۔

یہ سن کر انگریز گورنر نے کہا:۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ کو تو "سر" کا خطاب اس لیے دیا جا رہا ہے کہ آپ بہت بڑے شاعر ہیں۔ آپ نے کتابیں تخلیق کی ہیں، بڑے بڑے مقالات تخلیق کیے ہیں۔ بڑے بڑے نظریات تخلیق کیے ہیں۔ لیکن آپ کے استاد مولوی میر حسن صاحب نے کیا تخلیق کیا ہے...؟"

یہ سن کر علامہ اقبال نے جواب دیا کہ:۔

"مولوی میر حسن نے اقبال تخلیق کیا ہے"

یہ سن کر انگریز گورنر نے حضرت علامہ اقبال کی بات مان لی اور اُن کے کہنے پر مولوی میر حسن کو "شمس العلماء" کا خطاب دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس پر مستزاد علامہ صاحب نے مزید کہا کہ:۔

"میرے استاد مولوی میر حسن کو "شمس العلماء" کا خطاب دینے کے لیے یہاں سرکاری دفاتر میں نہ بلایا جائے بلکہ اُن کو یہ خطاب دینے کے لیے سرکاری تقریب کو سیالکوٹ میں منعقد کیا جائے، یعنی میرے استاد کے گھر"

اور پھر ایسا ہی کیا گیا۔ مولوی میر حسن کو آج کوئی بھی نہ جانتا اگر وہ علامہ

اقبال کے استاد نہ ہوتے۔ لیکن آج وہ شمس العلماء مولوی میر حسن کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

الغرض استاد کا مقام اور عظمت ہر شے سے بُلند ہے۔ حتیٰ کہ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد اللہ تعالیٰ کو کہا جاتا ہے۔ اور رسولِ اکرم کی حدیث پاک ہے کہ "مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا"۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے تاجر کا خطاب پسند نہ کیا حالانکہ آپ حجاز کے ایک کامیاب ترین تاجر تھے۔ آپ نے اپنے لیے پسند کیا تو معلم یعنی استاد کا رتبہ۔ چنانچہ استاد کی عظمت سے کچھ بھی بڑھ کر نہیں.

کانپتے ہاتھوں یہ الفاظ ان اساتذہ کے نام۔۔۔!!

جنہوں نے مجھے انسان بنایا

میرے استاد

میرے معلم

میرے مدرس

آپ کی تعریف و شکریے کے لئے

میرے پاس الفاظ نہیں

میری زندگی کا ہر اک

لمحہ آپ نے سنوارا ہے

بس یہی حقیر تحفہ ہے

میری زندگی کے وہ سارے لمحے

میرے اساتذہ

آپ کے نام

سلام میرے اساتذہ کرام۔۔۔!!

(ماخوز)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

درسی پہیلی ۱۵

وقف رجلان أمام القاضي،

قال الأول:أنا قاتلٌ أباك

وقال الثاني :أنا قاتلُ أبيك

السؤال من القاتل الحقيقي مع التعليل ؟ ؟ ؟ ؟

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

اعلیٰ ظرفی

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ عشا کی نماز پڑھ کر نکلے، نعلین مبارک ابھی ہاتھ میں تھے کہ آپ کے شاگرد حضرت زفر رحمہ اللہ نے مسئلہ پوچھ لیا۔

امام صاحب نے جواب دیا، لیکن وہ مطمئن نہ ہوئے اور بحث کرنے لگے؛ حتیٰ کہ (ساری رات گزر گئی اور) فجر کی اذان ہو گئی۔

(استاد، شاگرد واپس مسجد میں آئے) نماز فجر پڑھی، اس کے بعد پھر بحث شروع ہو گئی؛ آخر کار امام صاحب کے قول پر حضرت زفر مطمئن ہو گئے۔

)مناقب ابی حنیفۃ، مصنف: امام الموفق بن احمد المکی متوفی ۵۶۸ھ، الباب السابع فی ذکر المسائل المستحسنۃ التی اجاب فیھا علی البدیھہ.........، ص ۱۱۸، دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ(

اسی طرح ابو مطیع نے امام صاحب پر چار ہزار سوالات کیے، آپ نے ہر سوال کا جواب دیا اور ناراض ہونے کے بجائے اُن کی خوب حوصلہ افزائی کی اور فرمایا:

"ایسے مسائل کو جمع کرنا زبردست عقل مند اور بڑے مضبوط معدے والے کا کام ہے"۔ (ایضاً، ص ۱۲۲)

اللہ کریم ہمیں بھی ایسا ظرف عطا فرمائے!

اگر لوگ ہماری بات پر واہ واہ کرتے ہیں تو ہم خوش رہتے ہیں، لیکن جوں ہی

کوئی اعتراض کرتا ہے ہم ناراض ہو جاتے ہیں۔

یہ رویہ مناسب نہیں، ہمیں اپنے امام رحمہ اللہ کی سیرت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

لقمان شاہد

24/6/2019ء

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ تعالی

جن کے مزار پر دعا مانگنے سے ذہن تیز ہوتا ہے۔

درسِ نظامی پڑھنے پڑھانے والے حضرات شرح عقائد نسفی سے ہرگز ناواقف نہیں ہو سکتے۔ اضافی مطالعہ کے شوقین حضرات نے اس کی مشہور ترین شرح "نبراس" بھی یقیناً پڑھی ہو گی۔ لیکن نبراس شرح عقائد کے مصنف علامہ عبد العزیز پرہاڑوی علیہ الرحمۃ سے تعارف ہر ایک کو نہیں۔

آپ کی ولادت بستی پڑہار کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ پاکستان میں ہوئی۔ اور

مزار شریف بھی یہیں پر ہے (لیکن افسوس کہ اغیار کے قبضے میں ہے جو سرے سے مزارات کے ہی منکر ہیں)۔ کہتے ہیں اگر کوئی کند ذہن طالب علم بھی حضرت علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ کے مزار پر دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا ذہن کھول دیتا ہے۔ (اگر آپ حضرت کے مزار شریف پر حاضری دیں تو مجھ کم عقل کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا)۔ ان کے علمی کمالات کو دیکھ کر بے اختیار ان کے لیے ثانیءِ اعلیٰ حضرت کے الفاظ زبان سے نکلتے ہیں۔

مزید کے لیے ایک مضمون کاپی کر رہا ہوں:

* * * * * * * * * * * *

زُبدۃ الاولیاء، سَرخیلِ اَصفیاء، عارف بِاللہ، مَنْبَعِ علم و حکمت، علّامۃ الدہر، سلطانُ الفُضَلاء، صاحبِ علم و عمل، جامعُ المعقول والمنقول، ماہرُ الفروع والاصول حضرت علّامہ ابو عبدالرحمٰن عبدالعزیز پرہاروی چشتی نظامیقُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی کی ولادت باسعادت ۱۲۰۶ھ کو بستی پرہاراں، مضافات کوٹ اَدُّو (مظفر گڑھ) میں ہوئی۔ (احوال و آثار علامہ عبد العزیز پرہاروی، ص۲۵ ملخصًا) ابتدائی تعلیم قراٰن مجید والدِ ماجد سے حفظ کیا پھر مدینۃ الاولیاء ملتان (پنجاب پاکستان) تشریف لائے، وہاں حضرت خواجہ محمد جمال چشتی ملتانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی سے علوم وفنون حاصل کئے۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت، ص۲۳۰) ذہانت علّامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ رحمۃ اللہ القَوی بچپن میں اِتنے ذہین نہیں تھے لیکن استاذِ محترم حافظ محمد جمال

ملتانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کی نظرِ کرم سے آپ کو ایسی ذہانت عطا ہوئی کہ جو کتاب ایک بار پڑھ لیتے وہ نہ بُھولتے، مشکل سے مشکل کتاب کے معانی و مطالب بآسانی بیان فرمادیتے۔(احوال و آثار علامہ عبد العزیز پرہاروی، ص۲۷ ملخصًا) علمِ لَدُنّی ذاتِ باری تعالٰی کا آپ پر خصوصی کرم تھا جس کی ایک نظیر(مثال) یہ ہے کہ حضرت سیّدنا خضر علیہ السَّلام ایک رات آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے پاس تشریف لائے، اپنا دستِ مبارک آپ کے کندھوں کے درمیان رکھا جس کی برکت سے آپ کا سینہ علم و فضل اور روحانیت کا سمندر بن گیا۔(تذکرہ اکابر اہل سنت، ص۲۳۰ ملخصًا) علوم و فنون میں مہارت حضرت علامہ عبد العزیز پرہاروی علیہ رحمۃ اللہ القَوِی نے بہت سے علوم جو مُردہ ہوچکے تھے انہیں زندہ فرمایا اور ان میں مزید اضافہ بھی فرمایا۔چونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا علم لَدُنِّی تھا اس لئے آپ اپنے ہم عصر علما سے ممتاز تھے۔(احوال و آثار علامہ عبد العزیز پرہاروی، ص۳۲ ملخصًا) ۲۷۳ علوم پر کامل دسترس: آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:"ہم عقل و ذکاء پر فخر نہیں کرتے بلکہ اس ذات کی حمد و ثناء کرتے ہیں جس نے ہمیں اِلہام کے اوّلین و آخرین علوم عطا فرمائے اور مُعاصِرین میں سے ہمیں اس کے لئے منتخب فرمایا" چنانچہ آپ کو قرآن و اُصولِ قرآن کے ۸۰، فقہ و حدیث کے ۹۰، علم و ادب کے ۲۰، حکمت و طبیعات کے ۴۰، ریاضی کے ۳۰، الٰہیات کے ۱۰ اور حکمتِ عملیہ کے ۳ علوم پر مہارتِ تامّہ حاصل تھی۔(ایضاً،

ص ۳۲ مفہوماً) تصنیف و تالیف علّامہ پرہاروی علیہ رحمۃ اللہ القَوی نے مختلف علوم وفنون پر کثیر کتب تحریر فرمائیں، جن میں درسِ نظامی میں رائج علم الکلام کی مشہور کتاب "شرح عقائدِ نسفیہ" کی بہترین اور ضخیم عربی شرح بنام "اَلنِّبرَاس" آپ کی وجہِ شہرت بنی۔ اس کے علاوہ دیگر ۱۰ کتب کے نام درج ذیل ہیں: (۱) اَلصِّمْصَام فِی اُصُوْلِ تَفْسِیرِ الْقُرْاٰن (عربی) (۲) اَلنَّاھِیَہ (۳) اَلسَّلْسَبِیْل فِی تَفْسِیرِ التَّنْزِیْل (۴) ایمانِ کامل (فارسی) (۵) مُشْکِ عَنْبَر (عربی، طب) (۶) کَوْثَرُ النَّبِی فِی اُصُوْلِ الْحَدِیْث (عربی) (۷) شرح حصن حصین (۸) فَنُّ الْاَلْوَاح (۹) الاکسیر (طب) (۱۰) حیاتُ النبی صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم (ایضاً، ص ۴۴ تا ۶۰ ماخوذاً) وصال ومدفن علم اور فضل وکمال کا یہ آفتاب تقریباً ۳۳ سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ کو بستی پرہاراں (پنجاب، پاکستان) میں غروب ہوگیا، آپ کا مزارِ پُر انوار وہیں پر منبعِ انوار ہے۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت، ص ۲۳۱ ملخصًا)

آپ کا عرس ۸،۹ ذوالحجۃ الحرام کو ہوتا ہے۔ اللہ پاک کی ان پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری بے حساب مغفرت ہو۔ اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

* * * * * * * * * * * *

وکی پیڈیا پر علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ تعالی کا تعارف پڑھیے:

یہاں کلک کیجیے

علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ تعالی کے بارے میں پونے دو گھنٹے کے ایک بیان کی آڈیو اس لنک سے ڈاونلوڈ کی جاسکتی ہے:

یہاں کلک کیجیے

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے 33 سال عمرپائی ، اور اس عرصے میں 50 سے زیادہ علوم پر ، تقریباً 300 کتابیں لکھ گئے !

تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

زبان وادب

ایک طالب علم کیلئے زبان وادب کا ماہر ہونا بہت ضروری ہے, کسب علم, اخذ علم اور علم کے ذریعہ خود کو اور عوام الناس کو فیضیاب کرانے کے لئے زبان وادب ہی ایک ماتر وسیلہ ہے, جس سے اہل نظر واہل خرد انکار نہیں کر سکتا, زبان وادب کا دائرہ جتنا وسیع ہو گا کسب علم اور ابلاغ علم کا دائرہ بھی اتنا ہی وسیع تر ہوتا چلا جائیگا, دنیا کی مختلف زندہ زبانوں میں اپنی اپنی وسعت بھر ایک طالب علم کو مہارت کی پوری کوشش کرنی چاہئے تاکہ تعلیم وتعلم کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو, دنیا کی ہر زندہ قوم ہر زمانے میں اپنی اپنی زبان کی ترویج واشاعت اور اسکے پھیلاؤ کیلئے ممکنہ کوشش کرتی رہی ہے اور اسی حساب سے اسے کامیابی بھی ملتی رہی ہے کسی بھی تہذیب وتمدن کو ہمہ گیر اور ہمہ جہت بنانے میں زبان وادب کا بڑا اہم رول رہتا ہے, گویا زبان زوال پذیر قوموں کو بام عروج تک پہونچا دیتی ہے اور اسکے ساتھ نا انصافی اور لاپرواہی انہیں زوال پذیر قوموں کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے, زبان قوموں کی عزت کا ضامن ہے ذلت سے نجات کا ذریعہ ہے روحانی غذا حاصل کرنے کا وسیلہ ہے, فکر ونظر کو آزاد کرتی ہے.

آج عالم انسانی میں انگریزی زبان کا بڑا بول بالا ہے تبھی تو دنیا کی اکثریت انہی کی تہذیب وتمدن فالو کرتی ہے, دنیا کی ہر قوم اپنی اپنی حیثیت اور وسعت بھر اپنی قوم کو انگریزی زبان کی تعلیم دیتی ہے کچھ تو اسمیں ایک دوسرے سے تنافس

کرتی نظر آتی ہے شاید یہ اہل زبان کی کوششوں کا ثمرہ ہی ہے, جس سے انکی نسل خوب خوب فائدہ بھی اٹھارہی ہے, گویا زبان کی اہمیت مسلم ہے اسکے فوائد بھی بہت ہیں,

شرعی علوم کے طالب علم کیلئے عربی زبان سے واقفیت نہایت ضروری ہے اسلئے کہ رسول بھی عربی قرآن عربی احادیث کی کتابیں عربی میں یعنی شرعی علوم کے تمام تر مصادر ومراجع عربی ہی میں ہیں, مگر بدقسمتی سے انکی دعوت کے مطمح نظر وہ لوگ ہوتے ہیں جو عربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے اسلئے انہیں بیک وقت کم سے کم دو زبانوں کی ضرورت پڑ جاتی ہے اگر دو سے زیادہ ہو جائے تو اور بہتر ہے,

خاص طور سے بر صغیر میں شرعی علوم کے طالب علموں کیلئے اردو زبان نہایت ہی ضروری ہے, انکی دعوت کے مطمح نظر زیادہ تر لوگ اردو سے واقفیت رکھنے والے ہوتے ہیں اسلئے انہیں عربی اور اردو زبان وادب پر دسترس حاصل کرنا بے حد ضروری ہو جاتا ہے,

زبان وادب کے راستے میں دو طرح کے طالب علم ہو سکتے ہیں,

1- زبان وادب پر مہارت تامہ حاصل کر لینا, یعنی ایک طالب علم کی زبان اتنی اچھی ہو جائے کہ انکے اندر درس تدریس اور خطیبانہ صلاحیت کے ساتھ ساتھ تالیفی و تصنیفی صلاحیت بھی آجائے, اور اپنی مافی ضمیر کو صفحۂ قرطاس پر

لانے کے راستے میں زبان وادب کبھی حائل نہ ہو,

-2 طالب علم کو زبان پر اتنی دسترس حاصل ہو کہ کم سے کم خطابت اور تدریس میں دقت نہ ہو,

اب میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہ سکتا ہوں کہ بر صغیر میں اہل مدارس نے اردو زبان کے ساتھ انصاف نہیں کیا جسکی واضح دلیل ہے کہ نصاب مدارس میں اردو زبان کی شمولیت نا کے برابر ہے جماعت ثانویہ تک پہوں‌چتے پہونچتے اس زبان کی چھٹی کر دی جاتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فضیلت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد طلبہ کی زبان اتنی اچھی نہیں ہو پاتی اور بہت کچھ ذہن ودماغ میں رہنے کے بعد بھی وہ اسکی صحیح تعبیر کر پانے میں ناکام رہتے ہیں,

کاش کہ اہل مدارس اردو کے ساتھ انصاف کرتے اور فضیلت تک اسے اپنے نصاب میں شامل کرتے تو کیا ہی بہتر ہوتا.

آفتاب عالم محمدی, شنکر پور, سپول, بہار

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

الغاز النحویۃ

کتاب الألغاز النحویۃ لابن ھشام pdf

ڈاؤنلوڈ کرنے کے لیے یہاں کلک کیجیے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

عالم کا اپنی تحقیق سے رجوع کرنا

دور حاضر میں بہت بڑے المیے کی اصلاح

اس پیغام کو ہر مسلمان آگے بھی ضرور شیئر کرے

محقق اسلام شیخ الحدیث پیر سائیں غلام رسول قاسمی صاحب

ویڈیو دیکھنے کے لیے یہاں کلک کیجیے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

معاجم القرآن الکریم و قوامیسہ

خورشید احمد السعیدی صاحب کی تحریر

قرآن مجید کی معاجم اور قوامیس

مسلمان علماء نے قرآن مجید کی جو معاجم اور قوامیس لکھی ہیں انہیں کئی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ معاجم الالفاظ ہیں؛ کچھ معاجم المعانی ہیں؛ اور کچھ معاجم موضوعاتِ قرآنی ہیں۔ فہم قرآن، تفسیر قرآن مجید، مطالعاتِ قرآنی اور ایم فل یا پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالات کے نگران اساتذہ اور تحقیق کاروں کے لیے ان تینوں قسم کی معاجم سے واقفیت حاصل کرنا اور استفادہ کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ فہم قرآن مجید میں ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا کردار اور فوائد ہیں۔

درج ذیل میں صرف ان معاجم قرآنی، قوامیس اور معاجم سے متعلق ریسرچ پیپرز کی ایک فہرست پیش خدمت ہے جنہیں انٹرنیٹ پر تلاش اور بآسانی ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔ میں اپنے دوست احباب سے ملتمس ہوں کہ ان کے علم میں کوئی ایسی معجم قرآنی ہو جو انٹرنیٹ پر دستیاب ہے لیکن اس فہرست میں شامل نہیں ہے تو براہ کرم نشان دہی فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا فی الدارین۔

۱. أسماء القرآن الكريم وأسماء سوره وآياته: معجم موضوعي ميسر، د. آدم بمبا، ط ۱، ۲۰۰۹م.

۲. الآلة والأداة في القرآن الكريم: معجم ودراسة، شذي معيوف يونس الشماع، ۲۰۰۵م.

۳. الجامع لمواضيع آيات القرآن الكريم، محمد فارس بركات، ۱۴۰۴ھ..

۴. عمدة الحفاظ في تفسير أشرف الألفاظ (معجم معاني كلمات القرآن الكريم)، شهاب الدين أحمد بن يوسف بن محمد السمين الحلبي (ت.۷۵۶ھ)، ط۱، ۱۹۸۷م.

۵. عمدة الحفاظ في تفسير أشرف الألفاظ: معجم لغوي لألفاظ القرآن (۴ مجلدات)، الشيخ أحمد يوسف المعروف بالسمين الحلبي، ط۱، ۱۹۹۶م.

۶. فهرس القرآن العظيم (عدد الصفحات ۳۹۱۲)، محمد بن عبد القادر الدباغ، ط ۱، ۲۰۱۳

۷. فهرس مواضيع القرآن الكريم،

۸. القاموس البسيط في معاني القرآن، محمد الرفاعي أبوزيد، ۲۰۰۸م.

۹. قاموس ألفاظ القرآن الكريم: عربي إنجليزي، عبد الله عباس الندوي، ط۲، ۱۹۸۶.

۱۰. قاموس القرآن الكريم (لغة القرآن دراسة توثيقية فنية)، د. أحمد مختار عمر، ط ۲، ۱۹۹۷.

۱۱. قاموس القرآن الكريم (معجم النبات)، ط۲، ۱۹۹۷م.

۱۲. قاموس القرآن أو إصلاح الوجوه والنظائر في القرآن الكريم، الحسين بن محمد الدامغاني، ط۴، ۱۹۸۳م.

۱۳. القاموس الوجيز لمعاني كلمات القران الكريم، الميرزا محسن ال عصفور
۱۴. ما اتفق لفظه واختلف معناه من القرآن المجيد، محمد يزيد المبرد النحوي (م ۲۸۵)، ط ۱، ۱۹۸۹م.
۱۵. المرشد إلى آيات القرآن الكريم و كلماته، محمد فارس بركات، المطبعة الهاشمية، دمشق، ط ۲، ۱۹۵۷م.
۱۶. المعاجم الخاصّة بمصطلحات القرآن الكريم (قراءة في المُتَصَوَّرِ والمُنْجَزِ وإمكانات التّطوير)، أنور الجمعاوي، ۲۰۱۳م.
۱۷. المعاجم القرآنية في آداب اللغة الأردية دراسة تقابلية لنماذج مختارة من المعاجم اللغوية والموضوعية، د. سمير عبد الحميد إبراهيم، ۱۴۲۲ھ.
۱۸. المعاجم المفهرسة لألفاظ القرآن الكريم، د. عبد الرحمن بن محمد الحجيلي،
۱۹. معاجم معاني ألفاظ القرآن الكريم، د. فوزي بن يوسف الهابط،
۲۰. معاجم مفردات القرآن: موازنات ومقترحات، د. أحمد بن حسن فرحان
۲۱. المعجم الإحصائي لألفاظ القرآن الكريم (ج ۱-۳)، الدكتور محمود روحاني
۲۲. المعجم الاشتقاقي المؤصل لألفاظ القرآن الكريم (۴ مجلدات)، محمد حسن حسن جبل، ۲۰۱۰م.
۲۳. معجم الأعلام والموضوعات في القرآن الكريم (ج ۱-۳)، د. عبد الصبور مرزوق، ط ۱، ۱۹۹۵م.

۲۴. معجم الأمكنة الوارد ذكرها في القرآن الكريم، سعد بن عبد الله بن جنيدل، ط ۱، ۲۰۰۳م.

۲۵. معجم الأوزان الصرفية لكلمات القرآن الكريم، حمدي بدر الدين إبراهيم

۲۶. المعجم التكراري لألفاظ القرآن الكريم: المنهج والنموذج، المعتزبالله السعيد طه.

۲۷. معجم الدراسات القرآنية، قسم المقالات (ج ۱-۲)، عبد الجبار الرفاعي، ۱۹۹۳م.

۲۸. معجم ألفاظ القرآن الكريم في علوم الحضارة، د. عثمان إسماعيل، ط ۱، ۱۹۹۴م.

۲۹. معجم ألفاظ القرآن الكريم ومعانيه، مجمع اللغة العربية، مصر، ۱۹۸۹م.

۳۰. معجم الفروق الدلالية في القرآن الكريم، د. محمد محمد داؤد، ۲۰۰۸م.

۳۱. معجم القراءات (۱۱ مجلدات)، د. عبد اللطيف الخطيب

۳۳. معجم القرآن الكريم المفهرس: معجم أبجدي للآيات، عبد المعين التلاوي، ۱۴۱۲ه.

۳۴. معجم القرآن: قاموس مفردات القرآن وغريبه، عبد الرؤف المصري، ۱۹۴۸م.

۳۵. معجم المسائل النحوية والصرفية الواردة في القرآن الكريم، د. ف. عبد الرحيم

۳۶. معجم المفسرين من صدر الإسلام حتى العصر الحاضر (مجلدان)، عادل نويهض، ط ۳، ۱۹۸۸م.

۳۷. المعجم المفهرس الشامل لألفاظ القرآن الكريم بالرسم العثماني (مجلدان)،

عبد الله إبراهيم جلغوم، ط ا، ۲۰۱۵.

۳۸. المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم، محمد عبد الفؤاد الباقي، ۱۳۶۴ھ..

۳۹. المعجم المفهرس لمعاني القرآن الكريم (مجلدان)، محمد بسام رشدي الزين، ط ا، ۱۹۹۵م.

۴۰. المعجم المفهرس لمواضيع القرآن الكريم، د. محمد حسن الحمصي، ط ا، ۱۹۹۵م.

۴۱. المعجم الموسوعي لألفاظ القرآن الكريم وقراءاته، أحمد مختار عمر، ۲۰۰۲م.

۴۲. المعجم الموضوعي لآيات القرآن الكريم، صبحي عبد الرؤف عصر،

۴۳. معجم حروف المعاني في القرآن الكريم: مفهوم شامل مع تحديد دلالة الأدوات (ج ۱-۳)، محمد حسن الشريف، ط ا، ۱۹۹۶م.

۴۴. معجم علوم القرآن: علوم القرآن، التفسير، التجويد، القراءات، إبراهيم محمد الجرمي، ط ا، ۲۰۰۱م.

۴۵. معجم غريب القرآن مستخرجا من صحيح البخاري، محمد فؤاد عبد الباقي، ۱۹۵۰م.

۴۶. معجم غريب القرآن مناهجها وأنواعها، د. عوض بن حمد القوزي، مجلة مجمع اللغة العربية بدمشق.

۴۷. معجم كلمات القرآن الكريم (ج ۱-۲)، أ. د. محمد زكي محمد خضر، ۲۰۱۲م.

۴۸. معجم مصطلحات علم القراءات القرآنية، أ. د. عبد العلي المسئول، ط ا، ۲۰۰۷م.

۴۹. معجم مصنفات القرآن الكريم (ج ۱-۴)، د. علي شواخ إسحاق، ط ۱، ۱۹۸۳م.
۵۰. معجم مفردات القرآن العظيم، عبد المعين محمود عبارة، ۱۹۸۹.
۵۱. مفردات ألفاظ القرآن، العلامة الراغب الأصفهاني (م ۴۲۵ھ)، ط ۴، ۲۰۰۴م.
۵۲. المفردات في غريب القرآن، الراغب الأصفهاني، (ط. الباز)،
۵۳. نحو معجم تاريخي للمصطلحات القرآنية المعرّفة، د. الشاهد بن محمد الشيخي، ۱۴۲۱ھ.
۵۴. نقد معجم تفاسير القرآن الكريم، الشيخ محمد بو خبزة الحسني التطواني، ط ۱، ۲۰۰۹م.

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

قیمتی لوگ

جنگِ عظیم دوم میں ہٹلر سے پوچھا گیا: "جنگ میں ہمارے قیمتی ترین لوگ مر رہے ہیں ہم کیا کریں؟

ہٹلر نے جواب دیا: "اگر ہو سکے تو اپنی قوم کے اساتذہ کو کہیں چھپا دو۔ اگر اساتذہ محفوظ رہ گئے تو یہ قیمتی لوگ پھر تیار ہو جائیں گے" (اقتباس)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

علومِ شرعیہ کا پڑھنا پڑھانا

علماء و طلباء کا علوم شرعیہ پڑھنا پڑھانا، عامہ صوفیاء کے مجاھدات و ریاضات سے زیادہ نور بخشتا ھے۔۔۔۔

امام ربانی، سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرھندی نور اللہ مرقدہ المبارک۔۔۔۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

دن بدن لائبریریاں بند اور ہوٹل کھلتے جارہے ہیں
اسی لیے
دماغ چھوٹے اور پیٹ موٹے ہوتے جارہے ہیں

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

علمی اصلاحات اور علما کی ذمہ داریاں

خصوصی سلسلہ تحاریر

پوسٹ نمبر #۱

علمِ دین حاصل کرنے کا مقصد

(۱)۔ اولاً: دینی مدارس کے طلبہ کے داخلہ فارم میں مندرجہ ذیل احادیث درج کرکے طالب علم کو پڑھا کر اس سے دستخط کرا لینا نہایت مناسب ہو گا۔

◆ دنیا کے لیے علم حاصل کرنا قیامت کی نشانی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّينِ یعنی دینی غرض کے علاوہ علم حاصل کیا جائے گا۔

(ترمذی حدیث:۲۲۱۱)

◆عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِ قَالَ : مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً لِغَيْرِ اللّٰهِ أَوْ أَرَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی رضا کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے علم حاصل کیا یا اللہ کی رضا کے علاوہ کسی اور مقصد کا اردہ کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

(ترمذی حدیث ۲۶۵۵)

◆وَعَنْ كَعْبِ بنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ

ﷺ : مَنْ طَلَبَ العِلمَ لِيُجَارِىَ بِهِ العُلَمَآءَ اَوْلِيُمَارِىَ بِهِ السُّفَهَآءَ اَوْ يَصرِفَ بِهٖ وُجُوهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ

]ترمذی حدیث ۲۶۰۴[

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ اس کی وجہ سے علما پر فخر کرے یا ان پڑھوں سے جھگڑا کرے، یا یہ سوچے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے، اللہ اس جہنم میں داخل کرے گا۔

◆وَعَن عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَو اَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمُ وَوَضَعُوهُ عِنْدَ اَهْلِهٖ لَسَادُوا بِهٖ اَهْلَ زَمَانِهِمْ ، وَلٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنالُوْا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُولُ:مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمّاً وَاحِداً هَمَّ اٰخِرَتِهٖ، كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ، وَمَن تَشَعَّبَتْ بِهِ الهُمُومُ اَحْوَالَ الدُّنيا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِى اَىِّ اَودِيَتِهَا هَلَكَ۔

[ابن ماجۃ حدیث:۲۵۷، شعب الایمان للبیھقی حدیث:۱۸۸۸]۔وشاھدہ

[ابن ماجۃ حدیث:۴۱۰۵]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ اگر اہلِ علم حضرات علم کی حفاظت کریں اور اسے علمی اہلیت والوں کے سامنے رکھیں تو وہ اس کے ذریعے اپنے ہم زمانہ لوگوں کی سیادت کریں۔ لیکن انہوں نے اسے دنیاوالوں پر خرچ کیاہے تاکہ انکی دنیامیں سے کچھ حاصل کریں۔ نتیجہ یہ نکلاکہ علما

دنیاوالوں کے سامنے ہلکے پڑ گئے۔ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے اپنی تمام ہمت صرف آخرت کے مشن پر لگا دی اللہ اس کی دنیاوی مہمات میں خود کفایت فرمائے گا اور جس نے دنیا کے احوال کے پیچھے اپنی ہمت بکھیر دی تو اللہ کو کچھ پرواہ نہیں کہ وہ دنیا کی جس وادی میں چاہے بھٹک کر ہلاک ہو جائے۔ (اصلاح امت، صفحہ نمبر ۶،۷)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

علمی اصلاحات اور علما کی ذمہ داریاں

پوسٹ نمبر #۲

فارغ التحصیل ہونے والے علما کو مندرجہ ذیل احادیث خصوصی طور پر دکھا دینا بھی مناسب تر ہو گا۔

◆عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ قَالَ مَن خَشِيَ اللّٰهَ فَهُوَ عَالِمٌ ۔

[• سنن الدارمی حدیث رقم:۳۳۸]

ترجمہ: "حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہُ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ کے بارے میں مروی ہے:" جو اللہ سے ڈرا وہ عالم ہے"۔

◆عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَا يَكُونُ الرَّجُلُ عَالِماً حَتّٰى لَا يَحْسُدَ مَنْ فَوْقَهُ وَلَا يَحْقِرَ مَن دُونَهُ وَلَا يَبْتَغِي بِعِلْمِهِ ثَمَناً۔

[• سنن الدارمی حدیث رقم:۲۹۵]

ترجمہ:"حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللہُ تعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ کوئی آدمی عالم نہیں ہو سکتا جب تک اپنے سے اوپر والے پر حسد نہیں چھوڑتا، اپنے سے نیچے والے کو حقیر سمجھنا نہیں چھوڑتا اور اپنے علم سے دولت کمانا نہیں چھوڑتا"۔

◆ حضرت عمیرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے بیٹے سے کہا:

"جاؤ علم حاصل کرو"۔

وہ لڑکا چلا گیا اور کچھ عرصہ غائب رہا۔ جب واپس آیا تو اس نے اپنے والد کے سامنے کچھ احادیث بیاں کیں۔ اس کے والد نے کہا:

"جاؤ علم حاصل کرو"۔

وہ لڑکا دوبارہ کچھ عرصہ غائب رہا۔ پھر وہ کچھ کاغذات لے کر واپس آیا جس میں تحریریں تھیں۔ اس کے والد نے اسے کہا: یہ محض سفید کاغذوں پر کالی سیاہی ہے۔

"جاؤ علم حاصل کرو"۔

وہ لڑکا پھر چلا گیا۔ پھر تیسری بار جب واپس آیا تو اپنے والد سے کہنے لگا: آپ جو چاہیں مجھ سے پوچھ لیں۔ والد نے کہا بتاؤ اگر تم کسی ایسے آدمی کے پاس سے

گزرو جو تمہاری تعریف کرے اور دوسرے آدمی کے پاس سے گزرو جو تمہارے عیب بیان کرے تو تم کیا کرو گے ؟

لڑکے نے کہا:

"اس صورتِ حال میں عیب بیان کرنے والے کا برا نہیں مناؤں گا اور تعریف کرنے والے پر خوش نہیں ہو گا"۔

پھر والد نے کہا:

'اگر تم سونے یا چاندی کا ٹکڑا زمین پر گرا ہوا پاؤ تو پھر کیا کرو گے'؟

لڑکے نے کہا:

"میں اسے نہیں اٹھاؤں گا بلکہ اس کے قریب بھی نہیں جاؤں گا"۔

والد نے کہا:

"جاؤ! اب تم علم سیکھ چکے ہو"۔

[• سنن دارمی: ۳۹۲]

)اصلاح امت، صفحہ ۸،۷(

ہر عالم دین کا انداز یہی ہونا چاہیے، کہ نہ اپنی تعریف کرنے والے کی پرواہ کرے اور نہ عیب بیان کرنے والے کی، بلکہ رضائے الٰہی کے لیے دین کا کام کرتا رہے۔

ایک بات ہمیشہ یاد رکھی جائے کہ

"نہ کسی کی ضد میں کوئی دینی کام کیا جائے، نہ کسی سے ڈر کر کوئی دینی کام چھوڑا جائے"!

آج کل کے کچھ علما کو دیکھا گیا ہے کہ جب ان سے کہا جائے کہ فلاں موضوع پر تحقیق کر دیں تو کہا جاتا ہے کہ ہمارے پاس وقت نہیں۔۔۔!!

اور اسی عالم کی اپنی ذات پر کوئی تنقید کی جاتی ہے تو اب نہ مصروفیت یاد رہتی ہے اور نہ کوئی اور کام، ایک "ضخیم کتاب" اپنے دفاع میں لکھ دیں گے۔۔۔

(پیر غلام رسول قاسمی اطال اللہ عمرہ، مفہوم)

اللہ پاک ہمیں اپنی رضا کے لیے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

علمی اصلاحات اور علما کی ذمہ داریاں

پوسٹ نمبر #۳

◆ آج کے دور میں ٹی وی اور سوشل میڈیا وغیرہ پر طرح طرح کے بیانات، تعلیمات، اور اعتراضات آرہے ہیں۔ ایک ذمہ دار عالم پر لازم ہے کہ ان سے آگاہ رہے، ضرورت کے لئے میڈیا کا مثبت استعمال کرے اور اپنے نوجوانوں کو خراب ہونے سے بچانے کی مکمل کوشش کرے۔ واضح رہے کہ آج کل غیر

مسلموں کی طرف سے اٹھائے جانے والے اکثر سوالات واعتراضات کے جواب پہلے ہی ہماری کتب میں موجود ہیں۔ جس طالب علم نے "شرح عقائد نسفی" ہی صحیح طریقے سے پڑھ لی ہو وہ تمام باتوں کے جواب آسانی سے دے سکتا ہے۔

]سوشل میڈیا (فیس بک) کا درست استعمال کیسے کیا جائے، اس کے متعلق اگلی پوسٹ میں بیان کیا جائے گا[

◆ علما کے لئے عربی زبان کی ضرورت تو واضح ہے، باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے عربی کے علاوہ حسبِ ضرورت دیگر زبانیں سیکھنا بھی ضروری ہے، بلکہ دراصل یہ فرض کفایہ ہے۔

•عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَسُولُ ﷺ أَنْ أَتَعَلَّمَ لَهُ كِتَابَ يَهُوْدَ قَالَ : إِنِّي وَاللّٰهِ مَاآمَنُ يَهُودَ عَلٰى كِتَابٍ قَالَ : فَمَا مَرَّبِيْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰى تَعَلَّمْتُهُ لَهُ قَالَ : فَلَمَّا تَعَلَّمْتُهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلٰى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ وَإِذَا إِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے حکم دیا کہ میں یہودیوں کی تحریر سیکھوں اور فرمایا کہ: اللہ کی قسم میں یہودیوں پر ان کی کتاب کے معاملے میں اعتماد نہیں کرتا، آدھا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے اسے سیکھ لیا۔ جب میں سیکھ چکا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب بھی یہودیوں کی طرف کوئی تحریر بھیجتے تو میں تحریر لکھتا اور جب ان کی طرف سے کوئی تحریر آتی تو میں ہی اسے پڑھتا تھا۔

[ترمذی:۲۷۱۵، بوداؤد:۳۶۴۵]

• وَعَنْهُ قَالَ أَمَرَنِى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ أَتَعَلَّمَ السُّرْيَانِيَّةَ۔

[ترمذی:۲۷۱۵]

حضرت زید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔

(اصلاح امت، صفحہ ۸،۹)

اگر کوئی عالم دین بین الاقوامی (انٹر نیشنل) سطح پر دین کی خدمت کرنا چاہتا ہے، تو آج کے دور میں ایسے عالم دین کو کم از کم تین زبانیں آنی چاہیئں۔

۱۔ عربی ۲۔ اردو ۳۔ انگریزی

اور ضرورت کے مطابق دیگر زبانوں سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔

ایسے عالم دین کو چاہیے کہ وہ ملحدوں، قادیانیوں اور لبرلوں، سیکولر اور دیگر بدمذہبوں کے اعتراضات اور ان کے جوابات سے واقف ہو تاکہ اچھے انداز سے ان کارد کیا جاسکے۔

(پیر غلام رسول قاسمی اطال اللہ عمرہ، مفہوم)

(جاری ہے۔۔۔)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

علمی اصلاحات اور علما کی ذمہ داریاں

پوسٹ نمبر #۴

سوشل میڈیا (فیس بک) کا درست استعمال

◆ ایک ذمہ دار عالم دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اندرونی اور بیرونی ہر طرح کے فتنوں سے آگاہ رہے، آج کل سوشل میڈیا پر لبرل، سیکولر اور ملحد طبقہ سرگرم ہے، اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جارہے ہیں، نوجوانوں کے دلوں میں اسلام کے متعلق تشکیک پیدا کی جارہی ہے، ایسے وقت میں یہ علما کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس محاذ پر بھی فتنوں کا مقابلہ کریں۔نہ صرف داخلی میدان میں فتنوں کی قلع قمع کریں بلکہ خارجی فتنوں کا بھی جواب دیں۔

(پیر غلام رسول قاسمی اطال اللہ عمرہ، مفہوم)

• سوشل میڈیا میں بہ طور خاص فیس بک ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جسے بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے، اسے کس طرح درست استعمال کیا جائے، اس کے متعلق علامہ لقمان شاہد زید علمہ کی یہ پوسٹ ملاحظہ کریں!

• فیس بک استعمال کرنے والے علما کے لیے:

۱ : فیس بک بھری محفل کی طرح ہے جس میں آپ بہ صورتِ پوسٹ خطاب کرتے ہیں۔

آپ کا یہ خطاب مختصر اور جامع ہونا چاہیے، کیوں کہ آپ کے سامعین صرف آپ کو سننے کے لیے یہاں جمع نہیں ہوئے، آپ سے بہتر خطیب و ادیب بھی رونق محفل ہیں۔

۲ :اس محفل میں ہر طبقے کے نہ صرف پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں بلکہ کافی تعداد میں اَن پڑھ افراد بھی ہیں، ان سب کی رعایت ملحوظ رکھیں۔

۲ :الفاظ کا چناؤ جہاں آپ کو منفرد بنائے گا وہیں آپ کی بات سمجھنے اور اثر انداز ہونے میں سہولت فراہم کرے گا، اس لیے کوشش کر کے خوب صورت، آسان اور میٹھے الفاظ کا استعمال کریں۔

۳ :جو دوست آپ کی پوسٹیں شیئر اور لائک کرتے ہیں، ان پر اچھے کمنٹ یا صالح تنقید کرتے ہیں، آپ بھی اُنھیں اہمیت دیا کریں اور ان کے لیے دعاے رحمت کرتے رہا کریں۔

۴ :صالح تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ اور ناقِدین کی حوصلہ اَفزائی بہت ضروری ہے۔

ناقِدین کے متعلق دل میں ہرگز کسی قسم کا بغض نہیں رکھنا چاہیے، یہ سچ ہے کہ:

”جس کا کوئی ناقِد نہیں ہوتا، وہ بہت جلد شُتر بے مَہار ہو جاتا ہے“۔

۵ :مسلمان بہنوں، بیٹیوں کی ایک تعداد فیس بک سے منسلک ہے، ان کا

احترام ملحوظ رکھیں؛ مزاح مزاح میں بھی کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کریں جو تقدیس و حیا کے مانع ہو۔

٦ : کسی غیر محرم خاتون سے مسنجر وغیرہ پر رابطہ نہ بڑھائیں، اگر کوئی شرعی مسئلہ پوچھے تو ضروری جواب دے کر بات ختم کر دیں، اس معاملے میں اللہ سے ڈریں!

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ۔

اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت اور جو کچھ سینے میں چھپا ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ عورت کے نام سے بنائی گئی ہر آئی ڈی واقعی عورت کی ہو یہ ضروری نہیں؛ ہو سکتا ہے وہ کسی ایسے مرد کی ہو جو آپ کو رسوا کرنا چاہتا ہے، اس لیے بہ ہر صورت پرسنل گفتگو سے پرہیز کریں۔

٨ : دینی پوسٹیں صرف لائکس ، کمنٹس اور شہرت کے لیے نہ کریں ، بلکہ رضاے الٰہی کی خاطر کریں۔

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی تھی:

حضور! ایک شخص جہاد کے لیے نکلتا ہے اور اجر کے ساتھ شہرت کا بھی طالب ہوتا ہے، اُسے کیا ملے گا؟

آپ نے فرمایا: کچھ بھی نہیں!

اس نے اپنی بات تین مرتبہ دہرائی تو اُسے یہی جواب ملا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو، اور اُس سے، اُسی کی رضا مقصود ہو۔

انظر: الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف، کتاب الایمان، باب الترغیب فی الاخلاص والصدق والنیۃ الصالحۃ، ص ۱۴، ر ۹، ط دارالکتاب العربی بیروت، س ۲۰۱۴ء

۹ : علما کا ہر وقت فیس بک سے چمٹے رہنا مناسب نہیں۔

پوسٹ کریں اور دیگر علمی کاموں میں مشغول ہو جائیں، جیسے جیسے فرصت ملے کمنٹس وغیرہ چیک کر لیں۔

۱۰ : آپ غور فرمائیں کہ ہزاروں، لاکھوں اخراجات کے بعد ایک محفل کا انعقاد ہوتا ہے، جس میں کسی عالم دین کو مدعو کیا جاتا ہے اور وہ گھنٹہ ڈیڑھ خطاب کرتے ہیں۔

اگر مجمع چار پانچ ہزار افراد پر مشتمل ہو تو محفل کامیاب تصور کی جاتی ہے۔

لیکن فیس بک تو ہزاروں کی محفل ہے جس میں بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں، مرد سب جمع ہیں؛ جو آپ کی بات سننا اور عمل کرنا چاہتے ہیں۔

اس لیے یہاں جو بات کہیں پوری دل جمعی سے، اچھی نیت کے ساتھ کہیں، ان شاء اللہ جل جلالہ آپ کے لیے عظیم صدقہ جاریہ ہو گا۔

خاک پائے عُلَمَاوصُلَحَا

لقمان شاہد عفی عنہ 30/10/2018ء

جاری ہے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

علمی اصلاحات اور علما کی ذمہ داریاں

پوسٹ نمبر #۵

◆ مسلمانوں کی اصلاح اور تربیت کرنے کا حق ایسے عالم دین کو حاصل ہے جو "امر و نہی" کی باریکیوں کو سمجھتا ہو، امت کے گزشتہ احوال کا خوب مطالعہ رکھتا ہو اور اپنی نگاہِ بصیرت سے مستقبل میں جھانک سکتا ہو۔

قرآن شریف کی آیت کُوْنُوْا رَبَّانِیِّیْنَ (آل عمران:۷۹) کے تحت سیدنا ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں:

اَلرَّبَّانِیُّ الْعَالِمُ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْاَمْرِ وَالنَّھْیِ، اَلْعَالِمُ بِنَبَآءِ الْاُمَّةِ مَاکَانَ وَیَکُوْنُ

"یعنی عالمِ ربانی وہ ہے جو حلال و حرام اور امر و نہی کا علم رکھتا ہو، امت کے حالات سے باخبر ہو اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا سب اس کے علم میں ہو"۔

(تفسیر بغوی جلد ا صفحہ ۳۷۵)

عالمِ دین کو اندازہ ہونا چاہیے کہ اس کی کسی بات یا کسی اقدام کا نتیجہ کیا نکلے گا، فائدہ کتنا ہو گا اور نقصان کتنا ہو گا، اصلاح کتنی ہو گی اور فساد کتنا ہو گا۔ پہلے کیا ہو تا رہا ہے اور آئندہ کتنا ہو گا۔ مبلغ کے لئے چار چیزیں سخت ضروری ہیں:

۱۔ علم ۲۔ عمل ۳۔ حکمتِ عملی ۴۔ استقامت

ایسا عالمِ دین بیک وقت عالم بھی ہو گا اور صوفی بھی۔

◆ عالمِ دین کے قریب کوئی دوسرا عالمِ دین رہتا ہو تو چاہیئے کہ اس کا احترام کرے اور اس پر حسد نہ کرے، فتویٰ دیتے وقت اس سے مشورہ کر لے۔

آج کل عوام ایک عالم سے فتویٰ لے کر بعد میں دوسرے عالم کے پاس چلے جاتے ہیں اور بیان بدل کر فوسرا فتویٰ لے آتے ہیں۔ اگر علماء کا آپس میں رابطہ اور محبت قائم ہو تو اس مشکل کو آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے۔ اگر عالم سے غلطی ہو جائے تو متوجہ کیے جانے پر اعتراف کرے اور بے جا توجیہات و تاویلات سے کام نہ لے اور اَنا کو آڑے نہ آنے دے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک طرف تو کئی ممالک کے حکمراموں کو خطوط لکھے، اقوامِ عالَم کے ساتھ معاہدے فرمائے اور اتمامِ حجت کے بعد جہاد فرما کر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ ادا فرمایا۔ دوسری جانب آپ ﷺ نے خوارج، روافض اور قدریہ جیسے اندرونی فتنوں کے نام اور اوصاف بیان کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا اور ان کا ردِّ بلیغ فرمایا۔

لہٰذا ہر عالمِ دین پر لازم ہے کہ کسی ایک موضوع پر کام کرتے وقت دوسرے فتنوں کی سرکوبی کے بارے میں تساہل کا شکار نہ ہو۔

◆ نبی کریم ﷺ نے علمائے حق اور مجدّدِ عصر کی ذمہ داریاں اس طرح بیان فرمائی ہیں:

•يَحْمِلُ هٰذَا العِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ، يَنْفُونَ عَنْهُ تَحرِيفَ الغَالِينَ وَانْتِحَالَ المُبْطِلِينَ وَتَأْوِيلَ الجَاهِلِينَ

"یعنی اس علم کی ذمہ داری ہر بعد میں آنے والے زمانے کے بہترین لوگ اٹھائیں گے، جو دینِ حق سے انتہا پسندوں کی تحریف، باطل پرستوں کی کذب بیانی اور جاہلوں کی ہیرا پھیری کی نفی کریں گے"۔

)شرح مشکل الآثار:۳۸۸۴، مسند البزر:۹۴۸۲، مشکوٰۃ:۲۴۸(

اس حدیث کے الفاظ(يَحْمِلُ هٰذَا العِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ)اور ایک روایت میں(يَرِثُ هٰذَا الْعِلْمَ)سے معلوم ہوا کہ مجددِ عصر اور علمائے حق کا سابق مجددین کے تابع، ہم خیال اور اجماع کا پابند ہونا ضروری ہے۔(يَنْفُونَ عَنْهُ تَحرِيفَ الغَالِينَ)کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ دین میں غلو کی نفی کرنا مجدد کی ذمہ داری ہے۔اور(وَانْتِحَالَ المُبْطِلِينَ)سے معلوم ہوا کہ اہل بدعت کو بے نقاب کرنا ہر عصر کے مجدد اور علمائے حق کی ذمہ داری ہے۔اور(وَتَأْوِيلَ الجَاهِلِينَ)سے مراد سیاق وسباق کو ملحوظ رکھے بغیر اور قرآن وسنت کے مسلَّمات کے خلاف تاویلیں

ہیں مثلاً:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ سے مراد سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدہ زہراء رضی اللہ عنہما لینے اوراللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ سے مراد حسنین کریمین لینے کے بارے میں علماء نے صاف لکھاہے کہ هُوَ مَنْ تَاوِيْلِ الْجهُلَاءِ وَالْحُمَقَاءِ كَالرَّوَافِضِ یعنی یہ جاہلوں اور احمقوں کی تاویل ہے جیسے روافض۔

)الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۰، مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۴۴۷، مجمع البحار جلد ۵ صفحہ ۲۳۶، فیض القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۲(

الغرض اس حدیث کا تعلق اہل بدعت کی تردید اور اصلاح سے ہے۔

)اصلاح امت، صفحہ ۱۱، ۱۰، ۹(

)جاری ہے۔۔۔(

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

علمی اصلاحات اور علما کی ذمہ داریاں

پوسٹ نمبر #۶

◆ جو عقائد واحکام قرآن و سنت سے نصاً اور ظاہراً ثابت ہوں، ان کے مقابلے پر احتمالات کا سہارا لے کر تشکیک پیدا کرنا یا اجماع اور جمہور کے مقابلے پر شاذ اقوال کا سہارا لینا، اہلِ باطل کے پاس لوگوں کو بہکانے اور فتنہ برپا کرنے کا

ایک بڑا ہتھیار ہے۔

اللہ کریم نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ (آلِ عمران : ۷)

ترجمہ: سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ جوئی اور آیاتِ متشابہات کا معنی متعین کرنے کے لئے ان کے درپے رہتے ہیں، حالانکہ ان کے اصل مرادی (حقیقی) معنی اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا۔

اس آیت کی تفسیر میں ابنِ جریر، بغوی اور ابنِ کثیر جیسی بنیادی تفاسیر اور بیضاوی، مدارک اور جلالین جیسی تفاسیر میں ایک ہی بات لکھی ہے۔ مثلاً بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں

• فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ : فَیَتَعَلَّقُوْنَ بِظَاهِرِهٖ اَوْبِتَأْوِیْلٍ بَاطِلٍ اِبْتَغَاءَ الْفِتْنَةِ طَلْبَ اَنْ یُفَتِّنُوْا النَّاسَ عَنْ دِیْنِهِمْ بِالتَّشْکِیكِ وَالتَّلْبِیْسِ وَمُنَاقَضَةِ الْمُحْکَمِ بِالْمُتَشَابِهِ۔

ترجمہ: یہ لوگ متشابہات کے درپے رہتے ہیں اور انہیں ان کے ظاہر پر محمول کرتے ہیں یا فتنہ جوئی کے لئے تاویل کرتے ہیں، یہ اس مقصد کے لئے ہے کہ لوگوں کے دلوں میں شک پیدا کر کے اور مفہوم کو خلط ملط کر کے اور آیاتِ محکمات (یعنی جن کے معنی قطعی اور واضح ہیں) کو متشابہات کی نقیض ثابت کر کے دین کے بارے میں انہیں آزمائش میں ڈالیں۔ (تفسیر بیضاوی ۱/۱۴۹)

علامہ ابنِ کثیر دمشقی لکھتے ہیں:

•اِنَّمَا یَا خُذُوْنَ مِنْهُ بِالْمُتَشَابِهِ الَّذِیْ یُمَکِّنُهُمْ اَن یُّحَرِّفُوْهُ اِلٰی مَقَاصِدِهِمُ الْفَاسِدَةِ، وَیُنْزِلُوْهُ عَلَیْهَا، لِاِحْتِمَالِ لَفْظِهٖ لِمَا یُصَرِفُوْنَهُ

ترجمہ: یہ لوگ قرآن سے ان متشابہات کا سہارا لیتے ہیں جن کے ذریعے ان کو موقع ملتا ہے کہ قرآنی آیات کی معنوی تحریف کرکے انہیں اپنے فاسد مقاصد کی دلیل کے طور پر پیش کر سکیں اور ان فاسد معانی پر ان آیات کو محمول کر سکیں ، کیونکہ (متشابہات کے) الفاظ میں ان کے باطل معنیٰ کا کوئی (مرجوح یا مردود) احتمال بھی موجود ہوتا ہے۔(تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۷۸)

اور فرماتے ہیں:

•هٰذَا الْمَوْضِعُ مِمَّازَلَّ فِیْهِ اَقْدَامُ کَثِیْرٍ مِنْ اَهْلِ الضَّلَالَاتِ

یہی وہ مقام ہے کہ بہت سے لوگوں کے قدم (راہِ حق سے) متزلزل ہوئے اور وہ گمراہ ہوئے ہیں۔

)البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۸(

)اصلاح امت، صفحہ ۱۳،۱۲(

)جاری ہے۔۔۔(

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

علمی اصلاحات اور علما کی ذمہ داریاں

پوسٹ نمبر #۷

◆ قرآن، سنت، اجماع اور جمہور کے فیصلے ہی محکمات ہیں اور شاذ، مترک اور مردود اقوال کو پروان چڑھانا ہی دین میں فتنہ انگیزی ہے اور حق کے بارے میں لوگوں کو شک میں مبتلا کرنا ہے، امامِ اہلِ سنت الشاہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

وہ مسائل بالکل قلیل ہیں جن میں کوئی قولِ شاذ خلاف پر نہ مل سکے، بہت سے مسائل مسلمہ مقبولہ جنہیں ہم اہلِ حق دین و ایمان سمجھے ہوئے ہیں، انکے خلاف میں بھی ایسے اقوال مرجوحہ ، مجروحہ، مہجورہ، مطروحہ بتلاش مل سکتے ہیں۔ کتابوں میں غث و سمین ورطب ویابس کیا کچھ نہیں ہوتا مگر خدا اسلامت طبع دیتاہے تو صحیح و سقیم میں امتیاز میسر ہوتا ہے ورنہ انسان ضلالِ بدعت و وبالِ حیرت میں سرگرداں رہ جاتاہے۔ اگر شریر طبیعتوں، فاسد طینتوں کا خوف نہ ہوتا تو فقیر اپنی تصدیق دعویٰ کو چند مسائل اس قسم کے معرضِ تحریر میں لاتا۔ مگر کیا کیجیے کہ بعض طبائع اصل جبلت میں حساسہ جسّاسہ بنائی گئی ہیں کہ شب وروز تتبعِ اباطیل و تفحص قال وقیل میں رہتے ہیں کما قَالَ رَبُّنَا تَبٰرَكَ وَ تَعَالٰی : اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ تَأْوِیْلِهٖ یہ طبیعتیں جہاں اپنی شرارت سے ادنیٰ موقع رخنہ اندازی کا پاتی ہے، ہدمِ بنیانِ اسلام کے لئے کمربستہ

ہو جاتی ہیں۔

اَعَاذَ نَااللّٰهُ مِنْ شَرِّهِنَّ آمِیْن۔

)مطلع القمرین صفحہ ۱۷(

اے عزیز! قرآن و سنت کے محکمات اور اجماع کے مقابلہ پر کسی شاذو مرجوح قول یا منکر روایت کو ترجیح دینا شرعی مُحکمات سے اعتماد اُٹھانے کی سازش ہے اور بقول اعلیٰ حضرت (رحمہ اللہ) "ہدمِ بنیانِ اسلام کے لئے کمر بستہ" ہونے کے مترادف ہے۔

جب آپ اس اصول کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آج کل خالص سُنی چینلز کے سوا دیگر ٹی وی چینلز، سوشل میڈیا اور مختلف تحریکوں کی شکل میں سامنے آنے والے متعدد فتنے ایک ہی مرض کی مختلف علامات ہیں، حدیث شریف میں ہے:

فَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولٰئِکَ الَّذِينَ اللّٰهُ فَاحْذَرُوهُمْ

"یعنی جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیاتِ متشابہات کے درپے ہیں تو (جان لو) یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں فرمایا ہے، سو اِن سے بچ کر رہو"۔)بخاری حدیث:۴۵۴۷، مسلم حدیث:۲۷۷۵(

)اصلاح امت، صفحہ ۱۳، ۱۴(

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

علمی اصلاحات اور علما کی ذمہ داریاں

پوسٹ نمبر #۸

◆ ملحدین (دہریہ) کا اس امت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ تین طبقے ایسے ہیں جو ملحدین کے لئے علمی طور پر سہولت کار بنے ہوئے ہیں۔

۱۔ جمہور اور اجماع کے منکر آزاد خیال لوگ۔

۲۔ صحابہِ کرام علیہم الرضون کے دشمن اور انہیں سب و شتم کرنے والے لوگ۔

۳۔ علم دشمن عناصر یعنی علم کی مخالفت کرنے والے۔

تینوں کی راہ سے بچنا اور بچانا سخت ضروری ہے۔

" ◆ پیرو مرشد کے لئے شرط ہے کہ عقیدہ کے لحاظ سے پکا اہلِ سنت ہو، اس کے پاس اپنی اور مریدین کی ضرورت کا علم ہو، با عمل ہو اور اس کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک متصل ہو"۔

جس میں یہ شرائط نہ پائی جائیں اور وہ علم حاصل کرنے سے ہی روکتا ہو تو ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا حرام ہے۔ ایسے لوگوں کے علم سے روکنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے گمراہ کن عقائد اور جاہلانہ تعلیمات کے سامنے جب قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت کا سمندر دیکھتے ہیں تو حق کو قبول کرنے کی بجائے عام مسلمانوں کو علم سے روکنا ہی انہیں آسان راستہ نظر آتا ہے۔

یہ ایک مخصوص مکتبہِ فکر ہے جو صرف تفضیلی ہی نہیں بلکہ تفضیل میں غالی ہے اور اہلِ سنت کو بدنام کر رہا ہے۔ماضی میں اسے "فرقہِ ہامیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

حضور غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ اسی فرقہِ ہامیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَاَمَّا الْهَامِيهُ : فَيَتْرُكُوْنَ الْعِلْمَ، وَيَنْهَوْنَ عَنِ التَّدْرِيْسِ الخ

یعنی ہامیہ فرقہ کے لوگ علمِ شریعت کے مخالف ہیں اور علومِ دینیہ کی تدریس سے منع کرتے ہیں، فلسفیوں کے تابع ہیں، کہتے ہیں کہ قرآن حجاب ہے، شاعری طریقت کا قرآن ہے، اپنے پیروکاروں کو شعر سکھاتے ہیں، اور اد کو ترک کرتے ہیں، یہ لوگ اعتقاد کی وجہ سے ہلاک ہوگئے، یہ اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتے ہیں مگر یہ اہلِ سنت نہیں ہیں ...... یہ خود کو قلندری اور حیدری کہتے ہیں۔اِنْتَسَبَ بَعْضُهُمْ اِلىٰ قَلَنْدَرَ وَبَعْضُهُمْ اِلىٰ حَيْدَرٍ۔

)سر الاسرار صفحہ ۵۸(

حالانکہ حضرت علی حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ تو علم کا سمندر تھے، مدینہ العلم کا ایک باب تھے، خلفاے ثلاثہ کی طرح کمالاتِ فیض رسالت مآب ﷺ کا مظہر تھے۔

◆ اپنا نظریہ اور مؤقف ثابت کرنے کے لئے ادھوری اور نامکمل عبارات

پیش (Quote) کرنا انصاف اور دیانت کا خون ہے۔ ایسی غلطیوں کے نتیجے میں محکمات کو بے وقعت بنادیا گیا، اجماع کو پھاڑا گیا اور مسلکِ اہلِ سنت و جماعت ہر سخت ضرب لگائی گئی۔ ہم ایسی غلطی کرنے والے ناقلین کو اللہ کا خوف دلاتے ہیں۔

(اصلاح امت، صفحہ ۱۵، ۱۴)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

سقراط اور درسگاہ

سقراط کی درس گاہ کا صرف ایک اصول تھا، اور وہ تھا برداشت، یہ لوگ ایک دوسرے کے خیالات تحمل کے ساتھ سُنتے تھے، یہ بڑے سے بڑے اختلاف پر بھی ایک دوسرے سے الجھتے نہیں تھے، سقراط کی درسگاہ کا اصول تھا اس کا جو شاگرد ایک خاص حد سے اونچی آواز میں بات کرتا تھا یا پھر دوسرے کو گالی دے دیتا تھا یا دھمکی دیتا تھا یا جسمانی لڑائی کی کوشش کرتا تھا اس طالب علم کو فوراً اس درسگاہ سے نکال دیا جاتا تھا۔

سقراط کا کہنا تھا برداشت سوسائٹی کی روح ہوتی ہے، سوسائٹی میں جب برداشت کم ہوجاتی ہے تو مکالمہ کم ہوجاتا ہے اور جب مکالمہ کم ہوتا ہے تو معاشرے میں وحشت بڑھ جاتی ہے۔

اس کا کہنا تھا اختلاف دلائل اور منطق پڑھے لکھے لوگوں کا کام ہے، یہ فن جب تک پڑھے لکھے عالم اور فاضل لوگوں کے پاس رہتا ہے اُس وقت تک معاشرہ ترقی کرتا ہے۔۔

لیکن جب مکالمہ یا اختلاف جاہل لوگوں کے ہاتھ آجاتا ہے تو پھر معاشرہ انارکی کا شکار ہوجاتا ہے۔۔

وہ کہتا تھا۔۔

"اور عالم اُس وقت تک عالم نہیں ہوسکتا جب تک اس میں برداشت نہ

آجائے، وہ جب تک ہاتھ اور بات میں فرق نہ رکھے"۔۔۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

تقریر کیسے کریں

طلباء کو تقاریر سیکھانے میں انشاء اللہ یہ کاوش اساتذہ کی معاون ثابت ہو گی،

تقریر کرنا ایک بہت مشکل مگر ضروری فن ہے- اچھی تقریر ایک کامیاب معاشرتی زندگی ہی نہیں گزارتا' بلکہ پیشہ ورانہ زندگی میں بھی کامیابیاں اس کے قدم چومتی ہیں- تقریر مختلف مواقع اور مقاصد پر کی جاتی ہیں مثال کے

طور پر ہدایات یا معلومات دینے اور تفریح طبع کے لیے- تقریر لکھنے اور لوگوں کی موجودگی میں اس کو پیش کرنے میں سب سے اہم سننے والے کے متعلق معلومات ہونا ضروری ہے کیونکہ سننے والے کو اگر بات سمجھ نہ آئے تو تقریر بے اثر

ہو گی- تقریر کو موثر انداز میں لکھنے میں درج ذیل نکات مددگار ہوں گے:

۱۔ سننے والے کا تعین

تقریر لکھنے سے قبل سننے والے کی مکمل معلومات ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ
وہ اپنی ضرورت اور پسند کے
موضوعات میں ہی دلچسپی لیں گے- تمام سنے والے علم اور تجربے کی ایک
سطح پر نہیں ہوسکتے-اس لیے تقریر
ھمیشہ عام سنے والے کو مد نظر رکھ کر لکھی جانی چاہیے- الفاظ اور خیالات کا
چناؤ کرنے والے کی استعداد سے
مین لکھنا ہو۔

۲۔ موضوع کا احاطہ

تقریر بالعموم کسی ایک متعین کردہ موضوع پر کی جاتی ہے اور مقرر کو اپنے
موضوع کے حق یا مخالفت میں اعداد و شمار اور حقائق سنے والے کے سامنے رکھنا
ہوتے ہیں اور اپنے نقطہ نظر کو منطقی استدلال سے ثابت کرنا ہوتا ہے-

۳۔ مواد کی تیاری

ایک اچھی تقریر موضوع کے تعارف سے شروع ہوتی ہے- ابتدا بہت بھر
پور ہر متاثر کن ہونی چاہیے تاکہ سنے والے کی
دلچسپی بنی رہے- مواد کی تیاری میں درج ذیل باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے:

۱۔ تقریر کا خاکہ ترتیب دیں-

۲ -مواد کی ترتیب: پہلے تعارف' پھر وضاحت' اور آخر میں نتیجہ - تعارف

میں موضوعاتی مسئلہ کا احاطہ کریں اور وضاحت میں اس مسئلے کے مختلف حل پیش کریں- نتیجہ میں تمام گفتگو کا ایک خلاصہ بیان کریں-

۳ -موضوع کو ثابت کرنے کے لیے ٹھوس حقائق اور اعداد و شمار جمع کریں-

۴ -ادبی فن پاروں سے اقتباسات اور مشہور اشعار کو شامل کریں-

۵ -اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے تاریخ کے حوالہ جات شامل کریں- عام زندگی کی مثالیں بھی بعض اوقات بہت پر اثر ثابت ہو سکتی ہیں-

۶ -چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کریں-

۷ -فقرے اس طرح ترتیب دیں کہ ان میں ایک واضح ربط ہو-

۸ -ایک موضوع پر قائم رہیں کیوں کہ اگر آپ بہت زیادہ موضوعات ایک ہی تقریر میں یکجا کر دیں گے تو لوگوں کی دلچسپی کم ہو جائے گی-

۹ - تقریر ایک مکالمے کے انداز میں لکھیں جیسے آپ لوگوں سے بات چیت کر رہے ہوں-

۴ -الفاظ کا چناؤ

تقریر میں لکھے گئے الفاظ با معنی اور عام فہم ہونا بہت ضروری ہے- مبہم ' مشکل اور دہرے معنی والے الفاظ تقریر کی معنویت کم کر دیں گے اور عدم دلچسپی کا باعث ہوں گے-

۵ -وقت کا لحاظ اور نظر ثانی

تقریر مکمل لکھ لینے کے بعد ایک دفعہ اس کو بغور پڑھیں تاکہ مواد کی ترتیب، مثالوں اور اقتباسات کے استعمال 'فقروں کی روانی اور الفاظ کے چناؤ میں اگر کوئ کمی رہ گئی ہو تو اسکی تصحیح کی جاسکے- مزید یہ کہ اگر زبان یا بیان کی کوئ غلطی رہ گئی ہو تو اس کی اصلاح کی جاسکے-

تقریر ایک مقررہ وقت میں ختم کرنی ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ آپ مواد اتنا ہی لکھیں جو مقررہ وقت میں احاطہ ہو سکے- تقریر لکھنے کے بعد کم از کم ایک مرتبہ پڑھ کر دیکھ لیں تاکہ دوران تقریر آپ کو وقت کی کمی کی وجہ سے کچھ نکات چھوڑنے ناپڑیں-

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

لمحہ فکریہ!

ایک تحریر کا عکس

مدرسین و مفتیان عظام کا درس و تدریس اور افتاء چھوڑ کر تعویذ گنڈوں میں پڑجانا قابل تشویش ہے۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مطالعہ

لکھنے پڑھنے والوں کے لیے ایک مفید آلہ، جس میں سات کتب بیک وقت کھولی جاسکتی ہیں، کرسی رکھیں اور جو کتاب دیکھنی ہے وہ سامنے کرلیں

کہا جاتا ہے ایک مشہور حنفی عالم ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے بھی اس سے ملتا جلتا آلہ ایجاد کیا تھا یعنی علما، اکابرین بھی ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ کتب کے مطالعہ کی جستجو رکھتے تھے
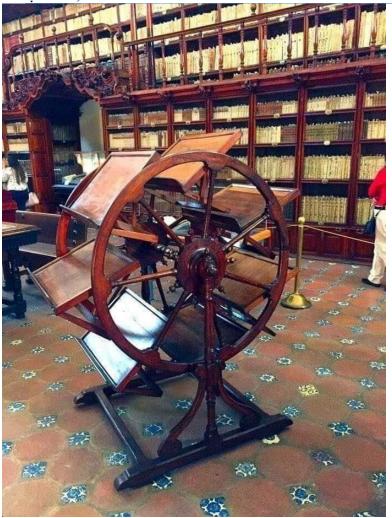
اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

"ایک نحوی صاحب (علم نحو کا عالم) کشتی پر سوار تھا۔

جب کشتی بادِ موافق کے سہارے مزے سے دریا پر تیرتی جارہی تھی تو نحوی نے ملّاح سے بات کرنی شروع کی۔"

بھائی ملّاح کیا تم نے نحو پڑھا ہے۔؟

"ملاح نے کہا "نہیں" نحوی نے جواب دیا۔

پھر تم نے اپنی آدھی عمر برباد کر دی۔ ملّاح جواب سُن کر لاجواب اور خاموش ہو گیا۔۔۔۔

جب کشتی عین دریا کے وسط میں جارہی تھی تو قضاکار بادِ مخالف زور سے چلنے لگی۔

ملّاح نے کہا۔ "کشتی بچتی نظر نہیں آتی تیر کر پار اُترنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

"پھر نحوی صاحب سے پوچھا "کیا آپ تیرنا جانتے ہیں"؟

نحوی نے کہا" کبھی اس طرف خیال ہی نہیں گیا۔

ساری عمر کتابوں میں رہے۔

"ملاح نے کہا" پھر آپ نے ساری عمریوں ہی برباد کی۔ یہاں فنِ تیراکی کام آتا ہے۔

علم نحو اب ڈوبنے سے نہیں بچا سکتا۔"

درج بالا حکایت یہ بتاتی ہے کہ حصولِ تعلیم کے ساتھ ہنر مند ہونا سونے پر سہاگہ ہے۔ بسا اوقات صرف تعلیم سے ہی کام نہیں چلتا بلکہ' ہنر مندی سے ظفریابی ملتی ہے۔اسی طرح نرا ہنر مند ہونا بھی کمال نہیں ہے' تعلیم بھی ضروری ہو جاتی ہے۔اگر یہ دونوں مل جائیں تو انسان کبھی دوسروں کا محتاج نہ رہے۔دوسرے یہ کہ علماء کو اپنی تعلیم پر ناز نہیں کرنا چاہیے۔ کبھی کبھی منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

خاکی رضا قصوری

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

درس نظامی کے طلبہ کے لیے

اسم, فعل, حرف لفظ کی اقسام ہیں
تینوں سے مل کر بنتے کلام ہیں

مرکب مفید سے ہے ہر کوئی مستفید
مرکب ناقص کو سمجھنے میں ناکام ہیں

نہ بدل سکا کوئی مبنی کے آخر کو
معرب پر آتی حرکتیں تمام ہیں

معرفہ نے خاص کر دیا ہے ورنہ
نکرہ کی نظر میں تو سب عام ہیں

مؤنث نہ ہوا تو یقینا مذکر ہی ہو گا
تیسری جنس کے انسان یہاں گمنام ہیں

فاعل چھپ بھی جاتا ہے کبھی فعل میں
پر مفاعیل آتے ہمیشہ سر عام ہیں

نعم,حبذا سبب ہیں دل کی تسکین کا
بئس,ساء فقط وجہ درد و آلام ہیں

حال کی حالت ہر حال میں نصبی ہے
مگر ذوالحال کے مختلف احکام ہیں

عندی عشرون کی آئی سمجھ درھما سے
دور تمیز نے کیئے سارے ابہام ہیں

مبتداء تو وہی ہے جو آئے ابتداء میں
خبر پر پہلے آنے کے بھی الزام ہیں

موصوف,صفت میں دوری بھی ہے ممکن
مضاف,مضاف الیہ میں فاصلے حرام ہیں

آشنا نحو سے کر دیا ہے اشفاق کو
میرے ہر استاد پر لاکھوں سلام ہیں

تحریر:
محمد اشفاق رضوی

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

درس نظامی کا تاریخی پس منظر

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی حکومت کی بنیاد سلطان محمود غزنوی [متوفی: اپریل ۱۰۳۰] نے رکھی تھی، اس کے زیر اثر ہندوستان میں دینی تعلیم کا جو نصاب تشکیل پایا تھا اس میں تفسیر ، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف، کلام ، عربی ادب، نحو اور منطق کے مضامین شامل تھے۔ اس نصاب تعلیم میں مذہبی مضامین کا حصہ زیادہ تھا۔ اس نصاب میں سلاطین غزنویہ [۱۴۵۱-۱۵۲۶ء] کے سلطان سکندر لودھی کے دور حکومت [۱۴۸۹-۱۵۵۰ء] تجدیدی کوشش کی گئی اور مذہبی علوم کے مقابلے میں عقلیات کا اضافہ کیا گیا۔

برصغیر کے مدارس کے نصاب تعلیم میں مغلیہ دور حکومت کے اکبر اعظم [م: ۱۶۰۵ء] کے عہد میں بڑی نمایاں ترقیات ہوئیں۔ وہ مذہبی آزادی کا زبردست حامی تھا چنانچہ اس نے مذہبی تفریق کے بغیر ہر مذہب اور فن کے ماہرین کو اپنے دربار میں جگہ دی۔ اس پس منظر میں اس دور کے مدارس کے نصاب میں بھی بڑی ہمہ گیری پیدا ہوئی تھی چنانچہ نصاب میں شہریت ، معاشیات، فلکیات، طبعیات، حساب اور طب بلکہ موسیقی تک کو نصاب کا حصہ بنا دیا گیا تھا چنانچہ ہندوستان کے کئی علماء کا فن موسیقی سے مناسبت کے تذکرے کتب تراجم میں ملتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور مسلم صوفی اور شاعر حضرت امیر خسرو بھی موسیقی میں کمال رکھتے تھے۔ اکبر بادشاہ کے دور کے مشہور مؤرخ

ملا عبد القادر بدایونی کو بھی موسیقی سے فنی مناسبت تھی۔

نصاب میں اس وسعت کے نتیجے میں ہر گریجویٹ کو اپنے فطری ذوق و دلچسپی کی بنیاد پر آگے چل کر کسی نہ کسی میدان میں اختصاص کا مقام حاصل کرنے کا موقع ملتا اور نام کماتا۔ نظام تعلیم ایک ہی ادارہ میں پڑھنے والے مختلف طلباء کو مضامین کے انتخاب کا وسیع موقع فراہم کرتا تاکہ ہر طالب علم اپنی خواہش اور فطری صلاحیتوں کے مطابق اپنے حسب منشاء مضامین کا انتخاب کرے چنانچہ ڈاکٹر محمود غازی ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے زیر سرپرستی اہل علم کے ہاتھوں تشکیل دیئے جانے والے نصاب تعلیم کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ نظام تعلیم یا نصاب تعلیم دین و دنیا دونوں کی جامعیت کا آیئنہ دار تھا۔ اس نظام تعلیم نے مجدد الف ثانی جیسے بزرگ بھی پیدا کیے یہ اور نواب سعد اللہ خان دونوں ایک ہی استاد کے شاگرد تھے۔ نواب سعد اللہ خان وہ سیاست دان ہیں جو شاہ جہان کے دور میں پورے ہندوستان (یعنی موجودہ افغانستان، پاکستان، موجودہ ہندوستان، موجودہ بنگلہ دیش، موجودہ سری لنکا اور موجودہ نیپال) کم از کم یہ چھے ملک اتنی بڑی سلطنت میں شامل تھے جس کا نواب سعد اللہ خان کم از کم اڑتالیس سال وزیر اعظم رہا ہے، گویا بڑی بڑی سلطنتیں چلانے والے مدبرین اور اعلی سے اعلی دینی قیادتیں فراہم کرنے والے بزرگان (جو مجدد الف ثانی کے درجے کے لوگ ہوں) اسی نظام تعلیم نے پیدا کیے تاج محل جس انجنیئر نے بنایا وہ اسی نظام تعلیم

کا پڑھا ہوا تھا جس سے اس نے تاج محل جیسی عمارت بنائی جو آج دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک نمایاں عجوبہ ہے۔

اکبر اعظم کے دور کی روایت کے خلاف مدارس کے نصاب میں بعد ازاں مغل حکمران اورنگ زیب عالمگیر[م: فروری ۱۷۰۷ء] کے دور میں U ٹرن کی صورت نظر آتی ہے جب اس بادشاہ کی معاونت سے ملا نظام الدین سہالوی [م: مئی ۱۷۴۸ء] نے لکھنؤ میں "فرنگی محل" نامی جگہ اپنا مدرسہ قائم کیا جو فرنگی محل کی نسبت سے تاریخ میں مدرسہ فرنگی محل مشہور ہوا۔ اس مدرسے کے لئے انہوں نے ایک نصاب بنایا جو ان کے نام کی مناسبت سے "درس نظامی" کے عنوان سے مشہور ہوا۔ پاکستانی مدارس کے نصاب کی بنیاد یہی درس نظامی ہے جو قدرے ترمیم و اضافہ کے ساتھ نافذ ہے، ملا نظام الدین سہالوی کا مرتب کردہ نصاب درج ذیل ہے۔

۱۔ تفسیر: جلالین: جلال لدین سیوطی (م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) وجلال الدین محلی (م ۸۶۴ھ / ۱۴۵۹ء)، بیضاوی: ناصر الدین بیضاوی (م ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء)

۲۔ حدیث: مشکوۃ المصابیح (مکمل): ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م ۷۶۰ھ)

۳۔ فقہ: ہدایہ: علامہ برہان الدین مرغینانی (م ۵۹۳ھ / ۱۱۹۷ء)، شرح وقایہ (ثانی): عبید اللہ بن مسعود صدر الشریعہ (م ۷۴۷ھ / ۱۳۴۶ء)

۴۔ اصول فقہ: توضیح و تلویح: سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ / ۱۳۸۹ء)،

نورالانوار: شیخ احمد بن ابی سعید ملا جیون(م۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۸ء)، مسلم الثبوت: قاضی محب اللہ بہاری(م۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء)

۵۔ نحو: نحو میر: سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء)، شرح مائۃ عامل: حسین بن عبداللہ نوقانی(م۹۲۶ھ/۱۵۲۰ء)، ہدایۃ النحو: ابوحیان، محمد بن یوسف بن علی (م۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء)، کافیہ: ابن حاجب (م۶۴۶ھ/۱۲۴۹ء)، شرح جامی: نورالدین عبدالرحمن جامی(م۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء)

۶۔ صرف: میزان: ملاحمزہ بدایونی، منشعب: ملاحمید الدین کاکوری(م۱۲۱۵ھ /۱۸۰۱ء)، صرف میر: سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء)، پنج گنج: سراج الدین اودھی(م۷۵۸ھ)، زبدہ: ظہیر بن محمود بن مسعود علوی، فصول اکبری: قاضی علی اکبر حسینی آلہ آبادی(م۱۰۹۰ھ/۱۶۷۸ء)، شافیہ: ابن حاجب(۶۴۶ھ/۱۲۴۹ء)

۷۔ بلاغت: مختصر المعانی: سعد الدین تفتازانی(۷۹۲ھ / ۱۳۸۹ء)، مطول: سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی(م ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء)

۸۔ کلام: شرح عقائد نسفی: سعد الدین تفتازانی، شرح عقائد جلالی: جلال الدین دوانی(م۹۰۸ھ/۱۵۰۲ء)، شرح مواقف: سید شریف جرجانی(م۸۱۶ھ /۱۴۱۳ء)، رسالہ میر زاہد: میر محمد زاہد ہروی(م۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء)

۹۔ منطق: قطبی: قطب الدین رازی، سلم العلوم: قاضی محب اللہ بہاری،

میر قطبی: میر سید شریف جرجانی، صغریٰ: میر سید شریف جرجانی(م۸۱٦ھ/۱۴۱۳ء)، کبریٰ: میر سید شریف جرجانی(م۸۱٦ھ/۱۴۱۳ء)، ایساغوجی: اثیر الدین ابہری (۷۴۵ھ/ ۱۳۴۴ء)، تہذیب: سعد الدین تفتازانی(م۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء)، شرح تہذیب: عبد اللہ یزدی(۹۸۱ھ/۱۵۷۵ء)

۱۰۔ فلسفہ / حکمت: شرح ہدایۃ الحکمۃ(میبذی): میر حسین میبذی(م۱۰۹٦ھ/۱٦۸۵ء)، صدرا: صدرالدین محمد بن ابراہیم (م۱۰۵۱ھ/۱٦۴۰ء)، شمس بازغہ: ملا محمود بن شیخ محمد بن شاہ محمد فاروق جون پوری(م۱۰٦۲ھ/۱٦۵۲ء)

۱۱۔ ریاضی: خلاصہ الحساب: بہاء الدین عاملی (م۱۰۳۱ھ / ۱٦۲۲ء)، تحریر اقلیدس: خواجہ نصیر الدین طوسی(م۶۷۲ھ / ۱۲۷۵ء)، تشریح الافلاک: بہاء الدین عاملی(م۱۰۳۱ھ/۱٦۲۲ء)، رسالہ قوشنجیہ: علاء الدین قوشنجی(م۸۷۹ھ /۱۴۷۴ء)، شرح چغمینی: علامہ موسیٰ پاشارومی(م۸۲۳ھ/۱۴۳۷ء)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

طلبہ پر خرچ کرنا

محافل، نیاز فاتحہ اور لنگر میں خرچ کرنے پر ایک کی دس نیکیاں اور طالب علم دین پر خرچ میں ایک کی سات سو نیکیاں ہیں

(فتاوی رضویہ، ۱۰/۳۰۵)

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

علم منطق کی ۷۵ مشہور کتب

سن عیسوی کے اعتبار سے

قدیم وجدید، نصابی ومطالعاتی

کتب کی ایک تعارفی فہرست

سن عیسوی ۹۰۰ تا ۱۰۰۰

1۔ ◈ المنطقیات

للفارابی ۸۷۴-۹۵۰م

2۔ ◈ جامع المنطق

للشیخ أبي إسحاق الزجاج المتوفی: ۸۵۵-۹۲۳

سن عیسوی ۱۰۰۰تا ۱۱۰۰

3۔ ◈ الشفاء

4۔ النجاة في المنطق والإلهيات

5۔ الإشارات والتنبيهات

مصنف: ابن سینا ۹۸۰-۱۰۳۷

سن عیسوی ۱۱۰۰تا ۱۲۰۰

6۔ ◈ مطالع الأنوار

مصنف: سراج الدين الأرموي ۱۱۹۸-۱۲۸۳م

7۔ ◈ تجرید منطق

8۔ أساس الاقتباس

مصنف: خواجہ نصیر الدین طوسی وفات ۱۲۰۱-۱۲۷۴

سن عیسوی ۱۲۰۰تا ۱۳۰۰

9۔ ◈ الرسالة الشمسية

مصنف: نجم الدين الكاتبي القزويني ۱۲۰۳-۱۲۷۷

10۔ ◈ هداية الحكمة في الطبيعة والحكمة والمنطق

11۔ تنزيل الأفكار في تعديل الأسرار في المنطق

12۔ متن إيساغوجي في المنطق

مصنف: أثير الدين المفضل الأبهري ۱۲۴۱-۱۲۶۴

13۔ ◈ القواعد الجلية في شرح الرسالة الشمسية

14۔ الجوهر النضيد في شرح كتاب التجريد

مصنف: علامة الحلي ۱۲۵۰-۱۳۲۵

سن عیسوی ۱۳۰۰ تا ۱۴۰۰

15۔ ◈ قطبی

16۔ المحاكمات في المنطق

17۔ لوامع الاسرار في شرح مطالع الأنوار

مصنف: قطب الدين رازی ۱۲۹۵-۱۳۶۵

18۔ ◈ تعریفات

19۔ صغریٰ کبریٰ

20۔ حاشية الجرجاني على المطول

21۔ حاشية الجرجاني على شمسيه

میر سید شریف جرجانیؒ ۱۳۳۹-۱۴۱۳ء

22۔ ◈ ایساغوجی

23۔ الأساس في المنطق

اثیر الدین ابہریؒ (۱۳۴۴ء)

24۔ ◈ شرح الرسالۃ الشمسیۃ

25۔غایۃ تھذیب الکلام في تحریر المنطق والکلام

المطول فی معانی وبیان

سعد الدین التفتازاني ۱۳۲۲-۱۳۹۰

سن عیسوی ۱۴۰۰تا۱۵۰۰

26۔ ◈ الذخیرۃ (فی رد فلاسفہ)

علاء الدین الطوسي حنفی سمرقندی متوفی ۱۴۷۳م

سن عیسوی ۱۵۰۰تا۱۶۰۰

27۔ ◈ شرح تہذیب

28۔حاشیہ ملا عبد اللہ

29۔حاشیہ علی التھذیب المنطق

نجم الدین عبد اللہ بن الحسین البھابادي الیزدي (؟-۱۵۷۳)

30۔ ◈ نظم السلم المنورق في علم المنطق

مصنف: علاقۃ الأخضري ۱۵۱۵-۱۵۷۵

سن عیسوی ۱۶۰۰تا۱۷۰۰

31۔ ◈ شرح (الخبیصي) التذھیب علی تھذیب المنطق

32۔التجرید الشافي

مصنف:عبید اللہ بن فضل اللہ الخبیصي وفات ۱٦۴۰ عیسوی

33۔ ◈ رسالة في التصوّر والتصدیق

مصنف: ملا صدر المتألھین الشیرازي ۱۵۷۲-۱٦۴۰م

34۔ ◈ التصور والتصدیق

مصنف: محمد زاھد الحسیني السھروي

)توفي سنة ۱٦۸۹م(

سن عیسوی ۱۷۰۰ تا ۱۸۰۰

35۔ ◈ سلم العلوم

36۔ المغالطة العامة الورود

مصنف: قاضی محب اللہ بہاری متوفی ۱۷۰۷ء

سن عیسوی ۱۸۰۰ تا ۱۹۰۰

37۔ ◈ المرقاة في علم منطق

مصنف: فضل إمام بن محمد أرشد العمري الخیر آبادي متوفی ۱۸۲۷

38۔ ◈ اشکال المیزان در علم منطق

مصنف: فرصت شیرازی ۱۸۵۵-۱۹۲۰

39۔ ◈ تسہیل المنطق

مصنف: بہادر علی بن محمد رضا حیدرآبادی ۱۸۷۷ء-۱۹۳۹ء

40۔ ◈ شمس بازغہ

مصنف: مولانا سید علی ضامن بن امداد علی نونہروی ۱۸۶۳ء

سن عیسوی ۱۹۰۰ تا ۲۰۰۰

41۔ ◈ رسالة البرهان في المنطق

مصنف: محمد حسین الطباطبائي ۱۹۰۴-۱۹۸۱

42۔ ◈ المنطق

مصنف: الشيخ محمد رضا المظفر ۱۹۰۴-۱۹۶۳

43۔ ◈ المنطق

44۔ شرح منظومہ

مصنف: مرتضی مطهّري (1919 - 1979)

45۔ ◈ نقد الآراء المنطقيّة وحل مشكلاتها،

مصنف: للشيخ علي كاشف الغطاء ۱۹۱۳-۱۹۹۱

46۔ ◈ خلاصة المنطق

مصنف: الدكتور عبد الهادي الفضلي ۱۹۳۵-۲۰۱۳

47۔ ◈ مذكرة في تيسير المنطق

عمر عبد الله كامل مصري ۱۹۵۲۔۲۰۱۵

48۔ ◈ علم المنطق

مصنف: الدکتور محمد رمضان عبد اللہ عراقی متوفی ۲۰۱۴

49۔ ◈ علم المنطق بين السائل والمجيب

مصنف: السيد محمد علي الحسيني لبنانی (صاحب حیات)

50۔ ◈ الوجيز في المنطق

مصنف: الشيخ محمد علي الحاج العاملي (صاحب حیات)

51۔ ◈ دروس في علم المنطق

مصنف: السید حسین الصدر پیدائش ۱۹۵۱

52۔ ◈ مقدمة في علم المنطق

مؤلف: نایف بن نہار استاد جامع قطر

متفرقات

53۔ ◈ جامع منطق

مصنف: عبد العظیم سعیدی

54۔ ◈ اساس المنطق

مصنف: مولانا سیف الرحمن

55۔ ◈ انوار العلوم شرح سلم العلوم

مصنف: مولانا عبد السمیع

56۔ ◈ محاضرات في المنطق، شرحاً لحاشية ملا عبد اللہ

مصنف: محمد علي محراب علي الرحيمي

57۔ ◈ تیسیر قطبی

مصنف: مولانا مفتی محمد طارق صاحب

58۔ ◈ ہدیہ سعیدیہ

مصنف: مولانا عبید الرحمن صاحب

59۔ ◈ لباب المنطق

مصنف: الشیخ فلاح العابدي

60۔ ◈ المنطق الإسلامي

مصنف: محمد تقي المدرسي

61۔ ◈ الآثار الباقیہ فی شرح حاشیہ

مصنف: سید محمد جواد ذھینی تہرانی

62۔ ◈ العلم المنطق (فطری زبان)

مصنف: محمد صادق حیدری

53۔ ◈ اللعالی المنتظمہ فی علم منطق

مصنف: سلطان ناصر الدین قاچار

64۔ ◈ سلم العلوم

مصنف: مولانا حافظ برکت اللہ لکنھوی

65۔ ◈ شرح المنطق

مصنف: علی محمدی

66۔ ◈ شرح منطق مظفر

مصنف: علی شیر وانی

67۔ ◈ تسہیل منطق

مصنف: شیخ نذیر احمد

68۔ ◈ مصباح التہذیب شرح تہذیب

شرح تہذیب مع لصباح التہذیب

مصنف: مفتی مولانا محمد ابر ہیم

69۔ ◈ منطق استقرائی واستخراجی

مصنف: کرامت حسین

70۔ ◈ اسعاد الفہوم فی حل سلم العلوم اردو

مصنف: قاری سید صدیق احمس

71۔ ◈ اھداے العریب فی شرح تہذیب

مصنف: سید غلام حسین رضوی قادری

72۔ ◈ شرح شافیہ

مصنف: ابو معین حمید الدین حجت

73۔ ◈ ضیاء النجوم فی توضیح سلم العلوم

مصنف: مولانا شیخ محمد ابراہیم بلیاوی

74۔ ◈ شرح المطالع المسمی بلوامع الاسرار فی شرح

مصنف: محمد الرازی

75۔ ◈ مفتاح المنطق اردو

مصنف: مرزا محمد ہادی ۱۹۲۳

تحریر:- مسعود حسین

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

کتاب شناسی کے اصول-ایک فن

"حافظ شیرازی کا یہ مصرعہ "فراغتے وکتابے و گوشہ چمنے" ہر اس شخص کے حافظے کا جز ہے جسے کتابوں سے تعلق ہے، مشہور عربی شاعر متنبی کے شعر کا مصرعہ ہے:"وخیر جلیس فی الزمان کتاب" یعنی زمانے میں سب سے بہتر ہمنشیں کتاب ہے۔ قلم اور کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ قرآن مجید میں قلم اور کتاب کی قسم کھائی گئی ہے:"ن والقلم ومایسطرون"۔ آخری پیغمبر پر سب سے پہلی وحی جو آسمان سے نازل ہوئی اس میں پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا، گویا یہ امت، امت اقرءہے اور کتاب اور قلم سے اس کا رشتہ ناقابل انفکاک ہے، اسے ہر زمانے میں علم کی خردافروزی میں اور فکر کی تازہ کاری میں اور عالم ایجاد کی تحیرسامانیوں میں دوسروں کا امام اور پیشوا اور سب سے ممتاز اور فائق تر ہونا چاہیے تھا، اسے "قلم گوید کہ من شاہ جہانم" سے لاگ اور لگاؤ ہونا چاہیے تھا، صریر خامہ کو اس کے لیے نوائے سروش ہونا چاہیے تھا اور کتاب خانہ کو اس کے لیے دولت خانہ بننا چاہیے تھا، اس کی نظر میں "چک بک" سے زیادہ "بک" کی اہمیت ہونی چاہیے تھی، ایک صاحب قلم کی عزت اس کے نزدیک بڑے بڑے صاحب جبروت بادشاہوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے تھی، بساط ورق اور بساط قلم کے مقابلے میں مسند عیش و تجمل کو ہیچ ہونا چاہیے تھا، ایک شاہنشاہ قلم کی عزت اورنگ نشیں صاحب کروفر سلطان سے زیادہ ہونی چاہیے تھی، لیکن وائے حسرت ونامرادی کہ مسلمان اب علم سے

دور اور تعلیم سے نفور ہیں، اب وہ اس زمانے میں علم میں دوسروں سے کوسوں پیچھے ہیں اور گرد کارواں بھی نہیں ہیں، اور دوسروں کے علم کا کارواں منزل بکنار ہے، یاران تیز گام نے محمل کو جالیاہیاور ہم ابھی تک محو نالہ جرس ہیں"۔

امت مسلمہ میں علم کے تنزل کا یہ مرثیہ ہندوستان کے نام ور صاحب قلم پروفیسر محسن عثمانی کے گہر بار قلم سے ہے، آسمان علم پر چھائی گھنگور گھٹاؤں کے ایسے لمحات میں امید کی ایک کرن بھی دلوں کو مسرت انگیزی کا احساس دلادیتی ہے، ان دنوں شہر کراچی میں ایک کتابی نمائش چرچا ہے، جو ہر سال دسمبر کے مہینے میں منعقد ہوا کرتی ہے، کتابوں کی یہ نمائشیں گرچہ فیشن کا ایک حصہ ہی بنتی جاتی ہیں، خالص علمی ماحول بھی کتب بینی یا کتابوں کی خریداری کے بجائے لذت کام ودہن اور لباس وپوشاک کی نمائش سے شادکامی کے متنوع مظاہر کی بھینٹ چڑھتا نظر آتا ہے، لیکن پھر بھی کتابی ذوقی کے حامل عاشقان علم کی ایک بڑی تعداد موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان نمائشوں کا رخ کرتی ہے، اور یوں یہ تقریب کسی درجے میں کتاب دوستی میں اضافے کا باعث بھی بنتی ہے، یہ تحریر ایسے کتاب دوستوں سے ہی مخاطب ہے، جنہیں کتاب شناسی کے آزمودہ اصولوں سے آشنا کرنا مقصود ہے، جو تجربے کی بھٹی میں پستے ہوئے یا کتابوں کی سیر کے دوران ہاتھ آئے ہیں:

"(1) مطالعے کے لیے صحیح کتابوں کا انتخاب ضروری ہے، کتابیں سمندر کی

مانند ہیں، ضرورت اور ذوق کے مطابق کتابوں کا انتخاب کرنا چاہیے، اس میں کسی صاحب علم اور صاحب ذوق کی رہنمائی بھی اشد ضروری ہے، دل کے بارے میں جگر مرادآبادی کا شعر ہے:

کامل رہبر قاتل رہزن
دل سا دوست نہ دل سا دشمن

جگر مرادآبادی نے دل کے بارے میں جو بات کہی ہے، وہ کتاب پر اس سے زیادہ صادق ہوتی ہے، کتابیں انسان کو ساحل ہدایت تک پہنچاتی ہیں، کتابیں انسان کو گمراہی کے بھنور میں ڈبوتی بھی ہیں، کتابیں انسان کو گم کردہ راہ بھی بناتی ہیں، وہ کامل رہبر بھی ہیں اور قاتل رہزن بھی ہیں"۔

(2)ہر علم وفن میں کچھ کتابیں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں، جنہیں حوالجاتی کتب (Reference books) کہا جاتا ہے، یہی کتابیں فن کے طالب علم کی اولین ضرورت ہوتی ہیں، اس لیے پہلے مرحلے میں ایسی کتب کے حصول کی تگ ودو کرنی چاہیے۔

(3)کتاب کی خریداری سے قبل اہل علم اور ماہرین فن سے مشورہ کیجیے اور کتاب کے عمدہ ایڈیشن کے متعلق آگاہی حاصل کیجیے، ایک اچھا محقق کتاب کے حسن کو چار چاند لگادیتا ہے جبکہ خود غرض ناشر رہے سہے حسن کو ماند کردیتا ہے، تاجرانہ ذہن نے بہتیری کتابوں کے بخیے ادھیڑ کر انہیں مصنف کی مراد سے

کوسوں دور پہنچانے میں کسر نہیں چھوڑی، ایسے ایڈیشن کے مطالعے سے مصنف کے فکر تک پہنچانا دشوار ہے، اس لیے کتاب کے کئی ایڈیشن ہوں تو تقابلی جائزہ لیجیے اور ایسے ایڈیشن خریدیے جو اہل علم کے ہاں معتبر ہوں اور جن کا حوالہ دیا جاتا ہو۔

(4)ایسے مصنفین کی کتابیں قابل ترجیح ہوا کرتی ہیں جو تحقیقی مزاج کے حامل ہوں، فن پر دسترس رکھتے ہوں، صاحب مطالعہ ہوں اور قلم پر مضبوط گرفت بھی رکھتے ہوں، قلم کو "احد اللسانین" (اظہار کا دوسرا ذریعہ) کہا گیا ہے، کتاب مصنف کی فکر کی عکاس ہوا کرتی ہے، اس لیے معتمد و ممتاز مصنفین کو پڑھیے۔

(5)خریدنے سے پہلے کتاب کی ورق گردانی کر لیجیے، تاکہ کتاب کے عیوب سامنے آجائیں، ممکن ہے کہیں بیاض رہ گئی ہو یا کوئی حصہ چھوٹا ہوا ہو، جلد سالم نہ ہو، دیگر اشیائے ضرورت کی طرح کتاب کی خریداری بھی عمدہ ذوق اور مہارت چاہتی ہے۔

(6)کتاب پر کسی صاحب فن کا تبصرہ) بک ریویو (Book reviewہو تو اسے پڑھ ڈالیے، مقدمہ، پیش لفظ، عرض مولف وغیرہ دیکھیے، فہرست پر نگاہ ڈالیے، خاتمے سے نتائج فکر کا جائزہ لیجیے اور اہل فن کے ہاں اس کے مقام و مرتبہ کو جانیے، بہت سی کتابیں فن کی دسیوں کتب سے مستغنی کر دیتی ہیں، آج کل کی

نئی کتابوں میں عموماً نئے معلومات کم ہوتے ہیں، اکثر و بیشتر معلومات کا تکرار ہوتا ہے، تاہم بعض کتابیں اس تکرار کے باوجود اسلوب کی سہل انگاری، ترتیب کی عمدگی یا دیگر اضافی خصوصیات کی بنا پر خریداری کے لائق ہوتی ہیں۔

(7) ایسے اشاعتی اداروں کی کتابیں خریدنے سے احتیاط برتیے جو بد معاملگی یا علمی سرقے کے حوالے سے "شہرت یافتہ" ہوں، البتہ بعض اوقات ایسے اداروں کے ہاں بھی عمدہ ایڈیشن دستیاب ہو جاتے ہیں۔

(8) کتابی نمائشوں سے فائدہ اٹھایئے، ان میں دسیوں ممتاز ادارے یکجا ہو جاتے ہیں، جن کتابوں کے لیے سفر کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے، وہ ایک ہی چھت تلے دستیاب ہوتی ہیں، ایسے میں اچھی کتابیں سستے داموں بھی مل جاتی ہیں، البتہ یہ پہلو بھی ذہن میں رہے کہ بعض نمائشوں میں اداروں کو جگہ کے کرائے اور دیگر اخراجات کی بنا پر مجبوراً قیمتیں زیادہ کرنا پڑتی ہیں، ایسے ادارے اگر شہر میں ہی ہوں اور کوئی فوری ضرورت بھی درپیش نہ ہو تو نمائش کی بجائے ادارے سے کتاب کے حصول کو ترجیح دیجیے، جبکہ وہاں مناسب قیمت میں کتاب ملنے کا امکان ہو۔

(9) نمائشوں میں بھی اپنی ضرورت کو دیکھیے، رواروی اور دیکھا دیکھی میں کتاب نہ خریدیے، بلکہ چھان پھٹک سے کام لے کر ہی انتخاب کیجیے۔

(10) کتابوں پر صرف کی گئی رقم کو بیکار خیال نہ کیجیے، مفید علمی کتابوں پر

لگایا گیا مال "ہم خرما وہم ثواب" کا مصداق ہوتا ہے، قیمتوں میں کمی ضرور کرائیے لیکن

جمادے	چند	دادم	جاں	فریدم
بحمد	اللہ	عجب	ارزاں	خریدم

(چند روپوں کے عوض عزیز از جاں شے حاصل کرلی ہے، شکر ہے کہ یہ سودا ارزاں ہے، گھاٹے کا نہیں) پیش نگاہ رکھیے۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔ - منقول

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

✧✧✧✧✧

بعض اہم نام علماء

لا تخلط بين عالِمين اثنين:

-1لا تخلط بين القرطبي صاحب التفسير، والقرطبي صاحب شرح صحيح مسلم.

فالأول يكنى أبا عبدالله ، والثاني يكنى أبا العباس.

- 2لا تخلط بين ابن رشد صاحب المقدمات والبيان والتحصيل، وبين ابن رشد صاحب بداية المجتهد ونهاية المقتصد.

فالأول ابن رشد الجد، والثانى ابن رشد الحفيد.

-3لا تخلط بين الزرقانى الأب ومن أشهر مؤلفاته "شرح مختصر خليل"،

والزرقانى الابن ومن أشهر مؤلفاته "شرح الموطأ."

-4لا تخلط بين القرافى صاحب كتاب الذخيرة وكتاب الفروق، والقرافى صاحب شرح موطأ مالك ومختصر خليل.

فالأول اسمه أحمد بن إدريس، والثانى اسمه محمد بن يحيى.

- 5لا تخلط بين ابن عرفة صاحب كتاب الحدود، وبين ابن عرفة صاحب الحاشية المشهورة على الشرح الكبير للدردير.

فالأول تونسى ، والثانى دسوقى.

- 6لا تخلط بين المازرى صاحب شرح التلقين وإيضاح المحصول، والمازرى صاحب التعليق الكبير فى المذهب المالكى.

-7لا تخلط بين الزركشي شارح مختصر الخرقي، والزركشي صاحب البرهان في علوم القرآن.
فالأول حنبلي والثاني شافعي.
-8لا تخلط بين ابن تيمية الجد صاحب المحرر،
وابن تيمية الحفيد أحمد ابن عبدالحليم
-9لا تخلط بين ابن عبد الهادي صاحب المحرر في الحديث، وابن عبد الهادي صاحب مغني ذوي الأفهام،
فالأول في القرن الثامن والآخر في القرن العاشر وكلاهما حنبلي.
١٠ » -أبو الحسن«
لا تخلط بين
أبي الحسن علي بن محمد بن عبد الحق الزرويلي وشهرته الصُّغيِّر والمتوفى سنة ٧١٩هـ صاحب
"التقييد على المدونة"
وأبي الحسن علي بن محمد بن محمد بن خلف المنوفي المصري المتوفى سنة ٩٣٩هـ
ومن أشهر مؤلفاته : "كفاية الطالب الرباني شرح رسالة أبي زيد القيرواني" المقرر على المعاهد الأزهرية.
١١ » -اللقاني» هناك أربعة من علماء المالكية يحملون نفس النسبة لقرية لقانة من قرى مصر.
اللقاني:[برهان الدين] إبراهيم بن محمد اللقاني قاضي القضاة، (ت ٨٩٦

هـ).
وبين تلميذه:[شمس الدين] محمد بن حسن اللقاني له حاشية على خليل، (ت ٩٣٥ هـ) ،
وبين : [ناصر الدين اللقاني] محمد بن الحسن، صاحب التصانيف له شرح على مختصر خليل وهو صاحب المقولة المشهورة : "نحن خليليون إن ضل خليل ضللنا." (ت ٩٥٨ هـ) . وهو أخو شمس الدين.
أما الرابع فمتأخر عنهم وهو أبو الأمداد برهان الدين إبراهيم بن حسن اللقاني، له حاشية على خليل وله نظم جوهرة التوحيد (ت ١٠٤١ هـ)

- 12الشاطبي
لا تخلط بين الشاطبي صاحب الموافقات والاعتصام والشاطبي " القاسم بين فِيرُّه" مصنف الشاطبية في القراءات.

-13ابن العربي
لا تخلط بين ابن العربي المعافري المالكي صاحب العارضة والعواصم وأحكام القرآن وابن عربي المتصوف صاحب الفصوص والفتوحات... وكلاهما "محمد."

-14ابن حجر
لا تخلط بين ابن حجر العسقلاني المحدث صاحب الفتح وابن حجر الهيتمي شارح المشكاة.

وكلاهما "أحمد"

-15الغزالي

لا تخلط بين أبي حامد الغزالي المشهور بحجة الإسلام والغزالي الكاتب المعاصر وكلاهما "محمد"

-16نافع

لا تخلط بين نافع مولى ابن عمر وبين نافع القارئ عن ورش وكلاهما مدنيان

-17الجويني

لا تخلط بين الجويني الأب وابنه إمام الحرمين أبي المعالي صاحب البرهان والورقات..

منقول...

-18لا تخلط بين ابن كثير المقرئ وابن كثير المفسر.

- 19الرازي

لا تخلط بين الرازي الفيلسوف الطبيب صاحب الحاوي والشكوك والرازي الأصولي المفسر المتكلم.

-20الترمذي

لا تخلط بين الترمذي المحدث الحافظ صاحب السنن والترمذي الحكيم صاحب النوادر.

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

مدارس نے عوام کو کیا دیا؟

مفتی احمد یار خان نعیمی علامہ غلام رسول سعیدی (رحمۃ اللہ علیہما) بہت سارے ناموں میں سے صرف یہ دو نام لکھے ہیں۔ انہوں نے یونیورسٹیوں میں نہیں پڑھا لیکن ان کی تحریریں یونیورسٹیوں میں اب بھی موجود ہیں اور یونیورسٹیوں میں ان پر تحقیقی کام بھی ہوتا ہے۔

مدارس سے پڑھے ہوئے ایسے کئی علماء اب بھی موجود ہیں جن کی تحریروں پر یونیورسٹیوں میں اب بھی ایم فل پی ایچ ڈی ہو رہی ہے۔

مدارس نے ہزاروں لاکھوں علماء دیئے جو عوام کو برائیوں اور غلطیوں پر متنبہ کرتے ہیں اور دینی تعلیمات کا نفاذ کرتے ہیں عبادات اور معاملات میں رہنمائی کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ مدرسے سے پڑھے ہوئے کتنے لوگ جنرل وزیراعظم بنے تو آپ سے سوال ہے کہ پاکستان کی ۷۰ سالہ تاریخ میں کتنے سپاہی جنرل وزیراعظم بنے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہر شعبہ اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہے۔ اگر مدارس کے قیام کا مقصد بیوروکریٹ پیدا کرنا ہے تو پھر آپ کا سوال درست ہے ورنہ آپ کا یہ مطالبہ بے بنیاد ہے!　　　　عون رضا

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

اہل سنت کو مدارس اور یونیورسٹیوں کی ضرورت ہے نہ کہ آرٹسٹ نعت خوانوں کی۔ مفتی منیب الرحمٰن صاحب

ویڈیو دیکھیے یہاں کلک کیجیے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

ایک بڑا مغالطہ

ہمارے طالبعلموں کا سب سے بڑا مغالطہ یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی تعلیم مکمل کریں گے پھر جاکر کسی کام کو ہاتھ لگائیں گے۔

اور کام بھی وہ جس میں تنخواہ معقول ملے۔۔۔

یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

کام آپکو تعلیم ختم کرنے سے پہلے ہی شروع کر دینا چاہیئے جو آپ کی فیلڈ سے متعلق ہو۔ شروع میں تنخواہ نہیں، گروتھ کو دیکھیئے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

دنیا جہاں کے مفکرین کو پڑھو منع نہیں ہے مگر جب اپنے متون کو نہیں پڑھوگے تو دنیا جہاں کے شر کو نہ پہچان سکوگے

شیطان کی گھات ہر جگہ ہے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

"ایک اَہَم اور اصلاحی خطاب" علمائے کرام اور طلبا ضرور سنیں!

فارغ التحصیل علماء کی ذمہ داریاں

محقق اسلام شیخ الحدیث والتفسیر پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ یہاں کلک کیجیے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

مدرسہ سے درسِ نظامی کرنے والے طلباء کے پاس کون کون سی کتابیں ہونی چاہیں اور سب سے پہلا کام کیا کرنا چاہیے۔

سنئیں حضرت پیر سائیں غلام رسول قاسمی مدظلہ

یہاں کلک کیجیے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

طلبۂ مدارس تعطیل کلاں کا زمانہ کیسے گزاریں؟

تحریر: محمد ہارون مصباحی۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

جمعرات، شعبان:۱۹، اپریل:۲۵

ہندوستانی مدارس کا تعلیمی سال پورا ہو رہا ہے، ماہِ شعبان کا نصف حصہ گزر چکا ہے اور اسلامی مدارس میں تعطیل کلاں ہو چکی ہے یا ہونے والی ہے۔ طلبہ اپنے اپنے وطن واپس ہو رہے ہیں اور اب تقریباً دو ماہ کا عرصہ انھیں اپنے گھر میں گزارنا ہے، البتہ جو حافظ ہیں وہ تراویح سنانے کے لیے اپنی طے شدہ جگہوں پر رہیں گے۔

دو ماہ کا یہ عرصہ عموماً تفریح، آرام اور غفلتوں کی نذر ہو جاتا ہے اور کوئی ڈھنگ کا کام نہیں ہو پاتا ہے، جب کہ اگر تھوڑی سی توجہ دی جائے تو یہ وقت دعوت و تبلیغ اور خود طلبہ کی کامیابی اور عزت و سرخروئی کا بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ہم اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں کچھ راہنما اصول بیان کرتے ہیں جن پر ہمارے طلبہ اگر عمل کرلیں تو وہ اپنی زندگی میں انقلاب لا سکتے ہیں اور اپنی عزت و مقبولیت اور کامیابی میں چار چاند لگا سکتے ہیں:

(۱) آپ اپنی آبادی میں ایک داعی اور مبلغ کی حیثیت سے زندگی گزاریں، نماز اور جماعت کی پابندی کریں، نماز محلے کی مسجد میں ادا کریں، اہل خانہ اور آبادی والوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں، ماں باپ کی خدمت کریں، رشتہ داروں کے یہاں بھی آتے جاتے رہیں۔

(۲) سب سے پہلے اپنی اصلاح کریں، پھر اپنے گھر والوں کی۔ اپنے اہل خانہ کو دین کی طرف راغب کریں روزہ، نماز وغیرہ امور دین کا انھیں پابند بنائیں اور لوگوں سے بہتر تعلقات رکھنے کی انھیں تلقین کریں۔ اگر آپ کے گھر والے دین دار ہیں اور لوگوں سے بہتر تعلق رکھتے ہیں تو آپ کی نصیحتوں اور تقریروں کا عام لوگوں پر اچھا اثر پڑے گا اور وہ آپ کی قدر کریں گے۔

(۳) آپ کی آبادی میں آپ کے کچھ پرانے یار دوست ضرور ہوں گے، ان سے تعلقات رکھنے میں بہت ہوشیار رہیں، یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اب آپ عالم

دین بن رہے ہیں، دین کے داعی اور مبلغ بننے جارہاہیں، اس لیے اب آپ کو ان کے درمیان ایک داعی کی حیثیت سے رہنا ہے، لہذا ان سے بے تکلفی ہر گز روا نہ رکھیں، ہر طرح کی گفتگو بالکل نہ کریں ان کو دین کی باتیں بتائیں، امور دین کی اہمیت سے انھیں آگاہ کریں اور نماز کے وقت خود بھی مسجد جائیں اور انھیں بھی ساتھ لے جائیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کی عظمت اور آپ کا احترام ان کے دلوں میں ضرور پیدا ہو گا اور وہ آپ کی باتوں کو ضرور اہمیت دیں گے۔

(۴) اپنی آبادی کے مسلمانوں سے تعلقات بڑھائیں، ان کے درمیان وقار کے ساتھ رہیں، ان کے ساتھ بہتر سلوک روا رکھیں، ان کے دکھ سکھ میں حصہ لیں اور انھیں نیکی کی دعوت دیتے رہیں۔

(۵) رمضان کے مہینے میں روزہ ضرور رکھیں اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کی ہدایت دیں، روزہ نہ رکھنے والوں کے پاس نہ بیٹھیں اور جو ناخدا ترس علانیہ کھاتے پیتے ہوں ایسوں سے تو بالکل دور رہیں بلکہ ایسا کرنے والوں کو تنبیہ کریں، خدا کا ڈر سنائیں تا کہ وہ کم از کم اہل علم کے سامنے تو ایسی جرات نہ کریں۔

میں نے ایک بار ایک امام صاحب کو ایام رمضان میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہیں اور وہ لوگ ان کے سامنے ہی بے خوف و خطر سگریٹ پی رہے ہیں، میرا وہاں سے گزر ہوا تو مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ سگریٹ چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔

آپ بتائیں کہ ایسے امام عوام کو کیا رشد و ہدایت کر سکتے ہیں اور ایسے امام کی تقریروں کا لوگوں پر کیا اثر پڑے گا؟

(۶) اپنی آبادی کے علماء اور آئمۂ مساجد سے روابط رکھیں، خوش اخلاقی سے پیش آئیں، عاجزی اور حسنِ اخلاق کو اپنا ہتھیار بنائیں، تکبر و غرور سے ہمیشہ دور رہیں، علمی برتری یا کسی بڑے مدرسے کے طالب علم ہونے کے زعم میں نہ رہیں، ورنہ لوگ آپ کے قریب آنے کے بجائے آپ سے دور ہو جائیں گے۔

(۷) اگر آپ کے اندر وعظ و خطابت کا ہنر ہے تو محلے کی مسجد کے امام سے تقریر کرنے کا موقع مانگیں اور ان کی اجازت سے تقریر کریں کہ اس سے جہاں لوگوں کو دینی فائدہ ہو گا وہیں آپ کے اور آپ کے ادارے کے تعلق سے لوگوں کا تصور اچھا ہو گا۔

(۸) اپنی آبادی کی دیگر مسجدوں میں بھی کبھی کبھار جایا کریں اور تقریر کا موقع ملے تو ضرور کریں۔

(۹) گھر میں بھی مطالعہ جاری رکھیں، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے مسائل ازبر کریں اور مسائل دینیہ کو ہی اپنی تقریروں کا موضوع بنائیں تاکہ لوگ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے مسائل سے آگاہ ہوں اور انھیں دینی احکام کی اہمیت و عظمت کا احساس ہو۔

(۱۰) قرآن کریم زیادہ سے زیادہ پڑھیں، ترجمہ اور تفسیر بھی دیکھیں اور ہو

سکے تو کسی مسجد میں تفسیر کا درس دیں.

(۱۱) اپنے پسندیدہ موضوعات کی کتابیں مطالعے میں رکھیں، خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں کہ سیرت نبوی سے آپ کو زندگی گزارنے کے بے شمار راہنما اصول ملیں گے۔

(۱۲) اگر آپ کی آبادی میں کوئی جید عالم دین ہیں تو انھیں اپنے لیے غنیمت جانیں، ان کے پاس جایا کریں، ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کریں اور ان سے درس اور تربیت لیا کریں.

(۱۳) آبادی میں منعقد ہونے والے دینی پروگرام اور مذہبی محفلوں میں ضرور حصہ لیں، اور اہل علم سے ملاقات کریں اور موقع ملے تو خود بھی تقریر کریں۔

(۱۴) لکھنے کی مشق کا یہ سب سے بہتر وقت ہے، اس لیے کچھ نہ کچھ لکھتے رہیں، جو بھی لکھنا چاہتے ہیں اس کا ایک خاکہ ذہن میں تیار کر لیں، پھر اپنے ما فی الضمیر کو اپنے الفاظ میں کاغذ پر اتار لیں، پھر الفاظ پر ایک نگاہ ڈال کر انھیں سنوار لیں، مضمون تیار ہو گیا۔

(۱۵) آپ جس ادارے میں پڑھتے ہیں لوگوں کے درمیان اس کا تعارف کرائیں، اس کی خوبیاں اور کارکردگیاں بتائیں اور اس کا مالی تعاون خود بھی کریں اور دوسروں سے بھی کرانے کی کوشش کریں۔

یہ چند باتیں ہیں، آپ بھی غور کر لیں اور اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے کام میں لائیں، محنت کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں، اِن شاء اللہ کامیابی ضرور ملے گی۔

ہزار برق گرے، لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

دینی مدارس کے طلبہ سالانہ چھٹیاں کیسے گزاریں؟

پاکستان کے طول و عرض میں پھیلے ہزاروں دینی مدارس میں تقریباً ۲۰ اپریل سے ۲ ماہ (شعبان و رمضان) پر محیط سالانہ چھٹیوں کا آغاز ہو جائیگا. دینی مدارس کے طلبہ کرام سالانہ چھٹیوں میں درج ذیل اُمور کا اہتمام فرمائیں:

(1 والدین کی خوب خدمت اور دلجوئی کریں، نیز تمام رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کریں۔

(2 پنج وقتہ نمازوں اور یومیہ تلاوت کلام پاک کا بہت زیادہ اہتمام کریں۔

(3 معاشرے میں گھل مل کر رہیں، البتہ گناہ کے کاموں اور نامناسب اُمور میں شرکت سے اجتناب برتیں۔

(4 کسی اللہ والے کی صحبت میں وقت گزار کر اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔

(5 قرآن و حدیث کا جو علم حاصل کیا ہے اسے پیار و محبت کے ساتھ پھیلاتے ہوئے بکھری ہوئی اُمت کو جوڑنے کی فکر و کوشش کریں۔

(6 محبت، امن، رواداری ، اخوّت اور انصاف کے پیغام کی پرچار کرکے اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنے کی سازشوں کا مقابلہ کریں۔

(7 اگر موقع مل سکے تو کوئی کارآمد ہنر، ٹیکنیکل کورس، دستکاری یا مفید کمپیوٹر پروگرامز ضرور سیکھیں۔

(8 محتاج اور ضرورت مندوں کا خیال رکھیں اور اپنے علاقوں میں رفاہِ عامہ اور فلاحی کاموں کی بنیاد ڈالیں۔

(9 جسمانی وذہنی نشو نما بہتر بنانے والے کھیل اور غیر نصابی سرگرمیوں میں اعتدال کے ساتھ شریک ہوں۔

(10 یاد رکھیں ! سفید کپڑوں پر داغ دھبے واضح نظر آتے ہیں، لہذا اپنے کردار وافعال کے ذریعے اپنا اور دینی مدارس کا وقار بحال رکھیں۔

تلک عشرۃ کاملۃ.... منقول مع اضافہ کثیر

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

مطالعہ کیسے اور کیوں؟

ذاتی تجربہ اور مشورے

تحریر:•صاحبزادہ ڈاکٹر مفتي حق النبي سکندري ازھري•شاہپور چاکر سندھ۔

مشہور عرب شاعر و ادیب عباس العقاد کا مقولہ کسی دور میں پڑھا تھا جو اچانک یاد آیا تو سوچا اس اہم موضوع پر ہمارے دینی مدارس کے طلبہ کیلیئے خاص طور پر اور دیگر پڑھے لکھے افراد کے نفع عام کیلیئے مطالعے اور اسکی اہمیت کے متعلق چند نکات لکھ دیئے جائیں تا کہ طلبہ کرام اس سے استفادہ کریں۔

ہمارا ذاتی تعلق پڑھنے پڑھانے کی فیلڈ سے ہے جس میں شدت سے خارجی و ہم نصابی (غیر نصابی کہنا غلط رہیگا) کتب کے مطالعے سے طلبہ کی دوری شدید طور محسوس کی گئی ہے جسکے مضر اثرات معاشرے میں ہر طرف دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

[المتشبع بمالم یعط] کے حاملین سوشل میڈیا اور ہر محاذ پر نظروں کے سامنے ہیں جو کسی معاشرے کے فکري تنزل اور علمي کساد بازاري کی خطرناک صورت ہے۔

خیر! عباس العقاد کہتے ہیں: اچھا قاری وہ نہیں جو دن بھر میں کسی کتاب کے سو صفحات پڑھ ڈالے بلکہ اچھا قاری وہ ہے جو کسی کتاب کو پڑھ کر اس کے اصل مفھوم کو کماحقہ سمجھ سکے اور اس پر کچھ مزید اضافے کی صلاحیت اسمیں پیدا ہو۔

عباس العقاد کے اس سارے فلسفے کو تدریسی زبان میں کسی قاعدے کے قالب میں ڈھالا جائے تو قاعدہ یہ بنے گا [العبرۃ بالکیف لا بالکم والمقدار] اصل اعتبار کیف "کوالٹی" کا ہونا چاہیئے نہ کہ تعداد اوراق کا"۔

"مناہج تعلیم" جو اب ایک مستقل علم بن چکا ہے اس سے ہمارے دینی مدارس کے تدریسی سسٹم میں استفادے کی کوئی صورت اب تک نظر سے نہیں گذری جو خوش آئند امر نہیں کہلائے گا۔

اس علم کو بطور "فن" متعارف کرانے کا سہرا اگرچہ جدید علماء تعلیم کے سر جاتا ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ "علوم اسلامیہ" کا دامن اس سے خالی ہے، بلکہ سب سے پہلے اس موضوع پر لکھنے والے ہمارے علماء اسلام ہی ہیں، جن میں محدثین کرام سرفہرست ہیں۔

سر دست یہ گزارش کرنی ہے کہ "مطالعہ کیسے کیا جائے اور اسکے مقاصد وطرق کیا ہیں" جیسے موضوع پر ہمارے علماء کی عمدہ کتب موجود ہیں، جن کے تعارف پر الگ مقالہ پیش کیا جائے گا۔

اس وقت جو مطالعہ کی اہمیت اور افادیت کے حوالے سے چند گزارشات پیش کرنی ہیں انکا تعلق من حیث المجموع مطالعہ سے ہے۔

طلبہ کرام-خصوصا دینی مدارس کے-جو ہمارے اس موضوع کا ہدف خاص ہیں وہ ان باتوں کو پلے باندھ لیں تو سفر تعلیم میں بظاہر لکھے گئے یہ چند نکات بہت

ہی کارآمد ثابت ہونگے۔

۱-کتب سے لگاؤ اور مطالعے کی عادت کبھی بھی نصابی و مقرر کتب سے پیدا ہوتے نہیں دیکھی۔ مطالعہ کا ذوق خارجی و ہم نصابی کتب سے پروان چڑھتا ہے۔

مطالعہ میں شغف پیدا کرنے کے اہم اسباب میں سے ایک اہم سبب "اپنے تخصص کی خارجی کتاب" کا پڑھنا بھی ہے۔ کیونکہ نصابي و مقرر کتاب محض ڈیوٹی کی ادئیگی یا فرض ادا کرنے کے مترادف ہے جس میں، عزت نفس کی مجروحی، خوف استاذ، امتحان میں ناکامی وغیرہ جیسے اسباب ملحوظ ہوتے ہیں، جسکی وجہ سے نصابي کتب سے ذوق مطالعہ بڑھتا نہیں ہے، لہذا اسباق مدرسہ کو اچھی طرح سنا کر خود کو "صاحب ذوق" سمجھنے والا خیال عبث ہے

۲ -مطالعہ کا ذوق بھی عمر اور تجربے کے اعتبار سے پروان چڑھتا ہے، جس میں ریاضت نفس (عادت) کو بڑا دخل ہے، جس قدر عادت مستحکم ہو گی اس قدر یہ جذبہ وشوق پروان چڑھے گا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہیکہ والد گرامی حضرت مفتي اعظم سندھ علامہ مفتی عبدالرحیم سکندري نور اللہ مرقدہ اپنی شاندار لائبریری سے بڑی سے بڑی کتاب اٹھانے سے منع نہیں کیا کرتے تھے اور ہمیشہ فرمایا کرتے تھے "آپ لگے رہیئے یہ بڑی کتاب بھی سمجھ آہی جائیگی"۔

مطالعہ کی عادت ڈالنے کیلئے آپ کا حکیمانہ طرز قابل تقلید تھا کہ اپنے مطالعہ

کیلئے کوئی کتاب درکار ہوتی تو میری موجودگی میں اپنے کسی شاگرد سے طلب نہ کیا کرتے تھے بلکہ مجھے مطلوبہ کتاب لانے کا کہتے، کتاب لاکر پیش کرتا تو چند منٹ جو تین سے زیادہ نہ ہونگے آپ اس کتاب کے مصنف، موضوع، ابواب وفصول بتاکر اس کتاب کا کوئی نہ کوئی دلچسپ پہلو ضرور بتایا کرتے تھے جو میرے دل ودماغ میں اس کتاب سے دلچسپی وتعلق کا سبب بن جاتا تھا اور ساتھ ہی کتاب کے تعارف کا حسب استعداد وفہم حصہ بھی ذہن نشین ہوجاتا تھا۔

یہاں اہم بات یہ کرنی ہے کہ چونکہ مطالعہ کا ذوق عمر اور تجربے کي طرح بڑھتاہے پروان چڑھتاہے، لہذا اسمیں دیگر اکابر علماء کی طرح ہمت اور استعداد نہ ہونے کی وجہ سے دل برداشتہ ہوکر کتب بيني چھوڑنی نہیں چاہئیے۔

۳- مطالعہ کا ذوق بڑھانے یا پیدا کرنے کا ایک اہم ذریعہ "خواہ مخواہ مکتبات کی سیر" بھی ہے۔ یہاں "خواہ مخواہ" کا لفظ مقصود ہے۔ کیونکہ کتاب خریدنے کیلئے تو مکتبات پر جاناہی پڑتاہے اسکے بغیر چارہ نہیں ہوتا، مگر مکتبات کی خواہ مخواہ سیر بھی نہایت مفید ہے۔

فقیر زمانہ طالب علمی کے دوران جامعہ نظامیہ لاہور سے جمعرات کی چھٹی ہوتے ہی اردو بازار کا رخ کیا کرتا تھا- جسکی گواہی میرے تمام ہم سبق ساتھی دینگے- اور ابتدا میں تو یہ بات بھی پیش نظر رہتی تھی اور جھجک کا باعث بھی رہی کہ مکتبے والا کیا کہیگا کہ کتاب تو خریدتا نہیں ایسے دیکھ کر اور پوچھ پچھا کر چلاجاتا

ہے۔ کبھی اس شرمندگی پر کنٹرول اور صاحب مکتبہ کو یہ باور کرانے کیلئے کتاب خریدنا بھی ضروری ہوجاتا تھا، جو بہر حال مفید رہا۔

یہ عادت اس قدر محکم رہی کہ اردو بازار لاہور کے مشہور (غیر سني) مکتبے "احمد شہید" جسے ہم سبق ساتھی "احمد قتیل" کہنا پسند کرتے تھے کے مالک سے اچھی خاصي شناسائی ہوگئی وہ مجھے دیکھ کر کھڑا ہوجاتا اور کہتا: ماشاء اللہ صاحبزادہ صاحب آگئے۔ چونکہ آنے جانے کی وجہ سے وہ میرے خاندانی پس منظر سے بھی واقف ہوچکا تھا اسلئیے وہ اس نام سے پکارتا تھا۔

سن ۲۰۰۸ میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے اکتساب فیض کے بعد جامعۃ الازھر شریف قاہرہ پہنچا تو یہ عادت پکی ہوچکی تھی اور اب ہفتے میں ایک دن کے بجائے دو دن مکتبات کا چکر لگانے میں گزرتے تھے۔

جو آخر میں ایام کی اس قید سے نکل کر "جب دل چاہا مکتبے پر آگئے" کی شکل اختیار کرچکے م تھے۔

مکتبہ احمد شہید کے اس سفید ریش مالک کے حافظے پر (یا غالبا میرا اکثرت سے آنا سبب تھا) بھی مجھے حیرانی ہوئی جب میں ۲۰۱۷ میں کافی عرصے بعد لاہور گیا تو ایک کتاب خریدنے اسی مکتبے کا رخ کیا، مجھے دیکھتے کچھ دیر تامل کیا اور فورا بول پڑا آپ اتنے سال کہاں گم تھے؟

میں ذاتی طور مکتبوں کے اس خواہ مخواہ چکر کو مطالعے کے ذوق میں زیادتی کا

اہم سبب سمجھتا ہوں، اسلئیے طلبہ کرام دوران تعلیم اس عادت کو اپنائیں گے تو فائدہ ہو گا۔

۴-ابتدا میں کسی موضوع کی چھوٹی کتب یا رسائل پڑھنا بھی استیعاب موضوع کیلئے ممد ومعاون ہونے کے ساتھ ایک شعور پیدا کرتی ہیں جسے کسی "تکمیل کتاب" کی خوشي کہئیے تو مناسب رہیگا جسکی وجہ سے طبیعت میں چستی پیدا ہوتی ہے اور انسان مطالعہ کے عادت کي طرف بڑھتا جاتا ہے۔

ویسے بھی یہ علم تصوف کے ساتھ علم نفسیات کا بھی اصول کہئیے تو بجا ہو گا کہ اسمیں: ترويض النفس علي صغار الأشياء قبل كبارها. (نفس کو چھوٹی چھوٹی اشیاء کی عادت بڑی اشیاء سے قبل ڈالنا) کے اصول پر عمل ہو جاتا ہے اور مطالعے کی عادت مزید مستحکم ہو جاتی ہے۔

ہمارے استاذ حضرت شرف ملت علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے جب ترجمہ قرآن کی تکمیل کی تھی تب ہم سب ساتھی اتفاقا حضرت استاذ گرامی علامہ خادم حسین رضوي کی معیت میں انکی طبع پرسی کو حاضر تھے آپ نے فرمایا: چلیں اچھا ہوا کہ آپ سب طلبہ آگئے، میرے ترجمہ قرآن کی آخري آیت کا ترجمہ رہتا ہے وہ آپ حضرات علماء وطلبہ کی موجودگی میں لکھ کر مکمل کر دوں، یہ کہکر آپ اٹھے اور مسند پر جابیٹھے اور ترجمہ لکھا اور دعائے خیر ہوئی (جو ایک پر کیف محفل تھی جسکا منظر مجھے کبھی نہیں بھولتا) میں نے جب یہ سنا کہ آپ نے

:سورہ نجم کی آخري آیات کا ترجمہ کیا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا کہ یا تو ترجمے کی ابتدا سورہ بقرہ سے فرمائی ہوتی یا سورۃ الناس سے یہ غیر معہود طریقہ کیوں اپنایا؟ کوئی سبب؟

آپکا جواب میری سابقہ گفتگو کہئیے یا قانون کا خلاصہ نکلا وہ یہ تھا کہ: بیمار ہوں تو لمبی سور کا ترجمہ کرنے کی ہمت بوجہ علالت نہیں ہوتی تھی تو سوچا پہلے قصار سور کا ترجمہ کرلوں تو دل کو خوشی حاصل ہو پھر ایک نئے جذبے سے دوسری سورت کا ترجمہ کیا کرتا تھا، اسلئے ایسا ہوا۔

۵-کتاب میں دلچسپی پیدا کرنے کا اہم ذریعہ اسکے موضوع اور ابواب کے خلاصے کا علم بھی ہے۔

کبھی کبھار آپ کتاب کے ہوشربا عنوان کی وجہ سے کتاب خرید لیتے ہیں مگر اسکے اندر قابل قدر معلومات یا موضوع سے انصاف نہیں پایا جاتا تو آپ مایوسی کا شکار ہوکر کتب بیني و مطالعے سے دور ہٹ سکتے ہیں۔

لہذا کسی بھی کتاب کا خلاصہ جاننے کلئیے سب سے پہلے اسکی فہرست پر نظر ڈالنا نہایت ضروری ہے۔ جسے دیکھنے کے بعد آپ کے ذہن میں کتاب کا ایک تصور عام آجاتا ہے جو بعد میں کسی پریشانی سے بچنے کا اہم ذریعہ ہوا کرتا ہے۔

مزید ہوسکے تو کتاب کے مقدمے پر سرسری نظر ڈال کر اطمئنان کرلینا چاہئے۔

٦ -مطالعے کی عادت میں چاشنی و ترقی کا ایک "گر اور ہنر" یہ بھی ہے بیک

وقت مطالعے میں اپنی پسند کے دو الگ الگ موضوعات پر دو کتب رکھیئے۔ وہ اس لیئے کہ اگر ایک کتاب یا موضوع سے طبیعت اچاٹ ہو جائے، دل بھر جائے تو تفریح طبع کیلئیے دوسرے موضوع کی کتاب پڑھ لیجیئے، یوں ایک تازگی بھی آجائیگی اور آپ دونوں صورتوں میں اکتساب علم بھی کرینگے اور طبیعت بھی بوجھل نہ ہو گی۔

اس اصول کو فقیر یوں تعبیر کرنا مناسب سمجھیگا: أرتاح من كتاب إلي كتاب آخر أو الإرتياح من كتب إلي كتب أخري.

۷ -مُلَح علم اور لطیف عناوین پر مشتمل کتب پڑھیئے۔

ہمیشہ فقہ و اصول، علم کلام و منطق یا کسي مشکل فن کی کتب کا لگاتار مطالعہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔ انسان بیزار ہو سکتا ہے۔

اسکے لیئے علمی لطیفوں اور ادبی چاشنی سے بھرپور کتب کے مطالعے سے یہ بیزاری دور کی جاسکتی ہے۔

ہر فن کے لطیفے یا ادبی چاشنی کے حصول کی کتب الگ الگ ہیں، اگر اپنے متعلقہ فن و تخصص کے لطائف پر مشتمل کتب پڑھینگے تو ڈبل فائدہ ہو گا ورنہ کسی بھی اچھے ادبی موضوع کو پڑھکر تھکن دور کی جاسکتی ہے۔

اسکیلئے: ابن الجوزي اور جاحظ کي کتب اچھی ہیں۔ دیگر علماء نے بھی اس پر عمدہ کتب لکھی ہیں۔

۸-مختصر وقت میں یا چھوٹی کتاب کے بغور اور استنتاجي مطالعے سے ایک طالب علم وہ نکات و فوائد حاصل کر سکتا ہے جو شاید لمبے عرصے اور ایک بڑی کتاب سے حاصل نہ ہو سکیں،اسکے لئیے یہ پانچ چیزیں شرط ہیں:،حفظ،بحث و تکرار،استنتاج واستنباط کا ملکہ،اور ہمیشگی۔

جو طالب علم ان چیزوں پر عمل کر لے-جو آہستہ آہستہ پیدا ہوتی ہیں-وہ مختصر وقت یا چھوٹی کتاب سے بھی وہ کچھ سیکھ سکتا ہے جو کئ لوگ بڑی کتب سے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

استنباطي یا استنتاجي ملکہ پیدا کرنے کیلئے مطالعہ کے دوران اپنے ہاتھ میں قلم اور کاغذ رکھیئے اور مطالعے کے دوران جو فوائد اور نکات ذہن میں آئیں انکو لکھ لینا نہایت کار گر ہوتا ہے۔

۹ -فارغ التحصیل، بمعني فارغ از مطالعہ ؟

جی ہاں یہ عادت مدارس دینیہ کے طلبہ میں (اِلا ماشاء اللہ) مرض کی حد تک بڑھ چکی ہے کہ فارغ التحصیل ہو کر دستار بند شاگرد خود کو مطالعہ سے مبرا سمجھتا ہے!

ہمیں مدارس دینیہ کے طلبہ کے ذہن میں یہ بات ڈالنی ہو گی کہ درس نظامي سے فراغت کی ڈگری کي مثال محض اس چابی کی طرح ہے جو کسی خزانے کو کھولنے کے کام آئے۔

درس نظامي ميں جتنے علوم پڑھائے جاتے ہیں وہ مکمل تو پڑھائے نہیں جاتے البتہ محض ان علوم کي مفاتيح (چابیاں) طالب علم کے حوالے کی جاتی ہیں، جس کے استعمال کا طریقہ سکھانے کے بعد طلبہ کو یہ سمجھانا ہم بھول جاتے ہیں کہ "یہ چابیاں ہیں خزانہ نہیں ہیں"۔ مجھے درس نظامي کے فضلاء کو عرفا اور مجازا "عالم" کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے پر حقیقۃ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہمارا یہ کورس کسی کو مکمل عالم بناتا نہیں ہے بلکہ علم کا راستہ دکھاتا ہے۔

آپ حضرات تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے گا تو معلوم ہو گا کہ حقیقي و متبحر علماء وہی بنے جنکی زندگی میں مطالعہ و کتب بیني کا وافر حصہ تھا۔

لہذا مدارس دینیہ کے طلبہ کے اندر فراغت کے بعد کتاب و مطالعہ سے دوری کی عادت و سوچ کو ختم کرنے کیلیئے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات کی حاجت ہے وگرنہ :...یحملون اسفارا، کا منظر کثرت سے دیکھنے کو ملنا کچھ بعید نہ ہو گا۔

١٠- ہم ذوق ساتھی۔

مطالعے کی عادت میں ترقی کیلیئے ہم ذوق و ہم خیال ساتھی کا انتخاب کیجیئے کہ جس سے آپ کتاب پڑھنے کے بعد یا پہلے اس موضوع پر بحث و تکرار کر سکیں۔

اس سے کتب بیني و مطالعہ کے حامل طلبہ پر مشتمل ماحول بھی بنتا ہے اور طالب علم کے اس ذوق کے پروان چڑھنے کے مواقع مزید بڑھتے ہیں۔

یاد رکھیئے کہ انسان علم کے بغیر کچھ نہیں، بالخصوص عالم دین کے جو اس پر

فتن دور مین الحاد، مادیت، فرقیواریت، تکفیر و ارھاب جیسے چیلنجز سے دوچار ہے اسے ان سب خطرات کا مقابلہ فقط علم سے کرنا ہے جسکے لئیے انتھک کوشش سے مطالعہ و علم کے شائق علماء کی کھیپ تیار کرنا ضروري ہے۔

پڑھیئے کہ پڑھے بغیر اور بلا علم تبلیغ، تنفیر بن سکتی ہے، بغیر علم کے عبادت بھی بدعت کے زمرے میں شامل ہو سکتی ہے، بلا علم جہاد دہشتگردی کی صورت اختیار کر جاتا ہے جس سے معاشرے برباد ہوتے ہیں۔

آخر میں تنظیم المدارس اہلسنت کے صدر گرامی و دیگر عہدیداران کی خدمت میں عرض ہے کہ شھادۃ العالمیہ کے لئے لکھے گئے مقالات کی نشر واشاعت کا مستقل شعبہ بناکر مدارس دینیہ کے طلبہ میں موجود جمود کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

جب طالب علم کے مقالے کا مقصد محض پاس ہونا ہو تو وہ ڈیوٹی کی ادائیگی اور پاس ہونے کی حد تک دلچسپ رہیگا، تکوین ملکہ علم میں اسے کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اچھے موضوعات پر لکھے گئے مقالات کی نشر و اشاعت حوصلہ افزائی کے ساتھ ایک نئے علمی ماحول پیدا ہونے کا اہم ذریعہ ہو گا، عالمی لیول کی جامعات میں اہم مقالات کی نشر و اشاعت پابندی سے جاری ہے جو محنتی و قابل طلبہ کی حوصلہ افزائی کے ساتھ قابل علماء کی دریافت کا بھی اہم سبب ہے۔ اسکے لئیے ایک جامع پلان تنظیم المدارس اہلسنت کے منتظمین کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ ہے

جو مناسب وقت پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرونگا۔ والحمد للہ رب العالمین

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

تحية لك أستاذي

(استاذ کی شان میں عربی نظم)

اپنے تمام اساتذہ کے نام

یہاں کلک کیجیے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

الشھادۃ العالمیہ اور اس کی افادیت؟

الشھادۃ العالمیہ مدارسِ اِسلامیہ کی سب سے بڑی "ڈگری" ہے۔ الشھادۃ العالمیہ کا دورانیہ دو سال ہے۔ اِسے حاصل کرنے کیلئے مڈل کے بعد الشھادۃ العامہ، الشھادۃ الخاصہ اور الشھادۃ العالیہ کا پاس کرنا ضروری ہے۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن جو پاکستانی یونیورسٹیوں کی اسناد کی جانچ پڑتال کرنے والا مرکزی اور معتبر ادارہ ہے اس نے "الشھادۃ العالمیہ فی العلوم العربیۃ والاسلامیہ" کو ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی قرار دیا ہے۔

موجودہ دور میں "الشھادۃ العالمیہ" کو دینی گورنمنٹ ملازمتوں کے حصول کیلئے مرکزی حیثیت حاصل ہے، اِس کے باوجود الشھادۃ العالمیہ پاس نوجوان علماء، معلومات کی کمی کے باعث مایوسی اور احساس کمتری کا شکار نظر آتے ہیں۔

آج ہم آپ کو بتائیں گے کہ "الشھادۃ العالمیہ" کی کیا اہمیت ہے؟ اِس کے ذریعے آپ کون کون سی دینی گورنمنٹ ملازمتیں حاصل کر کے اپنا مستقبل بنا سکتے ہیں... لیکن اِس سے پہلے یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اگر آپ الشھادۃ العالمیہ پاس ہیں تو پہلی فرصت میں ہائر ایجوکیشن کمیشن سے "ایم اے مساوی سرٹیفکیٹ" لازمی حاصل کر لیں اور اِسے ہائر ایجوکیشن کمیشن سے ویریفائیڈ بھی کروالیں۔

)ایکوییلینس سرٹیفکیٹ کیلئے تنظیم المدارس بورڈ سے رابطہ کریں وہ سارا

پروسس بتا دیں گے، ویریفکیشن کا مرحلہ اس کے بعد آتا ہے اس کے لئے پہلے HEC سے اپائنمنٹ لینی ہو گی(

موجودہ دور میں "الشھادۃ العالمیہ" کے ذریعے آپ درج ذیل دینی گورنمنٹ ملازمتیں حاصل کر سکتے ہیں...

(1)امام

(2)خطیب

(3)جونئیر قاری ٹیچر

(4)جونئیر عربی ٹیچر

(5) سینئر جنرل لائن ٹیچر

(6)صدر معلم / ماہر مضمون

(7)عربی لیکچرار

(8)اسلامیات لیکچرار

(9)مفتی

(10)قاضی

امام وخطیب

تمام سرکاری مساجد میں آپ امام وخطیب لگ سکتے ہیں، خطیب کیلئے الشھادۃ العالمیہ شرط ہے لیکن امام کیلئے اس کے ساتھ کسی منظور شدہ بورڈ کی قراءت کی

سند کا ہونا بھی ضروری ہے

جونیئر قاری ٹیچر

نئی پالیسی کے مطابق جونیئر قاری ٹیچر کی کوالیفکیشن الشھادۃ العالمیہ یابی.اے سیکنڈ ڈویژن ہے اور پروفیشنل کوالیفکیشن کسی بھی منظور شدہ بورڈ سے قراءت کی سند ہے

(تنظیم المدارس اہلسنت لاہور سے قراءت کی سند حاصل کی جاسکتی ہے)

جونیئر عربی ٹیچر

نئی پالیسی کے مطابق عربی ٹیچر صِرف الشھادۃ العالمیہ سیکینڈ ڈویژن ہی تعینات ہو سکتا ہے البتہ پروفیشنل کولیفکیشن عربی ٹیچر ٹریننگ کورس (ATTC) کا ہونا بھی ضروری ہے

(اگر آپ عربی ٹیچر تعینات ہونا چاہتے ہیں تو الشھادۃ العالمیہ کی بناء پر آپ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ٦ ماہ کا ATTC کر لیں، کوئی مشکل نہیں ہے، کورس میں سب اردو، عربی کتابیں ہے۔ صرف ۴۰ دن سیکنڈ ٹائم مختصر دورانیے کی کلاسیں ہوتیں ہیں)

سینئر جنرل لائن ٹیچر / صدر معلم / ماہر مضمون

اگر آپ جونیئر عربی یا قاری ٹیچر تعینات ہیں تو آپ کے لئے خوشخبری ہے کہ نئی پالیسی کے مطابق اب آپ تحتِ سینیارٹی سینئر جنرل لائن ترقیاب ہو سکتے ہیں

لیکن اِس کیلئے بی. ایڈ ہونا ضروری ہے اور بی. ایڈ عربی آپ الشھادۃ العالیہ کی بیس پر اوپن یونیورسٹی سے کر سکتے ہیں اور ساتھ ایم. ایڈ بھی کر لیں گے تو صدر معلم اور ماہر مضمون بھی تعینات ہو سکیں گے۔۔۔

عربی واسلامیات لیکچرار

الشھادۃ العالمیہ چونکہ ایم اے عربی واسلامیات کے مساوی ڈگری ہے لہذا اِس کی بناء پر آپ پبلک سروس کمیشن کے تحت عربی یا اسلامیات کے لیکچرر برتی ہوسکتے ہیں۔

مفتی اور قاضی

جی ہاں آپ الشھادۃ العالمیہ کی بناء پر تحصیل قاضی یا تحصیل مفتی بھی تعینات ہوسکتے ہیں البتہ اِس کیلئے آپ کو کسی بھی منظور شدہ یونیورسٹی سے B.A لیول کے چار مضامین (اردو اے.بی ، مطالعہ پاکستان، تاریخ پاکستان ، تاریخ اسلام) پاس کرنے ہوں گے۔

)الشھادۃ العالمیہ کی سند کی کاپی لگا کر بی. اے کا داخلہ بھیج دیں چار مضامین کا ہی آپ سے امتحان لیا جائے گا، سپلی اس میں نہیں ہوتی، ایک کتاب بھی فیل ہوئی، امتحان دوبارہ دینا ہو گا(

امام خطیب کیلئے متعلقہ حکومتی ادارے ہی ٹیسٹ انٹرویو لیتے ہیں اور عام طور پر اس فیلڈ میں سفارشی لوگ ہی بھرتی کئے جاتے ہیں جبکہ عربی قاری ٹیچر کی

تعیناتی باقاعدہ NTS کے ذریعے تقریبا میرٹ پر ہی عمل میں لائی جاتی ہے، اور اِسی طرح لیکچرار، مفتی، قاضی کی تعیناتی بھی باقاعدہ PSC کے ذریعے تقریبا میرٹ پر ہی عمل لائی جاتی ہے۔

الشھادۃ العالیہ کی بناء پر آپ کسی بھی یونیورسٹی سے عربی یا اسلامیات میں ایم فل بھی کر سکتے ہیں۔ اور ایم فل الشھادۃ العالمیہ والوں کیلئے بنسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ آسان ہے۔ اِس میں بعض وہ کتابیں بھی پڑھائی جاتیں ہیں جو آپ نے درجہ ثانیہ اور ثالثہ میں پڑھی ہیں۔ البتہ مقالہ لکھنا محنت طلب ضرور ہے لیکن آپ کیلئے پھر بھی قدرے آسان ہے کیونکہ اسلامیات میں وہ لوگ بھی ایم فل کر رہے ہیں جو عربی کے حروف ابجد سے بھی جاہل ہوتے ہیں۔

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

اس پر فتن دور میں ایک استاد کو علم تقسیم کرنے کے لئیے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بے ادبی یا ناراضگی سے تعبیر کرنے سے پرہیز کرنی چاہیے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

اگرچہ اجارہ کے قواعد کے مطابق اساتذہ فقط اس وقت کے پابند ہیں جس وقت کا اجارہ ہوا ہے، لیکن اکابرین کی سوانح اور سیرت رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو مد نظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کی اخلاقا اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے طلباء کے علمی خلجان کو ہر وقت اور ممکنہ صورت میں دور کرنے کی کوشش کریں، معلمین ومعلمات خیر خواہی کے جذبہ کے تحت ہر وقت آن ڈیوٹی رہیں، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم بصورت وعظ ونصیحت صبح دوپہر شام اور رات کے پچھلے پہر بھی اہلبیت واصحاب کو دین پڑھاتے اور سمجھاتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب العلم حدیث ۱۱۵، بخاری مواقیت الصلوۃ حدیث ۶۰۰، جامع ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ حدیث ۲۴۵۷ سے واضح ہے.

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

طلباء کرام و طالبات کو مرحبا کہنا، تکریم کرنا، اساتذہ و منتظمین کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ دلجمعی اور عزت و آبرو کے ساتھ دین الہی کو حاصل کر سکیں، ان کا حوصلہ بلند ہو اور استاد و شاگرد کے درمیان رعب و دبدبہ کی خلیج کم سے کم تر ہو سکے، اساتذہ و منتظمین جب طلباء و طالبات سے ہم کلام ہوں تو ادب و احترامِ مسلم کا دامن ہاتھ سے ہرگز نہ چھوڑیں، بعض مدرسین و مدرسات بد تمیزی پہ اتر آتے ہیں ان کو تو تکار کرتے اور گالیاں بکتے ہوئے شرم کرنی چاہیے

* امام اسماعیل فرماتے ہیں کہ ہم سیدنا حسن بصری کے پاس ان کی عیادت کے لیے گئے یہاں تک کہ ہم سے گھر بھر گیا، انہوں نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے پھر کہا: ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کے لیے گئے یہاں تک کہ ہم سے گھر بھر گیا، تو انہوں نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے، اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، یہاں تک کہ ہم سے گھر بھر گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے، جب آپ نے ہمیں دیکھا تو اپنے پاؤں سمیٹ لیے پھر فرمایا:

"إِنَّهُ سَيَأْتِيكُمْ أَقْوَامٌ مِنْ بَعْدِي يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ، فَرَحِّبُوا بِهِمْ، وَحَيُّوهُمْ، وَعَلِّمُوهُمْ"

عنقریب میرے بعد کچھ لوگ طلب علم کے لیے آئیں گے، تو تم انہیں مرحبا کہنا، مبارکباد پیش کرنا، اور انہیں علم دین سکھانا۔ پھر حسن بصری کہتے ہیں: قسم

اللہ کی (طلب علم میں) ہمارا بہت سے ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا کہ انہوں نے نہ تو ہمیں مرحبا کہا، نہ ہمیں مبارکباد دی، اور نہ ہی ہمیں علم دین سکھایا، اس پر مزید یہ کہ جب ہم ان کے پاس جاتے تو وہ ہمارے ساتھ بری طرح پیش آتے۔ * ابن ماجہ ۲۴۸

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

پڑھانے اور اپنے آپ کو استاذ کہلوانے میں جو نشہ ہے وہ بادشاہی میں ہو تو ہو ورنہ دنیا کا ہر مزا اس کے سامنے ہیچ ہے

مشتاق احمد یوسفی

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

نالائق بچوں کو (بھی) پسند کریں تاکہ آپ کی قابلیت ظاہر ہو۔

دریچے، واصف علی واصف

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

دو مثالیں

1: چند دن پہلے ایک بزرگ عالمِ دین عمرہ شریف کرنے گئے ہیں۔

میں نے انھیں دیکھا کہ تقریباً ایک ماہ تک دن رات ایسی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے جو مکہ، مدینہ شریف اور عمرے وغیرہ کے احکام پر تھیں۔

یہ نہیں کہ وہ پہلی بار عمرے پر گئے ہیں، انھیں بنیادی معلومات کی ضرورت تھی؛ بلکہ پہلے بھی کئی دفعہ حج، عمرے ادا کر چکے ہیں اور انھوں نے احکامِ حج و عمرہ پر کتاب بھی لکھی ہے۔

اب نئے سِرے سے بیسیوں کتابیں اور ابواب پڑھنا صرف محبت علم و تحقیق ہے۔

2: میں گجرات سے لاہور جانے والی گاڑی پر سوار ہوا تو میرے ساتھ والی

سیٹ پر ایک نوجوان عالم بیٹھے تھے۔

علیک سلیک کے بعد انھوں نے بتایا:

میں فقہ میں تخصص کر رہا ہوں۔

اس مختصر سے تعارف کے بعد وہ موبائل پر گیم کھیلنے میں مشغول ہو گئے اور اڑھائی تین گھنٹے کا سفر پورے انہماک سے گیم کھیلتے گزار دیا۔

اللہ کرے ہمارے نوجوان علما اپنے ذوقِ موبائل کو ذوقِ مطالعہ میں تبدیل کر دیں ، اور اگر موبائل استعمال بھی کریں تو ذوقِ علم کی آبیاری کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!

لقمان شاہد

18/1/2019ء

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

اچھا استاذ صرف جواب نہیں دیتا بلکہ طلباء میں سوال کھوجنے کی صلاحیت اور (دائرہ ادب میں رہتے ہوئے) پوچھنے کی جرات بھی پیدا کرتا ہے

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

اگر آپ استاد ہیں

........نہایت اعلی تحریر.........

پڑھائے گا وہی جسے پڑھانا آتا ہے..........

ہر قابل شخص قابل استاد نہیں بن سکتا.........

اگر آپ "زبان (لینگویج)" پڑھاتے ہیں اس کے باوجود آپ کا شاگرد بد زبان اور بد گو ہے تو آپ کو زبان پڑھانے کے بجائے زبان "سکھانے" کی فکر کرنی چاہیے...........

آپ نے بچے کو ریاضی کا ہر سوال حل کرنے میں ماہر بنا دیا لیکن اگر وہ اپنی

زندگی کے معمولی مسائل تک حل نہیں کر سکتا تو پھر آپ کو سوچنا چاہیے کہ آپ نے ریاضی تو اس کے لیے آسان کر دی ہے لیکن زندگی مشکل کر گئے ہیں..........

میرا ٹیچنگ میں جتنا بھی تجربہ ہے میں نے یہ سیکھا ہے کہ بچہ کتاب سے کچھ بھی نہیں سیکھتا.........

کتاب تو ایک بے جان چیز ہے وہ بھی نصاب کی کتاب..........

.... سکھاتا تو استاد ہے.......

آپ قرآن کی مثال لے لیں بھلا اس سے زیادہ اور کوئی کتاب کیا پُر اثر کتاب ہو گی؟؟؟؟؟

لیکن ہمارے لیے.........

"رول ماڈل"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہے.

تب ہی قرآن کی آیات ہم پر اثر انداز ہوتی ہیں..........

آپ بچے کو جو کچھ سکھانا چاہتے ہیں وہ بن کر دکھا دیں بچہ خود سب کچھ سیکھ لے گا..........

یاد رکھیں اگر استاد کی زندگی میں کوئی مقصد نہیں ہے تو وہ طلبہ کو کوئی مقصدیت نہیں دے سکتا___________

اگر استاد کی اپنی زندگی ہی بے معنی و بے مقصد ہو تو بھلا وہ اپنے طلبہ کی نیا پار لگانے میں کب کامیاب ہو سکے گا؟؟؟؟؟

سب سے اہم مسئلہ سننے اور سنانے کا ہے..........

اساتذہ کے اندر سنانے کی لگن ہوتی ہے.........

وہ کھری کھری بھی سناتے ہیں اور بعض دفعہ اتنا سناتے ہیں کہ بھری کلاس میں بچے کی "عزت نفس" تک مجروح ہو جائے............

لیکن سننے کی تڑپ اور جستجو ان میں نہیں ہوتی ہے_________

بلکہ وہ بچوں کی سنتے بھی سنانے کے ہی لیے ہیں..........

جو اساتذہ بچوں کو سمجھنے کے لیے سنتے ہیں کانوں سے نہیں بلکہ دل کے کانوں سے سنتے ہیں...........

..........اور وہ بچوں کے دل میں اتر جاتے ہیں.........

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے آپ کا احترام کریں "تکلف" کے لیے نہیں دل سے اٹھ کر آپ کا استقبال کریں تو پھر آپ کو انھیں دل سے سننا پڑے گا...........

بچوں کے لیے عام طور پر وہ مضمون خود بخود دلچسپ بن جاتا ہے جس مضمون کا استاد ان کے لیے دلچسپ بن جاتا ہے...........

آپ کی ٹیچنگ کی انتہا اور معراج یہ ہے کہ بچے "فری پیریڈ" میں آپ کو خود

بلانے آجائیں اور جب آپ کلاس سے جانے لگیں تو ان کو تشنگی محسوس ہو......

آپ جیسے ہوتے ہیں ویسی ہی "شعاعیں" آپ میں سے نکلنے لگتی ہیں سورج کو بتانا نہیں پڑتا ہے کہ میں نکل گیا ہوں صبح ہو گئی ہے..........

پھول اعلان نہیں کرتا ہے کہ میں کھل گیا ہوں اس کی خوشبو پورے باغ کو بتا دیتی ہے کہ کوئی پھول آج کھل گیا ہے.........

-------بالکل اسی طرح اگر آپ واقعی قابل استاد ہیں تو پھر طلبہ کو آپ میں سے وہ شعاعیں ہر لمحہ پھوٹتی محسوس ہونے لگیں گی--------

________اگر آپ استاد نہیں ہیں اور حادثاتی طور پر ٹیچنگ میں آ گئے ہیں تو کوشش کریں کہ اس کو اپنا شوق بھی بنا لیں__________

■غالب فرماتے ہیں کہ■

"بندہ کام سے تھک جاتا ہے محبت سے نہیں تھکتا۔"

اس لیے کام سے محبت کر لیں..........

اس کے بے شمار فوائد ہیں........

سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آپ کو " اطمینان قلب " نصیب ہو جائے گا..........

یہ خدا کی وہ نعمت ہے جو دنیا میں کسی کسی کو ہی ملتی ہے_________

دوسرا آپ کی سیکھنے کی لگن بڑھ جائے گی........

سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ آپ کو اتنی عزت دے گا کہ شاید آپ نے سوچا بھی نہ ہو.........

استاد کو سب سے بڑا فائدہ جو اللہ دیتا ہے وہ یہ کہ اس کے رزق میں برکت ہو جاتی ہے........

آپ استاد ہیں تو پھر لوگوں کے دل اور خدا کی رضا دونوں آپ کے منتظر ہیں... رب راکھا

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

داتا صاحب رحمہ اللہ تعالی سے ایک بزرگ نے بچپن میں کہا

کوئی ایسی کتاب لکھ جانا جو لوگو میں یادر کھی جائے

یا کوئی ایسا کام کر جانا کہ کتابوں میں یادر کھے جاو

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

✧✧✧✧✧

کیا آپ نے پانچویں سیڑھی پر قدم رکھ دیا؟

اگر ہاں تو کس مقصد کی خاطر؟

(نجم السحر)

ماہر نفسیات کے مطابق ہمیں ہماری ضروریات ہمیں کوئی نا کوئی کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔
میزلوب کے مطابق ہماری ضروریات کی پانچ سیڑھیاں ہے۔

پہلی سیڑھی (بیالوجیکل)
اس میں ہمارا بنیادی ضروریات آتی ہے جسے کھانا پینا سونا جاگنا خود کو تکلیف سے بچانا سانس لینا وغیرہ وغیرہ

دوسری سیڑھی(تحفظ)
جب ہماری بنیادی ضروریات پوری ہو رہی ہو تو ہمیں تحفظ چاہیے ہوتا ہے ہمیں مارے جانے کے خوف سے نکلنا ہوتا ہے

تیسری سیڑھی (دوستی)
جب ہمیں تحفظ مل رہا ہو تو ہم دوست بنانا چاہتے ہے پیار کرنا چاہتے ہے

چوتھی سیڑھی (سلف ایسٹیم)
جب تینوں سیڑھیاں پوری ہو رہی ہوتی ہے تو ہمیں عزت چاہیے ہوتی ہیں زندگی کے مقابلہ میں شامل ہونا ہوتا ہے ایک عام انسان یہاں تک آجاتا ہے

پانچوں سیڑھی (سیلف ایکٹلولیزٹین)
اس پانچوں سیڑھی پر کم لوگ آتے ہیں ان لوگوں کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور یہ لوگ اس مقصد کو پورا کرتے ہیں اور ان میں اپنے خوابوں کو پورا جزبہ بہت ذیادہ ہوتا ہے جسے ڈاکٹر انجینر سائنسدان وغیرہ

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

ایک طرف علم دین اور ایک طرف بیٹے کا جنازہ

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی کے بیٹے کا جب انتقال ہو گیا تو آپ نے ایک شخص کو اسے دفن کرنے کی ذمے داری سونپ دی اور خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی مجلس میں علم سیکھنے چلے گئے اور کہنے لگے کہ کہیں میرا آج کا سبق نہ چھوٹ جائے!

)المستطرف فی کل فن مستطرف، ج۱، ص۷٦(

زبان سے اظہار کرنے والے تو کافی ملیں گے لیکن اصل میں اسے کہتے ہیں علم دین حاصل کرنے کا جزبہ!

اے کاش کہ ہمارے نوجوانوں کے اندر بھی ایسا جزبہ پیدا ہو جائے-

عبد مصطفی

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

اطلبوا العلم من المهد الی اللحد کی عملی تفسیر۔۔

یہ ۷۳ سالہ بزرگ درس نظامی کے درجہ اولی (عامہ سال اول) کا امتحان دیتے ہوئے۔۔۔۔۔۔ماشاء اللہ۔۔۔۔

اللہ تعالی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل انکی سعی کو مشکور فرمائے۔۔دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ لاہور میں دعوت اسلامی کے جامعہ المدینہ کے درجہ اولی میں اپنے بیٹے سے پڑھ رہے ہیں بیٹا مدرس و استاد ہے اور یہ اپنے بیٹے کے شاگرد ہیں۔۔۔ ۔۔۔اللہ عزوجل ایسا شوق علم ہم سب کو بھی عطا فرمائے۔۔۔۔ حقیقت ہے سیکھنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔۔۔بارک اللہ فیھم

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

من حفظ المتون حاز الفنون

متون چاہے فقہی ہوں یا عقدی انکے حفظ کے بغیر علم میں مہارت پیدا ہونا مشکل امر ہے۔

متون کو حفظ کروانے کا رواج پوری دنیا کے مدارس دینیہ میں رائج ہے۔

یہ ترکی کے مدارس دینیہ میں مروج متون کی جیبی سائیز طباعت ہے جو چھوٹی سائیز کی وجہ سے پڑھنا، ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا آسان ہے۔

ترکی کے مدارس دینیہ کے دورے کے وقت ۲۰۱۶ میں بطور ہدیہ ملیں، ساتھ لائی گئیں تاکہ من باب الترغیب اپنے طلبہ کو دکھائی جا سکیں۔

بدء الأمالي

تأليف

الشيخ علي بن عثمان بن محمد الأوشي الفرغاني الحنفي

المتوفى سنة ۰۰۰۰ھ

سمیٰ ہاشم

[اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے]

درس نظامی کا مقصد

مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

" درس نظامی "کا مقصود ہے: طلباء کو ان کتب کی تعلیم دینا جن کے ذریعے متعلقہ علم و فن کی استعداد اور ملکہ، ان کے اندر پیدا ہو جائے اور پھر وہ اپنے طور پر باقی کتب کا مطالعہ کرکے، انھیں سمجھ سکیں.

علامہ یسن اختر مصباحی صاحب سے اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں.

اس مقصود کی تحصیل میں " درس نظامی "کامیاب تھا- اور اب بھی ہے. اور اگر طالب علم، اپنی غفلت و کوتاہی سے دیگر کتابوں کا مطالعہ نہ کرے تو یہ اس کا نجی اور ذاتی قصور ہے- جس سے " درس نظامی "کا دامن پاک ہے.

(کتاب: ممتاز علمائے فرنگی محل لکھنو، از علامہ یس اختر مصباحی صاحب. صفحہ ۲۵ ناشر اکبر بک سیلرز لاہور)

محمد شعیب خان

اس تحریر پر تبصرے اور سوال جواب کے لیے یہاں کلک کیجیے

درسی پہیلیوں کے جوابات

درسی پہیلی ۱ کا جواب

جیسے قرآن پاک میں ہے: لا تقل لہما اف۔۔۔ کہ کہ والدین کو اف تک نہ کہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف اف کہنا منع ہے اور مارنا جائز ہو گیا کیونکہ مارنے کی نفی قرآن میں نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ چھوٹے ضرور (اف) کی ممانعت سے بڑے ضرر (مارنا وغیرہ) کی ممانعت بھی ثابت ہو گی۔

جب موبائل سے منع کیا گیا ہے تو ٹیبلیٹ اور لیپ ٹاپ وغیرہ سے بدرجہ اولی ممانعت ثابت ہو گی۔

درسی پہیلی ۲ کا جواب

عرف میں برتن عورت دھوتی ہے عرف کا اعتبار کرتے ہیں یہی فیصلہ ہو گا کہ برتن بیوی دھو رہی تھی

ہر جگہ عرف کے مطابق فاعل کا تعین ہو گا۔

ہمارے عرف میں برتن بیوی دھوتی ہے تو وہی فاعل ہو گی۔

البتہ کسی قرینے کی بنیاد پر شوہر بھی فاعل ہو سکتا ہے۔

درسی پہیلی ۳ کا جواب

معارضہ بالمثل۔ ۱ - مناظرہ جس میں دلیلیں متحد ہوں صرف صورت میں اور مادہ کا اختلاف ہو مثلاً دونوں دلیلیں ضروب اول شکل اول سے ہوں۔

تفصیل کے لیے دیکھیں مناظرہ رشیدیہ وغیرہ۔

درسی پہیلی ۴ کا جواب

صرف أجملُ کے ضمہ کو فتحہ سے بدل کر أجملَ کرنے سے یہ منادیٰ منصوب ہو جائے گا جس کا حرفِ نداء محذوف ہو گا۔ تقدیری عبارت یہ ہو گی:

في البيت-يا أجملَ امرأة- أختي.

ترجمہ:-گھر میں سب سے خوب صورت عورت میری بہن ہے۔

یہ وہ صورت ہے جو بیوی کی ناراضی کا سبب ہے۔

تھوڑی تبدیلی یوں کریں:

في البيتِ أجملَ إمرأةٍ أختي

ترجمہ:-اے سب سے خوب صورت عورت! گھر میں میری بہن ہے۔

اس صورت میں خوب صورتی بیوی کے لیے ثابت ہے۔

درسی پہیلی ۵ کا جواب

ابن

اس لئے کا ضمیر کا مرجع قریب ہوتا ہے اور وہ قریب ہے-البتہ کسی قرینے کے اعتبار سے ضمیر کا مرجع بعید بھی ہو سکتا ہے۔ مثلا آیت مبارکہ "لتومنوا بالله ورسوله وتعزروه وتوقروه تسبحوه بكرة واصيلا "، میں تسبحوہ کی ضمیر کا مرجع بعید ہے۔

درسی پہیلی ٦ کا جواب

الْإِفْرَاجُ عَنْهُ مُسْتَحِيلٌ يُنْقَلُ إِلَى السِّجْنِ وَيُعْدَمُ

مجرم نے عنہ کے بعد نقطہ (فل اسٹاپ) لگا دیا تھا۔ جس سے عبارت کا ترجمہ یوں ہو گیا:

اسے چھوڑ دیا جائے۔ اسے جیل بھیجنا اور ختم کرنا ممکن نہیں۔

درسی پہیلی ۷ کا جواب

لقد	ضاع	شعری	علی	بابکم
کما	ضاع	عقد	علی	خالصه

شاعر نے دونوں مصرعوں سے "ضاع" کے ع کا نچلا حصہ مٹا دیا تھا۔ جس سے ع، ء بن گیا، اور ضاع، ضاء ہو گیا۔ ضاء کا معنی ہے روشن ہونا۔

اب شعر کا ترجمہ یوں ہو گیا:

اے خلیفہ آپ کے در پر میرے اشعار ایسے روشن ہو گئے جیسے وہ ہار خالصہ (لونڈی) پر روشن ہو گیا۔

درسی پہیلی ۸ کا جواب

وکیل کی دلیل درست نہیں۔

قاعدہ ہے کہ چھوٹے ضرر کی نہی بڑے ضرر کی نہی کو شامل ہوتی ہے۔۔

جیسے قرآن پاک میں ہے: لا تقل لھما اف۔۔۔ کہ کہ والدین کو اف تک نہ

کہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف اف کہنا منع ہے اور مارنا جائز ہو گیا کیونکہ مارنے کی نفی قرآن میں نہیں، ایسا ہر گز نہیں۔ بلکہ چھوڑے ضرور (اف) کی ممانعت سے بڑے ضرر (مارناوغیرہ) کی ممانعت بھی ثابت ہو گی۔

یونہی دو سواریوں کی ممانعت کا حکم تین سواریوں پر بھی نافذ ہو گا۔

درسی پہیلی ۹ کا جواب

اَمس اور غد

فرض کر لیں آج جمعہ ہے۔

تو اَمس سے مراد گزشتہ جمعرات ہو گی کیونکہ یہ معرفہ ہے جبکہ الأمس سے مراد گزشتہ کوئی بھی دن ہو سکتا ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے۔

اسی طرح ہمارے مفروض کی روشنی میں غد سے مراد آنے والا کلہ یعنی ہفتے کا دن ہو گا کیونکہ یہ معرفہ ہے۔ اور الغد سے مراد آنے والا کوئی سا دن بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے۔

درسی پہیلی ۱۰ کا جواب

ودیک، سمین کے معنی میں ہے یعنی موٹا۔تو أَكَلْتُ دِيْكاً وَدِيْكاً

کا مطلب ہوا میں نے موٹا مرغ کھایا۔

اس پہیلی میں دو طرح سے ابہام تھا۔ ایک تو ودیکا کی واو پر واو عاطفہ کا شبہ ہو رہا تھا۔ دوسرا پہیلی کے ساتھ دو مرغ کی تصویر لگا کر اس شبے کو تقویت دینے کی

کوشش کی گئی تھی۔

درسی پہیلی ۱۱ کا جواب

اَن، حروف مشبہ بالفعل نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہاں اِن ہونا چاہیے تھا، اَن جملے کے شروع میں نہیں آتا۔

اَن فعل ہے جس کا معنٰی ہے رونا، اصل میں یہ اَنَن تھا، مَدَ دَ کی طرح۔

زید اس فعل کا فاعل ہو گیا۔

کبیر میں کاف حرف جر ہے۔

بیر، اصل میں بئر تھا جس کا معنٰی ہے کنواں ماقبل حرکت کی وجہ سے ی سے تبدیل ہو گیا۔

لہذا جملے کا ترجمہ ہوا زید کنویں کی طرح رویا۔ کنویں کی طرح رونے میں مبالغہ ہے یعنی اتنے آنسو بہائے جتنا کہ کنویں میں پانی ہوتا ہے۔

درسی پہیلی ۱۲ کا جواب

بارہویں پہیلی کا جواب یہ ہے کہ دونوں جملے درست ہیں:

فی الکوبِ ماءٌ تو ظاہر ہے، فی حرف جر، الکوبِ مجرور، ترجمہ ہو گا گلاس میں پانی ہے۔

دوسرے جملے میں فی پر حرف جر کا شبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے الکوبَ اور ماءً پر نصب غلط سجھائی دیتا ہے۔ لیکن یہاں فی حرفِ جر نہیں بلکہ وفی یفی سے فعل امر

واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے۔ معنی ہے مکمل بھر دینا۔

الکوبَ اور ماءً دونوں مفعول بن جائیں گے۔

توفی الکوبَ ماءً کا ترجمہ ہوگا (اے لڑکی) اس گلاس کو پانی سے بھر دو۔

درسی پہیلی ۱۳ کا جواب

مَنْ مَنَّ مِنْ مَنٍّ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ

جس نے (کسی پر) تھوڑا سا بھی احسان کیا اللہ تعالیٰ اس پر احسان فرمائے گا۔

پہلا موصول، دوسرا فعل، تیسرا حرف جر، چوتھا مصدر اور پانچواں بھی فعل۔

درسی پہیلی ۱۴ کا جواب

قِیْلَ اَنَّ قَتْلَ فِیْلٍ قَبْلَ فِیْلٍ قَلِیْلٌ

کہا گیا کہ ہاتھی کا قتل عام الفیل سے پہلے کم تھا۔

درسی پہیلی ۱۵ کا جواب

الثانی، کما فی قوله تعالىٰ : إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا۔

وأما الأول فيتوعد بالقتل۔